فتاوی علماء ہند

جلد-۲۴

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ
ممبائی۔الھند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۲۴)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	ستمبر 2019ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ و ڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی

طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے

وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب النکاح

بسم الله الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾

(سورۃ الروم:21)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

"لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، وَمَا كَانَ مِنْ نِكَاحٍ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بَاطِلٌ، فَإِنْ تَشَاجَرُوا، فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ".

(صحیح ابن حبان،ذکر نفی إجازة النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ،رقم الحدیث:4075)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ".

(سنن الترمذی،باب ماجاء فی إعلان النکاح،رقم الحدیث:1089،انیس)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:

"إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً".

(مسند الإمام أحمد،رقم الحدیث:24529)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۲۴)

نکاح کے گواہان (۳۵-۱۶۰)

اعلان نکاح کے احکام (۱۶۱۔ ۱۸۴)

اندراج نکاح کے احکام (۱۸۵-۱۹۸)

ایجاب وقبول میں نام، یا ولدیت کی غلطی (۲۲۵-۲۷۲)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

مجلس نکاح اور رسوم ورواج (۲۷۳-۳۵۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

خطبۂ نکاح، نکاح خواہ اور اجرت نکاح (۴۵۶-۳۵۹)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

صفحات	عناوین	نمبر شمار

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۵۴)	دیوبندی کا نکاح بدعتی نے پڑھا دیا تو کیا حکم ہے	۴۱۳

نمبر شمار	عناوین	صفحات

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الشکر

نحمدہ و نصلي علی رسولہ الکریم اما بعد

نکاح کا اوّلین مقصد مرد اور عورت کے اخلاق کی حفاظت اور پورے معاشرے کو بگاڑ و فساد سے بچانا ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ’’نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی ذمّے داریوں کو ادا کر سکتا ہو اُسے شادی کر لینی چاہیے، اس سے نگاہ قابو میں آجاتی ہے اور آدمی پاک دامن ہو جاتا ہے۔ ہاں جو شخص نکاح کی ذمے داریوں کو ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے شہوانی جذبات کو کم کردے گا۔

غیر شادی شدہ آدمی ہر وقت شیطان کے نرغے میں رہتا ہے۔ جوانی کا فطری تقاضا، خیالات اور جذبات کو غلط راہوں پر ڈال سکتا ہے۔ خصوصاً بے حیائی کے اِس ماحول میں، جب کہ جذبات کو بہکانے اور بھڑکانے کا سامان ہر طرف موجود ہے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو زیادہ عرصے تک ازدواجی زندگی سے محروم رکھنے سے معاشرے میں بڑی گھناؤنی اخلاقی بیماریاں نشوونما پاتی ہیں۔

عزیزی مفتی محمد اسامہ سلمہ نے مطلع فرمایا کہ علماء کرام ومفتیان عظام کی انتھک کاوشوں کے نتیجے میں فتاویٰ علماء ہند کی چوبیسویں جلد تیار ہوگی ہے۔ اس جلد میں نکاح کے گواہان، اعلان نکاح کے احکام، اندراج نکاح الفاظ نکاح ایجاب وقبول میں نام یا ولدیت کی غلطی، مجلس نکاح اور رسوم ورواج کے احکام مفصل طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

یہ عاجز بندہ اس عظیم مجموعہ کی طباعت ونشر واشاعت کی توفیق پر اپنے کریم مولا کا شکر گزار ہے۔ یہ سنت الٰہی ہیکہ اگلے کام کی توفیق پچھلے کام کی قبولیت سے ملتی ہے۔ الحمدللہ سابقہ جلدیں ملک وبیرون ملک کے علمی حلقوں میں خوب مقبول ہورہی ہیں، اور ہر طرف سے اسکی افادیت کے پیش نظر ہمت افزائی کے دعائیہ کلمات اور مفید مشورے موصول ہورہے ہیں۔

مجھے بیحد مسرت ہورہی ہے کہ موسوعہ فتاویٰ علماء ہند کی یہ عظیم علمی وفقہی خدمت عزیزم مفتی محمد اسامہ ندوی سلمہ کی نگرانی اور محب و محترم مولانا انیس الرحمن قاسمی صاحب کی سرپرستی میں علماء کرام ومفتیان عظام کی ایک عظیم جماعت سرانجام دے رہی ہے جس میں بفضلہ تعالیٰ منظمۃ السلام العالمیہ مالی تعاون فراہم کررہا ہے جس کے نتیجے میں یہ عظیم الشان علمی وفقہی سرمایہ پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔

درحقیقت اس علمی کتاب کے منصۂ شہود پر آنے میں بندہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ مالک حقیقی جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اپنے کسی بندے پر اپنے ارادے کا اظہار کردیتا ہے اس لیے کہ مخلوق سے جو کچھ بھی صادر ہوتا ہے وہ خالق کائنات کے ارادے کا ظہور ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف وکرم سے اسے شرف قبولیت بخشے اور خصوصا علماء کرام ومفتیان عظام کے لئے اسے نافع بنائے اور بندہ ناچیز کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

بندہ شمیم احمد (انجینئر) نقشبندی مجددی

ناشر فتاویٰ علماء ہند، خادم منظمۃ السلام العالمیہ

ممبئی الھند

۲/صفر المظفر ۱۴۴۲ھ

تاثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد:

اللہ سبحانہ وتعالی کا فضل جس پر ہو جائے اسے اپنے دین کے کام کے لیے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمالیتا ہے اور اسی ذات کا نظر کرم ہے جسے چاہے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خدمت پر مامور فرمادے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں امت کی دینی رہنمائی ایک اہم فریضہ ہے اور اسی مفہوم کو فتاوی نویسی سے تعبیر کیا جاتا جو جو بلاشبہ ایک اہم اور عظیم ذمہ داری ہے جس کا بیڑا امت کے سرخیل علماء نے صدیوں سے اٹھا رکھا ہے اور بفضلہٖ تعالی جن کا کام محفوظ و مرتب اور ہر زمانے میں قابل التفات و مالا یستغنی عنہ ہے۔ ان بزرگان دین کی محنتوں کو یکجا جمع کرنا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو گذشتہ دوسوسال کے اکابر علماء کے فتاوی پر مشتمل ہے جس کا بیڑا اب ماشاء اللہ ''فتاوی علماء ہند'' کے نام سے مولانا اسامہ شمیم ندوی مدظلہ اور مفتی انیس الرحمٰن قاسمی مدظلہ اور جملہ احباب نے اٹھایا ہے جو تقریبا ساٹھ جلدوں اور لگ بھگ تیس ہزار صفحات پر مشتمل ہوگا ان شاء اللہ۔ بلا شک وشبہ یہ ایک عظیم شاہکار ہوگا اور فتاوی کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اپنے آپ میں ایک مکتبہ شاملہ ہوگا۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ان دونوں حضرات کو ہمت وتوفیق عطا فرمائے اور اپنے فضل سے اس کام کی تکمیل فرمائے اور اسے امت کے لیے نافع بنا کر اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

مولانا عبدالجمال بن محی الدین
مدیر مدرسۃ التحفیظ مفتاح العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منظمۃ السلام العالمیۃ کے زیر اہتمام طبع شدہ فتاوی علماء ہند کی تین جلدیں چہارم، پنجم، ششم موصول ہوگئی تھیں، لیکن میری آنکھ میں سفید موتیا اتر آنے کی وجہ سے استفادہ نہ کرسکا، عنوانات سے آپ حضرات کی محنت، تحقیق وتنقیح پھر اعلی معیار کی کتابت وطباعت کے اہتمام سے قلبی مسرت ہوئی، خدا کرے آنکھوں کے آپریشن کے بعد استفادے کی توفیق ہو۔

مستند اور مفتی نہ مسائل تکجا ہو جائیں تو امت کے لیے آپ کے ذریعہ عظیم علمی وفقہی انسائیکلو پیڈیا مہیا ہو جائے گی۔

دعا گو ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کے عزم کی بعافیت تکمیل فرمائیں وسائل مہیا فرمائیں اور موانع مرتفع فرمائیں۔ میری طرف سے ہدیہ تبریک وتہنیت قبول فرمایئے۔

والسلام

سید نجم الحسن تھانوی

ناظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون (شاملی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم وقابل احترام حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی دامت برکاتہم (رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون

عرض خدمت ایں کہ آں جناب کی جہد مسلسل کا نتیجہ بشکل ''فتاوی علماء ہند'' قابل مبارک باد اور لائق تحسین ہے۔ جو درحقیقت امت کی ایک ضرورت کی تکمیل اور مسائل فقہیہ کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، جس میں یکجا سارے فتاوی دستیاب ہیں۔ اس کتاب نے قاری کو دوسری کتب فقہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ فقہ وفتاویٰ سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا ہر شخص اس گلدستہ کو جو رنگ برنگ پھولوں سے مزین ہے اپنے کتب خانے کی زینت کے لیے جز ولا ینفک تصور کریگا۔

یہ کتاب علماء کے ساتھ ساتھ طلبا کے لیے بھی بہت کارآمد ہے، ہمارے جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ کے مکتبے میں بھی یہ مجموعہ موجود ہے جس سے مستفید ہو کر طلبہ اپنی علمی تشنگی سے سیرابی حاصل کر رہے ہیں۔

جامعہ میں گذشتہ ۲۰ سال سے معتمد شعبۂ افتا وتدریب الافتا قائم ہے۔ جس سے الحمد للہ اطراف واکناف کے لوگ فیضاب ہو رہے ہیں۔ شعبہ تدریب الافتا سے اب تک ۸۸ مفتیان کرام نے تخصص فی الفقہ مکمل کیا ہے۔ امسال بھی ۱۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ دار الافتا کا اپنا الگ کتب خانہ ہے جس میں فقہ وفتاویٰ کی مختلف کتابیں موجود ہیں۔

فتاویٰ علماء ہند جامعہ کے مکتبے میں تو موجود ہے لیکن دار الافتا میں نہ ہونے کے سبب شعبۂ افتا کے طلبہ کما حقہ اس سے استفادہ نہیں کر پا رہے ہیں؛ اگر دار الافتا میں بھی یہ مجموعہ موجود ہو تو طلبہ بآسانی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس لیے بصد احترام آں جناب کی خدمت اقدس میں گزارش ہے کہ آپ کا گراں قدر علمی تحفہ دار الافتا کے لیے بھی عنایت ہو جائے تو بڑی نوازش ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبول بخشے اور آپ کے لیے توشۂ آخرت بنائے، اور پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین!

از: (مفتی) شبیر احمد صاحب دیولوی

استاذ حدیث وفقہ وصدر جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ، گجرات

۱۷/ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی أشرف الأنبیاء و المرسلین محمد و علی آلہ و أصحابہ أجمعین

نکاح کو سادہ اور آسان رکھا گیا ہے اور اس میں تکلفات اور لوازمات کو ناپسند قرار دیا گیا ہے۔نکاح کا قیام مسجد میں کرنا اور رخصتی کے بعد ولیمہ کرنا یہ چیزیں شریعت سے ثابت ہیں، اس کے علاوہ جو رسوم اور تکلفات ہمارے ہاں اختیار کیے جاتے ہیں ان سے نکاح کی سنت مشکل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے خاندانوں میں شادیاں انہی رسومات کے پورا نہ کر سکنے کی وجہ سے متاخر ہو جاتی ہیں۔نکاح اور شادی میں رائج خرافات کا ایک دینی نقصان یہ ہے کہ ان سے بے حیائی، بداخلاقی اور بے پردگی عام ہو رہی ہے، نکاح ایک مقدس تقریب ہے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اسے ہر قسم کی خلافِ شرع باتوں سے پاک ہونا چاہیے۔

اللہ رب العزت کے لاکھوں انعامات و احسانات ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں محض اپنے لطف وکرم سے اس نا اہل سراپا جہل و نابلد کو فتاویٰ علمائے ہند کی چوبیسویں جلد کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔فتاویٰ علماء ہند کی اس جلد میں مندرجہ ذیل مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔

مجلس نکاح اور رسوم و رواج، اندراج نکاح کے احکام الفاظ نکاح کے احکام ایجاب وقبول میں نام یا ولدیت کی غلطی، اعلان نکاح کے احکام، نکاح کے گواہان، خطبہ نکاح، نکاح خواہ اور اجرت نکاح۔

سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بیان کردہ تمام احکامات و مسائل دلائل و شواہد کی روشنی میں ناظرین کی خدمت میں پیش ہو سکے۔

چنانچہ فتاویٰ کے سوال و جواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے، ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کے بعد اس علمی و فقہی مجموعے کو مزید توثیق و تائید کے لئے ملک و بیرون ملک کے مشاہیر مفتیان عظام کی نگاہوں سے گزارنے کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ یہ مجموعہ موثق ہو کر مؤید من اللہ ہو جائے۔

الحمد اللہ، اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم کے یہاں خوب مقبول ہو رہا ہے لیکن بہر صورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطا وثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہو سکے۔میں شکر گزار ہوں اپنے علماء و مفتیان کرام کا جنہوں نے بڑے ہی عرق ریزی کے ساتھ اس جلد کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا اسی طرح میں شکر گزار ہوں اپنے دوستوں اور بزرگوں کا جنہوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات و دعائیہ کلمات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دیں۔میں دعا گو ہوں میرے مولیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے نجات کا ذریعہ بنا دے۔آمین

بندہ مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

مشرف فتاویٰ علمائے ہند، رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی

۲۳ رصفر المظفر ۱۴۴۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیة

الحمد للّٰہ حمداً یوافی نعمه، والصلاة والسلام علی أشرف خلقه وخاتم رسله:

نکاح حرام کوحلال کرتا ہے؛اس لیے اس کے ارکان اور شرائط کو بوقت نکاح ملحوظ رکھنا نہایت ہی ضروری ہے، ورنہ بعض دفعہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے اور طویل عرصہ تک لڑکا لڑکی دونوں حرام کاری کرتے رہتے ہیں۔نکاح کے ارکان ایجاب وقبول ہیں؛یعنی پیغام دینے اور پیش کش کرنے کوایجاب کہتے ہیں،خواہ لڑکے کی طرف سے ہو، یالڑکی کی طرف سے اور دوسرے کی طرف سے منظور کر لینے کوقبول کہا جاتا ہے۔

ایجاب وقبول کی شرطوں میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول کی مجلس ایک ہو،مثلاً ایجاب جس مجلس میں ہوا،اسی مجلس میں قبول ہوجائے، ورنہ نکاح منعقد نہیں ہوگا،مثلاً اگرایجاب وقبول کی جگہ بدل جائے، یا کوئی ایک مجلس سے اٹھ جائے، پھر قبول کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ(الف) ایجاب وقبول کا تلفظ کیا گیا ہو،یعنی اگر ایجاب وقبول کرنے والا بولنے پر قادر ہے اور دونوں مجلس میں موجود ہیں تو ایجاب وقبول کی منظوری زبان سے دینا ضروری ہے،مثلاً ایجاب یوں کرے''میں نے آپ سے اتنے مہر کے عوض نکاح کیا''اور قبول یوں کرے''ہاں میں نے قبول کیا'' اگرایجاب وقبول کے الفاظ لکھ دیے جائیں، یاصرف سر کو ہلا دیا جائے، یا نکاح نامہ میں صرف دستخط کر دیے جائیں تو ان صورتوں میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔(ب) اگرنکاح کرنے والوں میں سے کوئی ایک مجلس میں موجود نہ ہو؛مگراس کی طرف سے اس کا ولی جس کواس نے نکاح کرانے کی اجازت دے رکھی ہو، یا وکیل جس کواس نے نکاح کرانے کا وکیل بنایا ہو،موجود ہوتو وہ خوداس کی طرف سے ایجاب یا قبول کرے،مثلا یوں ایجاب کرے''میں نے فلاں یافلانہ کا نکاح آپ سے اتنے مہر کے عوض کیا''اور قبول اس طرح کرے''ہاں میں نے فلاں یافلانہ کی طرف سے قبول کیا'' یا قاضی ولی اور وکیل کا ترجمان بن کراس کی موجودگی میں ایجاب کرے تو اس سے بھی نکاح منعقد ہوجائے گا۔(ج) اگرکوئی ولی یا وکیل بھی موجود نہ ہوتو اگر کسی ایک نے ایجاب کولکھ کربھیجا اور دوسرے نے جس مجلس میں اس کوایجاب کی تحریر پہونچی اسی مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب کو پڑھ کر یا کسی سے پڑھوا کر زبان سے قبول کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

تیسری شرط: تیسری شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے صیغے ماضی، یا حال کے ہوں، مثلاً میں نے آپ سے نکاح کیا، یا نکاح کرتا ہوں کہے،اسی طرح میں نے قبول کیا، یا میں قبول کرتا ہوں، یا مجھے قبول ہے وغیرہ الفاظ کہے، پس اگر مستقبل کے صیغے استعمال کیے جائیں،مثلاً یوں کہا کہ نکاح کروں گا، قبول کروں گا، یا ٹھیک ہے کرلوں گا وغیرہ تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔چوتھی شرط: چوتھی شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول کم از کم دوایسے مسلمان عاقل وبالغ مرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کی موجودگی میں ہو، جوفریقین کے ایجاب وقبول کے الفاظ کوسن سکیں؛ لہٰذا اگر دو گواہ نہیں ہیں، یا گواہ تو ہیں؛مگر مسلمان نہیں ہیں، یا صرف عورتیں ہیں، یا گواہ بالغ نہیں ہیں، یا عاقل نہیں ہیں تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے'' **فتاویٰ علماء ہند**'' کی نکاح سے متعلق''جلد-۲۴'' کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی،احقر نے اس جلد میں نکاح کے گواہان،اعلان نکاح،اندراج نکاح،الفاظ نکاح،ایجاب وقبول میں نام یا ولدیت کی غلطی مجلس نکاح اور رسوم ورواج،خطبہ نکاح،نکاح خواہ اور اجرت نکاح سے متلعق مسائل کو شامل کیا ہے،سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ(۲۴ رویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کومن وعن نقل کرنے کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کوبھی درج کردیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔امید ہے کہ علماء،ائمہ،اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے،احقر نے حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی،احادیث نبوی،صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کا اہتمام کیا ہے،جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔

میں اس موقع سے ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کاشکر گزار ہوں،جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ شانہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کوقبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔(آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن،پھلواری شریف، پٹنہ

۲۸؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ

نکاح کے گواہان

نکاح میں شہادت کا مطلب کیا ہے:

سوال(۱) نکاح میں جو شہادت جز ونکاح ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ نکاح صرف عندالناس معتبر نہ ہوگا، یا عنداللہ بھی معتبر نہ ہوگا؟ اگر عورت مرد میں ایجاب وقبول ہو جاوے اور شہادت نہ ہوت تو کیا دونوں کا یہ فعل اور باہمی اختلاط عنداللہ بھی زنا میں شمار ہوگا اور وہ دونوں گنہ گار ہوں گے، یا صرف عندالناس ہی یہ زنا میں شمار ہوگا؟

ایجاب وقبول بغیر گواہ اور بعد میں شہرت ہو تو کیا حکم ہے:

(۲) اگر بوقت ایجاب وقبول شہادت نہ ہو اور بعد خلوت صحیحہ، یا قبل خلوت صحیحہ کے وہ دونوں، یا ایک اگر مشہور کر دے کہ میرا نکاح ہو گیا ہے اور لوگ اس کو یقین بھی کر لیں تو کیا یہ شہرت شہادت کے قائل مقام ہوگی، یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو کیوں؟ اور اگر ہوگی تو نکاح کا تحقق ووجود شہرت کے وقت سے سمجھا جائے گا، یا اس کے پہلے سے؟ کیا عنداللہ وعندالناس کی بھی کوئی توجیہ اس میں نکل سکتی ہے، یا نہیں؟

شہادت کا مفہوم ایجاب وقبول کے بعد شہرت سے ادا ہوتا ہے، یا نہیں:

(۳) نکاح میں شہادت کا اصلی راز کیا ہے اور جواز ہے، وہ راز وفلسفہ بعد ایجاب وقبول شہرت عامہ کے وقت حاصل ہو سکتا ہے، یا نہیں؟

عدم شہادت پر "إنما الأعمال بالنیات" کا اثر کیوں نہیں ہوتا:

(۴) اگر عدم شہادت والا ایجاب وقبول عنداللہ معتبر نہیں ہے تو پھر "**إنما الأعمال بالنیات**" (۱) کے کلیہ سے یہ جزئیہ کیوں خارج ہے اور اس کا حقیقی فلسفہ کیا ہے۔

---

(۱) **عن علقمة بن وقاص الليثي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضى الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرىء ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ماهاجر إليه. (صحيح البخاري، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۱، صحيح لمسلم، كتاب الإمارة بقوله: إنما الأعمال بالنية، رقم الحديث: ۱۹۰۷، موطأ الإمام محمد، باب النوادر، رقم الحديث: ۹۸۳، انيس)**

الجواب

(۱) عنداللہ وعندالناس دونوں اعتبار سے بدوں دو گوہواں کے ایجاب وقبول سننے کے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور وطی جو اس حالت میں ہوگی، وہ زنا شمار ہوگا۔(۱)

(۲) دو گوہواں کے بوقت ایجاب وقبول موجود ہونا اور ایجاب وقبول کو سننا ضروری ہے اور شرط انعقاد نکاح کی ہے، بدون دو گواہوں کے موجود ہونے کے بوقت ایجاب وقبول کے نکاح منعقد نہ ہوگا، نہ عنداللہ اور نہ عندالناس اور دلیل یہ عبارت درمختار کی ہے:

---

(۱) فلم يصح النكاح بغير شهود لحديث الترمذي: "البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن من غير بينة"، ولما رواه محمد بن الحسن مرفوعاً: "لانكاح إلا بشهود" فكان شرطاً ولذا قال في مال الفتاوىٰ: لو تزوج بغير شهود، ثم أخبر الشهود على وجه الخبر لا يجوز. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ٩٤/٣، ظفير)

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ البَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: البَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ.

قَالَ يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ: رَفَعَ عَبْدُ الأَعْلَى هَذَا الحَدِيثَ فِي التَّفْسِيرِ وَأَوْقَفَهُ فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَهَذَا أَصَحُّ، هَذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ عَبْدِ الأَعْلَى، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، مَرْفُوعًا وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ الأَعْلَى، عَنْ سَعِيدٍ هَذَا الحَدِيثُ مَوْقُوفًا وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ. هَكَذَا رَوَى أَصْحَابُ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ، وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ نَحْوَ هَذَا مَوْقُوفًا، وَفِي هَذَا البَابِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُودٍ لَمْ يَخْتَلِفُوا فِي ذَلِكَ مَنْ مَضَى مِنْهُمْ إِلَّا قَوْمًا مِنَ المُتَأَخِّرِينَ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ، وَإِنَّمَا اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي هَذَا إِذَا شَهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ فَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَهْلِ الكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ: لَا يَجُوزُ النِّكَاحُ حَتَّى يَشْهَدَ الشَّاهِدَانِ مَعًا عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ المَدِينَةِ، إِذَا أُشْهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ جَائِزٌ إِذَا أَعْلَنُوا ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَغَيْرِهِ هَكَذَا قَالَ إِسْحَاقُ فِيمَا حَكَى عَنْ أَهْلِ المَدِينَةِ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: يَجُوزُ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ فِي النِّكَاحِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا نكاح إلا ببينة، رقم الحديث: ١١٠٣-١١٠٤، انيس)

أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْهَمْدَانِيُّ مِنْ أَصْلِ كِتَابِهِ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ، حَدَّثَنَا حفص بن غياث، عن بن جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، وَمَا كَانَ مِنْ نِكَاحٍ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بَاطِلٌ، فَإِنْ تَشَاجَرُوا، فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ. قَالَ أَبُو حَاتِمٍ: لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ فِي خبر بن جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ هَذَا "وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ" إِلَّا ثَلَاثَةُ أَنْفُسٍ: سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى الْأُمَوِيُّ، عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ الْحَجَبِيُّ، عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ يُونُسَ الرَّقِّيُّ، عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ، وَلَا يَصِحُّ فی ذکر الشاهدين غير هذا الخبر. (صحيح ابن حبان، ذكر نفي إجازة النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، رقم الحديث: 4075، انيس)

"وشرط حضور شاهدين".(۱)

(۳) حکم وارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہونے کے بعد کسی راز کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، حکم شریعت بلا چون وچرا و بلا کشف حقیقت ودریافت راز مان لینا چاہیے۔

كما قال الله تعالىٰ: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (سورة الحشر:۷)

گواہ کی منشا یہ ہے کہ زنا کی تہمت دور ہوجائے اور یہ تہمت عائد نہ ہوسکے، بعد میں شہرت سے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔(۲)

(۴) اس کے متعلق بھی وہی جواب ہے، جو نمبر (۳) میں گزرا کہ بعد حکم شریعت حقیقی فلسفہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور ابطال احکام شرعیہ حقیقی فلسفہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹۲/۷-۹۴)

کیا صحت نکاح کے لیے شرعی نصاب شہادت لازم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی نے دو گواہوں کے سامنے نکاح نہیں کیا؛ بلکہ جس لڑکی سے ایجاب وقبول کیا، اس کے علاوہ دو بالغہ لڑکیاں موجود تھیں، انہوں نے سنا؟ اس صورت میں نکاح ہوا، یا نہیں؟

(المستفتی: عبداللہ)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح صحیح ہونے کے لیے دو مسلمان مرد، یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کا بطور گواہ موجود ہونا لازم ہے،

---

(۱) دیکھئے: ردالمحتار کتاب النکاح: ۳۷۳/۲، ظفیر

قَالَ الشَّيْخ بَاكِيرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : وَشَرْطُهُ الْخَاصُّ: حُضُورُ شَاهِدَيْنِ لَا يَنْعَقِدُ إِلَّا بِهِ بِخِلَافِ بَقِيَّةِ الْأَحْكَامِ، فَإِنَّ الشَّهَادَةَ فِيهَا لِلظُّهُورِ عِنْدَ الْحَاكِمِ لَا لِلِانْعِقَادِ، آه.(تبيين الحقائق، شروط النكاح وأركانه: ۹۵/۲، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق، انيس)

(۲) وَفِي الْبَدَائِعِ أَنَّ الْإِشْهَادَ فِي النِّكَاحِ لِدَفْعِ تُهْمَةِ الزِّنَا لَا لِصِيَانَةِ الْعَقْدِ عِنْدَ الْجُحُودِ وَالْإِنْكَارِ وَالتُّهْمَةُ تَنْدَفِعُ بِالْحُضُورِ مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ عَلَى أَنَّ مَعْنَى الصِّيَانَةِ تَحْصُلُ بِسَبَبِ حُضُورِهِمَا، وَإِنْ كَانَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمَا؛ لِأَنَّ النِّكَاحَ يَظْهَرُ وَيَشْتَهِرُ بِحُضُورِهِمَا فَإِذَا ظَهَرَ وَاشْتَهَرَ تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ فِيهِ بِالتَّسَامُعِ فَتَحْصُلُ الصِّيَانَةُ، آه.(البحر الرائق كتاب النكاح: ۹۶/۳، ظفير)

وَلِأَنَّ حَضْرَةَ الشُّهُودِ فِي بَابِ النِّكَاحِ لِدَفْعِ تُهْمَةِ الزِّنَا-لَا لِلْحَاجَةِ إِلَى شَهَادَتِهِمْ عِنْدَ الْجُحُودِ وَالْإِنْكَارِ؛ لِأَنَّ النِّكَاحَ يَشْتَهِرُ بَعْدَ وُقُوعِهِ - فَيُمْكِنُ دَفْعُ الْجُحُودِ وَالْإِنْكَارِ بِالشَّهَادَةِ بِالتَّسَامُعِ، وَالتُّهْمَةُ تَنْدَفِعُ بِحَضْرَةِ الْفَاسِقِ فَيَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِحَضْرَتِهِمْ.(بدائع الصنائع، فصل في شرائط ركن النكاح: ۲۷۱/۶، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۳) یہاں صرف اس کا تعلق خود اس کی اپنی ذات سے نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق سماج شہر اور خاندان سے ہے؛ اس لیے صرف نیت پر اعتماد کافی نہ ہوگا، گواہ کے ذریعہ نیت کا مظاہرہ بھی ضروری ہوگا۔ ظفیر

لڑکا لڑکی کے علاوہ صرف دو عورتیں، یا دو بالغ لڑکیاں موجود ہوں تو اس سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا؛ اس لیے مسئولہ صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوا۔

عن عمران بن الحصين قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم: لانكاح إلا بولى، وشاهدى عدل. (مصنف عبد الرزاق، النكاح، باب النكاح بغير ولي، المجلس العلمي: ۱۹۵/٦، رقم: ۱۰۳٤۷، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي: ۱٤۲/۱۸، رقم: ۲۹۹)

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا نكاح إلا بولى، وشاهدى عدل، وما كان من نكاح على غير ذلك، فهو باطل. (الحديث)(صحيح ابن حبان، باب الولي، ذكر نفي إجازة عقد النكاح بغير ولي شاهدي عدل، دار الفكر: ۳۱۰/٤، رقم: ٤۰۷۷، المعجم الاوسط، دار الفكر: ٤۲۸/٦، رقم: ۹۲۹۱، سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت: ۱۵۵/۳، رقم: ۳٤۸۱)

ولا ينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسير النكاح شرعاً، زكريا ديوبند: ۲۲۷/۱-۲۲۸، زكريا جديد: ۳۳۲/۱)

وفي التاتارخانية: وفي الخانية: ولا ينعقد بشهادة امرأتين بغير رجل، والخنثيين إذا لم يكن معهما رجل، الخ. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كوئٹه: ۶۰۸/۲، زكريا ديوبند: ۳۷/٤، رقم: ٥٤٥٤، قاضيخان على هامش، الهندية: ۳۳۱/۱، زكريا جديد: ۲۰۲/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۶؍ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۴۵۳/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۲/۱۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۳۹/۱۳-۴۰)

نکاح کے گواہ کیسے ہونے چاہئیں:

سوال: عقد نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے، یا نہیں؟

الجواب

عقد نکاح کے لیے حنفی مذہب میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں، البتہ ثبوت عند القاضی کے لیے عدالت شرط ہے، تحقق نکاح فاسق معلن بالفسق گواہ بھی ہو جاتا ہے۔

"**ويصح شهادة الفاسقين والأعمين، كذا في فتاوىٰ قاضي خان**". (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح: ۲٦۷/۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

(مکتوبات شیخ الاسلام، مکتوب نمبر: ۹۴-جلد اول، ص: ۳۰۳) (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۰۱/۸)

کیا نکاح میں گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکی کے باپ نے کسی کو

وکیل بنایا کہ لڑکی سے شادی کے بارے معلوم کرے، وہ دو گواہوں کو لے کر رضامندی معلوم کرتا ہے تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ گواہوں میں جو داڑھی کترواتے ہیں اور ایک مشت سے کم رکھتے ہیں، ان کی شہادت معتبر ہے، یا نہیں؟ پھر وہ کون سے مواقع ہیں، جہاں پر ایسے لوگوں کی گواہی معتبر نہیں، نیز یہ گواہ محرم ہونے چاہئیں، یا غیر محرم؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حنفیہ کے نزدیک نکاح میں گواہ اگر غیر عادل ہوں، پھر بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے، البتہ قاضی شرع کے یہاں فاسق کی گواہی معتبر نہ ہوگی، اور گواہوں میں محرم وغیر محرم کی کوئی قید نہیں ہے۔

عن جابر رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لانكاح إلا بولی وشاهدی عدل. (رواه الطبرانی فی الأوسط، مجمع الزوائد: ۲۸۶/٤، إعلاء السنن: ۲۷/۱۱، بیروت)

قال المحقق العثمانی: وأما الشهود فنقول به لكن لا تشترط عدالتهم فی شهادة النكاح، فإن شرط العدالة مذكور فی بعض الأحادیث، وفی بعضها لم یذكر وأطلق، فأبقینا المطلق علی إطلاقه، وحملنا المقید علی المستحب الأحسن. (إعلاء السنن: ۲٦/۱۱ـ۲۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

قال عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه: ألا لا یؤسر أحد فی الإسلام بشهادة الزور، فإنا لا نقبل إلا العدول. (المصنف لابن أبی شیبة: ٥٥٠/٤، رقم: ۲۳۰۳۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

عند حرین أوحر وحرتین عاقلین بالغین مسلمین ولو فاسقین أومحدودین. (کنز الدقائق)

وتحته فی البحر: وشرط فی الشهود أربعة: الحریة والعقل والبلوغ والإسلام. (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۵۵/۳ـ۱۵۸، زکریا، کذا فی الهدایة: ۳۰٦/٤، المکتبة التهانویة دیوبند)

وكذا ینعقد النكاح بشهادة الفاسقین عندنا ... ولنا عمومات قوله تعالیٰ: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ﴾ وقوله علیه السلام: لا نكاح إلا بشهود، والفاسق شاهد بقوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ قسم الشهود إلی مرضیّن وغیر مرضیّن، فیدل علی كون غیر المرضی (وهو الفاسق) شاهدًا، الخ. (بدائع الصنائع، کتاب الشهادة: ۲۸/۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۱۱/۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۵/۸ـ۱۳٦)

بے نمازیوں کی نکاح میں شہادت:

سوال: اس موضع میں یہ رواج ہے کہ فقرا کو شاہد اور وکیل نکاح کا بنا لیتے ہیں اور یہ اشخاص اسی کے واسطے مقرر ہیں اور نماز وغیرہ سے بے خبر ہیں۔ ایسے لوگوں کی شہادت عندالشرح معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسے لوگوں کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے؛ مگر ایسے فاسق اور مبتدع کو شاہد اور وکیل بنانا خود گناہ ہے۔(۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۸۵)

نکاح میں فاسق کی گواہی معتبر ہے، یا نہیں:

سوال: جو شخص تارک الصلوٰۃ ہو اور افعال قبیحہ کا اعلانیہ کا مرتکب ہو، جیسے خروتاڑی وزنا کا اور جھوٹی گواہی دیتا ہو، ایسے شخص کی گواہی نکاح وطلاق کے معاملہ میں معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسے شخص کی گواہی سے نکاح تو منعقد ہوجاتا ہے؛ لیکن بصورت انکار ایسے لوگوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہ ہوگا اور طلاق کا ثبوت بھی ایسے لوگوں کی گواہی سے نہ ہوگا۔(۲) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۵/۷)

---

(۱) "من ترک صلاة، لقی اللّٰہ وھو علیہ عضبان". (فیض القدیر، رقم الحدیث: ۸۵۸۰، الریاض)
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ وَقَعَ فِي عَيْنِهِ الْمَاءُ، فَقِيلَ لَهُ نَنْزِعَ الْمَاءَ مِنْ عَيْنِكَ عَلَى أَنَّكَ لا تُصَلِّي سَبْعَةَ أَيَّامٍ، فَقَالَ: لا، إِنَّهُ مَنْ تَرَكَ الصَّلاةَ وَهُوَ يَقْدِرُ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ. (مسند ابن الجعد، رقم الحدیث: ۲۳۳۶، انیس)
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا. (المعجم الأوسط، رقم الحدیث: ۳۳۴۸، انیس)
"ویکفر جاھدھا لثبوتھا بدلیل قطعي، وتارکھا عمدا مجانة: أی تکاسلا فاسق، الخ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة: ۳۵۲/۱، سعید)
(الْكَبِيرَةُ السَّادِسَةُ وَالسَّبْعُونَ: تَعَمُّدُ تَرْكِ الصَّلاةِ) قَالَ تَعَالَى مُخْبِرًا عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ: ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ o قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ o وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ o وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾ (المدثر: ۴۲-۴۵)
وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلاةِ. وَمُسْلِمٌ: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ أَوْ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلاةِ. وَأَبُو دَاوُد وَالنَّسَائِيُّ: لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ إلَّا تَرْكُ الصَّلاةِ. وَالتِّرْمِذِيُّ: بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلاةِ. وَابْنُ مَاجَهْ: بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلاةِ. وَصَحَّ كَمَا قَالَهُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ، قَالَ الْحَاكِمُ: وَلَا يُعْرَفُ لَهُ عِلَّةٌ: الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ الصَّلاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ. وَالطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ لا بَأْسَ بِهِ: مَنْ تَرَكَ الصَّلاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا. وَفِي رِوَايَةٍ: بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْكُفْرِ أَوْ الشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلاةِ، فَإِذَا تَرَكَ الصَّلاةَ فَقَدْ كَفَرَ. وَفِي أُخْرَى: لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالشِّرْكِ إلَّا تَرْكُ الصَّلاةِ، فَإِذَا تَرَكَهَا فَقَدْ أَشْرَكَ، الخ. (الکبائر للذھبی: ۲۱۷/۱، دارالفکر بیروت، انیس)
(۲) وشرط حضورشاھدین حرین أو حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معا علی الأصح فاھمین أنه نکاح علی المذھب، بحر، مسلمین لنکاح مسلمة ولوفاسقین أومحدودین أو أعمیین أو ابنی الزوجین أو ابنی أحدھما ولن لم یثبت النکاح بھما بالإبنین إن ادعی القریب، کما کما صح نکاح مسلم ذمیة عند ذمیین ولو مخالفھما لدینھا، الخ. (الدر المختارعلی ھامش ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳۷۳/۲، ظفیر)

فاسق کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک لڑکے کی شادی ہوئی لڑکے کی طرف سے جن دو گواہوں نے گواہی دی، ان میں سے ایک تو کچھ اچھا آدمی ہے؛ لیکن دوسرا عادی مجرم ہے اور ضمانت پر جیل سے رہا ہو کر آیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات یاد رہے کہ نکاح ایک طرح سے عبادت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ نیک وصالح گواہ بنائے جائیں اور مجمعِ عام مسجد وغیرہ میں صلحا اور اتقیا کے درمیان کیا جائے، البتہ اگر کسی مجرم، یا فاسق وفاجر انسان کو گواہ بنالیا گیا تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا ہے۔

لما في الهندية (١/٢٦٧): ويصح بشهادة الفاسقين والأيين، كذا في فتاوى قاضي خان وكذا بشهادة المحدودين في القذف وإن لم يتوبا، كذا في البحر الرائق.

وفي الشامية (٣/٢٣): قوله (ولو فاسقين، الخ) اعلم أن النكاح له حكمان حكم الانعقاد وحكم الإظهار فالأول ما ذكره والثاني إنما يكون عند التجاحد فلا يقبل في الإظهار إلا شهادة من تقبل شهادته في سائر الاحكام، كما في شرح الطحاوي، فلذا انعقد بحضور الفاسقين والاعميين والمحدودين في قذف وإن لم يتوبا وابني العاقدين وإن لم يقبل أداؤهم عند القاضي كانعقاده بحضرة العدوين. (نجم الفتاویٰ: ۴/۱۰۶)

نکاح میں شہادتِ فاسق کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحاملان شرع متین زادہم اللہ شرفاومجداً مباحثہ ذیل میں:

(۱) زید کہتا ہے کہ بموجبِ کتب متداولہ نزد احناف، مثلا: قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ، ردالمختار، درمختار، در المنتقی، مجمع الانہر، فتاوی ہندیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، خانیہ وغیرہ بوقتِ انعقادِ نکاح دو مرد، یا ایک مرد دو عورت گواہ، خواہ عادل ہوں، یا فاسق کافی ہیں اور اس صورت میں فاسق کی شہادت سے نزد احناف نکاح صحیح ہے، اس لیے کہ حدیث شریف جو کہ فتح القدیر وغیرہ کتب میں مذکور ہے، وہ مقید بقیدِ عدالت نہیں ہے۔

اور نزد احناف یہ قاعدہ اصولِ فقہ میں طے شدہ ہے کہ ''مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے'' بایں روایت ''**المطلق يجري على اطلاقه**'' (۱) ارشاد نبوی: ''**لانكاح إلا بشهود**'' (۲) اس حدیث شریف میں لفظ ''شہود'' بوجۂ قاعدہ مسلمہ فاسق وعادل ہر دو قسم شاہد کو شامل ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، فصل في البيع: ٦/٣٨٥، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) سنن الترمذي، باب ماجاء لا نكاح إلا ببينة، رقم الحديث: ١١٠٣-١١٠٤، انيس

البتہ بوقتِ نزاع نزدِ قاضی بدیں طور کہ مثلاً زوج مدعیٔ نکاح ہے اور عورت منکرہ ہے، یا بالعکس گواہان انعقادِ نکاح جو کہ فاسق ہیں، صرف ان کی شہادت سے نزد قاضی یہ نکاح شرعاً ثابت نہیں ہوسکتا ہے؛ اس لیے کہ صریح فرمان واجب الاذعان بابت گواہ مقبول الشہادت یہ ہے: ﴿وأشهدوا ذوی عدل منكم﴾، (۱) ﴿ذوا عدل منكم﴾، (۲) ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾'' (۳) اور اس صورت میں یہ فیصلۂ شرعیہ بموجبِ حدیث شریف ''واليمين على من أنكر'' (۴) حلف پر ہے اور بصورت مذکورہ بوقتِ نزاع نزد قاضی گواہان فاسق شرعاً ہیچ ہیں۔

اور عمر یہ کہتا ہے کہ جب کہ گواہان فاسق کی شہادت سے انعقادِ نکاح صحیح ہے اور بوقتِ انعقادِ نکاح ان کی شہادت مانی جاتی ہے تو بوقتِ نزاع بھی ان کی گواہی معتبر کیوں نہیں رکھی جاتی؛ اس لیے کہ مقصود از گواہان انعقاد نکاح اظہار نکاح بوقتِ نزاع ہے اور جب یہ مقصود فوت ہوگیا تو گواہان مذکورہ لا طائل ثابت ہوں گے تو گویا نکاح بغیر شہود ہوا، جو کہ نزدِ احناف ناجائز ہے۔

زید اس کے جواب میں علاوہ دلائلِ نقلیہ مذکورہ یہ کہتا ہے کہ گواہان فاسق لا طائل نہیں؛ بلکہ کارآمد ہیں؛ اس لیے کہ بوجہ گواہان مذکورہ مؤخذۂ اخروی زنا سے بریت ہے۔ نیز مواخذۂ دنیاوی جو کہ حد ہے، وہ ساقط ہے، بموجبِ حدیث شریف ''الحدود تندرأ بالشبهات''. (۵)

اور اہلیتِ شہادت اور اداء اور مقبولیتِ شہادت نزد قاضی میں بڑا فرق ہے، جس سے کتب فقہ مملو اور مشحون ہیں، منفی نزد قاضی مقبولیت شہادت ہے، نہ اہلیت، پس محلِ نفی واثبات وسلب وایجاب علاحدہ ہے اور یہ مردودیت شہادت زجراً بوجہ فسق ہے، خانگی معاملات غیر نزاعی اور قضائی معاملات نزاعی میں فرق نہیں ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی منڈوانا، یا قبضہ سے کم رکھنا موجبِ گناہ ہے اور بوجہٗ ارتکاب فعل مذکورہ شخص عادل قابل قبول شہادت شرعاً نہیں ہے گو کہ صوم وصلوٰۃ اور امور کا پابند ہو اور دیگر منہیاتِ شرعیہ سے بھی مجتنب ہو، بموجبِ حدیث شریف جو کہ متفق علیہ شیخین ہے:

---

(۱) سورة الطلاق: ۲، انیس

(۲) سورة المائدة: ۱۰۶، انیس

(۳) سورة البقرة: ۲۸۲، انیس

(۴) سنن الدارقطني، كتاب الحدود والديات وغيره، رقم الحديث: ۳۱۹۰، انیس

(۵) عن عروة عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنهما قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادرؤوا الحدود بالشبهات ما استطعتم فإن وجدتم للمسمين مخرجا فخلوا سبيله، فإن الإمام أن يخطى فى العفو خير من أن يخطى فى العقوبة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث: ۱۸۲۹٤، انیس)

وروى عن عمر وعلى وابن مسعود وغيرهم من الصحابة رضى اللّٰه عنهم فى ''درء الحدود بالشبهات. (السنن الصغير للبيهقي، باب فى المستنكره، رقم الحديث: ۲٥۸۸، انیس)

”عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: ”خالفوا المشرکین، وفروا للحی وأحفوا الشوارب“وفی روایته: ”انهکوا الشوارب واعفوا اللحی“. (متفق علیه)(۱)

اور یہ قاعدہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے، خصوصا جب کہ وہ مقرون بالوعید ہو، وبروایتِ رد المختار، دربارۂ قطع لحیہ: ”فلم یُبحه أحد“. (۲)

اوراس روایت سے باجماع خیر القرن سلف صالحین تا خلف صالحین عدم اباحت قطعِ لحیہ ثابت ہے۔

اور بصورتِ قطعِ لحیہ خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے، جوکہ موجب فسق ومُخلِ عدالت شاہد ہے؛ اس لیے کہ اجماع فی نفسہ مستقل حجتِ شرعیہ قابل عمل ہے اور گواہ عادل کے معنی یہ ہیں کہ ”گناہ کبیرہ واصرارِ صغیرہ سے متحرز ہو“ اور بصورتِ مذکورہ عدمِ احترازاز گناہ مذکورہ ثابت ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ دور حاضرہ میں داڑھی منڈوانا، یا ایک قبضہ سے کم رکھنا عام رواج ہے اوراس میں اکثر بلکہ قریب قریب تمام عالم مبتلا ہیں، اب اگر یہ فعل مُخلِ قبولِ شہادت ہے تو گواہ داڑھی دار کا ملنا زبانِ مشاہد میں قریب ناممکن عادی ہے اوراس قید کی وجہ سے شب وروز حلف کاذب فریق منکر دلیرانہ ادا کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دروازۂ حق تلفیٔ حقوق العباد بجائے بستہ ہونے کے واہوجائے گا؛ کیوں کہ نہ داڑھی دار گواہ موافقِ معیارِ شرعی دستیاب ہوں گے اور نہ حق رسی صحیح طریق پر ہوسکے گی؛ اس لیے یہ فعل مذکور بلحاظ ضرورت شدیدہ دور حاضر میں مُخلِ عدالتِ گواہ نہیں ہے؛ کیوں کہ بموجبِ روایتِ فقہیہ بوجۂ اختلافِ زمانہ حکم بدل جاتا ہے، جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے:

”الحکم یختلف باختلاف الزمان“. (۳)

---

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ. (صحیح البخاری، باب تقلیم الاظفار، رقم الحدیث: ۵۸۹۲، صحیح لمسلم، باب خصال الفطرة، رقم الحدیث: ۲۵۹، انیس)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْهَكُوا الشَّوَارِبَ، وَأَعْفُوا اللِّحَى. (صحیح البخاری، باب اعفاء اللحی، رقم الحدیث: 5893، انیس)

(۲) (قَوْلُهُ: وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا إلَخْ) بِهَذَا وَفَّقَ فِي الْفَتْحِ بَيْنَ مَا مَرَّ وَبَيْنَ مَا فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحْيَةَ، قَالَ: لِأَنَّهُ صَحَّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَاوِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْفَاضِلَ عَنْ الْقَبْضَةِ، فَإِنْ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى النَّسْخِ كَمَا هُوَ أَصْلُنَا فِي عَمَلِ الرَّاوِي عَلَى خِلَافِ مَرْوِيِّهِ مَعَ أَنَّهُ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ الرَّاوِي وَعَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْمَلُ الْإِعْفَاءُ عَلَى إعْفَائِهَا عَنْ أَنْ يَأْخُذَ غَالِبَهَا أَوْ كُلَّهَا كَمَا هُوَ فِعْلُ مَجُوسِ الْأَعَاجِمِ مِنْ حَلْقِ لِحَاهُمْ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا فِي مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ، فَهَذِهِ الْجُمْلَةُ وَاقِعَةٌ مَوْقِعَ التَّعْلِيلِ، وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ، آه مُلَخَّصًا. (ردالمحتار، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده: ۴۱۸/۲، دارالفکربیروت، انیس)

(۳) تبیین الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱۶۸/۱، المطبعة الکبریٰ الأمیریة بولاق، انیس

علاوہ ازیں اگر یہ فعل شرعا موجبِ فسق اور مخلِ قبولِ شہادت ہے تو نزد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فاسق صاحبِ مروت اور وجیہ کی شہادت قابلِ قبول ہے، چناں چہ یہ روایت کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مصرح موجود ہے،(۱) پھر کیا وجہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانا، یا ایک قبضہ سے کم رکھنے والا لائق قبول شہادت نہ ہو؟

اس کے جواب میں زید کہتا ہے کہ دین کی تکمیل ہوچکی، چناں چہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿**الیوم أکملت لکم دینکم**﴾(الآیۃ) (۲) نصوصِ صریحہ اور اجماع اور سنتِ متوارثہ جمیع انبیاء علیہم السلام سے یہ فعل ناجائز ثابت ہے۔

لہٰذا اب دورِ حاضرہ میں کسی طرح احکام متقررہ شرعیہ قابلِ ترمیم اور تنسیخ نہیں ہیں اور نہ ہوں گے اور تردید روایت امام ابو یوسف بمقابلۂ نص صریح خود کتب فقہ ہدایہ وغیرہ سے ثابت ہے۔

اور دیگر روایات پیش کردہ احکام متقررہ منصوصہ شرعیہ پر ہرگز ہرگز حاوی نہیں ہے، اس پر ''الف لام الحکم، الخ'' شاہدِ عدل ہیں، لہٰذا ضرورتِ دورِ حاضرہ بمقابلہ احکامِ متقررہ شرعاً ہیچ ہے اور واجب دین متقررہ پر ہرگز غالب نہیں ہوسکتا۔

''**الاسلام یعلوا و لا یعلی**'' (۳) صریح فرمان ہے، ہر مسلمان پر اتباع دین لازم اور ضروری ہے اور دین کو اپنی ضروریات اور خواہشات کے تابع کرنا محلِ خطرہ ہے، پس بموجبِ فرمانِ والاشان: ﴿**فاسئلوا أھل الذکر**﴾ (الآیۃ) (۴) علمائے کرام سے استدعا ہے کہ مُباحثہ زید وعمر پر نظرِ عمیق شرعی فرما کر بالتفصیل بحوالۂ روایات معتبرہ اظہار فرمائیں کہ زید حق پر ہے یا عمرو؛ تا کہ نزاع موجودہ طے ہوجائے؟ واللہ اعلم واحکم

(المستفتی: احمد احسن ابن سید ابوالحسن، از ٹونک راجپوتانہ، محلّہ قافلہ)

---

(۱) وعن أبی یوسف رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: أن الفاسق إذا کان وجیھا فی الناس ذا مروئۃ تقبل شھادتہ لأنہ لا یستأجر لوجاھتہ ویمتنع عن الکذب لمروئتہ، والأول أصح. (الھدایۃ، کتاب الشھادات: ۱۱۷/۳، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، انیس)

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: إذَا كَانَ وَجِيهًا فِي النَّاسِ ذَا مُرُوئَةٍ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ؛ لِأَنَّهُ لا يَتَمَكَّنُ تُهْمَةُ الْكَذِبِ فِي شَهَادَتِهِ فَلِوَجَاهَتِهِ لا يَتَجَاسَرُ أَحَدٌ مِنْ اسْتِئْجَارِهِ لِأَدَاءِ الشَّهَادَةِ وَلِمُرُوئَتِهِ يَمْتَنِعُ مِنْ الْكَذِبِ مِنْ غَيْرِ مَنْفَعَةٍ لَهُ فِي ذَلِكَ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ شَهَادَتَهُ لا تُقْبَلُ؛ لِأَنَّ قَبُولَ الشَّهَادَةِ فِي الْعَمَلِ بِهَا لِإِكْرَامِ الشُّهُودِ كَمَا قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْرِمُوا الشُّهُودَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحْيِي الْحُقُوقَ بِهِمْ، وَفِي حَقِّ الْفَاسِقِ أُمِرْنَا بِخِلَافِ ذَلِكَ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إذَا لَقِيتَ الْفَاسِقَ فَالْقَهُ بِوَجْهٍ مُكْفَهِرٍّ وَمَنْ يَكُونُ مُعْلِنًا لِلْفِسْقِ فَلا مُرُوئَةَ لَهُ شَرْعًا؛ فَلِهَذَا لا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ. (مبسوط السرخسی، باب من لا تجوز شھادتہ: ۱۳۱/۱٦، دار المعرفۃ بیروت، انیس)

(۲) سورۃ المائدۃ: ۳، انیس

(۳) حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْفَرَجِ قَالَ: ثنا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُكَيْرٍ قَالَ: ثنا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْيَهُودِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ تَكُونُ تَحْتَ النَّصْرَانِيِّ أَوِ الْيَهُودِيِّ فَتُسْلِمُ هِيَ قَالَ: يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا، الْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى عَلَيْهِ. (سرح معانی الآثار، باب الحربیۃ تسلم فی دار الحرب فتخرج إلی دار الإسلام، رقم الحدیث: ۵۲٦۷، انیس)

(۴) سورۃ النحل: ۴۳، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زید وعمر کا مباحثہ پڑھا، عمر کا کہنا ہے کہ ''جب شہادتِ فاسق سے انعقاد صحیح ہے تو بوقتِ نزاع بھی اس کا اعتبار ہونا چاہیے'' قیاس مع الفارق اور اصول وفروعِ فقہ وحدیث کے خلاف ہے اور بوقتِ نزاع اس شہادت کا اعتبار نہ کرنے سے اصل انعقاد میں بھی اعتبار نہ کر کے اس کو معدوم اور لا طائل سمجھ کر انعقاد بلا شہادت (جو کہ نا جائز ہے) ماننا بھی غلط ہے اور عدمِ تفقہ پر مبنی ہے، جیسا کہ امور ذیل سے واضح ہے:

الامر الاول: شاہد کی دو حالتیں ہیں، جو اپنی شرائط اور آثار کے اعتبار سے بالکل متمیز ہیں: ایک حالتِ تحمل، دوسری حالتِ ادا:

''أن للشاهد حالتين: حالة التحمل وحالة الأداء، وان من شرط الأداء الحرية والبلوغ والاسلام، ويشترط وجود ذلک عند الأداء، آه''. (معين الحكام، ص: ۸۱)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حریت، بلوغ، اسلام سے قبل تحملِ شہادت کر کے بعد میں ادا کر دینا درست اور شرعاً معتبر ہے، جیسا کہ روایت حدیث کے متعلق بھی یہی قاعدہ ہے:

''يصح التحمل قبل وجود الأهلية، فيُقبل روايةُ مَن تحمل قبل الاسلام وروى بعده، وكذا رواية مَن سمع قبل البلوغ وروى بعده، آه''. (مقدمه ابن صلاح، ص: ۵۸)(۲)

الامر الثانی: جس عارض کی وجہ سے شہادت رد کر دی جاتی ہے، اس کے مرتفع ہونے سے اہلیت پیدا ہو کر شہادت قبول کر لی جائے گی، مثال کے طور پر چند جزئیات نقل کرتا ہوں:

''إذا شهد الصبي في حادثة فردت، ثم أعادها بعد البلوغ، تُقبل، وكذا العبد إذا شهد في حادثة فردت، ثم أعادها بعد العتق، تقبل، وكذا الذمي إذا شهد على حكم فردت، ثم أعادها بعد الاسلام، تقبل، وكذا الأعمى إذا شهدت فردت، ثم أعادها بعد ما أبصر، تقبل، آه''. (معين الحكام، ص: ۸۱)(۳)

الامر الثالث: فاسق میں شہادت کی اہلیت ہے، کسی عارض کی وجہ سے اس کی شہادت قبول کرنے کو منع کر دیا گیا،

---

(۱) معين الحكام، الفصل السابع في ذكر البينات، الفصل الرابع، ص: ۷۰، مصطفى البابي الحلبي مصر) ''واما الشرائط في الأصل فنوعان: نوع هو شرط تحمل الشهادة، ونوع هو شرط أداء الشهادة ... وأما البلوغ والحرية والاسلام والعدالة، فليست من شرائط التحمل، بل من شرائط الأداء، الخ''. (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۵۰۸، رشيديه)

(۲) علوم الحديث لابن الصلاح، النوع الرابع والعشرون: معرفة كيفية سماع الحديث وتحمله وصفة ضبطه، ص: ۱۲۸، دار الفكر، بيروت

(۳) معين الحكام، الفصل السابع، في ذكر البينات، الفصل الرابع، ص: ۷۰، مصطفى البابي الحلبي مصر

اگراس میں نفی اہلیت نہ ہوتی تواس کی شہادت نہ قبول کرنے کا حکم ''نہی عاجز'' کے قبیل سے ہوتا، جوکہ شارع سے محال ہے۔(کما تقرر فی کتب الأصول) (۱)اور جو عارض ''فسق'' مانع عن القبول ہے، وہ لازمِ ذات نہیں؛ بلکہ قابلِ انفکاک ہے ''بطریقہ توبہ''، اسی لیے تحت حکم الحاکم داخل نہیں۔پس اگر تحملِ شہادت تو بحالتِ فسق ہے اور ادا بعد التوبہ ہو تو شرعاً یہ تحمل بھی معتبر اور ادا بھی معتبر۔(۲)

الامر الرابع: اگر فاسق بحالتِ فسق بھی شہادت دے اور قاضی کو تحری سے اس میں صدق راجح معلوم ہو تو اس پر حکم نافذ کرنا درست ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات فاسق مختلف کبائر میں مبتلا رہتا ہے؛ لیکن کذب سے اجتناب کرتا ہے اور اسی کی یہاں ضرورت ہے۔

"وكذا ينعقد النكاح بشهادة الفاسقين عندنا، وعنده لا ينعقد، وجه قول الشافعي رحمه الله تعالىٰ أن مبنى قبول الشهادات على الصدق،ولا يظهر الصد ق إلا بالعدالة؛ لأن خبر مَن ليس بمعصوم عن الكذب يحتمل الصدق والكذب،ولا يقع الترجيح الا بالعدالة، واحتج فى انعقاد النكاح هكذا فى الأصل والظاهر فى عدم النكاح بقوله عليه الصلاة والسلام: "لانكاح الا بولى وشاهدى عدل".

ولنا عمومات قوله تعالىٰ: ﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾(الآية) وقوله عليه الصلاة والسلام: "لا نكاح الا بشهود"،والفاسق شاهد بقوله سبحانه وتعالىٰ:﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ قسم الشهود الى مرضين وغير مرضين، فيدل على كون غيرالمرضى وهو الفاسق شاهدا، أو لأن حضر ة الشهود فى باب النكاح لدفع تهمة الزناء لالاحاجة إلى شهادتهم عند الجحود والانكار؛ لأن النكاح يشتهر بعد وقوعه، فيمكن دفع الجحود والانكار بالشهادة بالتسامع، والتهمة تندفع بحضرة الفاسق، فينعقد النكاح بحضرتهم.

وأما قوله: الركن فى الشهادة هو صدق الشاهد، فنعم، لكن الصدق لا يقف على العدالة لا محالة، فان من الفسقة مَن لا يبالى بارتكابه، هكذا فى الأصل. والظاهر أنواع: أنواع من الفسق ويستنكف عن الكذب والكلام فى فاسق تحرى القاضى الصدق فى الشهادة، فغلب على ظنه صدقه. ولو لم يكن كذلك، لايجوز القضاء بشهادته عندنا، وأما الحديث فقد روى عنه بعض

---

(۱)　"ونحن نقول:إن النهى يراد به عدم الفعل مضافا الى اختيار العباد، فان كف عن المنهى عنه باختياره، يثاب عليه، والا يعاقب عليه. وان لم يكن ثمه اختيار، سمى ذلك الكف نفيا ونسخا، لانهيا، كما اذا لم يكن فى الكوز ماء ويقال له: لا تشرب، فهذا نفى وان قيل له ذلك بوجود الماء، سمى نهيا، فالأصل فى النهى عدم الفعل بالاختيار، الخ". (نور الأنوار، باب النهى،ص:٦٣، سعيد)

(۲)　"بل من شرائط الأداء حتى لوكان وقت التحمل صبيا عاقلا أو عبدا أو كافار أو فاسقا، ثم بلغ الصبى وعتق العبد وأسلم الكافر وتاب الفاسق، فشهدوا عند القاضى، تقبل شهادتهم".(بدائع النصائع، كتاب الشهادة، فصل فى شرائط الركن:٨/٩، دار الكتب العلميه بيروت)

نَقَلة الحديث أنه قال: لم يثبت عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ومن يثبت فلا حجة له فيه". (بدائع الصنائع: ۲۷۰/۶)(۱)

یہاں سے معلوم ہوا کہ فاسق کی شہادت بالکلیہ ہر حال میں مردود نہیں، بلکہ بعض اوقات میں مقبول بھی ہے۔

الامر الخامس: فاسق کی شہادت مقبول نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قاضی کے ذمہ اس کی شہادت کا قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس کی شہادت کو (بعد تحری) قبول کرنا صحیح بھی نہیں ہے۔

"**باب القبول وعدمه: أی من يجب قبول شهادته ومن لم يجب، لا من يصح قبولها أولا يصح، لصحة الفاسق مثلا**". (الدر المختار)

"**أی لصحة القضاء بشهادته: أی وقد ذكره مما لا يقبل**". (الطحطاوی: ۲۳۹/۳)(۲)

الامر السادس: بعض مشائخ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ "جو شخص نکاح میں ولی بن سکتا ہے، وہ شاہد بھی بن سکتا ہے" اور حنفیہ کے نزدیک فسق مانعِ ولایت نہیں، پس اس کی شہادت بھی درست ہے۔

"**ومن ذلك قول الشافعی وأحمد رحمهما الله تعالىٰ: إنه لا ولاية لفاسق، مع قول أبی حنيفة ومالك رحمهما الله تعالىٰ: إن الفسق لا يمنع الولاية**". (میزان شعرانی: ۱۱۶/۲)(۳)

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس عقد کو خود قبول کرسکتا ہے، اس کی موجودگی میں وہ عقد درست ہوتا ہے اور فاسق عقدِ نکاح کو خود قبول کرسکتا ہے، لہٰذا اس کی موجودگی۔۔۔ (کافر بسبب نص کے اس حکم میں داخل نہیں) قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کی شہادت پر بعض فقہاء کے نزدیک حکم کرنا صحیح ہے، اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے اور فاسق کی شہادت پر حکم کرنا بعض صورتوں میں جائز ہے، جیسا کہ امرِ رابع میں گزرا، پس اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے۔

"**من مشايخنا من أصل فی هذا أصلا، فقال: كل من صلح أن يكون وليا فی النكاح بولاية نفسه، يصلح شاهدا فيه، وإلا فلا وهذا الاعتبار صحيح؛ لأن الشهادة من باب الولاية؛ لأنها تنفيذ القول على الغير، والولاية هی نفاذ المشيئة. ومنهم من قال: كل مَن يملك قبول عقد نفسه، ينعقد ذلك العقد بحضوره، ومن لا فلا، وهذا الاعتبار صحيح أيضا؛ لأن الشهادة من شرائط ركن العقد، وركنه وهو الايجاب والقبول، ولا وجود للركن بدون القبول، فكما لا وجود للركن بدون القبول حقيقة لا وجود له شرعاً بدون الشهادة.**

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۲۸/۹، دار الكتب العلميه بيروت

(۲) حاشية الطحطاوی على الدر المختار، باب القبول وعدمه: ۲۳۹/۳، مكتبه دار المعرفة بيروت

(۳) ميزان الشعرانی، كتاب النكاح: ۶۰۹/۲، مصطفى البابی الحلبی مصر

"هو البالغ العاقل الوارث ولو فاسقا على المذهب ما لم يكن متهتكا". (الدر المختار، باب الولی: ۵۴/۳، سعيد)

"والفسق لايسلب الولاية على المشهور، الخ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۳۳۸/۱، دار احياء التراث العربی بيروت)

وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه أصل فیه أصلا، وقال: کل من جاز الحکم بشهادته فی قول بعض الفقهاء، ینعقد النکاح بحضوره، ومن لا یجوز الحکم بشهادته عند أحد، لایجوز)) بحضوره، وهذا الاعتبار صحیح أیضا؛ لأن الحضور لفائدة الحکم بها عند الأداء، فاذا جاز الحکم بها فی الجملة، کان الحضور مفیدا''۔(بدائع مختصراً:۲/۲۵۳)(۱)

''وفی شرح الطحاوی: کل من یصلح أن یکون ولیا فی النکاح بولایة نفسه، یصلح أن یکون شاهدا فی النکح، ومن لا فلا، إذا ثبت هذا، نقول: ینعقد النکاح بشهادة الفاسق والأعمی، الخ''۔(۲)

انعقاد نکاح بشہادۃ الاعمیٰ کی دلیل یہی کلیات ہیں۔(بدائع: ۲/۲۵۵)(۳)

الامر السابع: دراصل ''اشتراط الشہود فی النکاح'' کی علت ''اثبات النکاح عند الجحود'' نہیں کہ مقبول الشہادۃ کی شہادت ضروری اور غیر مقبول الشہادۃ کی شہادت لا طائل اور کالعدم ہے؛ بلکہ علت کچھ اور ہے۔(کما سجیء) البتہ مقبول الشہادۃ ہونا افضل ہے، ضروری نہیں؛ تا کہ بوقتِ جحود ثبوت میں سہولت رہے اور شہادتِ نکاح حضور عند العقد پر موقوف بھی نہیں۔(کما سیجی فی الأمر الثامن) لہٰذا انعقاد ایسے گواہ کی گواہی سے بھی ہو جائے گا، جس کی شہادت قطعاً مقبول نہیں:

''وکذا کون شاهد النکاح مقبول الشهادة علیه لیس بشرط، لانعقاد النکاح بحضوره، وینعقد النکاح بحضورمَن لا تقبل شهادته علیه اصلا، کما اذا تزوج امراة بشهادة ابنیه منهما، وهذا عندنا، وعند الشافعی: لا ینعقد، وجه قوله أن الشهادة فی باب النکاح للحاجة الی صیانته عن الجحود والانکار، والصیانة لا تحصل إلا بالقبول، فاذا لم یکن مقبول الشهادة لا تحصل الصیانة.

ولنا أن الاشهاد فی النکاح لدفع تهمة الزنا لا لصیانة العقد عن الجحود والانکار، والتهمة تندفع بالحضور من غیر قبول علی أن معنی الصیانة یحصل بسبب حضورهما وان کان لاتقبل شهادتهما؛ لأن النکاح یظهر ویشتهر بحضورهما، فاذا ظهر واشتهر، تقبل الشهادة فیه بالتسامع، فتحصل الصیانة. وکذا اذا تزوج امرأة بشهادة ابنیه لامنها، أو ابینها لامنه، یجوز، لما قلنا.

ثم عند وقوع الحجر والانکار ینظر: ان وقعت شهادتهما لواحد من الأبوین، لا تقبل، وان

(۱) بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی صفات الشاهد: ۳/۳۹۵، دار الکتب العلمیه بیروت

(۲) خلاصة الفتاوی، الفصل السادس فی الشهود: ۲/۱٤، امجد اکادمی لاهور

(۳) وکذا بصر الشاهد لیس بشرط، فینعقد بحضور الأعمی، لما ذکرنا، الخ''۔(بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط الشهود: ۳/٤۰۳، دار الکتب العلمیه بیروت)

''إذا ثبت هذا، نقول: ینعقد النکاح بشهادة الفاسق والأعمی''. (خلاصة الفتاوی، الفصل السادس فی الشهود، کتاب النکاح: ۲/۱٤، امجد اکادمی لاهور باکستان)/وکذا فی الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۱/۲٦۷، رشیدیه)

وقعت عليه تقبل؛ لأن الشهادة الابن لأبيوه غير مقبولة وشهادتهما عليه مقبولة".(بدائع:۲/۲۵۵)(۱)

الامر الثامن: اگر ''اثبات النکاح عند الجحود'' کو ''اشتراط الشہود فی النکاح'' کی علت ہی کہا جاوے، فائدہ اور منفعت کے درجہ میں نہ مانا جائے، تب بھی گواہانِ انعقاد کا عادل ہونا لازم نہیں؛ کیوں کہ ثبوت عند القاضی شہودِ انعقاد کی شہادت پر موقوف نہیں؛ لیکن بابِ نکاح میں بطریقِ استفاضہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہوتی ہے اور اس پر ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نفسِ شہادت کو بھی ضروری نہیں مانتے؛ بلکہ اعلان وتشہیر کو ضروری اور کافی سمجھتے ہیں۔

"ومن ذلك قول أبي حنيفة: انه توجز الشهادة بالاستفاضة في خمسة أشياء: في النكجاح، والدخول، والنسب، وولاية القضاء، مع قول أصحاب الشافعي رحمه اللّٰه تعالیٰ في الأصح من مذهبه جواز ذلك في ثمانية أشيا: في النكاح، والنسب، والموت، وولاية القضاء؟ والعتق، والولاء، ومع قول أحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه تجوز في تسعة أشياء،الثمانية المذكورة عند الشافيعة، والتاسعة: الدخول، آه".(ميزان:۲/۲۰۵)(۲)

"ومن ذلك قول الأئمة الثلالثة:أنه لا يصح النكاح إلا بشهادة مع قول مالك رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه يصح من غير شهادة، إلا أنه يعتبر فيه الاشاعة وترك التراضي بالكتمان".(ميزان:۲/۱۱۸)(۳)

الامر التاسع: قضاء اور دیانت میں فرق کثیر ہے، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کی بے شمار جزئیات اس کی شاہد اور اس پر متفرع ہیں، **كما لا يخفى على من طالع كتب الفقه، ولا إلا من لم يرزق التفقه.**(۴)

الامر العاشر: یہ تمام گفتگو اس وقت ہے کہ زید وعمر دونوں مقلد اور حنفی ہوں اور قول امام کو حجت کو سمجھتے ہوں اور خود منصبِ اجتہاد کے مدعی نہ ہوں، اگر ایسا نہیں تو نزاع بیکار ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں نہ ان کے لیے کسی عالم، مفتی، مجتہد، غوث، صحابی، کا قول وفعل حجت ہے، خواہ وہ نص قرآنی، یا حدیثِ صحیح پر ہی کیوں نہ مبنی ہو؛ بلکہ حدیث کا ترجمہ اور روایت بالمعنی کیوں نہ ہو، نہ کسی کتاب فقہ کی نقل کافی ہے؛ بلکہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آئے گا، وہ کریں گے خواہ اس کا ماخذ کچھ بھی ہو اور خواہ کسی طرح سمجھا ہو، ﴿**والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم**﴾ لہٰذا ان کو اولا مسئلہ تقلید کا فیصلہ ضروری ہے؛ کیوں کہ یہ اسی پر مبنی ہے۔ ﴿**تلك عشرة كاملة**﴾

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود:۳/۴۰۴، دار الكتب العلمية بيروت

(۲) ميزان الشعراني، كتاب الشهادات:۲/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر

(۳) ميزان الشعراني، كتاب النكاح:۲/۱۱۱، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر

(۴) "ولو نوى الطلاق: أي بقوله: أنت طالق عن وثاق، لم يدين في القضاء؛ لأنه خلاف الظاهر، إلا أن القضاء مكرها، ويدين فيما بينه وبين اللّٰه تعالیٰ؛ لأنه يحتمله. ولو نوى به الطلاق عن العملعن العمل، لم يدين في القضاء ولا فيما بينه وبين اللّٰه تعالیٰ ... ولو صرح فقال: أنت طالق من هذا لعمل، صدق صيانة لا قضاء، الخ". (فتح القدير، باب ايقاع الطلاق:۴/۶، مصطفیٰ البابي احلبي مصر)

(۲)　داڑھی منڈوانا، یا ایک قبضہ تک پہونچنے سے پہلے کٹانا بلاشبہ ممنوع اور ناجائز ہے، روایاتِ حدیث وفقہ اس پر صراحۃً دال ہیں، ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:

"قص اللحية كان صنيع الأعاجم، وهو اليوم كثير من أهل الشرك وعبدة الأوثان كا الافرنج والهنود ومَن لا خلاق لهم فی الدين من الفرقة الموسومه بالقلندرية فی زماننا،آه". (۱)

جس امر کے متعلق شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی نص صریح موجود ہے اور اس پر اجماع بھی ثابت ہے، آج اس کے خلاف اعتقاد رکھنا، یا فتویٰ دینا درحقیقت اس کو منسوخ کرنا اور دعوائے نبوت کرنا ہے۔ (۲)

---

(۱)　مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول: ۹۱/۲، رشيديه

(۲)　(المسألة الثالثة): فی أقوال أهل العلم فی إعفاء اللحية:

قال النوویّ رَحِمَهُ اللّٰهُ بعد ذكر اختلاف الروايات فی أعفوا اللّحَی ما نصّه:

فحصل خمس روايات:أعفوا، وأوفوا، وأَرْخُوا، وأَرْجُوا، ووفِّروا، ومعناها كلّها تركُها على حالها، هذا هو الظاهر من الحديث الذی تقتضيه ألفاظه، وهو الذی قاله جماعة من أصحابنا وغيرهم من العلماء، وقال القاضی عياض رَحِمَهُ اللّٰهُ: يكره حَلْقها، وقصُّها، وتحذيفها وأما الأخذ من طولها وعرضها فحسن، وتكره الشهرة فی تعظيمها، كما تكره فی قصّها وجزّها، قال: وقد اختَلَف السلف هل لذلک حدٌّ؟ فمنهم من لم يُحَدِّد شيئًا فی ذلک، إلا أنه لا يتركها لحدّ الشهرة، ويأخذ منها، وكَرِه مالک طولها جدًّا، ومنهم من حدَّد بما زاد على القبضة، فيُزال، ومنهم من كَرِه الأخذ منها إلا فی حجّ أو عمرة، قال:وأما الشارب فذهب كثير من السلف إلى استئصاله وحلقه، بظاهر قوله صلى اللّٰه عليه وسلم:أحفُوا، وأَنْهِكوا، وهو قول الكوفيين، وذهب كثير منهم إلى منع الحلق والاستئصال، وقاله مالک، وكان يرى حلقه مُثْلَةً، ويأمر بأدب فاعله، وكان يكره أن يؤخذ من أعلاه، ويَذْهَب هؤلاء إلى أن الإحفاء، والْجَزَّ، والقَصّ بمعنى واحد، وهو الأخذ منه حتى يبدو طرف الشفة،وذهب بعض العلماء إلى التخيير بين الأمرين،انتهى كلام القاضی.

قال النوویّ: والمختار ترک اللحية على حالها، وأن لا يُتَعَرَّض لها بتقصير شیء أصلًا، والمختار فی الشارب ترک الاستئصال، والاقتصار على ما يبدو به طرف الشفة.،انتهى.

وأخرج الإمام البخاریّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، فی صحيحه،من طريق عُمر بن محمد بن زيد، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبیّ صلى اللّٰه عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفِّرُوا اللِّحَى، وأَحْفُوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حجّ، أو اعتمر قَبَضَ على لحيته، فما فَضَل أخذه،انتهى.

قال فی الفتح: قوله:وكان ابن عمر،إلخ، هو موصول بالسند المذكور إلى نافع، وقد أخرجه مالک فی الموطأ عن نافع بلفظ:كان ابن عمر إذا حَلَق رأسه فی حج أو عمرة أخذ من لحيته وشاربه، قال: وفی حديث الباب مقدار المأخوذ.وقال الكرمانیّ: لعل ابن عمر أراد الجمع بين الحلق والتقصير فی النسک، فحَلَق رأسه كلّه، وقصر من لحيته؛ ليدخل فی عموم قوله تعالى:﴿مُحَلِّقِينَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾الآية (الفتح: ۲۷) وخَصَّ ذلک من عموم قوله: وفِّرُوا اللحَى، فحمله على حالة النسک.قال الحافظ: الذی يظهر أن ابن عمر كان لا يخُصّ هذا التخصيص بالنسک، بل كان يحمل الأمر بالإعفاء على غير الحالة التی تَتَشَوَّه فيها الصورة بإفراط طول شعر اللحية، أو عرضه، فقد قال الطبریّ: ذهب قوم إلى ظاهر الحديث، فكرهوا تناول شیء من اللحية، من طولها ومن عرضها، وقال قوم: إذا زاد على القبضة يؤخذ الزائد، ثم ساق بسنده إلى ابن عمر أنه فَعَل ذلک، وإلى عمر أنه فَعَل ذلک برجل، ومن طريق أبی هريرة أنه فعله.　==

== وأخرج أبو داود من حديث جابر رضى الله عنه بسند حسن قال: كنا نُعَفِّى السِّبَال، إلا فى حجّ أو عمرة، وقوله: نُعَفّى بضم أوله، وتشديد الفاء: أى نتركه وافرًا، وهذا يؤيد ما نُقِل عن ابن عمر، فإن السِّبَال بكسر المهملة، وتخفيف الموحدة جمع سَبَلَة بفتحتين وهى ما طال من شعر اللحية، فأشار جابر إلى أنهم يُقَصِّرون منها فى النسك. ثم حكى الطبرى اختلافًا فيما يؤخذ من اللحية، هل له حدّ أم لا؟ فأسند عن جماعة الاقتصار على أخذ الذى يزيد منها على قدر الكفّ، وعن الحسن البصرىّ أنه يؤخذ من طولها وعرضها، ما لم يَفْحُش، وعن عطاء نحوه، قال: وحمل هؤلاء النهى على منع ما كانت الأعاجم تفعله من قصّها وتخفيفها،قال: وكره آخرون التعرُّض لها إلا فى حجّ أوعمرة، وأسنده عن جماعة، واختار قول عطاء، وقال: إن الرجل لو ترك لحيته، لا يتعرض لها حتى أفحش طولها وعرضها، لَعَرَّض نفسه لمن يَسْخَر به، واستَدَلَّ بحديث عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن النبىّ صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها، وهذا أخرجه الترمذىّ، ونَقَل عن البخارىّ أنه قال فى رواية عُمَر بن هارون: لا أعلم له حديثًا منكرًا إلا هذا،انتهى،وقد ضَعَّف عُمر بن هارون مطلقًا جماعة.

قال الجامع عفا الله عنه: الحقّ أن حلق اللحية حرام، وهو الذى نصّ عليه الإمام الشافعىّ فى الأمّ،كما قال ابن الرفعة، وقال الأذرعىّ: الصواب تحريم حلقها جملة لغير علّة بها،انتهى،وأما الأخذ من طولها إذا فحش فلا بأس به؛ كما ثبت ترخيص ذلك عن بعض السلف رحمهم الله تعالىٰ،والحاصل أن ترك اللحية على حالها، وعدم التعرّض لها هو الصواب؛لظواهر النصوص،كقوله صلى الله عليه وسلم:أعفوا، وأوفوا، ووفّروا، وإن ترخّص أحد فى أخذ ما زاد على القبضة اتّباعًا لما ثبت عن بعض السلف، كابن عمر وغيره، فلا بأس به؛ لأن ابن عمررضى الله عنهما مع شدّة اتّباعه للسنّة، وهو الذى رَوَى حديث أعفوا اللحى كان يأخذ من لحيته ما زاد على القبضة، فلولا أن عنده حجةً على هذا لَمَا فعله، والله تعالى أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب.

فائدة: نقل النووىّ عن الغزالىّ، وهو فى ذلك تابع لأبى طالب المكىّ فى القوت قال: يكره فى اللحية عشر خصال: خَضبها بالسواد لغير الجهاد، وبغير السواد؛ إيهامًا للصلاح، لا لقصد الاتّباع، وتبييضها؛ استعجالًا للشيخوخة لقصد التعاظم على الأقران، ونتفها؛ إبقاء للمرودة، وكذا تحذيفها، ونتف الشيب، ورجّح النووىّ تحريمه؛ لثبوت الزجر عنه، وتصفيفها طاقةً طاقةً تصنعًا ومخيلةً، وكذا ترجيلها، والتعرض لها طولًا وعرضًا على ما فيه من الاختلاف، وتركها شَعِثَةً؛ إيهامًا للزهد، والنظرُ إليها إعجابًا، وزاد النووىّ: وعقدُها؛ لحديث رُوَيفع رفعه:مَن عَقَد لحيته، فإن محمدًا صلى الله عليه وسلم منه برىء.الحديث أخرجه أبو داوٗد.

قال الجامع عفا الله عنه: هكذا أطلق الكراهة فى هذه الأشياء، وفى بعضها نظر لا يخفى؛ لأن أدلّة التحريم واضحة عليه، كعقد اللحية، فتأمل، والله تعالى أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب.

(المسألة الرابعة) فى ذكر بعض شُبَهِ من يُخادعون أنفسهم بحلق لحيتهم، ودحضها:

(منها): قول بعضهم: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما أعفى لحيته، وأمر به لأن قومه العرب كانوا يُعَفّون لحاهم، فاتبع صلى الله عليه وسلم ما راج فى بيئته، ولم يُخالفهم، بل بعض الضّلال يزيد على هذا، فيقول: لو كان النبىّ صلى الله عليه وسلم فى هذا العصر لحلق لحيته (والعياذ بالله)

وهذا كله من دعاوى الجاهليّة، أوحاها إليهم الشيطان، لمجادلة أهل الحقّ، كما قال تعالى:﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾(الأنعام: ۱۲۱) ==

== فالله سبحانه وتعالىٰ أمر نبيّه صلى الله عليه وسلم باتّباع ملّة إبراهيم حنيفًا، وكذا أمر أمته بذلك، فالخصال التى كانت باقيةً فى بنى إسماعيل عليه السلام وهم العرب من أبيهم إبراهيم عليه السلام أخذها النبىّ صلى الله عليه وسلم، وعمل بها؛ لأنها من ملّة إبراهيم، لا لأجل اتّباع عادات العرب المجرّدة، وإلا فكم من عادات العرب كانت سائدة حينما بُعث النبىّ صلى الله عليه وسلم، فأبطلها، ولن يتّبعهم عليها، كالوشم، ووصل الشعر، وكقتل الأولاد، ووأد البنات، وعدم التستّر عند البول والغائط حتى عابه بعضهم، فقال: إنه يبول كما تبول المرأة، وكالربا، والنسىء فى أشهر الحرم، وكالجناية على الوالد بجناية ولده، وبالعكس، والطواف عريانًا، والرجوع من مزدلفة فى الحجّ، والمشى عريانًا، وبيع الملامسة، والمنابذة، وغير ذلك مما يُحصى من عادات العرب، جاء صلى الله عليه وسلم بإبطالها، ولم يقلّدهم فيها، بل إنما فعل مما كانت عليه ما كان موروثًا عن دين إبراهيم عليه السلام فقط، ومن جملته إعفاء اللحية، فظهر بهذا ما موّهوا به من هذه الشبهة الباطلة، والله تعالى الهادى إلى سواء السبيل.

(ومنها): قول الآخرين: إن إعفاء اللحية كان واجبًا لمخالفة المجوس والمشركين، واليوم نرى اليهود يُعفون لحاهم، فوجب أن نخالفهم بحلق اللحية.

وهذه حجة داحضة، لا يقولها إلا أحمق جاهل، فإن إعفاء اللحية وحلقها كانا موجودين فى زمنه صلى الله عليه وسلم، فاختار صلى الله عليه وسلم ما كان موافقًا لملّة إبراهيم عليه السلام، وهوالإعفاء، وأمر به، وردّ ما كان مخالفًا ذلك، وهو الحلق، وأنكره بألفاظ، وأساليب مختلفة، فكذلك فى هذا العصر يوجد من يُعفى لحيته، ومن يحلقها، ونحن مأمورون بمخالفة الحالقين، لا المعفين.قال بعض المحقّقين: لو كانت القاعدة أن ما يفعله اليهود هو الواجب التحرّز لوجب علينا ترك الاختتان؛ لأن اليهود يختتنون،وبالجملة فليست هذه الشبهة صادرة إلا من ذى هوى النفس، لا ممن له صلة بالدين، وغيرة عليه، فلا حول ولا قوّة إلا بالله العزيز الحكيم.

(ومنها): أن بعضهم يقول: إن أصحاب اللحى يَخدعون الناس بلحاهم، فجعلوا اللحى حبائل ووسائل لتحصيل متاع الدنيا؛ ليغترّ عامّة الناس بهم، ويظنّوا بهم أنهم أهل صلاح وخير، وهذا نوع من النفاق المنهىّ عنه فى الإسلام.قلنا: المكر والخديعة لا يختصّ بأصحاب اللحى، بل كثير ممن يخدعون الناس يَتظاهرون بمظاهر الإسلام، ككثرةالصلاة،والذكر،ونحو ذلك؛ للغرض المذكور،فهل هذا يبرر لناأن نترك أفعال الخير كلّها من أجل أن بعض الأشرار يخدعون بها الناس؟ فهذا هو الانسلاخ من الدين بالكليّة،وبالجملة فليس تظاهر بعض الناس المخادعين ببعض خصال الإسلام مبرّرًا لتركها، فلو كان فيهم من أعفى لحيته ليغترّ بها الناس، فلا يحلّ لنا أن نحلق لحانا، ونترك ما أمرنا به نبيّنا صلى الله عليه وسلم لأجل هؤلاء المجرمين، بل يجب علينا أن نمتثل بأمره صلى الله عليه وسلم، ونقوم بإصلاح حالنا، وننصح المخادعين، لعل الله يهديهم على أيدينا، اللّٰهم اهدنا فيمن هديت.

(ومنها):قول بعضهم:إنى أحلق مقلّدًا لبعض العلماء.نقول: هذا الذى يحلق لحيته دون ضرورة ليس من أهل العلم المهديين، بل هو من علماء السوء الضالّين المضلّين، ومما يجب التنبّه له أن الإنسان إذا مات مات شرّه معه غالبًا إلا علماء السوء، فإنهم إذا ماتوا لم تمت سنتهم السيئة، بل يبقى فى الأمة شرّها، وينتشر فى الأرض شررها، وقد قال صلى الله عليه وسلم:من سنّ فى الإسلام سنة حسنة، فعُمِل بها بعده، كُتب له مثل أجر من عمل بها، ولا ينقص من أجورهم شيء، ومن سنّ فى الإسلام سنة سيئة، فعمل بها بعده كُتب عليه مثل وزر من عَمِل بها، ولا ينقص من أوزارهم شيء،رواه مسلم،فهذا العالم السوء الذى يسنّ للناس المنكرات يلحقه بعد موته إثم كلّ من عَمِل بما سنّه لهم من هذه السنّة السيّئة، فإنا لله وإنا إليه راجعون. ==

== (ومنها): أن بعضهم يقول: إن إعفاء اللحية سنّة، وليس بواجب.

نقول: كونه سنةً حقّ لا يُنكر؛ لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم شرعه، وأمر به، فهو سنّته، وأما دعوى عدم الوجوب فباطلٌ، فقد تقدّم أن الحقّ أنه واجب، وأن حلقها حرام، فكيف يدّعي عدم الوجوب من يسمع قوله صلى اللّٰه عليه وسلم:خالفوا المشركين، وَفِّرُوا اللِّحَى، وأَحْفُوا الشوارب، متّفق عليه، وأمره صلى اللّٰه عليه وسلم للوجوب، فمخالفة المشركين، وتوفير اللحية، وإحفاء الشوارب واجبة،وبالجملة فقد كان النبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم يوفّر لحيته، ويأمر بها، والغريب أن من ادّعى السنيّة يعلم أن النبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم إنما سنّها لنعمل بها، لا لنتركها، وأغرب من ذلك أن الذين يحلقون لحاهم يدّعون أنهم يُحبّون الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم، بل يزعمون أنه أحبّ إليهم من أهلهم وأموالهم، ثم لا يُحبّون صورته صلى اللّٰه عليه وسلم التي يعلمون أنه كان ملتحيًا، ويحبّون صورة أعداء ه الكفرة الحالقين لحاهم، ومن المعلوم لدى العامّ والخاصّ أن المحبّ يُحبّ كلّ ما كان منسوبًا إلى محبوبه، من الصورة، والسيرة، واللباس، والهيئة، حتى يحب داره وجداره وكسائه وردائه، وكلّ ما يُنسب إليه،فالذي يؤمن باللّٰه سبحانه وتعالى ورسوله صلى اللّٰه عليه وسلم يكون اللّٰه ورسوله صلى اللّٰه عليه وسلم أحبّ إليه مما سواهما، وهذه المحبّة لا محالة تضطرّ صاحبها إلى اتّباع الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم في شؤونه كلّها،كما قال تعالى:﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾(آل عمران: ۳۱) فإن لم تدع المحبّة صاحبها إلى الاتّباع فهي مجرّد دعوى لا حقيقة لها، ولا بيّنة عليها.

والدَّعَاوِى مَا لَمْ تُقِيمُوا عَلَيْهَا بَيِّنَاتٍ أَبْنَاؤُهَا أَدْعِيَاءُ،ولقد أجاد من قال، وأحسن في المقال:

تَعْصِي الإِلَهَ وَأَنْتُ تُظْهِرُ حُبَّهُ   هَذَا لَعَمْرِى فِي الْقِيَاسِ بَدِيعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

(ومنها): قول بعضهم: إن إصلاح القلب وتزكية النفس، وتزكية الباطن هو الأصل في الدين، فإذا صفا قلبك، وطهُر باطنك فلا حاجة إلى إعفاء اللحية، والتقيّد بزيّ من الأزياء.

قلنا: هذا أيضًا من أبطل الشُّبَه، يناقض بعضه بعضًا، فإن القلب إذا صلح صلح الجسد معه، والباطن إذا زكا زكا الظاهر معه، كما شهد بذلك الحديث الصحيح:ألا إن في الجسد مضغةً إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كلّه، ألا وهي القلب، متّفق عليه،ففساد الباطن يدعو إلى فساد الظاهر، فمن صلح قلبه، وزكى باطنه لا محالة يضطرّ إلى السلوك وفق سنّة النبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم، ولا يمكن ادّعاء صفاء الباطن، وصلاح القلب مع هذا الإجرام، والإصرار عليه،فأنصف من نفسك أيها الأخ المسلم، ولا تخدعها بما لا ينفعها يوم الحساب، من مثل هذه الشُّبه الباطلة، والحجج العاطلة، وهل تتوهّم أن تنجو يوم لقاء ربّك بمثل هذه الحيل؟ كلّا ثم كلّا.

(ومنها):أن بعضهم يقول:إن الإسلام ليس بمنحصر في اللحية،ولا يكفَّر الرجل بحلق لحيته،فلماذا هذا التشدّد؟

قلنا: حلق اللحية والإصرار عليه عنادًا من الذنوب التي لا يختلف فيها أهل العلم، فهو كسائر المعاصي التي لا يخرج الإنسان بها من الإيمان إلا إذا استحلّها، كما هو شأن سائر المعاصي، إلا أننا نسألكم لو كان الإيمان وحده كافيًا لكون الرجل مقبولًا عند اللّٰه تعالى لَمَا كانت الحاجة ماسّةً إلى بيان الأوامر والنواهي، ولَمَا كان الكتاب والسنّة مملوئين من الترغيب في الخير،والترهيب من الشرّ، ولَمَا أوعد اللّٰه تعالى أهل المعاصي بعذاب القبر، وعذاب جهنّم،ثم إن العلماء لا يهتمّون بإبلاغ أمره صلى اللّٰه عليه وسلم بإعفاء اللحى فقط، بل إنهم يبلّغون جميع الأحكام الشرعيّة، أوامرها ونواهيها ليلًا ونهارًا، غير أن حالقي اللحى لمّا لم يخضعوا لأمره صلى اللّٰه عليه وسلم، بل يتّبعون أهوائهم، ويطيعون شياطينهم، ويقلّدون أعدائهم، ويستهزؤن بما أمر به النبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم، كان الاهتمام بإرشادهم أشدّ من هذه الناحية، لا من حيث كونه أشدّ المعاصي، فتنبّه. ==

== وقال الشيخ التهانوىّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: من أصرّ على حلق اللحية، واستحسنه، وظنّ أن إعفاء اللحية عارٌ ومذلّةٌ، وسَخِرَ بأصحاب اللحى، أواستهزأ بهم أى مع أنه يعلم أن النبىّ صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بإعفائها، وأنه كانت له لحية كثّة فلا يمكن أن يكون إيمانه سالِمًا، بل يجب عليه قطعًا أن يتوب إلى اللّٰه تعالى، ويُجدّد الإيمان، وعليه أن يُحبّ صورة نبيّه صلى اللّٰه عليه وسلم، ويختارها لنفسه ولجميع المسلمين،انتهى.

وقال أيضًا: لوكان إعفاء اللحية سببًا للعار عند بعض الحمقى، فإنه لا يجوز للمسلم أن يترک ما وجب عليه لأجل أهل الحماقة والسفاهة، ولو ذهبنا نتأثّر بما يقول الناس لا نكاد نستقيم على إيماننا، فإن الكفّار والمشركين يعُدّون الإسلام والإيمان عارًا، أفنترک الإيمان والإسلام (والعياذ باللّٰه) لإجل إرضاء الكفرة؟ كلّا. فلما آمنا واعتصمنا بدين الإسلام، ورضيناه دينًا فى كلّ حال، ولو كره الكافرون، كذلک يجب علينا أن نرضى بهيئة الإسلام، ونتأسّى بنبيّنا نبىّ الرحمة صلى اللّٰه عليه وسلم، رغم أنوف الفاسقين الذين يختارون لأنفسهم صور الكافرين والمشركين، فإن الاهتمام بإرضاء الأعداء تلبيس من الشيطان، وقد قال اللّٰه تعالى:﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْکَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى﴾(البقرة: ۱۲۰)

وقال أيضًا: ويشتدّ الأسف عندما نرى طلبة العلوم الدينيّة مبتلين بهذه المعصية، فمثلهم﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾(الجمعة: ۵) وجريمتهم هذه أشدّ من جريمة غيرهم؛ لأنهم يعلمون ما فى الكتاب والسنّة، ثم يختارون العمل السيّء المعارض لكتاب اللّٰه تعالى، وسنّة نبيّه صلى اللّٰه عليه وسلم لأنفسهم، فيستحقّون بذلک الوعيد الذى ورد فى علماء السوء الذى لا يعملون بعلومهم، وجريمتهم تتعدّى إلى غيرهم؛ لأن الجهّال يقتدون بهم، فهم يتسبّبون فى إشاعة هذا المنكر.قال: ويجب على القائمين بأمور المدارس الإسلاميّة أن يُخرجوا من المدرسة من ارتكب هذه المعصية، واختار لنفسه هيئة غير إسلاميّة، إلا أن يتوب إلى اللّٰه عز وجل، وذلک لأنه إذا تخرّج يقتدى به الناس، فيكون مهلكة للأمة .انتهى بتصرّف.

(ومنها): أن بعضهم يقول: إن النظافة مما أمر به الإسلام، وأنا أحلق لحيتى للنظافة.قلنا: هذه أيضًا كلمة صدرت من سفاهة وحماقة؛ إذ فيها استهزاء بأمر النبىّ صلى اللّٰه عليه وسلم، وسخريّةٌ بفعله، فإنه كان كثّ اللحية، وكان أنظف الناس، فهذا القائل اتّبع أعداء الإسلام، فحلق لحيته، ثم جاء بحجة باطلة، فلا حول ولا قوّة إلا باللّٰه العزيز الحكيم.

وخلاصة القول أن الواجب على المسلم أن يكون همّه كلّه الآخرةَ، ولا يغترّ بأهل الدنيا، وزُخرُفها، بل يكون ديدنه دائمًا طلب رضا اللّٰه عز وجل، لا طلب رضا أحد سواه، فقد أخرج الترمذىّ عن عائشة رضى اللّٰه عنها أنها قالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:من التمس رضا اللّٰه بسخط الناس، كفاه اللّٰه مُؤنة الناس، ومن التمس رضا الناس بسخط اللّٰه، وَكَلَهُ اللّٰه إلى الناس.ورضا اللّٰه تعالى محصور فى اتّباع حبيبه محمد صلى اللّٰه عليه وسلم، كما قال: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾الآية (آل عمران: ۳۱)وليحذر كلّ الحذر من أن يصيبه الوعيد الشديد الذى بيّنه الله تعالى فى قوله:﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(النور:۶۳)

وبالجملة فمسألة اللحية مما ينبغى الاهتمام به؛ لأنه مما انتشر مخالفته بين كثير ممن ينتسب إلى الإسلام، بل بين كثير ممن يدّعى العلم هداهم اللّٰه تعالى، وقد ألّف الشيخ محمد زكريا الكاندهلوى رسالة بعنوان"وجوب إعفاء اللحية" قد أجاد فيها وأفاد، وقد قدّم لها العلامة الشيخ عبد العزيز بن باز رَحِمَهُ اللّٰهُ، وأثنى عليها، فعليک بالاستفادة منها، وباللّٰه تعالى التوفيق ==

یہ صحیح ہے کہ اختلافِ زمان سے بعض احکام بدل جاتے ہیں؛ لیکن احکام منصوبہ کبھی نہیں بدلتے، اگر ایسے تبدیل کا حکم عام ہوجائے وہ آج پابندِ صلوٰۃ وجماعت بھی کم دستیاب ہوتے ہیں، اسی طرح غور کرکے دیکھا جائے تو شریعت کے بہت امرونواہی اس نوع کے ملیں گے کہ جن پر عمل کرنے والے خال خال ہیں، اسی طرح کتنی سنتیں رہی ہوں گی، جومردہ ہوچکی ہیں، مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ان احکام کوبسط سے بیان کیا ہے، جواختلاف زمان سے مختلف ہوگئے ہیں۔(۱)

رہا عمروہ کا یہ کہنا کہ حقیرسی کا دروازہ بند ہوجائے گا تو یہ عذر کوئی مقبول عذر نہیں، کتنے مقدمات ہیں جو مطابقِ شریعت طے ہوتے ہیں اور کتنے خلافِ شریعت، کوئی عدالت اور حکومت دنیا میں علی منہاج النبوۃ نہیں۔ان حالات کے پیشِ نظر تو عمرو کے موافق بیشتر واکثر؛ بلکہ باستثنائے بعض قلیل (کالعدم) تمام احکام کا بدل جانا کچھ غیر مناسب نہیں، لہٰذا دینِ اسلام کیا ہوا، جو کچھ وقت پر مناسب سمجھا وہی ہوا قطع نظر اس سے کہ شرع کا یہ حکم دائمی ہے، یاوقتی ہے، پس داڑھی کا حکم تو وہی رہے گا، جوکہ منصوص ہے۔

رہا شہادتِ فاسق کا مسئلہ تو اس کے متعلق پہلے جواب میں معلوم ہوچکا ہے کہ بغیر تحری کے حکم نافذ کرنا ناجائز ہے اور تحری کے بعد اگر صدق لاغلبۂ ظن ہوجائے تو حکم جائز ہے، مطلقاً اس کی شہادت کا قبول کرنا ممنوع نہیں، عادل کو اس کے مقابلہ مس ی یقیناً ترجیح ہے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۶۲۵-۶۳۶)

فاسق کی شہادت سے نکاح کا حکم:

سوال: ہم نے سنا ہے کہ فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے؛ لیکن اظہار کے وقت فاسق شہادت ادا نہیں کرسکتا؛ یعنی نکاح کے دو حکم ہیں:

== تنبیہ: ومما أفاده في تلک الرسالة قوله: ومما لا بدّ من التنبيه عليه أنه كما لا يحلّ للرجل أن يحلق لحيته كذلک يحرم على الحلاق أن يحلق لحية أحد، أو يقصّرها خلاف حكم الشريعة، وكذلک يحرم على الحلاق قصّ شعر رؤوس المسلمين على طريق الإفرنج؛ لأن ذلک كلّه تعاون على الإثم والعدوان، وهو محرّم،انتهى، وهو بحثٌ نفيسٌ جدًّا، والله تعالى أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب، وهو حسبنا ونعم الوكيل.(البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج: ۱/۴۷۱-۴۸۱،دار ابن الجوزی،انیس)

(۱) فكثير من الأحكام تختلف باختلاف الزمان، لتغير عرف أهله، أو لحدوث ضرورة، أو فساد أهل الزمان، بحيث لو بقي الحكم على ما كان عليه، أولا، للزم منه المشقة والضرر بالناس ولَخالف قواعد الشريعة المبنية على التخفيف والتيسير ودفع الضرر والفساد، لبقاء العالم على أتم نظام وأحسن أحكام، ولهذا ترى مشايخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد في مواضع كثيرة بناها على ما كان في زمنه، ولهذا ترى مشايخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد في مواضع كثيرة بناها على ما كان في زمنه، لعلمهم بأنه لو كان في زمنهم، لَقال بما قالوا به أخذا من قواعد مذهب، الخ". (رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۲/۱۲۵،سهيل اكادمی لاهور)

(۱)حکم انعقاد (۲)حکم اظہار، جیسا کہ علامہ شامی نے بھی ذکر کیا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ مثلاً قضا میں عورت اگر نکاح کی منکر ہو جاتی ہے تو اس وقت شوہر اس نکاح کو فاسق کی شہادت سے ثابت نہ کر پائے گا۔ اظہار کے حکم کا یہ مطلب ہے، یا یہ کہ عورت عدالت میں جا کر یہ کہہ دے کہ میرا نکاح ان فاسقوں کی گواہی میں ہوا ہے، مجھے تفریق چاہیے، اس پر قاضی کہے گا کہ قضاءً تو اس سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، لہذا جاؤ، تفریق کی ضرورت نہیں۔ فاسق کی شہادت سے متعلق شوافع کا مذہب کیا ہے؟ قضاءً قبول ہے، یا نہیں؟ نیز تسامع سے قضاءً نکاح کا اثبات ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن بوقت اظہار فاسق نکاح کے اثبات پر گواہی نہیں دے سکتا؛ یعنی اگر مرد، یا عورت میں سے کوئی ایک نکاح کا انکار کر دے تو دوسرا ان فاسق گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہیں کرسکتا۔ دراصل فاسق کی شہادت کو قبول ہی نہیں کرنا چاہیے، امام شافعی کا یہی مذہب ہے، ان کے نزدیک فاسق مردود الشهادة ہے، گواہی کا تحمل کرسکتا ہے اور نہ ادا۔

سادات حنفیہ رحمہم اللہ نے اداء شہادت کے معاملے میں تو فاسق کو مردود قرار دیا ہے؛ لیکن نکاح کے معاملے میں اسے تحمل کا اہل قرار دیا ہے؛ یعنی دو فاسق آدمیوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہو جائے گا، یہ اس لیے کیوں کہ نکاح میں گواہوں کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کسی کی جانب سے نکاح کے انکار کے وقت گواہی دیں اور اسے قبول کیا جائے؛ بلکہ نکاح میں تو گواہی کا مقصد تہمت زنا کا رفع ہے اور وہ دو فاسقوں کی موجودگی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لیے حنفیہ نے نکاح کے انعقاد کے سلسلے میں دو فاسقوں کی گواہی کو بھی معتبر قرار دیا ہے، نیز ہر جگہ عادل گواہوں کا موجود ہونا مشکل ہے اور دیگر مجبوریاں بھی ہوسکتی ہیں، لہذا فاسق کی گواہی سے نکاح کے کلیۃً عدمِ انعقاد کا حکم لگانا مشکلات کا سبب بنے گا، البتہ انکار کے وقت دوسرا فریق ان فاسق گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہ کرسکے گا۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر ایسے گواہوں کا کیا فائدہ، جو انکار کے وقت عدالت میں کام ہی نہ آسکیں؟ اس اشکال کا جواب واضح ہے۔ اولاً تو نکاح میں عادل گواہ بنائے جائیں؛ تاکہ کسی پیچیدگی کا سامنا ہی نہ ہو۔ عادل گواہ تحملاً اور اداءً دونوں وقت کام آئیں گے۔ ثانیاً یہ نادر صورت ہے کہ ایک عرصہ میاں بیوی ساتھ رہیں اور پھر کوئی ایک نکاح کا انکار کر دے، عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ اگر ہو بھی جائے تو آج کل جدید ذرائع استعمال کر کے بھی عدالت ان دونوں کا میاں بیوی ہونا معلوم کرسکتی ہے، یا علاقے والے بتا سکتے ہیں کہ اصل ماجرا کیا ہے۔ ثالثاً یہ کہ ان فاسق گواہوں سے اگرچہ اثبات نکاح نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن یہ ضرورت تسامع کے گواہوں کے ذریعے پوری ہوسکتی ہے۔ تسامع کے گواہ کا یہ مطلب ہے کہ گواہ ایک ایسے جم غفیر سے سن کر گواہی دے، جن کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو، یا دو عادل آدمیوں سے سن

کر گواہی دے تو ایسے گواہوں کی گواہی سے بھی دوسرا فریق نکاح کا اثبات کرسکتا ہے، لہذا فاسق گواہ اگرچہ قضاءً کام نہ آئیں؛ لیکن تسامع کے گواہ نکاح ثابت کرسکتے ہیں۔ اس جواب کو البحر الرائق میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"إن الإشهاد فی النکاح لدفع تهمة الزنا لا لصيانة العقد عند الجحود والإنکار والتهمة تندفع بالحضور من غير قبول على ان معنى الصيانة تحصل بسبب حضورهما وإن كان لا تقبل شهادتهما لان النكاح يظهر ويشتهر بحضورهما فإذا ظهر واشتهر تقبل الشهادة فيه بالتسامع فتحصل الصيانة ". (البحر الرائق: ۱۵۸/۳)

لہذا صورت مسئولہ میں آپ کے تینوں سوالوں کے بالترتیب جواب یہ ہیں:

(۱) فاسق کی شہادت تحملاً معتبر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی موجودگی سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ قضاءً اظہار کے وقت معتبر نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ بوقت انکار دوسرا فریق ان گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہ کرسکے گا۔

(۲) امام شافعی کے نزدیک فاسق دیانۃً (یعنی تحملاً) اور قضاءً دونوں اعتبار سے مردود الشہادۃ ہے۔

(۳) تسامع کے گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات ہوسکتا ہے، بوقت انکار فاسق گواہوں کی گواہی اگرچہ قبول نہ ہو، لیکن تسامع کے گواہ کام آسکتے ہیں بشرطیکہ اس نے ایسے جم غفیر سے سنا ہو جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو یا دو عادل آدمیوں سے نکاح سے متعلق سن کر گواہی دے۔

لمافی البحر الرائق (۱٦٦/٧): وذکر الشارح انه إذا رأى رجلا يدخل على امرأته وينبسطان انبساط الأزواج وسمع من الناس أنها زوجته جاز له ان يشهد به وإن لم يعاين النكاح.

وفی الدر المختار (٤٧٠/٥): (ولا) يشهد احد (بما لم يعاينه) بالإجماع (إلا فی) عشرة على ما فی شرح الوهبانية منها العتق والولاء عند الثانی والمهر على الاصح، بزازية، و(النسب والموت والنكاح والدخول) بزوجته... (فله الشهادة بذلک إذا أخبره بها) بهذه الاشياء (من يثق) الشاهد (به) من خبر جماعة لا يتصور تواطوهم على الكذب بلا شرط عدالة او شهادة عدلين إلا فی الموت فيكفی العدل ولو انثی وهو المختار، ملتقى وفتح. (نجم الفتاویٰ: ۹۴/۴-۹۵)

مفرور اور مجرم شخص نکاح میں گواہ بن سکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ انعام اور روخانئ کے درمیان نکاح کیا گیا، مجھے لڑکی نے وکیل بنایا تھا، مولوی صاحب نے جب نکاح پڑھایا تو بعد میں مجھے پتہ چلا کہ گواہوں میں ایک شخص حکومت کا مفرور اور مجرم ہے؛ اس لیے میں نے نکاح کو ناجائز قرار دیا۔ کیا یہ نکاح منعقد ہوا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی شائستہ خان گاڑو نوشہرہ، ۱۹۸۵/۹/۱۹ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مفرور گواہ بن سکتا ہے،(۱) اس کی وجہ سے نکاح کو ناجائز اور کالعدم قرار دینا غلط اور بے فائدہ ہے۔ وھوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۲۵۶/۴)

شہادت زور سے نکاح کا حکم:

سوال: یہاں یوپی موڑ کے قریب میرا گھر ہے اور اس میں جنرل اسٹور ہے، یہاں ایک گھر میں عجیب واقعہ رونما ہوا، سلیم نامی شخص نے ایک عورت پر گواہوں سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ میری بیوی ہے۔ عدالت نے فیصلہ دے دیا ہے؛ لیکن وہ عورت انکار پر انکار کر رہی ہے، وہ عورت میری دکان پر سامان لینے آتی تھی، میں نے اس کا حال سنا تو دنگ رہ گیا۔ میرے انچ انچ میں غصہ کی لہر دوڑ گئی کہ یہ کیا مذاق ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی مولوی صاحب نے اس عورت کو کہا کہ جب گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تو آپ کا نکاح خود ہی ہوگیا، آپ بیوی کی طرح رہ سکتی ہیں، گناہ نہیں۔ یہ تو اور غضب ہوگیا۔

آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ وہ عورت کیا کرے؟ یہ نکاح ہے؟ ایسے نکاح ہو جاتا ہے؟ اس عورت کا اس سلیم نامی شخص سے پہلے نکاح نہ تھا تو یہ عورت بیوی کیسے بن گئی؟ اس مسئلے میں کوئی صریح راہ نجات بیان فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

ایک عورت اگر کسی کی منکوحہ نہ ہو اور وہ شخص عدالت میں جھوٹے گواہوں کے ذریعے نکاح ثابت کر دے تو عدالت میں اس طرح دو گواہوں کی گواہی سے مفتی بہ قول کے مطابق باطناً نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ فقط ظاہراً نکاح کے انعقاد کا حکم لگے گا، وہ دونوں گواہ اور مدعی شخص سخت گنہگار اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والے ہیں، اس فعل شنیع پر توبہ واستغفار کریں۔ عدالت چوں نکہ ظاہر کی پابند ہے اور ظاہراً جب دو عادل گواہ ایک نکاح پر (اگر چہ جھوٹے ہوں) گواہی دے رہے ہیں تو عدالت نکاح کے اثبات کا حکم لگائے گی؛ لیکن یہ حکم فقط ظاہر کی حد تک ہوگا، باطناً نکاح منعقد نہ ہوگا؛ یعنی فیما بینہ وبین اللہ اس نکاح کی کوئی حقیقت نہیں نیز ہمبستری کرنا بھی قطعاً جائز نہیں، باطناً یہ نکاح غیر منعقد اور کالعدم ہے، یہی مفتی بہ اور جمہور ائمہ کا اس باب میں مذہب ہے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ نکاح جب ظاہراً منعقد ہے، باطناً نہیں (لہذا عورت ہمبستری کے لیے مرد کو قدرت نہیں دے گی) تو پھر عورت کیا کرے گی؟ کیا یہاں طلاق کی طرح "المرأة كالقاضي، الخ" کا قاعدہ چلے گا؟ (طلاق کے باب میں

(۱) وفی الهندية: ويصح بشهادة الفاسقين والاعميين كذا فی فتاویٰ قاضی خان وكذا بشهادة المحدودين في القذف وان لم يتوبا كذا في البحر الرائق وكذا يصح بشهادة المحدود في الزنا كذا في الخلاصة،الخ. (الفتاویٰ الهندية: ٣٦٧/١، كتاب النكاح الباب الاول)

جب مرد طلاق دینے کے بعد طلاق کا منکر ہو؛ لیکن عورت نے اپنے کانوں سے سنا ہو تو ''المرأة كالقاضي، الخ'' کے قاعدے کے مطابق عورت کے لیے احتیاطا مرد سے دور رہنے کے لیے کوئی بھی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، نیز عورت کو ہمبستری کی اجازت نہیں دی جاتی) کیا یہاں شہادت زور (جھوٹی گواہی کو شہادت زور کہتے ہیں) میں عورت کو نکاح کے نہ ہونے کا پختہ یقین ہے، جب کہ طلاق میں باوجود سننے کے خطاء کا بھی امکان ہے، نیز یہاں شہادت زور میں فقہاوطی پر قدرت نہ دینے کی صراحت بھی کررہے ہیں تو کیا یہاں ''المرأة كالقاضي، الخ'' کے مطابق علاحدگی کا کوئی بھی حربہ استعمال کرنے کی اجازت دی جائے گی؟

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے طلاق کی طرح حرمت مصاہرت (جس میں سسر وغیرہ کے شہوت سے چھونے کا یقین ہے؛ لیکن شوہر تصدیق نہیں کررہا ہو تو اس صورت) میں بھی ''المرأة كالقاضي، الخ'' کا اثبات فرمایا ہے، جیسا کہ حیلہ ناجزہ کے تتمہ میں موجود ہے، لہذا حرمت مصاہرت میں جس طرح بوقت یقین ''المرأة كالقاضي، الخ'' کے قاعدے کے تحت عورت تمکین سے منع اور علاحدگی کی ہر ممکنہ کوشش کرسکتی ہے، اسی طرح یہاں جھوٹی گواہی سے اثباتِ نکاح کی صورت میں (جہاں باطناً نکاح منعقد نہیں ہورہا اور ہمبستری کرنا بھی جائز نہیں) بدرجہ اولی عورت کے لیے ''المرأة كالقاضي، الخ'' کا حکم ہوگا اور عورت خلع، یا فسخ کے لیے کوئی بھی طریقہ استعمال کرکے اس مرد سے علاحدگی اختیار کرے گی، نیز کسی بھی ذریعے کو استعمال کرکے ایسے مرد سے دور رہنے کی کوشش کرے گی، گویا وطی پر قدرت نہ دینے کی صراحت ہی یہاں ''المرأة كالقاضي، الخ'' کا اجراء ہے۔

لما في الدر المنتقى (المطبوع مع مجمع الانهر) (۲۳۷/۳): وعندهما لا ينفذبا طنا بشهادة الزور وبه قال الزفر والثلاثة وعليه الفتوى لظهور ادلتهما بالنسبة لدليله.

وفي شرح الوقاية (۱۳۳/۳) فإن أقامت بينة زورأنه تزوجها وحكم به حل لها تمكينه هذاعندابي حنيفةوعندهاينفذ ظاهراأي يسلم القاضي الزوجةالى الزوج ويأمرها بالتمكين لاباطناأي لايثبت الحل فيمابينه وبين الله تعالى وقولهما ظاهر وأما مذهب ابي حنيفة فمشكل جدا فان الحرام المحض كيف يكون سببا للحل فيما بينه وبين الله تعالى.

وفي الدر المختار (۵۲/۳): (و) يحل (له وطء امرأة ادعت عليه) عند قاض (وأنه تزوجها) بنكاح صحيح (وهي) أي والحال أنها (محل للإنشاء) أي لإنشاء النكاح خالية عن الموانع (وقضى القاضي بنكاحها ببينة) أقامتها (ولم يكن في (نفس الامر تزوجها وكذا) تحل له (لو ادعى هو نكاحها) خلافا لهما وفي الشرنبلالية عن المواهب وبقولهما يفتى.

وفيه أيضا (۴۰۶/۵): وقالا وزفر والثلاثة ظاهرا فقط وعليه الفتوى، شرنبلالية عن البرهان.

وفي الحيلة الناجزة (ص:۹۱): مسئلہ اول: اگر خاوند کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے، جس سے حرمت

مصاہرت متحقق ہوگئی تو اس کوانکار کرنا حرام ہے، اگراس نے جھوٹا حلف کرلیا اوراس پر قاضی نے فیصلہ کردیا تو اس کی تفصیل عنقریب مسئلہ دوم میں آتی ہے۔

مسئلہ دوم: اگر عورت کا دعوی صحیح تھا؛ مگر شہادت معتبرہ پیش نہ ہوسکی اور خاوند نے حلف کرلیا، قاضی نے مقدمہ خارج کردیا اور یہ حکم بھی کردیا کہ بدستور اس خاوند کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے، یا نہیں؟ اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا اور خوب غور وتلاش کے بعد جب مولانا محمد شفیع صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند سے مکالمہ پر بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو حضرت حکیم الامت دامت برکاتھم سے مراجعت کی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قواعد سے صاف واضح ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں، مجھ کو اس میں شرح صدر ہے، کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب موصوف نے بھی اس میں موافقت فرمائی۔ (نجم الفتاویٰ:۱۱۰/۴)

غیر کی بیوی کو زبردستی گواہوں کے ذریعہ اپنی بیوی ثابت کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے گاؤں کے ظالم زمیندار نے ایک غریب ہاری (کسان) کی بیوی پر دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور دو گواہوں سے ثابت کر کے زبردستی اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ تمام گاؤں والوں کو حقیقت معلوم ہے؛ لیکن کوئی بھی اس غریب کے حق میں گواہی دینے کو تیار نہیں۔ آیا اب یہ عورت اُس زمیندار کی بیوی بن گئی، یا نہیں؟ نیز اس غریب کسان کو اپنی بیوی کو طلاق دے دینی چاہیے، یا کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

ظالم زمیندار کا ایک غریب کسان کی بیوی پر جھوٹے گواہوں سے نکاح کا دعویٰ ثابت کرنا صحیح نہیں، یہ انتہائی قبیح فعل ہے، یہ عورت کسان کی بیوی اور اسی کے نکاح میں رہے گی، اگر زمیندار زبردستی لے گیا اور اس کے ساتھ ہمبستری کی تو اس صورت میں ساتھ رہنا حرام ہے اور ہمبستری زنا کے حکم میں ہے۔ نیز اس عورت کے تمام تصرفات مثلاً طلاق وغیرہ بھی کسان کے ہاتھ میں ہوں گے؛ لیکن اگر بیوی کی واپسی ناممکن ہو تو کسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے اختیار سے ایک طلاق بائن دے دے؛ تاکہ زمیندار کو فعل حرام سے بچالے، اس صورت میں زمیندار پر عدتِ طلاق کے گزر جانے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہوگا اور اگر بیوی دوبارہ واپس ہوجائے (طلاق، یا موت کے بعد) تو یہ کسان دوبارہ نکاح جدید کرلے۔

لمافی سنن أبی داؤد(۱٤۸/۲):عن أم سلمة رضی الله عنها قالت:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إنما أنا بشر وإنكم تختصمون إلی ولعل بعضكم أن یكون الحن بحجته من بعض فاقضی له علی نحوما أسمع منه فمن قضیت له من حق أخیه بشیء فلا یاخذ منه شیئا فإنما اقطع له قطعة من النار.

وفی كنز الدقائق (۲۸۱/۱): وینفذ القضاء بشهادة فی العقود والفسوخ ظاهراً وباطناً لافی الاملاک المرسلة.

وفی الهندية (۳۵۱/۳):وأجمعوا على ان قضاء القاضی بالنكاح بشهادة الزور فی معتدة الغير ومنكوحته أنه لا ينفذ، كذا فی النهاية.

و فی الدر المختار(٤٠٥/٥): (وينفذ القضاء بشهادة الزور ظاهراً وباطناً) حيث كان المحل قابلا والقاضی غير عالم بزورهم (فی العقود) كبيع ونكاح (والفسوخ) كإقالة وطلاق... (بخلاف الاملاک المرسلة).

وفی الشامية (٤٠٦/٥): قوله (وكما لو كانت المرأة محرمة،الخ) هذا محترز قوله حيث كان المحل قابلا ا ه‍ ح فإذا ادعى أنها زوجته وأثبت ذلک بشهادة الزور وهو يعلم أنها محرمة عليه بكونها منكوحة الغير أو معتدته أو بكونها مرتدة فإنه لا ينفذ باطنا اتفاقا لانه وإن كان الملک بسبب لكن لا يمكن إنشاوه واما ظاهرا فلا شک فی نفاذه كسائر الاحكام بشهادة الزور فی غير العقود والفسوخ وليس المراد بنفاذه ظاهرا حل الوطء له وحل تمكينها منه بل أمر القاضی لها به أما الحل فهو فرع نفاذه باطنا. (نجم الفتاویٰ:۱۰۸/۴-۱۰۹)

قاضی، گواہ، نوشہ بے شرع ہونے کے ساتھ نکاح:

سوال: اگر قاضی، گواہ، نوشہ(۱) بے شرع ہوں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

صحیح ہوجاتا ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۶۳۸/۱۰)

مجلس نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے:

سوال: کیا مجلس انعقاد میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________

مجلس انعقاد نکاح میں ماسوائے مالکیہ کے تمام ائمہ کے ہاں گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

---

(۱) ''نوشہ: دولہا، نوجوان بادشاہ''۔(فیروز اللغات، اردو، ص:۱۳۲۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) نکاح دراصل گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا نام ہے، لہٰذا سوال میں مذکورہ تینوں کے بے شرع ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نکاح صحیح ہوجائے گا:

''وينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر، الخ''. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

''ويصح بشهادة الفاسقين والأعمين، كذا فی فتاوی قاضی خان''. (الفتاوی العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲٦٧/۱، رشيديه)

''وجاز كونهما فاسقين أو محدودين فی قذف أو أعميين، الخ''. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۱/۱، دار احياء التراث العربی بيروت)

قال العلامة صدر الشريعة: وحضور حرين أوحر وحرتين مكلفين مسلمين سامعين معًا لفظهما. (شرح الوقاية: ۹/۲، كتاب النكاح)(۱)(فتاویٰ حقانیہ: ۳۱۶/۴)

صحت نکاح کے لیے دو مسلمان گواہ ہونا شرط ہے:

سوال: جب کہ منکوحہ مسلمان ہو اور نکاح کے گواہ مسلمان نہ ہوں، یا ایک ہندو (غیر مسلم) اور دوسرا مسلمان، ایسا عقد صحیح ہوگا، یا نہیں؟ و نیز غیر مسلم کی شہادت معاملہ نکاح میں جائز ہوگی، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۱، محمد عبد العلی صاحب بلارم دکن، ۳۰/ربیع الاول ۱۳۵۲ھ، مطابق ۲۴/جولائی ۱۹۳۳ء)

الجواب

مسلمہ عورت کے نکاح کے انعقاد جواز کے لیے مسلمان شاہدوں کی موجودگی اور ایجاب وقبول کو سننا شرط ہے، ایک گواہ مسلمان اور ایک غیر مسلم ہو تو نکاح جائز نہ ہوگا۔

فلا ينعقد (النكاح) بحضرة العبيد ولابحضرة الكفار فى نكاح المسلمين، انتهى مختصراً. (هكذا فى البحر الرائق/فتاوى عالمگيرى)(۲)

ولا ينعقد إلا بسماع كل من العاقدين كلام صاحبه وحضور مسلمين لأنه لا شهادة لكافر على مسلم، انتهى مختصراً. (البرهان شرح مواهب الرحمن)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۶/۵)

نکاح کے وقت دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص تین افراد کی موجودگی میں اپنا نکاح خود پڑھائے تو کیا یہ نکاح صحیح ہو جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

یہ نکاح صحیح ہو جائے گا، بشرطیکہ دوسری جانب سے قبول بھی پایا گیا ہو؛ کیوں کہ نکاح کے جواز کے لیے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ضروری ہے، جو کہ پایا جا رہا ہے۔

لمافى البدائع (۴۰۱/۳): ومنها: العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد لقوله صلى الله عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود".

وفى الدرالمختار (۲۱/۳):(و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أوحر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح. (نجم الفتاویٰ: ۸۸/۴)

---

(۱) قال العلامة المرغيناني: ولاينعقد نكاح المسلمين إلابحضورشاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين. (الهداية: ۲۸۶/۲، كتاب النكاح) ومثله فى الهندية: ۲۶۹/۱، كتاب النكاح. الباب الأوّل)

(۲) البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹۵/۳، بيروت/الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، ماجدية

نکاح میں قاضی کے علاوہ دو گواہوں کا ہونا شرط ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح اگر دولہن کے والد نے پڑھایا اور نکاح میں گواہ میں صرف دو آدمی ہوں، ایک گواہ دولہن کے والد جس نے نکاح پڑھایا اور دوسرا گواہ دولہا کے والد تو کیا، وہ نکاح صحیح ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دولہا اور دولہن کے والد کا گواہ بننا شرعاً جائز ہے، ان دونوں کی گواہی کے ساتھ نکاح درست ہوجائے گا، جب کہ نکاح خواں ان کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی ہو۔ سوال نامہ میں نکاح خواں ہے اور نکاح خواہ کے علاوہ صرف ایک آدمی موجود ہے، لہٰذا دو گواہوں کا ثبوت نہ ہوسکا؛ بلکہ ایک ہی گواہ کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے؛ اس لیے نکاح درست نہ ہوگا۔

ومن أمر رجلاً بأن يزوج ابنته الصغيرة، فزوجها والأب حاضر بشهادة رجل واحد سواهما جاز النكاح. (الهداية، كتاب النكاح، المكتبة الأشرفية: ۳۰۷/۲، الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، زكريا: ۹٤/٤، كراتشي: ۳٤/۳، الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره، الخ، زكريا: ۲٦۸/۱، زكريا جديد: ۳۳۳/۱)

ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد. (الفتاویٰ الهندية، زكريا: ۲٦۷/۱، زكريا جديد: ۳۳۲/۱)

(۲) سوال نامہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امام صاحب نے نکاح پڑھایا، دولہا اور دولہن کے والد گواہ ہیں تو ایسی صورت میں نصاب شہادت پورا ہو چکا ہے، لہٰذا نکاح جائز اور درست ہے۔

وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين، مكلفين، سامعين قولهما معًا على الأصح فاهمين مسلمين. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، زكريا: ۸۷/٤-۹۲، كراتشي: ۲۱/۳-۲۳، الهداية، المكتبة الاشرفية: ۳۰۷/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱ / ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۲۱۰۲/۴۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/۴/۱۴۳۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۴۱-۴۲)

عاقدین اور دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکا لڑکی اور دو گواہ ایک ساتھ بیٹھے، ان میں سے ایک گواہ نے لڑکی کا نام مع ولدیت پتہ بتلا کر لڑکے سے کہا: کیا تم نے لڑکی کے ساتھ نکاح قبول کیا، لڑکے نے تین مرتبہ قبول کیا، ایسے ہی لڑکے کا نام مع ولدیت پتہ بتلا کر لڑکی سے کہا: کیا تم نے لڑکے کے ساتھ نکاح قبول کیا، لڑکی نے بھی تین مرتبہ قبول کیا۔ وضاحت فرمادیں؟

(المستفتی: عبداللہ، مرادآبادی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اس شکل میں اگر کوئی مانع عقد موجود نہیں ہے تو نکاح شرعی طور پر درست ہو چکا ہے؛ اس لیے کہ لڑکا لڑکی مجلس میں موجود ہیں اوران کے علاوہ دو مسلمان گواہ بھی اسی مجلس میں موجود ہیں اور نکاح کے درست ہونے کے لیے اتنا کافی ہے۔

ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز، إن كانت ابنته حاضرة؛ لأنها تجعل عاقدة.

قال الشامي: كونها بنته غير قيد فإنها لو وكلت رجلا غيره فكذلك. (شامی، کتاب النکاح، مطلب في عطف الخاص على العام، کراتشی: ۲۵/۳، زکریا: ۹۵/٤)

امرأة وكلت رجلا بأن يزوجها رجلاً فزوجها بحضرة امرأتين والموكلة حاضرة، قال الإمام نجم الدين: يجوز النكاح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول، زكريا: ۲٦۹/۱، زكريا جديد: ۳۳٤/۱)

لو وكلت امرأة رجلاً أن يتزوجها فعقد بحضرة رجل، أو امرأتين جاز، إن كانت حاضرة. (تبيين الحقائق، مكتبه امدادية ملتان: ۱۰۰/۲، زكريا ديوبند: ٤٥۸/۲، هكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا: ٤۲/٤، رقم: ٥٤۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۶/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۲/۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۴۴-۴۵)

زوجین کا دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو بلایا اور کہا کہ یہ لڑکی دو جگہ سے طلاق شدہ ہے، پہلے شوہر سے ایک لڑکی ہے جو بیمار ہے، بعد کو دوسرا نکاح کیا، اس نے بھی طلاق دے دی، اب یہ محنت مزدوری کرتی ہے، میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ شہر امام معصوم علی صاحب کو لاکر میرا نکاح کرادیں، شخص مذکور نے کہا کہ قانونی طلاق نامہ ہے، یا نہیں؟ جواب ملا کہ قانونی ڈر سے قانونی طلاق نامہ تحریر نہیں کیا، نہ اس کے والدین ہیں، نہ حمایتی، شخص مذکور نے کہا کہ اگر یہ معاملہ شرعاً پاک وصاف ہے تو شرعاً نکاح کرلو، جب قانوناً طلاق نامہ حاصل ہوجائے تو پھر قانوناً نکاح کرلینا، شرعاً نکاح کا طریقہ یہ ہے: آپ دونوں میں سے ایک دوسرے سے کہہ دیں کہ میں نے اپنا نکاح تمہارے ساتھ بالعوض دین مہر مبلغ اتنے کیا، دوسرا یہ کہہ دے کہ قبول کیا میں نے، اس کو اس ایجاب وقبول کے سننے والے دو گواہ ہوں۔ اس طرح سے آپ شرعاً میاں بیوی ہوجائیں۔ بعدہ عدالت سے فسخ نکاح کا فیصلہ حاصل کرکے قانوناً نکاح کرلینا۔ شخص اول نے ایک صاحب کو بلالیا، دونوں کی موجودگی میں لڑکے نے لڑکی سے کہا کہ میں نے اپنا نکاح بالعوض دین مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ معجّل تمہارے ساتھ کیا، لڑکی نے کہا کہ قبول کیا میں نے اس کو، لڑکی کے والد والدہ بھائی کوئی نہیں ہے۔

(۱) سوال یہ ہے کہ نکاح شرعاً درست ہوگیا، یانہیں؟

(۲) لڑکا پٹھان برادری کا ہے، لڑکی ترک برادری کی، لہٰذا کفو میں نکاح درست ہوگیا، یانہیں؟

(المستفتی: سرتاج احمد، محلّہ قاضی ٹولہ، دیوان بازار مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالٰی، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب دو گواہوں کے سامنے مرد وعورت نے باقاعدہ ایجاب وقبول سے نکاح کرلیا ہے تو شرعاً نکاح معتبر ہو چکا ہے، بشرطیکہ اس سے قبل جس کے نکاح میں تھی، اس نے طلاق دے دی ہو اور عدت بھی گزر گئی ہو۔

النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول (وقوله) ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضرة شاهدين حرين مسلمين بالغين الخ. (الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، امدادية ملتان: ٦٦/٢، دارالكتاب ديوبند: ٦٥/٢-٦٦)

اور کفو کا اعتبار یوں ہوتا ہے کہ اونچی ذات کی عورت، نیچی ذات کے مرد کے نکاح میں ولی کی مرضی کے بغیر نہ جائے اور یہاں پر پٹھان اونچی برادری سمجھی جاتی ہے اور ترک اس سے نیچے سمجھی جاتی ہے؛ اس لیے اس نکاح میں کفو کا اشکال بھی نہ ہوگا۔

الكفاءة معتبرة ... من جانبه أي الرجل؛ لان الشريفة تابى أن تكون فراشاً للدني، ولذا لاتعتبر من جانبها؛ لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش، الخ. (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، زكريا ديوبند: ٢٠٦/٤-٢٠٧، كراتشي: ٨٤/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۹۸۶/۲۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۱/۱۴۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۴۵/۱۳-۴۶)

دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کی اجازت دیا اور مرد نے قبول کرلیا، کیا حکم ہے:

سوال: فاطمہ بالغہ نے دو گواہوں کے سامنے کہا میں ایک ہزار روپیہ نقد پچھتر روپے کے کپڑے اور پانچ بیگھہ زمین کے عوض تمہارے ساتھ راضی ہوں، اسماعیل نے جواباً کہا: مجھے سب منظور ہے۔ فاطمہ نے کہا: اب میں تمہاری ہوچکی، اسماعیل نے کہا: میں نے قبول کیا، پھر فاطمہ بولی: میں نے اپنی ذات تم کو سونپی، اسماعیل نے کہا: میں نے منظور کیا، پھر دونوں بہت سے لوگوں سے اس کی اطلاع کردی۔ نکاح ہوگیا، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اس صورت میں بشرط نیت ناکح وفہم المقصود نکاح منعقد ہوگیا۔

فی الدرالمختار: وعداهما كناية وهو كل لفظ وضع التمليك عين كاملة. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۱۴/۷-۵۱۵)

(۱) الدرالمختار على الشامي: ۲۹۰/۲، ظفير

دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح، البتہ نکاح نامہ پر ایک گواہ کا دستخط ہو تو نکاح کا حکم:

سوال: میں فریدہ خاتون کا نکاح محمد لقمان سے ۲۵۰۰۰/روپئے کے عوض مئی ۱۹۹۲ء کو دو گواہوں کی موجودگی میں ہوا، نکاح نامہ پر صرف ایک گواہ کا دستخط ہے، دوسرے گواہ کا دستخط نہیں ہے، کیا یہ نکاح صحیح ومنعقد ہوا؟ اب جب کہ گیارہ سال تک ہم دونوں ایک ساتھ رہتے چلے آرہے ہیں؛ لیکن ادھر شوہر کہتا ہے کہ تمہارا نکاح ہم سے صحیح نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ بوقت نکاح ہم دونوں بالغ تھے اور یہ نکاح دونوں کی رضامندی سے ہوا تھا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صحت نکاح کے لیے گواہوں کا دستخط ضروری نہیں ہے، شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول نکاح کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے، (۱) لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعۃً آپ دونوں کا نکاح شرعی گواہوں کی موجودگی میں ہوا تھا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ومنعقد ہوا اور آپ دونوں آپس میں میاں بیوی ہوئے۔ شوہر کا یہ کہنا کہ یہ نکاح صحیح و درست نہیں ہوا، شرعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴/۳/۱۴۲۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴۹)

مرد وعورت کا دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا:

سوال: ایک مرد، عورت نے دو گواہوں کے سامنے اپنا عقد پندرہ روپئے میں کیا تو یہ نکاح درست ہوا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب ایک مرد اور ایک عورت نے دو گواہوں کے سامنے اپنا عقد پندرہ روپئے میں کیا تو یہ نکاح درست اور جائز ہوا۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد الصمد رحمانی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۵۱)

تین مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں ہونے والے نکاح کو نہ ماننے والوں کا حکم:

سوال: میں محمد اسلم نے اپنے اور لڑکی کے گھر والوں سے چھپ کر نکاح کیا اور نکاح میں تین مرد اور ایک عورت نے گواہی دی، گواہی دینے والوں میں کوئی بھی میرا، یا لڑکی کا رشتے دار نہ تھا؛ بلکہ وہ میرے دوست اور ایک دوست کی بیوی تھی۔ نکاح کے بعد میں نے اپنی بیوی کو اسی کے گھر چھوڑ دیا اور اس بات کو دونوں طرف کے والدین سے چھپایا

---

(۱) ینعقد بإیجاب وقبول وضعا للمضی أو أحدهما و إنما یصح بلفظ النکاح والتزویج وما وضع لتملیک العین فی الحال عند حرین أو حر وحرتین عاقلین بالغین مسلمین. (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق: ۳/۱۳۶-۱۵۵)

(۲) ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرّین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین. (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶)

گیا۔تقریباً ایک ماہ کے بعد میں اپنے طور پر لڑکی کو لڑکی کی اجازت سے اپنے ساتھ لے گیا اور ہم دونوں میاں بیوی تقریباً ایک ہفتے تک ساتھ رہے۔اس دوران دونوں طرف کے گھر والوں کو پتہ چل گیا اور ان کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ہمیں مجبوری میں الگ الگ گھر جانا پڑا۔اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد لڑکی کے ماں اور باپ نے بغیر کسی لڑائی اور زبردستی کے خود لڑکی کی رخصتی کردی۔اب ہمارے چار بچے ہیں؛لیکن لڑکی کے بعض عزیز واقارب اور رشتے دار اس نکاح کو نہیں مانتے اور اپنے طور پر فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ نکاح نہیں، گناہ ہے۔برائے مہربانی مجھے اس کا فتویٰ مفصل اور جلد از جلد ارسال کردیں؟ جناب کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شریعت مطہرہ میں نکاح کے معتبر ہونے کے لیے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، اس کے بغیر تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، البتہ شریعت کی نظر میں مستحسن اور محمود امر یہ ہے کہ نکاح مجمع عام مسجد وغیرہ میں ہو؛ تاکہ تشہیر بھی ہوجائے اور دوسرے مصالح کا حصول بھی آسان ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر یہ نکاح کفو (دینداری، مال اور پیشہ وغیرہ میں لڑکا ہمسر یا زیادہ ہو) میں ہوا ہو تو چوں کہ گواہوں کی تعداد مکمل ہے، چناں چہ یہ نکاح شرعاً منعقد سمجھا جائے گا، نیز لڑکی کے عزیز واقارب کا اس نکاح کو نہ ماننا اور اگر نکاح کفو میں ہے تو یہ کہنا کہ ''یہ نکاح نہیں؛ بلکہ گناہ ہے''، یہ بات درست نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۸۲): ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَائِ اَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الاُخْرٰى﴾(الآیة)

وفی الدرالمختار (۲۱/۳): **(وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين، الخ.**

وفی الشامية تحته: قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد، أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته.

وفي الدرالمختار (۵۷/۳): **(ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى.** (نجم الفتاویٰ:۴/۹۷-۹۸)

نکاح کے لیے گواہ کم از کم کتنے ہوں:

سوال (۱) اگر کوئی مقام کفرستان ہو اور مسلمان دور دراز فاصلہ پر ہوں، محض ایک ہی مسلمانوں کا گھر ہو، نیز لڑکی جوان العمر عاقلہ بالغہ ہو اور لڑکا بھی جوان ہو، وہ روبرو ایک مرد اور ایک عورت کے اپنا نکاح کرلیں، مجبوری ومسلمان نہ ہونے واندیشہ، نیز حرام سے بچنے کی غرض سے۔کیا نکاح جائز ہے؟

(۲) ہر دو گواہواں مرد وعورت کے ہمراہ ایک لڑکی مسلمان چودہ سالہ جس کو کئی مرتبہ حیض آچکا ہے، وہ بھی بوقتِ نکاح موجود ہوتی ہے، کیا لڑکی کی شہادت از روئے شرع معتبر ہے؟

حضرت مولانا حافظ محدث اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر دو استفتاء موافق چھ سوالات از روئے شرع محمدی نکاح ہو گیا ہے، یہ نہیں ٹوٹ سکتا؛ مگر بکر کہتا ہے کہ مدرسہ سہارنپور کا فتوی بمعہ آیات قرآن واحادیث مستفسرہ معہ مہر مدرسہ ہونا چاہیے۔

(۳) اگر بکر دوسری جگہ دختر کو دے دے تو جو افعال حرام ہوا اس کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا؟ کیا دوسری جگہ دینا جائز ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱-۲) حنفیہ کے نزدیک ایجاب وقبول کم از کم دو عاقل مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہونا ضروری ہے، ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے ایجاب وقبول نکاح با قاعدہ سنا ہے تو ان کی شہادت معتبر ہے اور چودہ سالہ لڑکی کی جب وہ بالغہ ہے، شہادت معتبر ہے۔(۱)

(۳) تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ نکاح شریعت کے موافق منعقد ہوا، یا نہیں؟ اس پر حکم نہیں لگایا جا سکتا، اگر نکاح کے منعقد ہونے کی صرف یہی صورت ہے جو کہ پہلے سوال کے نمبر (۱،۲) میں مذکور ہے تو شرعاً نکاح نہیں ہوا، بکر کو جائز ہے کہ اپنی دختر کا نکاح اس کی رضامندی سے دوسری جگہ کر دے۔ ہاں! اگر دختر دوسری جگہ رضامند نہ ہو تو زید ہی سے دوبارہ با قاعدہ نکاح کر دے، دختر بالغہ کی مرضی کے خلاف بکر کو کسی جگہ اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور پہلے سوال نمبر (۱،۲) میں جو الفاظ ہیں، وہ کافی نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی ہمارے سامنے نہیں، معلوم نہیں وہاں کیا سوال لکھا گیا ہے؟ اور انہوں نے کیا جواب مرحمت فرمایا ہے؟ اس لیے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۵/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۱۷-۶۱۸)

ایک بالغ بہن اور دو نابالغ بچوں کے سامنے ایجاب وقبول کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اور فاطمہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے بے انتہاء محبت کرتے تھے، دونوں نے محبت کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے ایجاب وقبول کر لیا، جواباً لڑکے نے بھی لڑکی سے کہا کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا، گواہوں میں اس لڑکی کی بالغہ بہن اور دو نابالغ بچے موجود تھے؛ لہٰذا اس نکاح کی کیا نوعیت ہوگی، نکاح ہو گیا، یا نہیں؟

---

(۱) قال العلامة المرغيناني رحمه الله: "ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولا كانوا أو غير عدول". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علمية ملتان)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰہ التوفیق

مسئولہ صورت میں چوں کہ لڑکی اورلڑکے کے ایجاب وقبول کے وقت دوشرعی گواہ موجودنہیں ہیں؛ اس لیے اُن کے درمیان نکاح منعقدنہیں ہوا، ایک بالغہ بہن اوردونابالغ بچوں سے شرعی گواہی پوری نہیں ہوتی۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما فی شہادۃ الصبیان لا تجوز. (السنن الکبریٰ للبیہقی، باب من رد شہادۃ الصبیان: ۱۹۲/۱۵، رقم: ۲۱۲۰۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

مالک عن أبی الزبیر أن عمر رضی اللّٰہ عنہ أتی برجل فی نکاح لم یشھد علیہ إلا رجل وامرأۃ، فقال عمر: ھٰذا نکاح السرّ ولا نجیزہ، ولوکنت تقدمت فیہ لرجمت. (رواہ محمد فی المؤطا (۲٤۱/۱) وھو مرسل صحیح. (إعلاء السنن: ۳۰/۱۱، رقم: ۳۰۹۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وشرط حضور شاھدین حرین، او حر وحرتین. (الدر المختار) وفی الشامیۃ: وشرط فی الشھود الحریۃ والعقل والبلوغ. (شامی: ۸۷/٤-۹۰، زکریا)

قال فی البحر: وشرط فی الشھود أربعۃ: الحریۃ والعقل والبلوغ والإسلام. (البحر الرائق: ۱۵۸/۳، زکریا)

وأما الشرائط فی الأصل فنوعان: نوع ھو شرط تحمل الشھادۃ، ونوع ھو شرط أداء الشھادۃ ... وأما البلوغ والحریۃ والإسلام والعدالۃ فلیست من شرائط التحمل؛ بل من شرائط الأداء. (بدائع الصنائع: ۸۰/۵/۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۴۴/۸-۱۴۵)

صرف ایک مرداورایک عورت کے سامنے ایجاب وقبول سے نکاح درست نہیں ہوا:

سوال: ایک بالغہ لڑکی نے ایک مرداورایک عورت کے سامنے ایک بالغ لڑکے کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ بالعوض پانچ ہزارروپے کے آپ مجھ کواپنی زوجیت میں قبول کرلو، لڑکے نے قبول کرلیا، علاوہ ازیں اورکوئی احکام عقد کے ادا نہ ہوسکے، مثلاً خطبہ وگواہ وغیرہ کا ہونا، یہ نکاح درست ہوا، یانہیں؟

الجواب ———

درمختار میں ہے:

’’**وشرط حضورشاھدین حرین أوحر وحرتین مکلفین سامعین قولھمامعاً**‘‘. (۱)

پس معلوم ہواکہ بدون حاضر ہونے دومردآزاد، یاایک مرداوردوعورتوں کے جوکہ ایجاب وقبول کوسنیں نکاح منعقد نہ ہوگا۔ پس صورت مسئولہ میں کہ صرف ایک مرداورایک عورت موجودتھی، نکاح منعقد نہ ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹۸/۷)

(۱) الدرالمختارعلی ھامش ردالمحتار کتاب النکاح: ۳۷۳/۳، ظفیر

نکاح میں ایک گواہ نابالغ ہو:

سوال: نکاح میں دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے؛ مگر کیا یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دونوں بالغ ہوں، اگر ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ تو کیا نکاح درست ہو جائے گا؟

(شبیر احمد، VT، ممبئی)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

نکاح درست ہونے کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، نیز دونوں گواہوں کا مسلمان اور عاقل و بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔

”و لا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین بالغین عاقلین مسلمین“.(۱)

اس لیے ایک بالغ اور ایک نابالغ گواہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۰۳-۳۰۴)

سولہ سالہ گواہ کی گواہی سے نکاح درست ہو جائے گا:

سوال: ایک آدمی نے اپنی لڑکی مطلقہ سے اجازت لے کرا کیلے مکان میں روبرو دو گواہوں کے ایجاب وقبول کرایا، (بغیر خطبہ وغیر) مکان مذکور میں صرف چار آدمی تھے، باقی عورت وغیرہ کوئی موجود نہ تھا، مکان میں ایک سسر، دوسرا شوہر اور دو گواہ، گواہوں میں ایک کی عمر: ۱۶/ سال تھی، جس کے منہ پر داڑھی وغیرہ کے آثار نہیں تھے، اس کم عمر والے گواہ کے ہونے سے مذکورہ نکاح درست ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

درست ہے، لڑکا پندرہ سال کی عمر کو پہنچنے سے بالغ شمار کیا جاتا ہے۔ (۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۳۱۹/۲/۲۷ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ عثمانی:۲/۲۷۷-۲۷۸)

صرف ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح درست نہیں ہے:

سوال: اگر پدر نفس دختر نابالغہ خود بہ پسر شخص بہ نکاح بدہد آں شخص برائے پسر قبول کند، گواہ صرف ملا صاحب دارد، آں نکاح راچہ حکم است؟

---

(۱) مختصر القدوری، ص: ٦٦

(۲) وفی الدر المختار، کتاب الحجر، فصل فی بلوغ الغلام (طبع سعید): بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیهما شیء فحتی یتم لکل منهما خمس عشر سنة به یفتیٰ.

وفی الهندیة، کتاب الحجر الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ: ١٦/٥ (طبع رشیدیة): والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة إذا انتهی إلیه خمس عشرة سنة عند أبی یوسف ومحمد رحمهما الله وهو روایة عن أبی حنیفة وعلیه الفتویٰ.

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

اگر آں پسر ہم نابالغ است نکاح منعقد نہ شد کہ صرف یک گواہ ملا صاحب باقی ماند، البتہ پسر بالغ تعبیر پدرش باو راجع شود و پدر ہم گواہ متصور شود، پس نکاح منعقد شود۔ (کما صرح به الفقهاء) (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۵/۷)

لڑکی نے بھاگ کر لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا:

سوال: ایک گاؤں کا لڑکا دوسرے گاؤں کے ایک بوڑھے اور بڑھیا کے پاس رہنے لگا، کچھ دنوں کے بعد اس بوڑھے کا انتقال ہوگیا، وہ لڑکا اب تک اس بڑھیا کے پاس ہے، اس بڑھیا کے یہاں ایک لڑکی بالغہ ہے، اس لڑکی کے والدین نے لڑکے سے کہا: تم فکر نہ کرو، تمہاری شادی ہم اپنی لڑکی سے کردیں گے؛ لیکن دو چار ماہ انتظار کرنا ہوگا۔ وہ لڑکا کہنے لگا کہ جب شادی کرنی ہے تو اسی ماہ میں کردیجئے، اس کے بعد ان لوگوں مین جھگڑا ہوگیا اور جھگڑا کے بعد اس لڑکی کے والدین نے شادی کرنے سے انکار کردیا اور لڑکی کو جب انکار کا علم ہوا تو اس نے اپنے والدین سے کہا کہ جب تم لوگوں نے شادی کی بات کرلی تو انکار نہیں کرنا چاہیے تھا؛ مگر اس کے والدین شادی پر رضامند نہیں ہوئے اور جب ان دونوں کی شادی نہیں ہوئی تو لڑکی بھاگ کر لڑکے کے پاس آئی اور شادی کرلی تو کیا یہ نکاح درست ہوا؟ گواہ سات لوگ بیٹھے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ لڑکی بھاگ کر آئی تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف دو آدمی نکاح کے وقت بچے، ان میں سے ایک کی داڑھی تھی اور ایک کی نہیں تھی، یہی دو آدمی نکاح کے شاہد ہیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

لڑکی کے والدین نے سخت غلطی کی کہ بات چیت طے کرلینے کے باوجود اپنے جھگڑے کی وجہ سے شادی کرنے سے انکار کردیا اور لڑکی کے توجہ دلانے سے بھی آمادہ نہیں ہوئے، اس غلطی کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) لڑکی اور لڑکے نے بھاگ کر بہت نالائقی کا ثبوت دیا کہ خاندان کی عزت کو داغ لگایا، خلاف شرع کام کرکے گنہگار ہوئے؛ تاہم جب دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوگیا، (۲) اگرچہ ایک

---

(۱) ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز إن كانت ابنته حاضرة. (الدرالمختار) قيد بالبالغة لأنها لو كانت صغيرة لا يكون الولي شاهد إلا أن العقد لا يمكن نقله إليها، بحر. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۷/۲، ظفير)

سوال کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایک دوسرے شخص کے لڑکے سے کیا؛ مگر اس طرح کہ اس مجلس میں لڑکے لڑکی کے والد کے سوا صرف ایک قاضی صاحب تھے اور کوئی نہ تھا؟

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں ہوا؛ اس لیے کہ صرف ایک گواہ تھا، البتہ اگر لڑکا بالغ ہوتا تو نکاح اس صورت میں درست ہوجاتا۔ (ظفیر)

(۲) "النكاح ينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... بشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين، الخ". (الدالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳-۲۲، سعيد) ==

گواہ کے داڑھی نہیں، انعقادِ نکاح ایسے لوگوں کے سامنے بھی ہوجاتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۲/۵/۲۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۵۵۲-۵۵۳)

== قال الحصكفي:فنفذ نكاح حرة مكلفة بلارضا ولى،والأصلُ أن كل من تصرف فى ماله، تصرف فى نفسه، ومالا فلا.

قال ابن عابدين: واحترز بالمكلفة عن الصغيرة والمجنونة، فلا يصح إلا بولى ... وأما حديث ''أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، وحسنه الترمذى، وحديث ''لا نكاح إلا بولى'' رواه أبو داؤد و غيره فمعارض بقوله صلى الله عليه وسلم: الأيم أحق بنفسها من وليها، رواه مسلم و أبوداؤد والترمذى، والنسائى ومالک فى الموطأ، والأيمُ ما لا زوج لا بكراً أو لا، فإنه ليس للولى إلا مباشرة العقد إذا رضيت، وقد جعلها أحق منه به، و يترجح هذا بقوة السند والاتفاق على صحته بخلاف الحديثين الأوليين، فانه ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفى للكمال،الخ.(الدر المختار مع رد المحتار: ٣/٥٥، كتاب النكاح، باب الولى،دار الفكر، بيروت،انيس)

(۱) ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا فى فتاوىٰ قاضى خان.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب النكاح ، الباب الاول: ١/٢٦٧،رشيدية)(وأما الأخذ منها وهى دون ذلک كما فعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند و مجوس الأعاجم.(الدرالمختار: ٢/٤١٨،ط:سعيد،انيس)

وَلَا يُفْعَلُ لِتَطْوِيلِ اللِّحْيَةِ إِذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُونِ وَهُوَ الْقُبْضَةُ.(الهداية)(قَوْلُهُ: وَهُوَ) أَىْ الْقَدْرُ الْمَسْنُونُ فِى اللِّحْيَةِ (الْقُبْضَةُ) بِضَمِّ الْقَافِ، قَالَ فِى النِّهَايَةِ: وَمَا وَرَاءَ ذَلِکَ يَجِبُ قَطْعُهُ هَكَذَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ اللِّحْيَةِ مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا أَوْرَدَهُ أَبُو عِيسَى يَعْنِى التِّرْمِذِيَّ فِى جَامِعِهِ، رَوَاهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، فَإِنْ قُلْتَ: يُعَارِضُهُ مَا فِى الصَّحِيحَيْنِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحْيَةَ، فَالْجَوَابُ: أَنَّهُ قَدْ صَحَّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَاوِى هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْفَاضِلَ عَنْ الْقُبْضَةِ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِى كِتَابِ الْآثَارِ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِى الْهَيْثَمِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ ثُمَّ يَقُصُّ مَا تَحْتَ الْقُبْضَةِ ، وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَالنَّسَائِىُّ فِى كِتَابِ الصَّوْمِ عَنْ عَلِىِّ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ الْحَسَنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ سَالِمٍ الْمُقَنَّعِ قَالَ: رَأَيْت ابْنَ عُمَرَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ فَيَقْطَعُ مَا زَادَ عَلَى الْكَفِّ وَقَالَ:كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذَا أَفْطَرَ قَالَ: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتْ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَذَكَرَهُ الْبُخَارِىُّ تَعْلِيقًا فَقَالَ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ إذَا حَجَّ أَوْ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ،وَقَدْ رُوِىَ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ أَيْضًا أَسْنَدَهُ ابْنُ أَبِى شَيْبَةَ عَنْهُ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَيُّوبَ مِنْ وَلَدِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِى زُرْعَةَ قَالَ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ – يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ فَيَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنْ الْقُبْضَةِ ،فَأَقَلُّ مَا فِى الْبَابِ إنْ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى النَّسْخِ كَمَا هُوَ أَصْلُنَا فِى عَمَلِ الرَّاوِى عَلَى خِلَافِ مَرْوِيِّهِ مَعَ أَنَّهُ رُوِىَ عَنْ غَيْرِ الرَّاوِى،وَعَنْ النَّبِىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْمَلُ الْإِعْفَاءُ عَلَى إعْفَائِهَا مِنْ أَنْ يَأْخُذَ غَالِبَهَا أَوْ كُلَّهَا، كَمَا هُوَ فِعْلُ مَجُوسِ الْأَعَاجِمِ مِنْ حَلْقِ لِحَاهُمْ كَمَا يُشَاهَدُ فِى الْهُنُودِ وَبَعْضِ أَجْنَاسِ الْفِرِنْجِ، فَيَقَعُ بِذَلِکَ الْجَمْعُ بَيْنَ الرِّوَايَاتِ، وَيُؤَيِّدُ إرَادَةَ هَذَا مَا فِى مُسْلِمٍ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِىِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ، فَهَذِهِ الْجُمْلَةُ وَاقِعَةٌ مَوْقِعَ التَّعْلِيلِ،وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِىَ دُونَ ذَلِکَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ.(فتح القدير،باب مايوجب القضاء والكفارة: ٢/٣٤٨،دارالفكر بيروت،انيس)

ولی کی اجازت کے بغیر اغواشدہ لڑکی سے نکاح:

سوال: کسی شخص نے کسی بالغہ لڑکی کو اغوا کر کے دو گواہوں کی موجودگی میں مہر مقرّر کر کے نکاح کرلیا ہے، جب کہ یہ نکاح دونوں کے والدین ورشتہ داروں کے لیے بدنامی کا باعث ہے، نیز دونوں ہم کفو بھی نہیں۔ کیا یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب

دُوسرے ائمہ کے نزدیک تو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں اور ہمارے اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کفو میں تو ہوجاتا ہے اور غیرِ کفو میں دو روایتیں ہیں، فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح نہیں ہوتا؛(۱) اس لیے اغوا شدہ لڑکیاں جو غیر کفو میں والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیتی ہیں، چاروں فقہائے اُمت کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق ان کا نکاح فاسد ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۱۵/۶)

تعیینِ گواہاں کے بغیر مجمع میں نکاح:

سوال: یہاں پر ایک بارات میں مسجد میں آئی، نماز مغرب کے بعد نکاح ہونا تھا، نکاح خواں نے کہا کہ گواہ لاؤ،

---

(۱) وَأَنَّ الْمُفْتَى بِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ الْإِمَامِ مِنْ عَدَمِ الِانْعِقَادِ أَصْلًا إذَا كَانَ لَهَا وَلِيٌّ لَمْ يَرْضَ بِهِ قَبْلَ الْعَقْدِ فَلَا يُفِيدُ الرِّضَا بَعْدَهُ. (البحر الرائق، فصل فی الأکفاء: ۱۳۷/۳، دارالمعرفة بیروت)

نفذ نكاح حرّة مكلفة بلا ولی وله الاعتراض فی غير الكفو وروى الحسن عن الامام عدم جوازه، الخ. (ملتقى الأبحر) (وَلَهُ) أَیْ لِكُلٍّ مِنْ الْأَوْلِيَاءِ إذَا لَمْ يَرْضَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ (الِاعْتِرَاضُ) أَیْ وِلَايَةُ الْمُرَافَعَةِ إلَى الْقَاضِی لِيَفْسَخَ وَلَيْسَ هَذَا التَّفْرِيقُ طَلَاقًا حَتَّى لَا يَنْقُصَ عَدَدُ الطَّلَاقِ وَلَا يَجِبُ شَیْءٌ مِنْ الْمَهْرِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَلَوْ بَعْدَهُ لَهَا الْمُسَمَّى، وَكَذَا بَعْدَ الْخَلْوَةِ الصَّحِيحَةِ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا نَفَقَةُ الْعِدَّةِ وَلَا يَثْبُتُ إلَّا بِالْقَضَاءِ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ وَالنِّكَاحُ صَحِيحٌ يَتَوَارَثَانِ بِهِ إذَا مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْقَضَاءِ (فِی غَيْرِ الْكُفْءِ) دَفْعًا لِضَرَرِ الْعَارِ، فَإِنْ رَضِیَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ لَيْسَ لِمَنْ فِی دَرَجَتِهِ أَوْ أَسْفَلَ اعْتِرَاضٌ .هَذَا إذَا لَمْ تَلِدْ مِنْهُ وَأَمَّا إذَا سَكَتَ حَتَّى وَلَدَتْ فَلَيْسَ لَهُ الِاعْتِرَاضُ لِئَلَّا يَضِيعَ الْوَلَدُ كَمَا فِی أَكْثَرِ الْمُعْتَبَرَاتِ وَقِيلَ: لَهُ الِاعْتِرَاضُ وَإِنْ وَلَدَتْ أَوْلَادًا،وَفِی الْمُحِيطِ لَوْ فَارَقَتْهُ بَعْدَ رِضَى الْوَلِیِّ بِنِكَاحِهَا، ثُمَّ تَزَوَّجَتْ مِنْهُ بِدُونِ رِضَاهُ لَهُ الِاعْتِرَاضُ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْفَسْخِ يَتَجَدَّدُ بِتَجَدُّدِ النِّكَاحِ (وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ الْإِمَامِ) وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِی يُوسُفَ (عَدَمَ جَوَازِهِ) أَیْ عَدَمَ جَوَازِ نِكَاحِهَا إذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بِلَا وَلِیٍّ فِی غَيْرِ الْكُفْءِ وَبِهِ أَخَذَ كَثِيرٌ مِنْ مَشَايِخِنَا؛ لِأَنَّ كَمْ مِنْ وَاقِعٍ لَا يُرْفَعُ (وَعَلَيْهِ فَتْوَى قَاضِی خَانْ) وَهَذَا أَصَحُّ وَأَحْوَطُ وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى فِی زَمَانِنَا إذْ لَيْسَ كُلُّ وَلِیٍّ يُحْسِنُ الْمُرَافَعَةَ وَلَا كُلُّ قَاضٍ يَعْدِلُ فَسَدُّ هَذَا الْبَابِ أَوْلَى خُصُوصًا إذَا وَرَدَ أَمْرُ السُّلْطَانِ هَكَذَا وَأَمَرَ بِأَنْ يُفْتَى بِهِ. (مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۴۸۸/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلِ الْوِلَايَةُ شَرْطٌ مِنْ شُرُوطِ صِحَّةِ النِّكَاحِ؟ أَمْ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ؟ فَذَهَبَ مَالِكٌ إِلَى أَنَّهُ لَا يَكُونُ النِّكَاحُ إِلَّا بِوَلِیٍّ، وَأَنَّهَا شَرْطٌ فِی الصِّحَّةِ فِی رِوَايَةِ أَشْهَبَ عَنْهُ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِیُّ .وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ، وَزُفَرُ، وَالشَّعْبِیُّ، وَالزُّهْرِیُّ: إِذَا عَقَدَتِ الْمَرْأَةُ نِكَاحَهَا بِغَيْرِ وَلِیٍّ، وَكَانَ كُفُؤًا جَازَ،وَفَرَّقَ دَاوُدُ بَيْنَ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ، فَقَالَ بِاشْتِرَاطِ الْوَلِیِّ فِی الْبِكْرِ وَعَدَمِ اشْتِرَاطِهِ فِی الثَّيِّبِ. (بداية المجتهد لابن رشد: ۶/۲-۷، كتاب النكاح، الفصل الأول فی الأولياء، طبع المكتبة العلمية لاهور، باكستان/الفقه الإسلامی وأدلته: ۸۲/۷، طبع بيروت)

لڑکی کے باپ نے کہا کہ خدا کے گھر میں بیٹھے ہیں، گواہ کی کیا ضرورت ہے، تم نکاح پڑھاؤ۔اس وقت لڑکی کی اجازت بھی کوئی ظاہر نہیں کی گئی تو یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب مجمع کے سامنے ایجاب وقبول کرایا گیا ہے تو وہی سب گواہ ہیں، مستقلا مقرر کر کے گواہ بنانا ضروری نہیں۔(۱) اگر لڑکی کے والد نے پہلے ہی کہہ دیا ہو کہ فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر تمہارا نکاح کر رہا ہوں اور لڑکی نے انکار نہ کیا ہو تو یہ بھی اجازت ہے، اگر پہلے نہ کہا ہو اور نکاح کے بعد جا کر خبر کردے اور لڑکی خبر سن کر اس کو منظور کرے؛ بلکہ خاموش رہے، تب بھی وہ نکاح پختہ اور لازم ہو جاتا ہے۔(۲) ہاں! خبر سن کر فورا اس نے انکار کر دیا کہ مجھے منظور نہیں تو وہ جب ہی ختم ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہوتا ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۳۹۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۶۲۱/۱۰-۶۲۲)

گواہوں کی تعیین کئے بغیر مجلس کے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ قاضی صاحب نے زید کا نکاح حاضرین مجلس کے سامنے بغیر دو گواہوں کو متعین کئے لڑکی کے والد کی اجازت سے صرف حاضرین کو گواہ بنا کر پڑھا دیا۔

(۲) قاضی صاحب نے زید سے کہا کہ فلانہ بنت فلاں تمہاری زوجیت میں آنا چاہتی ہے، کیا تم نے قبول کیا؟ زید نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو کیا مذکورہ نکاح اور صرف حاضرین مجلس کو گواہ بنا کر نکاح پڑھا دینے سے نکاح ہو گیا، یا نہیں؟ نیز بوقت نکاح لڑکا ولڑکی دونوں بالغ تھے۔

(المستفتی: محمد قربان علی، مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی، عربی ہفتم)

---

(۱) "(ولو بعث) مريدُ النكاح (أقواما للخطبة، فزوجها الأب) أوالأولى (بحضرتهم، صح) فيجعل المتكلم فقط خاطبا والباقي شهوداً، به يفتى". (الدر المختار) "وعليه الفتوى؛ لأنه ضرورة في جعل الكل خاطبا، فيجعل المتكلم فقط، والباقي شهود". (رد االمحتار: ۷۷/۳، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، سعيد)

"رجل زوج ابنته من رجل في بيت وقوم في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم، ان كان من هذا البيت الى ذلك البيت كوة رأو الأب منها ، تقبل شهادتهم ... رجل بعث أقواما لخطبة امرأة إلى والدها، فقال الأب: زوجت، وقبل عن الزواج واحدٌ من القوم، لا يصح النكاح، وقيل: يصح، وهو الصحيح، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۲٦۸/۱، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعا،الخ، رشيديه)

(۲) "(فإن استأذنها هو: أو الولي وهوالسنة (أو وليه أو رسوله أو زوجها) وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارة أو ضحكت غير مستهزأة". (الدر المختار: ۵۸/۳-۵۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(۳) "بالغة زوجها أبوها، فبلغا الخبر، فقالت: لا أريد، أو قالت: لاأريد فلاناً، فالمختار أنه رد في الوجهين". (الفتاوى الهندية: ۲۸۸/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) جب قاضی صاحب نے دو گواہوں کو متعین کئے بغیر حاضرین مجلس کو گواہ بنا کر زید کا نکاح پڑھا دیا تو عقد نکاح منعقد ہو گیا، اب دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے گواہوں کو نامزد کرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ دو مسلمانوں کا جانبین کے ایجاب وقبول کے الفاظ کا سننا لازم ہے اور جب حاضرین مجلس میں سے جانبین کے ایجاب وقبول کے الفاظ دو، یا دو سے زائد افراد نے سن لیا ہے تو سننے والے خود بخود گواہ ثابت ہو گئے نامزد کر کے متعین کرنا لازم نہیں؛ بلکہ صرف آسانی کے لیے نامزد کیا جاتا ہے۔

لايخفىٰ أنه إذا كان الشهود كثيرين لا يلزم معرفة الكل؛ بل إذا ذكر اسمها وعرفها اثنان منهم كفىٰ. (فتاوى شامي، كتاب النكاح، مطلب:الخصاف كبير في العلم يجوز الإقتداء به، كراتشي:۲۲/۳،زكريا:۹۰/٤)

(۲) ''آنا چاہتی ہے'' اس لفظ کا استعمال دو طریقے سے ہو سکتا ہے۔

(۱) مجلس نکاح سے باہر تو ایسی صورت میں یہ الفاظ ایجاب وقبول کے قابل نہیں ہوں گے؛ اس لیے اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(۲) مجلس نکاح میں ایجاب وقبول کے وقت میں ایجاب وقبول کی جگہ پر یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور پھر لڑکے نے انہیں الفاظ کو ایجاب سمجھ کر قبول کر لیا، تو نکاح صحیح ہو جائے گا؛ اس لیے کہ نکاح میں آنا چاہتی ہے، یہ استقبال کا صیغہ ہے اور مجلس نکاح میں ایجاب کی جگہ پر استقبال کے صیغہ کا استعمال درست ہے؛ اس لیے کہ استقبال کا صیغہ حال کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں بھی ''آنا چاہتی ہے'' اگرچہ استقبال ہے؛ لیکن ایجاب کی جگہ پر حال بن سکتا ہے۔

ينعقد النكاح بلفظ يصلح للحال، والاستقبال مثل أتزوجك وانكحك. (الفتاوى التاتارخانية، كوئٹه: ۵۸۰/۲، زكريا ديوبند: ٥/٤، رقم: ٥٣٦٣، حاشية چلپى، مكتبه إمداديه ملتان: ۹٦/۲، زكريا: ٤٤٨/۲)

فإذا قال في المجلس: زوجت، أو قبلت... والثاني المضارع المبدوء بهمزة، أونون، أوتاء.

وفي الشامي تحت(قوله: المبدوء بهمزة) كأتزوجك بفتح الكاف وكسرها. (الدر المختار مع الشامي، زكريا: ٧٠/٤-٧٢، كراتشي: ۱۰/۳-۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ، (فتویٰ نمبر: الف ۷۶۴۴/۳۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۶/۵/۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۵۰/۱۳-۵۱) ☆

☆ گواہوں کو متعین کئے بغیر مجمع عام میں نکاح پڑھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا نکاح ہوا اور زید کے نکاح کے وقت زید کے گھر والے بھی موجود تھے اور زید خود بھی موجود تھا اور لڑکی کے گھر والے بھی موجود تھے اور مولوی صاحب نے گواہ بنائے بغیر زید کا نکاح پڑھا دیا اور بعد میں بھی کوئی گواہ نہیں بنایا، تو کیا نکاح درست ہو گیا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا نکاح کے درست ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔ (المستفتی: نور الدین، دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد)==

بوقت نکاح گواہ کا نام لینا:

سوال: نکاح کے وقت دو گواہ کا نام نہیں لیا گیا، بعد میں پوچھا گیا تو جواب ملا کہ گواہ کا نام لینا ضروری نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ صحیح ہے کہ گواہ کا نام لینا کوئی ضروری نہیں ہے، اگر وہاں پر لوگ موجود تھے اور انہوں نے ایجاب وقبول کرتے ہوئے سن لیا تو یہی کافی ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری: ۱۴۰۱/۸/۲۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۱/۴)

کیا مجلس نکاح میں رجسٹرڈ گواہوں کا ہونا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا ایسے گواہوں کی گواہی پر جنہوں نے لڑکی سے ذاتی طور پر رابطہ قائم نہ کیا ہو اور اس کے نکاح اور دین مہر کے متعلق رائے نہ لی ہو، کیا ان حالات میں نکاح ہو جائے گا؟ (المستفتی: محمد نعیم الدین، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مجلس نکاح میں اگر عورت کا وکیل، یا ولی مثلاً باپ وغیرہ موجود ہو تو خود عورت کا مجلس میں حاضر ہونا، یا گواہوں کا جا کر اس سے رابطہ قائم کر کے رائے لینا ضروری نہیں، گواہوں کو صرف نفس عقد کا علم ہو جانا کافی ہے۔

و إن كانت غائبة و لم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها، فإن كان الشهود يعرفونها كفىٰ ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها وإن لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها، واسم أبيها وجدها (شامی، كتاب النكاح، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الإقتداء، زكريا ديوبند: ۹۰/۴، كراتشي: ۲۷/۳)

== **باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق**

اگر پوری مجلس اور مجمع میں سے لڑکی اور لڑکے کو پہچاننے والے کم از کم دو آدمی ہیں اور نکاح کے الفاظ بھی سنے ہیں، تو نکاح صحیح اور درست ہو چکا ہے، گواہ کے لیے مجمع میں دو آدمی کو نامزد کرنا نکاح کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔

ولايخفىٰ أنه إذا كان الشهود كثيرين لا يلزم معرفة الكل؛ بل إذا ذكر اسمها وعرفها اثنان منهم كفىٰ، الخ. (شامی، كراتشي: ۲۲/۳، زكريا ديوبند: ۹۰/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۸۷/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۱/۱۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۴۸/۱۳)

(۱) **(و)شرط(حضور) شاهدين(حرّين) أو حرّو حرّتين(مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲۷۲/۲-۲۷۳)**

رجل زوج ابنته من رجل فی بیت و قوم فی بیت آخر یسمعون ولم یشهدهم، إن کان من هذا البیت إلی ذلک البیت کوة رأوا الاب منها تقبل شهادتهم ...وقبل عن الزوج وأحد من القوم، لایصح النکاح،وقیل: یصح، وهو الصحیح و علیه الفتوی. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب الأول،زکریا دیوبند: ۲۶۸/۱، زکریا جدید: ۳۳۳/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ،۶ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ (فتویٰ نمبر: الف ۶۰۱۶/۳۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۰/۲/۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۴۷/۱۳-۴۸)

بوقت اجازت گواہ کا ہونا:

سوال: میں نے اپنی بہن کے ساتھ اپنی لڑکی سے کہا کہ تمہارا نکاح اصغر سے کیا جارہا ہے، تم کو منظور ہے، اس نے کہا: ہاں، لڑکی سے پوچھتے وقت میری بہن کے علاوہ کوئی مرد نہ تھا، صرف میں ہی دو بہنیں تھیں، میں نے قاضی صاحب سے جاکر کہا کہ میری لڑکی کو منظور ہے، اس نے نکاح پڑھا دیا، یہ نکاح درست ہوا، یا نہیں؟ لڑکی سے ایجاب (پوچھنے) کے لیے کیا شرط ہے؟ کیا ایک مرد، یا صرف ایک عورت بھی لڑکی سے اجازت لے سکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

لڑکی سے اجازت لیتے وقت کسی بھی گواہ کا رہنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جب قاضی نکاح ایجاب وقبول کرائے تو اس وقت شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے؛(۱) اس لیے کہ لڑکی سے اجازت لینا اور اس کا اجازت دینا درحقیقت توکیل ہے اور توکیل کے لیے شہادت شرط نہیں ہے،(۲) لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ومنعقد ہوا، بشرطیکہ قاضی نکاح نے شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرایا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۴/۹/۱۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۵/۴)

دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کی موجودگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے، یا صرف ایجاب وقبول کے وقت ان کی موجودگی کافی ہے؟ ہمارے علاقہ میں دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کے موجود ہونے کا رواج ہے۔ شریعت کی رو سے اس کا حکم بیان فرمائیں؟

(المستفتی: محمد سالم، محلہ بھٹی مراد آباد)

---

(۱) ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أورجل وامرأتین. (الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۶/۲)

(۲) یصح التوکیل بالنکاح وإن لم یحضره الشهود، کذا فی التاتارخانیة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها: ۲۹۴/۱)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں؛ البتہ گواہوں کا سامنے رہنا مستحسن ہے؛ تاکہ بعد میں انکار کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔ ہاں مجلس نکاح میں نکاح خواں کے سامنے گواہوں کا موجود ہونا اور ایجاب وقبول کا سننا بھی لازم ہے۔

واعلم أنه لا يشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح؛ بل على عقد الوكيل، وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، زكريا ديوبند: ۳/ ۳۰۱، دارالفكر مصرى قديم: ۳/ ۳۱۲-۳۱۳، كوئٹه: ۳/ ۲۰۱-۲۰۲، شامی، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، زكريا ديوبند: ٤/ ۲۲۱-۲۲۲، كراتشي: ۳/ ۹۵)

ويصح التوكيل بالنكاح، وإن لم يحضره الشهود، وإنما يكون الشهود شرطاً في حال مخاطبة الوكيل المرأة. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السادس عشر في الوكالة بالنكاح، زكرياديوبند: ٤/ ١٤٦، رقم: ٥٧٨٠)

يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود. (الفتاویٰ الهندية، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها، زكريا: ١/ ٢٩٤، زكريا جديد: ١/ ٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۴۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۶/ ۵/ ۱۴۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۶۱-۶۲)

مجلس عقد میں شادی کے گواہوں کی حاضری ضروری ہے، یا وکیل کے گواہوں کی:

سوال: حکومتِ پاکستان کی طرف سے نکاح کے لیے نکاح فارم ملتا ہے جس کو پُر کر کے نکاح کی کارروائی مکمل کی جاتی ہے۔ نکاح فارم میں گواہوں سے متعلق دو خانے ہوتے ہیں:

(۱) ''دلہن کے وکیل کے گواہ''۔

(۲) ''شادی کے گواہ''۔

ہمارے محلے میں اس فارم کو پُر کرنے کی کارروائی کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ نکاح کی تاریخ آنے سے دو، یا تین دن پہلے لڑکی کی طرف سے مقررہ کردہ وکیل لڑکی کے پاس جا کر لڑکی سے نکاح کی اجازت اور اپنے وکیل بننے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اس موقع پر جو دو گواہ موجود ہوتے ہیں، ان کے نام نکاح فارم کے ''دلہن کے وکیل کے گواہ'' والے خانے میں درج کر دیئے جاتے ہیں اور شادی کے گواہ جو ہوتے ہیں، ان کے نام ''شادی کے گواہ'' والے خانے میں درج کئے جاتے ہیں، عام طور پر وکیل کے گواہ اور شادی کے گواہ مختلف ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب نکاح کی مجلس منعقد ہوتی ہے، خواہ مسجد میں ہو، یا شادی ہال میں ''نکاح خواں'' (نکاح پڑھانے والے) ایجاب وقبول کے وقت کن گواہوں کا ذکر کرے گا، آیا وکیل کے گواہ کا، یا شادی کے گواہوں کا؟ نیز مجلس عقد میں کن گواہوں کی حاضری

ضروری ہے؟ وکیل کے گواہوں کی، یا شادی کے گواہوں کی، یا دونوں قسم کے گواہوں کی؟ ازراہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

واضح رہے کہ نکاح شرعاً درست اور صحیح ہونے کے لیے عقد نکاح کے وقت دو عاقل بالغ مسلمان گواہوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے، خواہ وہ دلہن کے وکیل کے گواہ ہوں، یا کوئی اور دو آدمی گواہ بن جائیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں وکیل کے گواہ اور شادی کے گواہ دونوں کی حاضری ضروری نہیں؛ بلکہ ان میں سے کوئی سے بھی دو گواہوں کی مجلس عقد نکاح میں موجودگی کی صورت میں نکاح خواں نے نکاح پڑھا دیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا، باقی نکاح خواں کا ایجاب کے وقت گواہوں کا نام ذکر کرنا شرعاً ضروری نہیں۔

لمافي جامع الترمذی (۲۱۰/۱):عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم قال:البغایا اللاتی ینکحن أنفسهن بغیر بینة... والعمل علی هذا عند أهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ومن بعدهم من التابعین وغیرهم قالوا: لا نکاح إلا بشهود... فقال أکثر أهل العلم من أهل الکوفة وغیرهم لا یجوز النکاح حتی یشهد الشاهدان معا عند عقدة النکاح.

وفی الشامیة (۱۲/۳):قوله (وشرط حضور شاهدین) أی یشهدان علی العقد أما الشهادة علی التوکیل بالنکاح فلیست بشرط لصحته کما قدمناه عن البحر وإنما فائدتها الإثبات عند جحود التوکیل وفی البحر قیدنا الإشهاد بانه خاص بالنکاح لقول الإسبیجابی واما سائر العقود فتنفذ بغیر شهود ولکن الإشهاد علیه مستحب للآیة اه وفی الواقعات انه واجب فی المداینات.

وفیه أیضاً(۵۹/۳): واعلم انه لا تشترط الشهادة علی الوکالة بالنکاح بل علی عقد الوکیل وإنما ینبغی أن یشهد علی الوکالة إذا خیف جحد الموکل إیاها، فتح. (نجم الفتاویٰ:۹۶/۴-۹۷)

بالغہ نومسلم لڑکی سے دو گواہوں کے سامنے بغیر وکیل کے اِیجاب وقبول کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے ایک دوست نے تقریباً دس برس قبل ایک ہندو لڑکی (جو اسلام قبول کر چکی ہے) سے تعمیر ملت اِدارہ میں دو گواہوں کی موجودگی میں قاضی صاحب کے سامنے نکاح کیا ہے، اس نکاح میں لڑکی کی طرف سے وکیل نہیں تھا، لڑکی کا باپ چوں کہ کافر ہے؛ اس لیے وہ لڑکی کی طرف سے وکالت کے فرائض انجام نہیں دیا، اس پس منظر میں چند سوالات میرے ذہن میں پیدا ہو رہے ہیں؛ کیوں کہ میرے دوست کی دوسری بیوی (جو مسلمان والدین کی بیٹی ہے) نے کسی عالم اور مفتی صاحب سے یہ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''**لا نکاح إلا بولی**'' وکیل کے بغیر نکاح منعقد نہیں

ہوتا، اس بات پر میرے دوست کی دوسری بیوی اپنے شوہر پر یہ دباؤ ڈال رہی ہیں کہ آپ کا نکاح نومسلم لڑکی سے ہوا ہی نہیں؛ اس لیے آپ اس سے علیحدگی اختیار کرلیں؟

(۱) کیا یہ نکاح شریعت کی نظر میں جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) کیا یہ نکاح اگر ٹوٹ جاتا ہے تو اس نومسلم لڑکی کی کفالت کون کرے گا (کافروں کے ملک میں)؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مذکورہ نومسلمہ بیوی سے آپ کا نکاح بلا شبہ درست ہے؛ اس لیے کہ لڑکی نے خود قاضی اور دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں نکاح کو قبول کیا ہے جو شرعاً معتبر ہے اور حدیث "لا نكاح إلا بولي" کا تعلق اس صورت سے ہے، جب کہ لڑکی نابالغہ ہو؛ کیوں کہ نابالغہ کا نکاح بغیر ولی (باپ دادا وغیرہ) کی اجازت کے نہیں ہوتا، پس جو عورت بالغہ مسلمان ہے، اس کے نکاح کی صحت کے لیے ولی، یا وکیل کی کوئی شرط نہیں۔

أن أبا هريرة رضى الله عنه حدثهم أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الأيم حتى تستامر، ولا تنكح البكر حتى تستاذن، وبهذا احتج أبوحنيفة على أن الولى لا يجبر الثيب ولا البكر على النكاح، والمرأة العاقلة البالغة إذا زوجت نفسها من غير ولى ينفذ نكاحها. (عمدة القارى: ١٢٨/٢٠)

وهذا بإطلاقه حجة لأبى حنيفة فى عدم تجويزه إجبار البكر البالغة، وفى شرح جمع الجوامع حمله الحنفية على الصغيرة والامة والمكاتبة. (مرقاة المفتاتيح: ٢٠٤/٦-٢٠٧)

قال فى الخانية: والقاضى عند عدم الأولياء بمنزلة الولى فى ذٰلك. (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ١٩٧/٣، زكريا)

اور بلا وجہ شرعی کے محض دوسری بیوی کے کہنے پر مذکورہ نومسلمہ سے نکاح ہرگز نہیں توڑنا چاہیے؛ بلکہ مسلم معاشرہ کے ہر فرد کو اس کی قربانی کی قدر کرنی چاہیے اور منکوحہ کی کفالت کی ذمہ داری اُس کے شوہر پر ہے۔

عن أبى هريرة رضى اللّٰه عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم: لايحل لامرأة تسال طلاق أختها تستفرغ صحفتها، فإنما لها ما قدر لها. (صحيح البخارى: ٧٧٤/٢)

(قوله: لايحل): ظاهره التحريم لكنه محمول على ما إذا لم يكن هناك سبب يجوز ذٰلك. (عمدة القارى: ١٤٢/٢٠)

النفقة هى الطعام والكسوة والسكنى والنفقة الغير تجب على الغير باسباب ثلاثة: زوجية، وقرابة، وملك، فتجب للزوجة على زوجها؛ لأنها جزاء الاحتباس. (شامى: ٢٧٨/٥-٢٨١ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۴ھ - الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ - (کتاب النوازل: ۱۴۷/۸-۱۴۸)

اللہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا:

سوال: عنایت اللہ نے ایک غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا اور اس کو اپنے گھر لے آئے، لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ میں نے اس کو مسلمان کرلیا ہے اور نکاح کرلیا ہے، لال محمد نے نکاح پڑھایا، جو مر چکے، گواہ اللہ میاں تھے۔ ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر عورت مسلمان ہونے کا اقرار کرتی ہے تو وہ مسلمہ ہے؛ لیکن وہ عنایت اللہ کی بیوی نہیں، عنایت اللہ کا نکاح اس سے منعقد نہیں ہوا۔

"ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین، أو رجل وامرأتین". (الهداية)(۱)

نکاح کے لیے دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا ضروری ہے، صرف اللہ میاں کی گواہی صحتِ نکاح کے لیے کافی نہیں۔ (۲) اللہ میاں تو ہر چیز کو دیکھتے ہیں، حلال ہو، یا حرام۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۱۶)

اللہ تعالیٰ کی گواہی میں نکاح:

سوال: ہندہ اور زید ایک بالغ لڑکا لڑکی ہے۔ ہندہ نے زید سے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مان کر تجھے دل سے قبول کرتی ہوں اور آج سے تجھے اپنا شوہر مانتی ہوں، پھر زید نے ہندہ سے کہا کہ میں تجھے اللہ کو حاضر وناظر مان کر دل سے قبول کرتا ہوں اور آج سے میں تمہیں اپنی بیوی مانتا ہوں؛ یعنی دونوں اللہ کو حاضر وناظر مان کر ایک دوسرے کو قبول کرتا ہے۔ اس الفاظ کے کہنے کے وقت خواہ عورت ہو، یا مرد کوئی گواہ نہیں تھا۔ کیا اس صورت حال میں نکاح جائز ہوا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صحت انعقاد نکاح کے لیے بوقت ایجاب وقبول دو شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کی گواہی میں نکاح شرعاً صحیح ومنعقد نہیں ہوتا ہے۔

"ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین". (الهداية: ۲/۳۰۶)

---

(۱) الهداية، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان

(۲) "ومن تزوج امرأة بشهادة اللّٰه ورسوله، لایجوز النکاح، کذا فی التجنیس والمزید". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۱/۲۶۸، رشیدیه)

"تزوج بشهادة اللّٰه ورسوله لم يجز". (الدر المختار: ۲۷۶/۲)

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر یہ صحیح ہے کہ زید اور ہندہ نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر مان کر ایجاب وقبول کیا اور اس وقت شرعی گواہ موجود نہیں تھا، جیسا کہ سوال سے واضح ہے تو ایسی صورت میں ان دونوں کا نکاح شرعاً صحیح ومنعقد نہیں ہوا اور دونوں میاں بیوی نہیں ہوئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۶/۸/۱۴۲۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۷/۴-۶۸)

خدا کو گواہ بنا کر نکاح:

سوال: اگر کوئی لڑکا خدا کو گواہ اور حاضر و ناظر جان کر خطبہ پڑھے اور لڑکی مقررہ مہر پر اسے قبول کر لے تو نکاح منعقد ہو گیا، یا نہیں؟

(محمد زاہد علی، ظہیر آباد)

الجواب

نکاح منعقد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دو عاقل، بالغ، مسلمان مردوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے؛ (۱) اس لیے کہ نکاح کا مقصد اعلان وتشہیر اور بوقت ضرورت ثبوت نکاح کے لیے گواہان کی فراہمی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ضرورت انسانی گواہوں کے ذریعہ پوری ہوسکتی ہے، یوں تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے ہی، اگر یہی بات کافی ہوتی تو گواہ بنانے کا حکم کیوں دیا جاتا؟ اس لیے اس صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوگا، چناں چہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

"تزوج امرأة بشهادة اللّٰه ورسوله لاينعقد وهل يكفر؟ عرف في ألفاظ الكفر". (۲)

(اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر کسی عورت سے نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور کیا ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا؟ تو اس جملہ کو الفاظ کفر ہی میں شامل کیا گیا ہے۔)

اس جملہ کے الفاظ کفر میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا صرف اللہ کی شان ہے، جو شخص نکاح میں اللہ اور رسول کو گواہ بناتا ہے، وہ گویا رسول کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاص میں شریک وسہیم ٹھہراتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مشرکانہ تصور ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۰۲/۴-۳۰۳) ☆

---

(۱) " ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين".
(الهداية: ۳۹۶/۲، كتاب النكاح)

(۲) خلاصة الفتاوى: ۱۵/۲

☆ **لڑکے لڑکی کا تنہا اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر نکاح کرنے کا حکم:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مسمی فہیم احمد ولد نور محمد نے ==

اللہ رسول کی گواہی کافی نہیں، دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے نکاح ہوجاتا ہے:

سوال: ایک عورت اور ایک مرد نے اول تنہائی میں ایجاب وقبول کرلیا، اس جگہ اور کوئی موجود نہ تھا، خدا ور رسول کو دونوں نے درمیان میں دیا تھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے، پھر دونوں نے ایجاب وقبول کیا تو نکاح درست ہوا، یا نہیں؟

الجواب

تنہائی میں صرف مرد اور عورت کے ایجاب وقبول کرنے سے نکاح نہیں ہوتا،(۱) اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر نکاح کرنے کو بعض فقہا نے کفر لکھا ہے، بہر حال یہ سخت گناہ ہے،(۲) اور نکاح صحیح نہیں ہوتا، البتہ اگر پھر دو مرد، یا ایک مرد، دو عورتوں کے سامنے پھر (یعنی دوبارہ) ایجاب وقبول کیا جاوے تو نکاح صحیح ہوجاوے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۷/۵۴-۵۵)

== مسمات زرین بنت سید مصطفیٰ کمال سے اپنا نکاح خود بغیر کسی شخص کی موجودگی میں ایک بند کمرے میں اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے کیا۔ اس کے بعد اپنی منکوحہ سے اس کی دل سے تصدیق کی اور بعد از تصدیق حق زوجیت ادا کیا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اب میری منکوحہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ واقعی یہ نکاح قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوگیا ہے، یا یہ نکاح فاسد ہے؛ یعنی نا قابل اعتبار ہے؟ برائے مہربانی میرے لیے اس مسئلہ کا حل صادر فرمائیں۔ میں نیا اپنا نکاح ان الفاظ میں پڑھایا تھا کہ میں مسمّی فہیم احمد ولد نور محمد پچاس ہزار روپے (50,000/-) حق مہر غیر معجّل میں تمہیں قبول ہوں۔ جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ جی مجھے قبول ہے اور یہ بھی کہا کہ خدا کے بعد میں نے آپ کو اپنا مجازی خدا بنایا اور میں آپ کو اجازت دیتی ہوں کہ میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ مجھے ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

مجلسِ عقد نکاح میں گواہوں کا موجود ہونا شرعاً ضروری ہے اور گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا؛ اس لیے صورتِ مسئولہ میں آپ کا کیا ہوا نکاح فاسد ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار کریں اور فوراً اس عورت سے الگ ہوجائیں۔

لمافی نصب الراية (۲۱۲/۳): عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل، وما كان من نكاح على غير ذلک فهو باطل، فإن تشاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له".

وفي التاتارخانية (۶۱۰/۲): تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لايجوز.

وفي الشامية (۱۳۲/۳): وفسر القهستاني هنا الفاسد بالباطل ومثله بنكاح المحارم وبإكراه من جهتها أوبغير شهود، الخ... وذكر في البحر هناک عن المجتبى أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلاشهود فالدخول فيه موجب للعدة، أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لانه لم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا، قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى، كما في القنية وغيرها، آه. (نجم الفتاویٰ: ۴/۸۸-۸۹)

(۱) ولذا قال في مال الفتاوىٰ: لوتزوج بغيرشهود ثم اخبر الشهود على وجه الخبر لايجوز الاان يجدد عقداً بحضرتهم. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹۴/۳، دار الكتاب السلامي بيروت، ظفير)

(۲) وفي الخانية والخلاصة: لوتزوج بشهادة الله ورسوله لاينعقد ويكفر لاعتقاده أن النبي يعلم الغيب. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹۴/۳، دار الكتاب السلامي بيروت، ظفير)

خدااوررسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنا:

سوال: زید ایک بیوہ عورت کو لے کر وطن سے دوسری جگہ دور چلا گیا اور وہاں پہونچ کر بیوہ عورت نے زید سے راضی خوشی میں کہا کہ میں بعوض ۳۳۰/روپیہ مہر پر آپ کے نکاح میں آنا منظور کرتی ہوں، زید نے خدااوررسول کو گواہ قرار دے کر بعوض ۳۰۰/روپیہ مہر پر بیوہ عورت کو قبول کیا (منظور کرلیا)۔نکاح کے وقت زید اور بیوہ عورت، ان دونوں فرد کے سوا دوسرا کوئی فرد نہیں تھا اور دونوں ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، کچھ عرصہ بعد اس سے بچہ پیدا ہوا، بچے کو حلالی قرار دیا جائے گا، یا حرامی؟ زید کا نکاح ہوا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کے حوالہ سے جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس طرح نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوتا، (۱) انعقادنکاح کے لیے دومردوں، یا ایک مرداوردوعورتوں کا مجلسِ عقد میں بطورِ گواہ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے۔ (۲) تنہائی میں نکاح نہیں ہوتا۔ خدااوررسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنے سے ایک قول پر ایمان سلامت نہیں رہتا ہے۔ کتب فقہ فتاوی قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس طرح نکاح کرنے سے آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ اس نے خدائے پاک کی طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو بھی حاضر وناظر اور عالم الغیب اعتقاد کیا۔ ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو، اس کے ثابت النسب اور غیر ثابت النسب ہونے کو کیا دریافت کرتے ہیں، اس مرداور عورت کو سچی توبہ کرا کے کلمہ پڑھا کر مسلمان جائے۔

”رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، كان باطلا، لقوله صلى الله عليه وسلم: ” لانكاح الا بشهود“. وكل نكاح يكون بشهادة الله. وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر. (۳)

”ما كان في كونه كفرا اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبا التوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط“. (۴)

اس کے گواہوں کے سامنے باقاعدہ نکاح کرایا جائے اور جو اولاد پہلے نکاح سے پیدا ہوچکی ہے، اس کو اولادزنا کہنے سے بھی احتیاط کیا جائے، یہی صورت احواط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۴/۱۰-۶۱۵)

---

(۱) ”رجل تزوج امرأة بشهادةالله ورسوله، كان باطلا، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”لانكاح إلا بشهود“وكل نكاح يكون بشهادة الله وبعضهم جعلوا ذلك كفراً ؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر“.(فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ۳۳۴/۱، رشيديه)

(۲) ”ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين“. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علمية ملتان)

(۳) فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ۳۳۴/۱، رشيديه

(۴) مجمع الأنهر، باب المرتد: ۶۸۸/۱، دار احياء التراث العربي بيروت

نکاح میں خدااور رسول کو گواہ بنانا:

سوال: بوقتِ نکاح گواہ موجود نہ تھے، مرد نے یہ کہہ دیا کہ خدااور رسول اوراس کے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو یہ نکاح صحیح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ——————

صحیح نہ ہوگا۔

تاتارخانیہ میں ہے: "**رجل تزوج امرأة ولم يحضره شهود، فقال: خدا ورسول را، يا فرشتگاں اورا گواه كردم، بطل النكاح وكفر الناكح لاعتقاد أن الرسول والملائكة تعلم الغيب وتسمع النداء بلا ريب**" إنتهٰى. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۴۱) ☆

☆ نکاح میں خدااور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنانا:

سوال: فتاوی عالمگیری: ۸۴۳/۲ (**الفتاوى الهندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام الخ: ٢٦٦/٢، رشيديه**) میں ہے کہ اگر کسی نے نکاح میں خدااور رسول کو گواہ بنایا اوراس طرح کہا میں نے خدااور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر ہوجائے گا اور اگر اس نے کہا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ کے فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر نہیں ہوگا۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب ——————— حامداً ومصلياً

فتاوی عالمگیری کی عبارتِ مسئولہ یہ ہے:

"**رجل تزوج امرأة، ولم يحضر الشهود، قال: "خدائے را ورسول را گواه كردم" أو قال: "خدائے را وفرشتگان را گواه كردم" كفر. ولو قال: "وفرشته درستِ راست گواه كردم، وفرشته دستِ چپ را گواه كردم" لايكفر، كذا في الفصول العمادية".** (عالمیگیری مصری، ص: ٢٦٦، **كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتد**) (**الفتاوى الهندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام الخ: ٢٦٦/٢، رشيديه**)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ہرجگہ، ہروقت حاضر وناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاص ہے، کسی اور؛ فرشتہ یا پیغمبر کے لیے بھی یہ ثابت کرنا درست نہیں؛ بلکہ شرک ہے، جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہاں کوئی گواہ سامنے نہیں تھا؛ بلکہ خدااور رسول کو گواہ بنایا تو اس نے رسول (کو) خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، یا تمام فرشتوں کو گواہ بنایا تو ان کو خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، لہٰذا یہ مشرک ہوگیا۔ اگر داہنے، یا بائیں ہاتھ کے کاتب اعمال فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس سے مشرک نہیں ہوا، اس لیے کہ وہ ہروقت اور ہرجگہ اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں، خدائے پاک کی طرف سے مسلط ہیں، دوسرے کسی فرشتہ کی یہ شان نہیں تو نکاح دونوں صورتوں میں نہیں ہوا۔ ("**ومن تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، لايجوز النكاح، كذا في التجنيس والمزيد**". (**الفتاوى الهندية كتاب النكاح، الباب الأول: ٢٦٨/١، رشيديه**) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۳/۱۰-۶۱۴)

فرشتوں کی گواہی میں نکاح:

سوال: زید اور ہندہ میں محبت ہوگئی، یہ دونوں نکاح کے لیے تیار ہوگئے، بلاکسی گواہ کے ان دونوں نے آپس میں ایجاب وقبول کرلیا اور یہ کہا کہ ہم دونوں کے نکاح کے گواہ ہم دونوں کے کندھوں پر جو فرشتے ہیں، وہ ہوئے تو اس طرح نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

نکاح کے صحیح ہونے کے لیے بوقت ایجاب وقبول کم ازکم دو گواہ بالغ مسلمان مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔(۱) فرشتوں کی گواہی میں کیا ہوا نکاح درست نہیں ہوا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم: ۹/۸/۷/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۱/۴-۵۲) ☆

کراماً کاتبین کو گواہ بنا کر نکاح کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مثلاً ہندہ ہے، جو کہ عاقلہ، بالغہ اور تعلیم یافتہ ہے اور زید یہ بھی بالغ عاقل اور تعلیم یافتہ ہے، دونوں ایک ہی خاندان کے ہیں اور ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں، ہندہ نے بغیر اپنے والدین اور دیگر گھر والوں کی اجازت کے زید سے اپنا نکاح اپنی پسند اور مرضی سے کرلیا؛ یعنی ہندہ اور زید نے چھپے طور سے بغیر اپنے والدین اور دیگر گھر والوں کی اجازت سے اپنے اپنے پسند اور خوشی سے نکاح کرلیے اور حق زوجیت بھی کرنے لگے اور اس نکاح کو قریب قریب دو ماہ ہوگئے ہیں اور ابھی تک ان دونوں

---

(۱) ولاینعقد نکاح المسلمین إلابحضور شاهدین حرّین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أورجل وامرأتین. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲)

(۲) لوتزوّج بشهادة اللّٰه ورسوله لاینعقد. (البحرالرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳)

☆ **فرشتوں کی گواہی سے نکاح جائز نہیں:**

سوال: بدون گواہوں کے کس طرح نکاح منعقد ہوسکتا ہے، اگر فرشتوں کو گواہ کرکے نکاح پڑھا جاوے تو منعقد ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

ایسی کوئی صورت نہیں ہے کہ بدون دو گواہوں کے بوقت ایجاب وقبول موجود ہونے کے نکاح منعقد ہوجاوے، ایسا نکاح جو بدون موجودگی دو گوہواں کے ہو، باطل وکالعدم ہے، وہ نکاح نہیں ہے، زنا کا مواخذہ اس میں ہوگا، (وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معاً علی الأصح. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۳/۲، ظفیر) اور فرشتوں کو گواہ بنانے سے بھی نکاح منعقد نہ ہوگا، کرام کاتبون دو فرشتے تو بدون گواہ کے وہی ہر ایک عمل انسان کے کاتب وشاہدین ہیں؛ مگر نکاح کے لیے یہ کافی نہیں ہے؛ (وفی الخانیة والخلاصة: لو تزوج بشهادة اللّٰه ورسوله لا ینعقد، الخ. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹۴/۳، دارالكتاب الإسلامی بیروت، ظفیر) بلکہ دو مسلمان مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں بوقت ایجاب وقبول موجود ہونی چاہئیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۵/۷)

کے گھر والوں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ زید اور ہندہ دونوں میں زوجیت کا رشتہ قائم ہوگیا تو سوال یہ ہے کہ یہ نکاح درست ہوا کہ نہیں اور گواہ کراماً کاتبین جو دو فرشتے ہیں، ان کو مقرر کئے ہیں؛ یعنی کراماً کاتبین جو دو فرشتے ہیں، ان کو گواہ بنا کر زید اور ہندہ نے اپنا نکاح کیا ہے تو آیا کراماً کاتبین فرشتوں کو گواہ بنا کر نکاح کرنا درست ہے کہ نہیں؟ چوں کہ یہ مسئلہ بہت سنگین اور پیچیدہ ہے اور نیپال میں واقع ہوا ہے؛ اس لیے اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل و مدلل مع تفصیل اور حوالے کے جلد از جلد جواب دینے کی زحمت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

(المستفتی: محمد قاسم آزاد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

کراماً کاتبین (دو فرشتوں) کو گواہ بنا کر جو نکاح منعقد کیا گیا ہے، وہ شرعاً باطل ہے، وہ دونوں شرعاً میاں بیوی نہیں کہلائیں گے، دونوں کا ساتھ رہنا حرام کاری ہوگا، نکاح کے صحیح ہونے کے لیے دو مسلمان مرد، یا ایک مسلمان مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا شرط ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۸۵/۷)

اور اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہیں، اس کے باوجود اللہ کو گواہ بنا کر نکاح کیا جائے تو درست نہیں ہے؛(۱) بلکہ ایمان (کے ضائع ہونے) کا خطرہ ہے۔

تزوج امرأة بشهادة أو رسوله لم يجز؛ بل قيل يكفر، والله أعلم. (الدر المختار، کراتشی: ۲۱/۳، زکریا دیوبند: ۸۷/٤)

وشرط حضور شاهدين (إلى قوله) مسلمين لنكاح مسلمة الخ. (الدر المختار، کراتشی: ۲۱/۳، زکریا: ۸۷/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۴/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۱۴۸/۲۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۱/۳/۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/ ۳۸-۳۹)

نکاح میں قرآن مجید کو گواہ بنانا صحیح نہیں:

سوال: زید مرد بالغ نے ہندہ سے نکاح بموجب سنت شریعت ادا کیا۔ نکاح میں صرف ایک قاضی موجود تھا۔ زید اور ہندہ نے ایجاب وقبول خود آپس میں کرلیا۔ حسب الحکم شرع شریف دو گواہ شرعی موجود نہ تھے۔ قاضی کو گواہ بنالیا اور دوسرا گواہ کلام مجید کو قرار دیا۔ بموجب شرع شریف نکاح جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۱۳، سید اصغر ہیڈ ماسٹر پاٹودی، ۲/ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ، مطابق ۱۷/فروری ۱۹۳۴ء)

---

(۱) وفي الخانية والخلاصة: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد، ويكفر لاعتقاده أن النبي يعلم الغيب، الخ. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹٤/۳، دار الكتاب الإسلامي بيروت، انيس)

الجواب

ایجاب وقبول زوجین نے خود کرلیا تو زوجین کے علاوہ دو گواہ ضروری تھے۔(۱) ایک گواہ تو قاضی صاحب ہو گئے؛ لیکن دوسرا گواہ قرآن مجید کو قرار دینا صحیح نہیں؛(۲) اس لیے یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۱۴۶/۵)

خفیہ نکاح دو گواہوں کے سامنے ہوا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے خفیہ نکاح روبرو شاہدین کے کیا اور ایک عرصہ تک خفیہ ہی رہ کر کئی اسقاط حمل کئے ہوں۔ یہ جائز ہے، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں نکاح ہو گیا،(۴) اور اسقاط حمل قبل از چار ماہ درست لکھا ہے،(۵) اور خوف فتنہ کی وجہ سے ایسے وقت اسقاط حمل میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط

(مگر یہ طریقہ شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، جو ہوا سو ہوا، اب بچنا ضروری ہے۔ ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶۶/۷-۶۷)

صرف دو گواہوں کے سامنے خفیہ نکاح کرنا خلاف سنت ہے:

سوال: نکاح میں اشتہار شرط ہے، یا چھپے اور اور راز دار دو گواہوں سے منعقد ہو جاتا ہے، نہ تو ولی کی اجازت؛ بلکہ اس کو خبر تک نہ ہو اور نہ برادری میں کسی کو معلوم ہو اور نہ ہی میاں بیوی کسی کے سامنے اقرار کریں اور اجنبی مرد عورت کی طرح چھپ چھپا کر شہوت رانی کریں، متخذات أخدان (۶) کی تعریف صادق آتی ہے، یا نہیں؟ ان گواہوں کی طرح دو چار کم وبیش زنا کے راز داں بھی ہوتے ہیں، پھر اس میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين، عاقلين مسلمين. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علمية)

(۲) يزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز. (الدر المختار، كتاب النكاح، ۲۷/۳، سعيد)

(۳) ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد وهكذا في البدائع (الهندية، كتاب النكاح: ۲۶۷/۱، ماجدية)

(۴) ولا يشترط الاعلان مع الشهود لما في التبيين أن النكاح بحضور الشاهدين يخرج عن أن يكون سرا ويحصل بحضورهما الاعلان. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹۴/۳، ظفير)

(۵) وقالوا: يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر لو بلا إذن الزوج. (الدرالمختار)

قال في النهر: بقي هل يباح الاسقا ط بعد الحمل؟ نعم يباح مالم يتخلق منه شيء ولن يكون ذلك إلا بعد مأة وعشرين يوما ...فلا أقل من أن يلحقها أثم هنا إذا سقط بغيرعذرها ... قال ابن وهبان: فإباحة الاسقاط محمولة على حالة العذر أو أنها لا تأثم إثم القتل. (ردالمحتار، باب نكاح الرقيق: ۱۷۶/۳، دارالفكر، ظفير)

(۶) ﴿ولا متخذات أخدان﴾ أي أخلاء سراً للزنا. (مجمع بحار الأنوار، مادة خدن: ۱۷/۲، مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الهند، انيس)

الجواب

جب کہ مرد عورت بالغ ہیں اور نکاح پر راضی ہیں اور گواہ بھی شرط کے موافق موجود ہیں تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور گواہ کے موجود ہونے میں اگر چہ اعلان نہیں ہے، پھر بھی نکاح منعقد ہوگا۔

البحر الرائق میں ہے:

"ولا يشترط الأعلان مع الشهود، لما في التبين:أن النكاح بحضور الشاهدين يخرج عن أن يكون سرّاً ويحصل بحضورهما الاعلان،آه".(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ج بشاہد شرط کے موافق ہوں تو بغیر مزید اعلان کے بھی نکاح درست ہو جائے گا؛ مگر یہ نکاح سنت کے خلاف ہے، اس واسطے کئی حدیث میں آتا ہے:

" اعلنوا النكاح ولو بالدف،الخ".(أخرجه الترمذى)(۲)

نیز یہ کہ خزانہ الروایۃ میں ہے:

في الخانية:ضرب الدف في النكاح إعلاناً وتشهيراً سنة،الخ.(۳)

نیز یہ کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ زنا اور نکاح تو منعقد ہو جائے گا، مگر سنت کے خلاف ہوگا۔(۴) سوال کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ زنا کی صورت میں بھی بعض لوگوں کو خبر ہو جاتی ہے تو اس صورت میں اور نکاح خفیہ میں فرق کیا ہوگا، جو نکاح کہ خفیہ ہوتا ہے، یہاں پر گواہوں کو اس کے نکاح پر علم ہوتا ہے؛ مگر یہاں پر نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور زنا میں جو لوگوں کو علم ہوتا ہے، وہ ان کے افعال خبیثہ کا علم ہوتا ہے؛ مگر یہاں پر نکاح تو نہیں ہوتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں

---

(۱) البحر الرائق، كتاب النكاح:۳/۹٤،دار الكتاب الإسلامي بيروت،انيس

(۲) عَنِ القَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ.

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ فِي هَذَا البَابِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الْأَنْصَارِيُّ يُضَعَّفُ فِي الحَدِيثِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الَّذِي يَرْوِي، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ التَّفْسِيرَ هُوَ ثِقَةٌ.(سنن الترمذى،أبواب النكاح،باب ماجاء في إعلان النكاح، رقم الحديث:۱۰۸۹،انيس)

عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:أَعْلِنُوا النِّكَاحَ.(تعليق الألباني:حسن صحيح (الآداب(193)،المشكاة (3152)،الإرواء(1993)تعليق شعيب الأرنؤوط:إسناده حسن.(صحيح ابن حبان:۹/۳۷٤،مؤسسة الرسالة بيروت،رقم الحديث:٤٠٦٦،انيس)

(۳) ضرف الدف في النكاح إعلانا وتشهيراً سنة ويجب أن يكون بلا سنجات وجلاجل.(الفتاوىٰ الغياثية، كتاب الإستحسان،الفصل الرابع،ص:۱۰۹،ط:كوئٹه،انيس)

(۴) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ.(سنن النسائي،إعلان النكاح بالدف،رقم الحديث:۳۳٦۹،انيس)

فرق ظاہر ہے، گو اول صورت جائز ہے، اگر چہ مع الکراہت ہو اور دوسری صورت زنا کی ہوتی ہے اور دونوں صورتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: عبد القیوم اعظمی، متعلم دار العلوم دیوبند

جواب صحیح ہے اور صورت مذکورہ میں ایک وجہ کراہت کی یہ بھی ہے کہ بدون اجازت ولی کے نکاح کیا گیا، (۱) یہ بھی اگر چہ منعقد ہو جاتا ہے؛ مگر کراہت اور خلاف سنت ہونے میں شبہ نہیں۔ (۲)

کتبہ: احقر محمد شفیع غفر لہ (امداد المفتین: ۴۳۶/۲)

کوئی صورت بتائی جائے کہ خفیہ شادی ہو جائے:

سوال: بعض قوموں میں دستور ہے کہ جس کے خاندان میں کوئی ماتم ہو جائے، وہ ایک سال سے پہلے شادی نہ کریں گے، بعض اوقات ایسا واقع ہو جاتا ہے تو پھر بعض لوگ اپنی شہوت کو نہیں روک سکتے؛ مگر وہ نہ ظاہراً شادی کر سکتے ہیں اور نہ صحبت کر سکتے ہیں؛ اس لیے اگر ایسی کوئی صورت جواز کی ہو، جس سے شرعی حدود کے اندر رہ کر انسان شہوت پوری کر سکے اور پھر سال گزرنے پر باقاعدہ نکاح اسی لڑکی سے ہو جاوے؟

---

(۱) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ يُونُسُ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، وَإِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ. (سنن أبي داؤد، باب في الولي، رقم الحديث: ۲۰۸۵، انیس)

(۲) (وَالْوَلَايَةُ تَنْفِيذُ الْقَوْلِ عَلَى الْغَيْرِ) تَثْبُتُ بِأَرْبَعٍ: قَرَابَةٌ، وَمِلْكٌ، وَوَلَاءٌ، وَإِمَامَةٌ (شَاءَ أَوْ أَبَى) وَهِيَ هُنَا نَوْعَانِ: وِلَايَةُ نَدْبٍ عَلَى الْمُكَلَّفَةِ وَلَوْ بِكْرًا وَوِلَايَةُ إِجْبَارٍ عَلَى الصَّغِيرَةِ وَلَوْ ثَيِّبًا وَمَعْتُوهَةٍ وَمَرْقُوقَةٍ كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (وَهُوَ) أَيْ الْوَلِيُّ (شَرْطُ) صِحَّةِ (نِكَاحِ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَرَقِيقٍ) لَا مُكَلَّفَةٍ (فَنَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا) رِضَا (وَلِيٍّ) وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ تَصَرَّفَ فِي مَالِهِ تَصَرَّفَ فِي نَفْسِهِ وَمَا لَا فَلَا. (الدر المختار)

(قَوْلُهُ فَنَفَذَ إلَخْ) أَرَادَ بِالنَّفَاذِ الصِّحَّةَ وَتَرَتُّبَ الْأَحْكَامِ مِنْ طَلَاقٍ وَتَوَارُثٍ وَغَيْرِهِمَا لَا اللُّزُومَ، إذْ هُوَ أَخَصُّ مِنْهَا لِأَنَّهُ مَا لَا يُمْكِنُ نَقْضُهُ وَهَذَا يُمْكِنُ رَفْعُهُ إذَا كَانَ مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ، فَقَوْلُهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ أَيْ يَنْعَقِدُ لَازِمًا فِي إطْلَاقِهِ نَظَرٌ، وَاحْتُرِزَ بِالْحُرَّةِ عَنْ الْمَرْقُوقَةِ وَلَوْ مُكَاتَبَةً أَوْ أُمَّ وَلَدٍ وَبِالْمُكَلَّفَةِ عَنْ الصَّغِيرَةِ وَالْمَجْنُونَةِ، فَلَا يَصِحُّ إلَّا بِوَلِيٍّ كَمَا قَدَّمَهُ، وَأَمَّا حَدِيثُ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ إذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَدِيثُ لَا نِكَاحَ إلَّا بِوَلِيٍّ رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَغَيْرُهُ، فَمُعَارَضٌ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَمَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ، وَالْأَيِّمُ مَنْ لَا زَوْجَ لَهَا بِكْرًا أَوْ لَا فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلْوَلِيِّ إلَّا مُبَاشَرَةُ الْعَقْدِ إذَا رَضِيَتْ وَقَدْ جَعَلَهَا أَحَقَّ مِنْهُ بِهِ، وَيَتَرَجَّحُ هَذَا بِقُوَّةِ السَّنَدِ وَالِاتِّفَاقِ عَلَى صِحَّتِهِ، بِخِلَافِ الْحَدِيثَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ فَإِنَّهُمَا ضَعِيفَانِ أَوْ حَسَنَانِ، أَوْ يُجْمَعُ بِالتَّخْصِيصِ، أَوْ بِأَنَّ النَّفْيَ لِلْكَمَالِ، أَوْ بِأَنْ يُرَادَ بِالْوَلِيِّ مَنْ يَتَوَقَّفُ عَلَى إذْنِهِ أَيْ لَا نِكَاحَ إلَّا بِمَنْ لَهُ وِلَايَةٌ لِيَنْفِيَ نِكَاحَ الْكَافِرِ لِلْمُسْلِمَةِ وَالْمَعْتُوهَةِ وَالْعَبْدِ وَالْأَمَةِ، وَالْمُرَادُ بِالْبَاطِلِ حَقِيقَتُهُ عَلَى قَوْلِ مَنْ لَمْ يُصَحِّحْ مَا بَاشَرَتْهُ مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ، أَوْ حُكْمُهُ عَلَى قَوْلِ مَنْ يُصَحِّحُهُ أَيْ لِلْوَلِيِّ أَنْ يُبْطِلَهُ وَكُلُّ ذَلِكَ سَائِغٌ فِي إطْلَاقَاتِ النُّصُوصِ وَيَجِبُ ارْتِكَابُهُ لِدَفْعِ الْمُعَارَضَةِ؛ وَتَمَامُ الْكَلَامِ عَلَى ذَلِكَ مَبْسُوطٌ فِي الْفَتْحِ. (رد المحتار، باب الولي: ۵۵/۳-۵۶، دار الفكر بيروت، انیس)

الجواب

اگر خفیہ دو گواہوں کے روبرو وہ لڑکا اور لڑکی ایجاب وقبول کرلیں تو شرعاً نکاح منعقد ہوجاوے گا، پھر باقاعدہ ظاہر میں چاہے بعد میں شادی کی رسوم ادا ہوں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۸۳-۸۴)

بند کمرے میں شرعی گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول سے نکاح ہوجاتا ہے:

سوال: ایک شخص کسی عورت کو بھگا کر لایا، وہ عورت حمل سے ہے، اس بھگانے والے شخص نے اپنے رشتہ کے چار آدمی کو بلاکر بند مکان میں اس عورت سے ایام حمل میں عقد کرلیا، سوائے چار آدمیوں کے محلّہ کے کسی آدمی کو اطلاع نہیں کی، یہ عقد شرع کے مطابق ہوا، یا نہیں؟ وہ شخص عورت کو چھوڑ کر چلا گیا، بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ عورت اپنی مرضی سے دوسرا عقد کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر دو مرد ایجاب وقبول کر سننے والے موجود ہوں تو نکاح ہوجاتا ہے، پس صورت میں مسئولہ میں جب کہ چار آدمی ایجاب وقبول کو سننے والے موجود تھے تو نکاح مذکور صحیح ہوگیا۔(۲) اب تاوقتیکہ وہ شوہر طلاق نہ دے، دوسرا نکاح اس کا درست نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۶۷)

تاریک رات میں دو گواہوں کے سامنے مرد عورت ایجاب وقبول کیا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص اپنی ہم کفو بالغہ لڑکی سے بدون اجازت اس کے والدین کے اس طریقہ پر نکاح کیا کہ دو گواہوں کو جو مسافر اور رہ گزر تھے، ایک مقام پر ٹھہرا کر اس بالغہ لڑکی کو بھی وہاں لے گیا، بسبب تاریکی شب اور برقع ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے، نہ پہچان سکے، وہ شخص لڑکی سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: تم نے مجھے حق نکاح میں قبول کیا؟ یا تم نے مجھے اپنے نفس کا اختیار بخشا ہے؟ وہ لڑکی بجواب کہتی ہے: ہاں! میں نے قبول کیا ہے، اختیار دیا ہے وغیرہ۔ یہ نکاح منعقد ہوا ہے، یا نہیں؟

الجواب

شامی، جلد ثانی میں بحر سے منقول ہے: **فإن كانت حاضرة متنقبةً كفى الإشارة إليها والاحتياط**

---

(۱) ويشترط الإعلان مع الشهود، لما في التبيين: أن النكاح بحضور الشاهدين يخرج عن أن يكون سرّاً ويحصل بحضورهما الاعلان. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۹٤، ظفير مفتاحی)

(۲) النكاح ينعقد بالايجاب والقبول، الخ، ولاينعقد إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين، الخ. (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۲۸۵، ظفير)

(۳) أما نكاح منكوحة الغير، الخ، لم يقل أحد بجوازه. (ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۲/٤۸۲، ظفير)

کشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت، إن كانت وحدها فيه، جاز.(۱)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہوگیا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۸۷-۸۸)

صرف دو گواہوں کے سامنے نکاح ہوا اور اسے خادمہ کے طور پر رکھا تو جماع جائز ہے، یا نہیں:

سوال: زید نے ہندہ سے اس کی رضا مندی سے بہ موجودگی دو نفر گواہان ایسی جگہ اور ایسے وقت نکاح کیا، جب کہ دونوں میں سے کسی کے رشتہ دار احباب موجود نہ تھے، نکاح کے بعد زید ہندہ کو بطور خادمہ اپنے گھر لے گیا اور تاکید کردی کہ وہ نکاح کا ذکر کسی سے نہ کرے اور گھر میں بظاہر بطور خادمہ کے رہے۔ کیا ایسے تعلقات کی بنا پر دونوں کے درمیان تعلقات زن وشوہر شرعاً جائز ہیں؟

الجواب ــ

اس صورت میں اگر یہ نکاح کفو میں ہوا ہے تو شرعاً صحیح ہوگیا اور ان دونوں میں تمام تعلقات زن وشوہر جائز ہیں۔

درمختار میں ہے:

"فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولى". (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۷۱)

دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول سے نکاح جائز ہے:

سوال: زید نے ایک عورت سے عقد کیا اور اہل محلّہ سے پوشیدہ رکھا، عقد اس طرح کیا کہ عورت نے دو گواہوں کے سامنے بغیر نام و پتہ والدین کا بتلائے بلا تعین مہر کے صرف یہ کہہ دیا کہ میں اس سے رضا مند ہوں تو اس طرح عقد ہوا، یا نہیں؟ اور اس عقد کے بعد پوشیدہ ہی طریقہ سے طلاق بھی دے دی اور اس عورت نے دوسری جگہ عقد کرلیا۔

الجواب ــ

دو گواہوں کے سامنے جب کہ کسی عورت نے یہ کہہ دیا کہ میں فلاں شخص سے رضا مند ہوں اور نکاح کرتی ہوں اور شوہر نے قبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوگیا، (۳) اور پھر جو طلاق دی، وہ واقع ہوگئی اور بعد گزرنے عدت کے دوسری جگہ وہ عورت نکاح کرسکتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۷۰)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷٤/۲، ظفیر)/فإن كانت حاضرة متنقبةً كفى الإشارة إليها والاحتياط كشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت، إن كانت المرأة فى البيت وحدها، جاز النكاح.(البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹۵/۳، دارالكتاب الإسلامى بيروت، انيس

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب الولى: ۲/۴۰۷، ظفير

(۳) وينعقد متلبساً بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضع للماضى، الخ، كزوجت نفسى، الخ.(الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب النكاح: ۲/۳٦۱، ظفير)

لفظ تن بخشی کے ذریعہ نکاح منعقد ہونے کے لیے دو گواہ کافی ہیں:

سوال: تن بخشی جائز ہے، یا نہیں؟ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک کنواری بالغ، یا بیوہ عورت کسی غیر مرد کے ساتھ تعلق پیدا کر کے خفیہ طور پر نکاح کر لیتی ہے، نکاح میں قاضی اور دو گواہوں کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا، نکاح کو ہمیشہ راز میں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، عورت کے ماں باپ اور دیگر ورثا کو بالکل خبر نہیں ہوتی؛ اس لیے وہ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیتے ہیں اور وہ اپنی سسرال جا کر ہمیشہ بسر کرتی ہے، اگر راز فاش ہو جائے تو لڑکی کے اولیا لڑکے سے طلاق لینے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ نکاح اول جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

تن بخشی کی جو صورت اوپر لکھی گئی ہے، اس سے نکاح تو منعقد ہو جاتا ہے، بشرطیکہ یہ شخص اس عورت کا کفو ہو اور مہر مثل پر نکاح کیا گیا ہو؛ کیوں کہ شرائط نکاح امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب پر متحقق ہو گئے، لما فی الهداية وغیرہ؛(۱) لیکن ایسا کرنا سخت بے شرمی اور بری حرکت ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے:

قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: "اعلنوا النکاح". (رواہ الترمذی وقال حسن غریب وفی بعض الروایات: اعلنوا النکاح ولو بالدف".)(۲)

اور درحقیقت نکاح اور زنا کے درمیان فرق کرنے والی چیز اعلان ہی ہے، اگر اس طرح خفیہ نکاح جاری کر دیئے جائیں تو زنا کاری کا دروازہ کھل جائے گا؛ اس لیے ایسا کرنا گناہ ہے؛ مگر نکاح درست ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ شاہدین اور دوسری شرائط نکاح موجود ہیں۔ (کذا فی فتح القدیر: ۱۲/۲)(۳)

---

(۱) ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین عدولا کانوا أو غیر عدول أو محدودین فی القذف. (الهداية، کتاب النکاح: ۱/۱۸۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، انیس)

(فَنَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا) رِضَا (وَلِيٍّ) وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ تَصَرَّفَ فِي مَالِهِ تَصَرَّفَ فِي نَفْسِهِ وَمَا لَا فَلَا (وَلَهُ) أَيْ لِلْوَلِيِّ (إذَا كَانَ عَصَبَةً) وَلَوْ غَيْرَ مُحَرَّمٍ كَابْنِ عَمٍّ فِي الْأَصَحِّ خَانِيَّةٌ، وَخَرَجَ ذَوُو الْأَرْحَامِ وَالْأُمُّ وَالْقَاضِي (الِاعْتِرَاضُ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ) فَيَفْسَخُهُ الْقَاضِي وَيَتَجَدَّدُ بِتَجَدُّدِ النِّكَاحِ (مَا لَمْ) يَسْكُتْ حَتَّى (تَلِدَ مِنْهُ) لِئَلَّا يَضِيعَ الْوَلَدُ وَيَنْبَغِي إلْحَاقُ الْحَبَلِ الظَّاهِرِ بِهِ (وَيُفْتَى) فِي غَيْرِ الْكُفْءِ (بِعَدَمِ جَوَازِهِ أَصْلًا) وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى (لِفَسَادِ الزَّمَانِ) فَلَا تَحِلُّ مُطَلَّقَةٌ ثَلَاثًا نَكَحَتْ غَيْرَ كُفْءٍ بِلَا رِضَا وَلِيٍّ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ إيَّاهُ فَلْيُحْفَظْ. (الدرالمختار، باب الولی: ۳/۵۵-۵۷، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) (عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ فِي هَذَا الْبَابِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الْأَنْصَارِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الَّذِي يَرْوِي، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ التَّفْسِيرَ هُوَ ثِقَةٌ. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی إعلان النکاح، رقم الحدیث: ۱۰۸۹، انیس)

(۳) ... وَبِالْمَعْقُولِ وَهُوَ أَنَّ حَرَامَ هَذَا الْفِعْلِ يَكُونُ سِرًّا فَضِدُّهُ يَكُونُ جَهْرًا لِتَنْتَفِيَ التُّهْمَةُ، وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ هَذَا نَصْبٌ فِي غَيْرِ مَحَلِّ النِّزَاعِ، يَظْهَرُ ذَلِكَ مِنْ أَجْوِبَتِهِمْ عَنْ هَذَا الِاسْتِدْلَالِ وَغَيْرِهِ، وَذَلِكَ أَنَّ كَلِمَتَهُمْ قَاطِبَةً فِيهِ==

اس سے معلوم ہوا کہ پہلا صحیح ہوگیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرا نکاح حرام ہے، جب تک پہلا خاوند طلاق نہ دے اور اس کی عدت نہ گزر جائے، **لقوله تعالیٰ ﴿والمحصنٰت من النساء﴾** (الآیة)(۱) البتہ اگر ماں باپ کو اس خفیہ نکاح کی اطلاع نہیں تو دوسرے نکاح کرنے میں گناہ گار نہ ہوں گے؛ بلکہ اس کا گناہ فقط لڑکی پر اور ان لوگوں پر رہے گا، جن کو اس خفیہ نکاح کی اطلاع تھی اور انہوں نے نکاح ثانی کی خبر سننے پر بھی اس کے والدین کو اطلاع نہ کی۔

کتبہ: احقر محمد شفیع غفرلہ،۴/ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ۔ (امداد المفتین: ۴۳۶/۲)

تن بخشی کے لفظ کے ساتھ دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول سے نکاح ہو جاتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی عورت بیوہ دو مرد گواہوں کے روبرو کسی شخص کو بہ ارادہ نکاح اپنا تن بخش دے اور مرد اسی مجلس میں قبول کرے تو نکاح منعقد ہو جاوے گا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة فى الحال،الخ، كهبة وتمليك و صدقة وعطية،الخ، بشرط نية أوقرينة وفهم الشهود المقصود، انتهٰى ملخصا. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۹/۷)

تحریراً نکاح میں لڑکی کے پاس دو گواہ ہوں تو نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی اس طرح ہوئی کہ میں اپنے گاؤں میں تھی اور وہ لڑکا (جواب میرا شوہر ہے) کراچی میں مقیم تھا، ہم آپس میں مل نہیں سکتے تھے، چنانچہ

== عَلَى الْقَوْلِ بِمُوجِبِ دَلَائِلِ الْإِعْلَانِ وَادِّعَاءِ الْعَمَلِ بِهَا بِاشْتِرَاطِ الْإِشْهَادِ إِذْ بِهِ يَحْصُلُ الْإِعْلَانُ وَكَلَامُ الْمَبْسُوطِ حَيْثُ قَالَ: وَلِأَنَّ الشَّرْطَ لَمَّا كَانَ الْإِظْهَارُ يُعْتَبَرُ فِيهِ مَا هُوَ طَرِيقُ الظُّهُورِ شَرْعًا وَذَلِكَ بِشَهَادَةِ الشَّاهِدَيْنِ فَإِنَّهُ مَعَ شَهَادَتِهِمَا لَا يَبْقَى سِرًّا،وَقَوْلُ الْكَرْخِيِّ: نِكَاحُ السِّرِّ مَا لَمْ يَحْضُرْهُ شُهُودٌ، فَإِذَا حَضَرُوا فَقَدْ أُعْلِنَ قَالَ: وَسِرُّكَ مَا كَانَ عِنْدَ امْرِءٍ وَسِرُّ الثَّلَاثَةِ غَيْرُ الْخَفِيِّ صَرِيحٌ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ،فَالتَّحْقِيقُ أَنَّهُ لَا خِلَافَ فِي اشْتِرَاطِ الْإِعْلَانِ، وَإِنَّمَا الْخِلَافُ بَعْدَ ذَلِكَ فِي أَنَّ الْإِعْلَانَ الْمُشْتَرَطَ هَلْ يَحْصُلُ بِالْإِشْهَادِ حَتَّى لَا يَضُرَّ بَعْدَهُ تَوْصِيَتُهُ لِلشُّهُودِ بِالْكِتْمَانِ إِذْ لَا يَضُرُّ بَعْدَ الْإِعْلَانِ التَّوْصِيَةُ بِالْكِتْمَانِ أَوْ لَا يَحْصُلُ بِمُجَرَّدِ الْإِشْهَادِ حَتَّى يَضُرَّ، فَقُلْنَا نَعَمْ وَقَالُوا لَا،وَلَوْ أُعْلِنَ بِدُونِ الْإِشْهَادِ لَا يَصِحُّ لِتَخَلُّفِ شَرْطٍ آخَرَ وَهُوَ الْإِشْهَادُ وَعِنْدَهُ يَصِحُّ،فَالْحَاصِلُ أَنَّ شَرْطَ الْإِشْهَادِ يَحْصُلُ فِي ضِمْنِهِ الشَّرْطُ الْآخَرُ، فَكُلُّ إِشْهَادٍ إِعْلَانٌ وَلَا يَنْعَكِسُ، كَمَا لَوْ أَعْلَنُوا بِحَضْرَةِ صَبِيَّانٍ أَوْ عَبِيدٍ.(فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۰/۳،دارالفكر بيروت،انيس)

(۱) اتَّفَقَ هَؤُلَاءِ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ ذَوَاتُ الْأَزْوَاجِ مِنْهُنَّ وَأَنَّ نِكَاحَهَا حَرَامٌ مَا دَامَتْ ذَاتَ زَوْجٍ.(أحكام القرآن للجصاص،باب تحريم نكاح ذوات الزوج: ۱۷۰/۲،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲) الدر المختار على هامش ردالمحتار كتاب النكاح: ۳۶۸/۲،ظفير

میرے شوہر نے مجھے لکھا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں بعوض بتیس ہزار روپے مہر کے، اگر قبول ہو تو فارم پر دستخط کردیں۔اس فارم پر میرے شوہر کے دستخط اور دو گواہوں کے دستخط تھے،ادھر میں نے بھی اسی فارم پر دستخط کئے، میری دو سہیلیوں اور ایک لڑکے کو (جو میری سہیلی کا بھائی تھا) گواہ بنایا اور ان سے بھی دستخط لیے۔بعد میں میرے شوہر آئے اور ہم چپ چاپ کراچی آگئے۔اب جب کہ ہماری اولاد بھی ہوگئی ہے، میرے والدین کہتے ہیں کہ تمہارا نکاح غلط تھا یہ بتائیے کہ جن حالات میں میں تھی اور جیسے ہم نے دُور دو الگ مقامات پر رہ کر نکاح کیا ہے، دل سے ہم نے قبول کیا تو کیا یہ نکاح صحیح نہ تھا؟ بعد میں بہرحال ہم نے یہ بھی کرلیا کہ سول کورٹ گئے اور وہاں قاعدے کے مطابق سب کچھ کرلیا؛ مگر کیا اس سے پہلے ہم میاں بیوی ''حرام'' کے مرتکب ہوئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

تحریراً نکاح میں جب لڑکا ایجاب کا خط ارسال کرے اور لڑکی شرعی گواہوں کے سامنے لڑکے کے ایجاب کی خبر دے کر قبول کرلے تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجاتا ہے، بشرطیکہ لڑکی کا ولی راضی ہو اور اگر ولی راضی نہ ہو تو لڑکے کا کفوء (یعنی دینداری، مال اور پیشہ وغیرہ میں لڑکے کا زیادہ) ہونا ضروری ہے، اگر لڑکا کفوء ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر بھی یہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا آپ کا کفوء ہے اور اس کے خط کے ذریعے بھیجے گئے ایجاب کی گواہوں کو خبر دے کر ان کے سامنے قبول کیا گیا ہو تو یہ نکاح شرعاً منعقد اور صحیح ہے، اس پر اعتراض کا حق کسی کو نہیں اور اگر لڑکا کفوء نہیں تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا تھا۔

لما في حاشية تبيين الحقائق للشلبي (٤٥٥/٢): وعن اشتراط السماع ما قدمنا في التزوج بالكتاب بأنه لا بد من سماع الشهود ما في الكتاب المشتمل على الخطبة بأن تقرأ المرأة عليهم أو سماعهم العبارة عنه بأن تقول إن فلاناً كتب إلي يخطبني ثم تشهد أنها زوجته نفسها، الخ.

وفي الهندية (٢٦٩/١): ولو قالت إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه صح النكاح لأن الشهود سمعوا كلامهما بإيجاب العقد وسمعوا كلام الخاطب بإسماعها إياهم هكذا في الذخيرة.

وفي الدرالمختار (٥٧/٣): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى. وفي الشامية (١٢/٢): وصورته ان يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب احضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه او تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا اني زوجت نفسي منه. (نجم الفتاویٰ:۹۶/۴)

نکاح پڑھانے والے کا خود گواہ بننا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح پڑھانے والا اُسی نکاح کا جس کو وہ پڑھا رہا ہے، گواہ بن سکتا ہے، یا نہیں؟ ایک نکاح جس میں صرف چار آدمی موجود تھے، جن میں ایک تو لڑکی

کے والد دوسرے لڑکے کے والد، تیسرے خود لڑکا، چوتھے نکاح پڑھانے والا، صرف اِن چار حضرات کی موجودگی میں ایک بند کمرہ میں نکاح ہوا ہے، قاضی نے ایجاب کیا اور لڑکے نے اُسی مجلس میں قبول کیا۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ صرف مذکورہ بالا چار حضرات کی موجودگی میں ہونے والا نکاح اپنے تمام شرائط کے ساتھ صحیح طور پر منعقد ہوگیا، یا نہیں؟ اگر منعقد ہوگیا تو کس طرح؟ اُن میں کوئی وکیل ہوا؟ کون ولی ہوا اور کون گواہ ہوئے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفیق

مسئولہ صورت میں لڑکے کے والد اور نکاح پڑھانے والا گواہ قرار پائیں گے اور لڑکی کا والد لڑکی کی طرف سے وکیل ہوگا اور نکاح شرعاً صحیح طور پر منعقد ہوجائے گا؛ اس لیے کہ نکاح کی صحت کے تمام شرائط یہاں موجود ہیں۔

والأصل أن كل من صلح أن يكون وليا فيه بولاية نفسه، صلح أن يكون شاهداً. (شامی: ۹۴/٤،زکریا، وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ١٥٨/٣،زکریا)

أمر الأب رجلاً أن يزوج صغيرته فزوجها عند رجل وامرأتين، والحال أن الأب حاضر صحّ؛ لأنه يجعل عاقدًا حكمًا، وإلا لا، ولو زوّجه بنته البالغة بحضر شاهد واحد جاز. (الدرالمختار، کتاب النکاح،مطلب:الخاص علی العام: ٢٤/٣،کراتشی، کذا فی الهدایة: ٣٠٧/٢، وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ١٦١/٣،زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۷/۱۱/۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۴۱/۸-۱۴۲)

ناکح (نکاح پڑھانے والا) گواہ بن سکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور ہندہ کے درمیان ان کے ماں باپ نے روبروئے گواہان عقد نکاح کرلیا، بوقت نکاح دونوں بالغ تھے اور رخصتی نہیں ہوئی تھی تقریباً سات سال بعد زید کے چھوٹے بھائی اور ہندہ کہیں چلے گئے اور کسی شہر میں نکاح کرلیا، جس میں یہ چھوٹا بھائی اور ہندہ خود موجود تھے اور ایک گواہ اور ایک ناکح؛ یعنی نکاح پڑھانے والا تھا، کیا یہ نکاح درست ہے؟ کیا ناکح گواہ بن سکتا ہے؟ بینوا توجروا

(المستفتی: محمد حلیم شاہ، گجرات، مردان، ۱۹۸۵/۷/۱۱ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر زید اور ہندہ کے درمیان عقد نکاح ہوا ہو اور تسلیم شدہ، یا شہادت شرعیہ سے ثابت شدہ ہو تو یہ دوسرا عقد نکاح کالعدم ہے، **لقوله تعالیٰ:** ﴿**والمحصنت من النساء**﴾ (۱) اور اگر یہ عقد ثابت نہ ہو تو یہ دوسرا عقد درست ہے؛ کیوں کہ نکاح خواں صرف معلم ہوتا ہے، عاقد، یا وکیل نہیں ہوتا ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۵۳/۴)

---

(۱) قال جلال الدين السيوطي: ﴿وَ﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ﴿الْمُحصَنَات﴾ أَىْ ذَوَات الْأَزْوَاج ﴿مِنَ النِّسَاء﴾ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ قَبْل مُفَارَقَة أَزْوَاجهنَّ حَرَائِر مُسْلِمَات كُنَّ أَوْ لَا. (تفسير الجلالين: ١٠٤/١،دار الحديث القاهرة،انيس)

قاضی کا دولہن کی جانب سے وکالت اور شہادت کے ذمہ داری اَنجام دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بوقتِ نکاح قاضی دولہن کی جانب سے وکالت، یا شہادت کی ذمہ داری انجام دے سکتا ہے، یا نہیں؟ جب کہ قاضی دولہن کا غیر محرم ہو اور دولہن کے قریب دیگر مستورات بھی ہوں، اور قاضی کے علاوہ دولہن کے محرم مجلس نکاح میں موجود ہوں، جو وکالت اور شہادت کی لیاقت بھی رکھتے ہوں اور قاضی بلا اِجازت ولی بضد ہو کر وکالت، یا شہادت کی ذمہ داری انجام دے تو اس صورت میں نکاح ہوگا، یا نہیں؟ اگر نکاح ہو جائے گا تو کوئی کراہت، یا نقص تو نہیں رہے گا؟ اور قاضی کا بضد وکالت، یا شہادت والا عمل درست ہے، یا نہیں؟ اور اس سے قاضی کی ذات پر کوئی اثر پڑے گا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

جہاں تک انعقاد نکاح کی بات ہے تو جو شخص بھی لڑکی کا وکیل، یا نکاح میں گواہ بن جائے، بہر صورت نکاح منعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر نامحرم شخص کو لڑکی سے اجازت لینے کے لیے اس کے پاس بھیجا جائے، یا اجازت کے وقت گواہوں کی حیثیت سے ایسے لوگ جائیں، جو لڑکی کے نئے نامحرم ہوں تو بے پردگی اور بے حجابی کی وجہ سے ان نامحرموں کا اس کے پاس جا کر اجازت لینا جائز نہیں ہے، بالخصوص جب کہ لڑکی کے پاس دیگر اَجنبی عورتیں بھی موجود ہوں تو اس گناہ کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، لہٰذا نکاح میں خاص طور پر اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ لڑکی سے اجازت لینے وہی شخص جائے، جو اس کا محرم ہو، مثلاً باپ بھائی وغیرہ اور مسئولہ صورت میں نامحرم قاضی کا اپنی وکالت، یا شہادت پر ضد کرنا جائز نہیں ہے، یہ بڑی بے غیرتی اور بے شرمی کی بات ہے؛ تاہم نکاح بہر حال درست ہو جائے گا۔

عن جابر رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا تلجوا علی المغیبات، فإن الشیطان یجری من أحدکم مجری الدم. (سنن الترمذی: ۲۲۲/۱)

أما الشهادة علی التوکیل بالنکاح فلیست بشرط لصحته. (شامی: ۸۷/۴-۸۹، زکریا دیوبند، کذا فی الفتاویٰ الهندیة: ۲۹۴/۱، زکریا، البحر الرائق: ۱۴۶/۳، زکریا، الفقه الإسلامی: ۲۶/۹-۲۷، رشیدیة)

الخلوة بالاجنبیة حرام. (شامی: ۵۲۹/۹، زکریا)

فإن خاف الشهوة أوشک امتنع نظره إلی وجهها فَحَلُّ النظر مقید بعدم الشهوة وإلا فحرام، وهٰذا فی زمانهم، وأما فی زماننا فمنع من الشابة، لا؛ لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة. (شامی: ۵۳۲/۹، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۵/۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۴۲/۸-۱۴۴)

بالغہ خود پردے سے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک کنواری بالغہ ۱۴(چودہ) سالہ لڑکی جس کو ایک سال سے حیض آرہا ہے، اپنا نکاح بغیر مشورہ والدین کے کرسکتی ہے، گواہوں کے روبرو، جب کہ لڑکی اندھیری میں، یا در پردہ، یا پس دیوار بیٹھی ہو اور دو گواہ لڑکی اور لڑکے کے ایجاب وقبول کو بخوبی سن سکیں اور بغیر اس لڑکی اور اس کی والدین کا نام لینے کے جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

وہ لڑکی بالغہ ہے، بدون مشورہ واجازت والدین کی اپنی نکاح کفو میں کرسکتی ہے،(۱) اور دلہا دلہن جب کہ خود ایجاب وقبول مواجہہ کریں تو لڑکی کا نام اور اس کے باپ کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، پس اگر دو گواہوں کے روبرو دولہا دلہن خود ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہوجاوے گا۔ (کذا فی الدر المختار) (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۷۲-۷۳)

ایک مرد اور عورت کی موجودگی میں نکاح ہوجاتا ہے:

سوال: ایک شخص کا ایک طوائف سے ایک سال تک ناجائز تعلق رہا، بعد میں ایک مرد معمر پرہیزگار نے ان دونوں کا نکاح بلا موجودگی وکیل و گواہ کے کردیا، عورت مکان کے اندر موجود تھی، اس کے پاس اس کی ماں اور بہن اور ان معمر شخص کی عورت اور وہ مرد معمر موجود تھے تو یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟

الجواب

نکاح میں شرط ہے کہ دو گواہ ایجاب وقبول کے سننے والے، یا ایک مرد اور دو عورتیں ایجاب وقبول کی سننے والی موجود ہوں۔(۳) پس اس صورت میں ایک مرد معمر اور ان کی زوجہ اور دو عورتیں اور بھی موجود تھیں، لہذا اگر طوائف مذکور نے اس مرد معمر کو وکیل اپنے نکاح کا بنادیا تھا اور اس نے شوہر سے قبول کرایا اور ایک مرد معمر اور دو عورتوں نے سن لیا تو نکاح شرعاً صحیح ومنعقد ہوگیا۔ (درمختار وغیرہ) (۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۱۰)

---

(۱) فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي. (الدر المختار على هامش ردالمحتار باب الو لي: ۲/۴۰۷، ظفير)

(۲) وينعقد بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر، الخ، وشرط حضور شاهدين، الخ. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/۳۶۱-۳۷۳، ظفير)

(۳) وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين معاً. (الدر المختار على هامش ردالمحتار كتاب النكاح: ۲/۳۷۷، ظفير)

(۴) والوكيل شاهد إن حضر مؤكله كالولي إن حضرت مؤليته بالغة، آه، ولأنه لافرق بينان يكون المامور رجلا أو امرأة فإن كان رجلا أشترط أن يكون معه رجل آخر أو امرأتان وإن كان امرأة أشترط أن يكون معها رجلان أو رجل وامرأة. (البحر الرائق كتاب النكاح: ۳/۹۸، دار الكتاب الإسلامي بيروت، ظفير)

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں:

سوال: ایک بالغہ عورت نے شوہر کے ماں باپ اور بہن کو شاہد بنا کر اپنے دیور سے شادی کرلی ہے تو شرعاً یہ شہادت معتبر ہے، یا نہیں، جب کہ عورت کے کسی رشتہ دار کو نکاحِ ثانی کا بالکل علم نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر بہن بالغہ ہے تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے؛ کیوں کہ بالغہ کو اپنا نکاح اپنے کفو میں کرنے کا اختیار حاصل ہے،(۱) اور دو مردوں، یا (ایک) مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۸۸/۱۱/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۶/۱۰-۶۱۷)

محض ایک عورت کی موجودگی میں عقد نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک بالغ لڑکے نے ایک بالغ لڑکی سے بہ خوشی ایک مہذب عورت کی موجودگی میں کہا کہ کیا تو نے مجھے بحیثیت شوہر قبول کیا، اس پر لڑکی نے بخوشی جواباً کہا: ہاں میں نے قبول کیا، اس طرح تین بار اقرار کیا گیا تو کیا اس طرح شرعاً لڑکی لڑکا شوہر اور بیوی ہوگئے؟ اور کیا اس طرح سے قبول کر لینے کے بعد لڑکی اگر کسی اور سے شادی کرنا چاہے تو کیا اس کو اجازت ہے، یا پہلے والے لڑکے سے طلاق لینی ہوگی؟ ان دونوں کے درمیان جسمانی رشتہ زنا کاری کہلائے گا، یا نہیں؟

(المستفتی: انوار احمد، حافظ بنے کی پلیہ مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

عقد نکاح کے صحیح ہونے کے لیے اس طرح ایجاب وقبول کے وقت میں عاقل، بالغ، دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا لازم ہے اور صورت مذکورہ میں صرف ایک ہی عورت موجود ہے؛ اس لیے یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، اس سے دونوں کا ساتھ رہنا زنا کاری ہوگی، لڑکی اپنی مرضی سے جب چاہے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ نیز اس لڑکے کے ساتھ بھی نکاح ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۵۲۱/۲)

عن أبي الزبير أن عمر أتي برجل في نكاح لم يشهد عليه، إلا رجل، وامرأة، فقال عمر: هذا نكاح السر، ولا نجيزه، ولو كنت تقدمت فيه لرجمت، قال محمد: وبهذا نأخذ؛ لأن النكاح

(۱) "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه ومالا: أي للولي ... الاعتراض في غير الكفو، الخ". (الدرالمختار، باب الولي: ۵۵/۳، سعيد)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولا كانوا أو غير عدول، الخ. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علمية ملتان)

لایجوز فی أقل من شاهدین وإنما شهد علی هذا الذی رده عمر رجل وامرأة، فهذا نکاح السر؛ لان الشهادة لم تکمل، ولو کملت الشهادة برجلین،أورجل وامرأتین کان نکاحاً جائزاً. (موطأ إمام محمد، کتاب النکاح، باب نکاح السر، اشرفی بکڈپو: ۲٤٦،رقم: ٥٣٤)

وشرط حضور شاهدین (أی یشهد ان علی العقد) حرین أو حر، وحرتین مکلفین سامعین قولهما معًا علی الأصح الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، کراتشی: ۲۱/۳.۲۲، زکریا: ۱۸۷/٤ـ ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ار جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ (فتویٰ نمبر: الف ۶۸۱/۳۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۰/۶/۲ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۵۴/۱۳-۵۵)

صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح:

سوال: زید محلّہ کی مسجد میں بلا اجرت امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، محلّہ کی نکاح خوانی بھی اسی کے سپرد ہے، معتبر ذریعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عرصہ ہوا زید نے اپنا خود نکاح ایک بیوہ عورت سے چار عورتوں کی گواہی سے پڑھ لیا۔ پہلی بیوی دوسرے مقام پر رہتی ہے، دوسری بیوی ساتھ رہتی ہے۔ ایسے شخص کا امامت کرنا اور اس سے نکاح پڑھوانا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

محض عورتوں کی گواہی سے (اگر چہ وہ چار ہوں) نکاح صحیح نہیں ہوتا، (۱) جس نے ایسا کیا غلط کیا، اس کو لازم ہے کہ اپنی اس غلطی پر توبہ واستغفار کرے، (۲) اور کم از کم دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرے، (۳) یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں بیویوں کے حقوق برابر ادا کرے، یہ طریقہ ایک کو الگ ڈال کر اس کے حقوق سے

---

(۱) **"ولا ینعقد بشهادة المرأتین بغیر رجل، الخ". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۲٦۷/۱ـ۲٦۸، رشیدیه)**

"ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، الخ". (الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰٦/۲، شرکة علمیة ملتان)

(۲) **"واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور لا یجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرة، الخ". (شرح العلامة النووی علی صحیح مسلم، کتاب التوبة: ۳٥٤/۲، قدیمی)**

(۳) جب نکاحِ سابق صحیح نہیں ہوا تو سنت طریقہ سے دوبارہ ایجاب وقبول کردے۔ **"ولا ینعقد بشهادة المرأتین بغیر رجل، الخ". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الاول: ۲٦۷/۱ ـ ۲٦۸، رشیدیه)**

"ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، الخ". (الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰٦/۲، شرکة علمیة ملتان)

دست کش ہوکر دوسرے بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے، ناانصافی اور ظلم ہے۔(۱) اگر یہ شخص اپنی اصلاح نہ کرے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، پھر اچھا یہ ہے کہ اس سے نکاح بھی نہ پڑھوایا جائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۲۰-۶۲۱)

نکاح میں دوعورتوں کو گواہ بنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے عمر کی لڑکی کو دھمکی دے کر عمر کی غیر موجودگی میں اور سب گھر والوں کی غیر موجودگی میں، جب کہ عمر و عمر کی اہلیہ و بڑا لڑکا، عزیز و اقارب سب حیات ہیں، زید کہتا ہے کہ میں نے عمر کی لڑکی سے چھپ کر نکاح کیا ہے اور دوعورتیں گواہ ہیں، زید کہتا ہے کہ میں نے ایک لاکھ روپئے کے مہر بندھوائے ہیں، جب کہ زید کی مالی حالت دس ہزار روپیہ کی بھی نہیں ہے، زید کے حالات سے سب گاؤں والے عزیز و اقارب واقف ہیں کہ زید ایک جھوٹا، مکار، فریبی انسان ہے اور عیاش ہے، زید کی بیوی اور پانچ بچے موجود ہیں اور پریشان حال ہیں، زید کا باپ اس ضعیفی کے عالم میں زید کی بیوی، بچوں کا خرچ بڑی پریشانی سے برداشت کررہا ہے، زید نے اس قسم کے حالات کئی جگہ کیے ہیں، زید کی ان حرکتوں سے زید کے گھر والے بہت پریشان ہیں، آیا عمر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرسکتا ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ وہ مشکوک ہے، زید ہم کفو بھی نہیں ہے۔

(المستفتی: حامد حسین فاروقی، باب کاٹیہ جے پور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

صرف دوعورتوں کی شہادت سے نکاح صحیح نہیں ہوتا؛ بلکہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت لازم ہے؛ اس لیے مذکورہ نکاح صحیح نہیں ہوا، مہر چاہے کتنا ہی زیادہ باندھا ہو۔

عن أبی الزبیر، أن عمر أتی برجل فی نکاح لم یشهد علیه، إلا رجل وامرأة، فقال عمر: هذا نکاح السر ولانجیزه، ولو کنت تقدمت فیه لرجمت، قال محمد: وبهذا ناخذ؛ لأن النکاح لایجوز فی أقل من شاهدین وإنما شهد علی هذا الذی رده عمر رجل وامرأة، فهذا نکاح السر

(۱) ”عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: ”من کانت له امرأتان، فمال إلی إحداهما، جاء یوم القیامة وشقه مائل“.(سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب القسم: ۱/۲۹۰، سعید)

(۲) ”ویکره امامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی“.(الدر المختار)

”(قوله: وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من یرتکب الکباء کشارب الخمر، والزانی وآکل الربا ونحو ذلک ... بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراة تقدیمه کراهة تحریم، الخ“.(ردالمحتار، کتاب الصاة، باب الامامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/۵۵۹-۵۶۰، سعید)

لأن الشهادة لم تكمل، ولو كملت الشهادة برجلين، أو رجل وامرأتين كان نكاحاً جائزاً. (موطأ إمام محمد، كتاب النكاح، باب نكاح السر، اشرفی بکڈپو: ۲٤٦، رقم: ٥٣٤، الهداية اشرفية ديوبند: ٣٠٦/٢)

وشرط حضور شاهدين حرين أوحر وحرتين،الخ. (الدرالمختار، كتاب النكاح، زكريا ديوبند: ٧٨/٤-٨٩، كراتشي: ٢٢/٣)

ولاينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل. (الفتاویٰ الهندية، الباب الأول فی تفسير النكاح،زكريا ديوبند: ٢٦٧/١-٢٦٨، زكريا جديد: ٣٣٢/١)

ولاينعقد بشهادة امرأتين بغير رجل. (قاضی خان علی هامش الهندية، زكريا ديوبند: ٣٣١/١، زكريا جديد: ٢٠٢/١، الهداية، اشرفيه ديوبند: ٣٠٦/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۵/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۱۰۸/۳۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۵۶-۵۷)

دو گواہوں کے سامنے نکاح ہو؛ مگر لڑکی کی پہچان نہ دی جائے تو جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ہندہ کا عقد ثانی ہندہ کے مکان میں زید سے دو گواہوں کے سامنے ہوا، جو مکان و مالک مکان سے خوب واقف تھے؛ لیکن وقت نکاح معرفت ہندہ کی شاہدین کو نہ دی گئی اور زید نے انسے یہ کہا کہ ایک عورت مکان میں بغرض نکاح آئی ہے، میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں تم گواہ رہو، یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہ؟ پھر زید نے ہندہ کو طلاق بائن دیا اور ورثہ ہندہ نے زید پر جبر کر کے تین طلاق دلا دی، اس صورت میں طلاق بائن کی عدت میں بعد کی طلاق واقع ہوگی، یا نہ؟

الجواب

شامی میں ہے:

"فإن كانت حاضرة منتقبة كفى الإشارة إليها". (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں نکاح منعقد ہو گیا اور تین طلاق اس پر واقع ہوگئی؛ کیوں کہ جبر یہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اور طلاق بائنہ کی عدت میں دوسری اور تیسری طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔

درمختار میں ہے:

"الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة". (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۷۹-۸۰)

جب دعا کے بہانے ایجاب کرایا، اس طرح کہ گواہ نہ تھے تو نکاح درست نہیں ہوا:

سوال: زید پڑھا لکھا اور درویش آدمی بکر کے مکان پر جایا آیا کرتا تھا، اتفاق سے اس کا قصد حج بیت اللہ کا ہوا، اس کی معیت میں خالد اور ولید تھے، وہ بکر کے مکان پر گیا، دروازہ میں سے بکر کی زوجہ کو بلایا اور کہا کہ میرا قصور

---

(۱) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ٣٧٤/٢، ظفير

(۲) كتاب الطلاق، باب الكنايات: ٦٤٥/٢، ظفير

معاف کر دو، میں حج کو جاتا ہوں، بکر کی زوجہ نے کہا: تم نے ہمارا کیا قصور کیا ہے؟ اس پر زید نے بہت اصرار کیا کہ ہمارا قصور معاف کردو، زیادہ اصرار کی وجہ سے زوجہ بکر نے کہا کہ معاف کیا۔ اس کے بعد دختر بیوہ بکر کو آواز دی اور کہا کہ تم کچھ وظیفہ پڑھتی ہو، اس نے کہا کہ نماز پڑھتی ہوں اور جو دعا آپ نے بتائی تھی، وہ پڑھتی ہوں، وہ کیا دعا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ ہے: "**نحمده ونصلي على رسوله الكريم**". اس کے بعد زید نے کہا یہ اور پڑھا کرو مقولہ یعنی دختر مذکور: "**رب زدني مولانا يارب زدني مولانا**" جو وقت یہ الفاظ تعلیم کر دیئے، تب بیرونی دروازے سے علاوہ خالد و ولید کے ایک عربی خواں کو بھی بلایا، اس کا بیان ہے کہ یہ الفاظ تھے: "**زوجني لله يا مولانا**"، اس دختر سے یہ الفاظ صحیح ادا نہ ہوئے تو زید نے پھر بتلائے، تب اس دختر نے "**زوجني لله يا مولانا**" کہا اور زید نے "**قبلت**" کہا، ایسی حالت میں کہ دختر مذکور اور موجودین میں سوائے عربی خواں کے یہ جانتے ہیں کہ یہ درویش دعا تعلیم کر رہے ہیں، ان کو ہرگز خیال نہیں ہے کہ ایجاب وقبول ہو رہا ہے اور نہ ہم لوگ گواہ ہیں؛ بلکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ دعا تعلیم ہو رہی ہے اور وہ دختر بھی یہ جان کر کلمات کہہ رہی ہے کہ میں دعا سیکھ رہی ہوں، اس صورت میں کہ نہ عورت جانتی ہے کہ میں اپنا نکاح کرتی ہوں اور نہ گواہ جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح ہو رہا ہے، سوائے عربی خواں کے، ایسی حالت میں "**زوجني لله يا مولانا**" کہنے سے ایجاب ہو جائے گا، یا نہ؟ اور نکاح زید کا دختر مذکورہ سے صحیح ہوگا، یا نہیں؟ نہ اس وقت مہر کا ذکر ہوا، نہ اس کے بعد۔

الجواب

اس صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوا؛ کیوں کہ اس قدر جاننا عورت کا اور دو گواہوں کا ضروری ہے کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور یہ نکاح کے الفاظ ہیں اور یہ مجلس نکاح ہے، اگر چہ حقیقت معنی نہ جانتے ہوں، چناں چہ شامی نے صاحب درمختار کے اس قول کی تشریح میں لکھا ہے:

"**ولايشترط العلم بمعنى الايجاب والقبول، الخ، لكن قيد في الدر: وعدم الاشتراط بما إذا علما أن هذا للفظ ينعقد به النكاح أي وإن لم يعلما حقيقة معناه.** (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۱۰۱-۱۰۲)

گواہوں کا ایجاب وقبول سننا کافی ہے، یا سمجھنا بھی ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص کسی بالغہ باکرہ، یا بیوہ عورت سے عربی میں "**زوجتک نفسی**" دو گواہوں کے سامنے کہلوائے اور اس کے جواب میں خود "**قبلت**" کہے اور دونوں گواہ ان لفظوں کے مطلب سے بے خبر ہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟ اگر نکاح درست نہیں تو عورت اگر ان الفاظ کے معنی سے خبردار ہو؛ لیکن گواہ بے خبر ہوں تو اس صورت میں بھی نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟ نیز

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳۶۷/۲، ظفیر

اکراہ اور مذاق کی صورت میں مجلس عقد نہیں ہوتی، وہاں ایسا مسئلہ پیش آجائے کہ غیر زبان میں ایجاب وقبول ہو، گواہ نہ سمجھ پائیں۔ازراہ کرم ان تمام صورتوں کے احکام بیان فرمادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح میں عاقدین اور گواہوں کے لیے الفاظِ نکاح سمجھنے سے متعلق تین طرح کے اقوال کتب فقہ میں ملتے ہیں:

(۱) سمجھنا شرط ہے۔

(۲) سمجھنا ضروری نہیں ہے۔

(۳) ان دونوں کے درمیان تطبیق۔

تطبیق یہ ہے کہ پہلے قول (جس میں گواہوں کے لیے الفاظ سمجھنے کی شرط ہے) کا مطلب یہ ہے کہ گواہوں کو اتنا ضرور پتہ ہو کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے، اگر چہ ان الفاظ کے موضوع لہ معنی کو نہ جانتے ہوں، دوسرے قول (جس میں الفاظ نکاح سمجھنے کی شرط نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ نکاح کا موضوع لہ معنی معلوم ہونا ضروری نہیں، تیسرے قول (ان دونوں کے درمیان تطبیق) کا مطلب یہ ہے کہ اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ یہ عقد نکاح ہے۔یہی تیسرا قول بظاہر زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔علامہ شامی نے اسی کو آخر میں ذکر کیا ہے،لہٰذا نکاح کی صحت کے لیے عاقدین اور دونوں گواہوں کا یہ جاننا کم از کم ضروری ہوگا کہ جو الفاظ کہے جارہے ہیں، وہ بغرض نکاح ہیں، اگر چہ وہ ان کے معانی سے بے خبر ہوں، مثلاً وہ الفاظ انگریزی، یا کسی دوسری زبان کے ہوں، البتہ اگر عاقدین اور دونوں گواہوں میں سے کسی ایک شخص کو بھی یہ علم نہ ہو کہ ان الفاظ کو بغرض نکاح کہا جارہا ہے اور یہ مجلسِ نکاح ہے تو نکاح نہ ہوگا۔

چناں چہ جب یہ معاملہ (کہ عورت یا گواہ الفاظِ نکاح کے معنی سے بے خبر ہوں) مجلس عقد نکاح میں پیش آیا ہو تو چوں کہ اس صورت میں یہ تو پتہ ہوتا ہے کہ نکاح ہو رہا ہے، اگر چہ الفاظ کے معنی نہیں پتہ ہوتے، لہٰذا یہ نکاح درست ہو جائے گا اور اکراہ کی صورت میں چوں کہ مجلس عقد نہیں ہوتی۔اس صورت میں عموماً یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ یہ الفاظ نکاح کے لیے بلوائے جارہے ہیں، لہٰذا اس صورت میں نکاح نہ ہوگا، ہاں اگر اکراہ کی صورت میں اتنا پتہ ہو کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ جس سے نکاح ہو جاتا ہے، اگر چہ ان کے معانی پتہ نہ ہوں تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائے گا، عام ہے کہ عورت کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہو کہ وہ معنی سے بے خبر ہو، یا گواہوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

لما فی البحر الرائق (۴۵۶/۳): واختلف أيضا فی فهم الشاهدين كلامهما فجزم فی التبيين: لو عقد بحضرة شاهدين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه فی الجوهرة وقال فی الظهيرية والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح، واختاره فی الخانية فكان هو المذهب، فالحاصل انه يشترط سماعهما معا مع الفهم على الاصح لكن فی الخلاصة إذا تزوج امرأة بالعربية والزوج والمرأة يحسنان العربية والشهود لا يعرفون العربية اختلف المشايخ فيه والاصح انه

ینعقد اه فقد اختلف التصحیح فی اشتراط الفهم وفی الخلاصة وغیرها ینعقد بحضرة السکاری إذا فهموا النکاح.

وفی الشامیة (۲۳/۳): قوله (فاهمین،الخ) قال فی البحر جزم فی التبیین بانه لو عقدا بحضرة هندیین لم یفهما کلامهما لم یجز وصححه فی الجوهرة وقال فی الظهیریة والظاهر انه یشترط فهم انه نکاح واختاره فی الخانیة فکان هو المذهب لکن فی الخلاصة لو یحسنان العربیة فعقدا بها والشهود لا یعرفونها اختلف المشایخ فیه والاصح انه ینعقد اه لقد اختلف التصحیح فی اشتراط الفهم اه وحمل فی النهر ما فی الخلاصة علی القول باشتراط الحضور بلا سماع ولا فهم ای وهو خلاف الاصح کما مروووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النکاح،الخ. (نجم الفتاویٰ:۴/۹۰-۹۱) ☆

☆ گواہوں کا ایجاب وقبول سننا ضروری ہے، یا سمجھنا بھی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے، جو پیدائش کے بعد سے انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ خاندان کے پٹھان ہیں جب اس کے نکاح کا وقت آیا تو جس لڑکی سے اس کا نکاح تھا، اس نے پشتو میں ایجاب وقبول کیا اور اس لڑکے نے انگلش میں اور گواہ دونوں پٹھان تھے، ان میں سے کوئی بھی میرے دوست کے نکاح میں قبول کرنے کو نہ سمجھا۔ بہرحال ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔ اب آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ نکاح میں گواہوں کا ایجاب وقبول کا سننا کافی ہے، یا سمجھنا بھی ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــ بعون الملك الوهاب

عقد نکاح میں گواہوں کا ایجاب وقبول کو اکٹھے سننا ضروری ہے، سمجھنا ضروری نہیں، البتہ گواہوں کو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ عقد نکاح ہے، اگر عقد نکاح کا ہی علم نہ ہو تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کا نکاح ہوگیا؛ اس لیے کہ جب ایجاب پشتو میں ہوا تو گواہوں کو عقد نکاح کا علم ہوگیا، اگرچہ الفاظ قبول کو وہ نہ سمجھ سکے۔

لمافی إعلاء السنن (۱۱/۱۹): باب لانکاح الا بشهود:عن جابر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا نکاح إلا بولی وشاهدَی عدل.

وفی الهندیة (۲۶۸/۱):وإن سمعا کلام العاقدین ولم یعرفا تفسیره قیل بانه یصح والظاهر خلافه وعن محمد رحمه اللّٰه تعالی إذا تزوج امراة بحضرة ترکیین او هندیین قال إن امکنهما ان یعبرا ما سمعا جاز وإلا فلا کذا فی فتاوی قاضی خان وهل یشترط فهم الشاهدین العقد ذکر فی الفتاوی أن المعتبر السماع دون الفهم حتی لو تزوج بشهادة الاعجمیین جاز.

وفی الشامیة (۲۳/۳): قوله (فاهمین،الخ) قال فی البحر جزم فی التبیین بانه لو عقدا بحضرة هندیین لم یفهما کلامهما لم یجز وصححه فی الجوهرة وقال فی الظهیریة والظاهر انه یشترط فهم انه نکاح واختاره فی الخانیة فکان هو المذهب لکن فی الخلاصة لو یحسنان العربیة فعقدا بها والشهود لا یعرفونها اختلف المشایخ فیه والاصح انه ینعقد اه لقد اختلف التصحیح فی اشتراط الفهم اه وحمل فی النهر ما فی الخلاصة علی القول باشتراط الحضور بلا سماع ولا فهم ای وهو خلاف الاصح کما مروووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النکاح،الخ. (نجم الفتاویٰ:۴/۹۲-۹۳)

گواہوں کے سننے سے نکاح ہو جاتا ہے:

سوال: ایک لڑکی کا نکاح اس کے ولی نے کیا اور گواہ موقع پر موجود تھے اور تقریباً پچاس آدمیوں کا مجمع تھا؛ مگر گواہوں سے اجازت نہیں لی، یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟

الجواب

اگر دو آدمیوں نے اس مجمع میں اس ایجاب وقبول کو سنا ہے تو نکاح صحیح اور منعقد ہو گیا اور گواہوں سے اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴۵/۷)

ثبوتِ نکاح کس طرح ہوتا ہے:

سوال: زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ غیر شادی شدہ بعمر ۱۷/سال جوان عمر ہے، ایک مرتبہ خالد نے عمر کو زید کی لڑکی ہندہ مذکورہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو خالد کے جی میں شبہ ہوا کہ یہ ایک اجنبیہ لڑکی سے کیوں تخلیہ میں باتیں کر رہا ہے؟ خالد نے ہندہ کے والد اور اہل محلّہ کے معتبرین سے ذکر کیا تو عمر سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب اور دیگر متعدد آدمیوں سے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ ''خدا تعالیٰ کی قسم! ہندہ تو میرے لیے ایسی ہے، جیسے میری اپنی لڑکی، خدا کرے میرا رو (چہرہ) سیاہ ہو، جو میں جھوٹ بولتا ہوں، میں تو اس کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا ہوں''۔ نیز عمر کی زوجہ نے محلّہ کے اکثر گھروں میں جا کر بیان کیا کہ میں بقسم کہتی کہ میرا خاوند ہندہ کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا رہتا ہے اور یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔

اس واقعہ کے بعد زید اور عمر کی مصالحت کر دی گئی، بعد ازاں جب عرصہ چار ماہ کا گزر چکا تو ایک روز عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب سے بیان کیا کہ زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ سے میرا دو سال کا میرا خفیہ طور پر نکاح پڑھا ہوا ہے، نکاح کا کاغذ لکھا ہوا ہے، دو گواہ بھی ہیں، نکاح خواں میں خود ہی ہوں، تین مرتبہ اس عرصہ میں ہندہ کو حمل ہو چکا، جس کو دوائی پلا کر خود ہی ضائع کراتا رہا ہوں۔ اب ہندہ کو میرا ہی حمل ٹھہرا ہوا ہے، آپ عمر سے کہہ دیں کہ مجھ سے فیصلہ کر لیوے اور یہ لڑکی مجھے دے دیوے، اس کے عوض مجھ سے میری ہمشیرہ اور میری حقیقی لڑکی کا نکاح اپنے لیے اور اپنے لڑکے کے لیے لے لیوے۔

مولوی صاحب مذکور نے یہ تمام قصہ زید سے بیان کیا، زید نے جواب دیا کہ آپ اس نکاح کے کاغذ اچھی طرح تحقیق کر لیجئے، یہ شخص بہت مکار اور جھوٹا ہے، ہمیشہ جھوٹی قسمیں اٹھایا کرتا ہے اور نہایت چالاک شخص ہے، اگر واقعی اس کے پاس نکاح کا صحیح طور پر کاغذ موجود ہے اور بات اس طرح پر ہے کہ پھر باہمی مشورہ کر کے بات کریں گے، مولوی صاحب نے عمر کو بلوا کر فرمایا کہ آپ وہ نکاح کا کاغذ لے آویں؛ تا کہ میں اس کو دیکھ کر غور کروں، اس کے دیکھنے

---

(۱) شرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً فاهمين، مختصرا. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳۷۵/۲، ظفير)

کے بعد آپ کے گواہ بھی بلوالوں گا۔عمر نے کہا: کاغذ تو کسی دوسرے گاؤں میں ہے، یہاں پر نہیں ہے، اگر فرماؤ تو گواہ حاضر کر دیتا ہوں۔مولوی صاحب نے کہا کہ گواہ تو آج کل ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ میں مل جاتے ہیں، تم پہلے وہ کاغذ دکھاؤ۔ اس نے کاغذ دکھانے سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ کاغذ میں نہیں دکھاتا۔عمر ایک دوست نے بیان کیا کہ کاغذ تو اس نے کوئی لکھوایا ہی نہیں ہے،کون بکواس بکتا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب تم ہمیں کاغذ نہیں دکھاتے ہو تو اب ہمارے پاس تحقیق کا ذریعہ صرف لڑکی مسماۃ ہندہ ہی ہے، دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، چناں چہ ہندہ سے دو مولوی صاحب نے جو سند یافتہ عالم ہیں، ہندہ کے حقیقی ماموں کی موجودگی میں دریافت کیا کہ عمر کہتا پھرتا ہے کہ میرا نکاح ہندہ سے عرصہ دو سال سے خفیہ طور پر دو گواہوں کے روبرو پڑھا گیا ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز تو از روئے ایمان ہمیں بتلا بلا کسی کے اِجبار وخوف کے: آیا عمر سے تیرا خفیہ طور پر نکاح ہوا ہے، یا نہیں؟ ہندہ نے بلا کسی خود کے دلیری سے بیان کیا کہ میں ایمان سے کہتی ہوں کہ عمر بالکل جھوٹ بولتا ہے، میرا اس سے کوئی خفیہ نکاح وغیرہ نکاح نہیں ہے۔مولوی صاحبان نے فرمایا کہ تو سر پر کلام مجید رکھ کر یہ کہو کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا کرے کلام مجید سے ماری جاؤں، اس نے اسی طرح بیان کیا اور کہا کہ میرا عمر سے کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے، وہ جھوٹ بولتا ہے، تین چار مرتبہ یہی کلمات دہراتی رہی۔

اس کے بعد عمر سے کہا گیا کہ تم جھوٹے ہو،عمر نے کہا کہ میں آپ کو دو اس قسم کے نشانات بتلاتا ہوں، جن کو یا تو وہ جانتی ہے، یا میں جانتا ہوں، وہ نشان اس اکیلی کے آگے ظاہر کر کے میرے نکاح کے متعلق دریافت کیا جائے، اگر پھر بھی انکار کرے تو میں جھوٹا اور کاذب ہوں، چناں چہ بالکل تنہائی کی جگہ مولوی صاحبان نے دریافت کیا تو ہندہ نے بدستور سابق نکاح سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میرا نکاح عمر سے پڑھا گیا ہوتا تو میں کلام مجید سر رکھ کر کیوں انکار کرتی ،عمر سے میرا قطعاً کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے، یونہی مجھ پر بہتان لگایا گیا ہے۔

اس کے بعد محلّہ کے مولوی صاحبان نے زید سے کہا کہ عمر نکاح کے متعلق غلط کہتا ہے، چناں چہ اسی شب کو ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا۔قبل از نکاح ہندہ سے، پھر گواہوں کے روبرو نکاح خواں نے دریافت کیا کہ کیا خالد سے تیرا نکاح کر دیا جائے؟ ہندہ نے بآواز بلند کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے، چناں چہ ندہ مذکورہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا اور ہندہ وخالد کا نکاح درج رجسٹر کرا دیا گیا اور دونوں کے نشانِ انگشت نکاح کے رجسٹر پر لگا دیے گئے، نکاح خواں اور گواہان کے دستخط بھی کرا دیے گئے، نکاح کی مجلس میں تقریباً چالیس آدمی موجود تھے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح خالد سے شرعی طور پر منعقد ہو گیا ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح خالد سے صحیح نہیں ہوا ہے۔ نیز اب عمر کہتا پھرتا ہے کہ ہندہ سے میرا نکاح ہے، خالد کے نکاح میں شرعی طور پر کوئی نقص آیا ہے، یا نہیں؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب ارشاد فرما دیں؛ تا کہ اطمینان ہو جاوے، جواب جلد دیویں۔فقط

(نور محمد، طالب علم، از: ابو ہریرہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نکاح کا ثبوت اولاً گواہوں سے ہوتا ہے،(۱) اگر عادل، ثقہ، معتبر کم از کم دو گواہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر زوجین کی تصدیق کافی ہوتی ہے۔(۲) اگر ایک انکار کردے تو نکاح کا ثبوت نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دو عادل ثقہ گواہ موجود ہوں تو ان کا اعتبار ہوگا؛ یعنی اگر عمر کے پاس دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو اس کا قول معتبر نہیں اور خالد سے جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح اور معتبر ہے اور اگر عمر کے پاس دو عادل گواہ موجود ہیں تو اس کا قول معتبر ہے اور خالد کا نکاح صحیح نہیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۸۸-۴۹۱)

جب گواہوں کا ایجاب وقبول کو سننا محتمل ہے تو دوبارہ نکاح کیا جاوے:

سوال: عمرو کہتا ہے کہ میری مناکحت اس طرح ہوئی تھی کہ میری منکوحہ کا چچا ولی مع دو شاہدوں کے ان کے پاس جا کر اجازت لے آیا، مجلس نکاح میں آ کر میرے کان میں آہستہ سے ایجاب کیا، میں نے بھی آہستہ سے قبول کیا اور مجھے یقین ہے کہ یہ الفاظ ایجاب وقبول کے ہم عاقدین کے سوا کسی نے بھی نہیں سنے ہوں گے، اس صورت میں نکاح فسخ کر کے تجدید نکاح کی جاوے، یا کیا کرنا چاہیے؟ اگر وجوب فسخ دیانۃً ہے تو جو حقوق عباد وعدم توریث اور مہر مثل وغیرہ فسخ پر قضاءاً مرتب ہوتے ہیں، اس پر بھی مرتب ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ ظاہر ہے کہ سننا اور نہ سننا شاہدین کا ایجاب وقبول کو محتمل ہوگیا، پس تجدید نکاح بلا فسخ نکاح کرلیا جاوے، تجدید نکاح احتیاط کے لیے پہلے نکاح کو فسخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ کفر محتمل میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تجدید نکاح بمہر جدید کرلی جاوے اور عدم توریث وغیرہ امور اس پر مرتب نہ ہوں گے اور مہر پہلا بھی لازم ہوگا اور دوسرا بھی۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۰۴-۱۰۵)

---

(۱) "ومنها العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا نكاح الا بشهود، وقوله: لا نكاح إلا بشاهدين". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۴۰۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، هكذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: ولا بالاقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق؛ لأن المراد هنا أن الاقرار لا يكون من صيغ العقد، والمراد من قولهم: إنه يثبت بالتصادق، أن القاضي يثبته به: أى بالتصادق، ويحكم به، أبو السعود عن الحانوتي". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۱۳/۳، سعيد)

(۳) "(فإن أحضرها): أى فان أحضر المدعى البينة على وفق دعواه، قضى بها: أى قضى القاضى بالبينة، لانتفاء التهمة عنها: أى عن الدعوى، لترجح جانب انصدق على الكذب بالبينة". (فتح القدير، كتاب الدعوى: ۱۶۸/۸، مصطفى البابى الحلبى)

(۴) وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الأصح. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۳/۲، ظفير)

باہم خود دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول سے نکاح ہو جاتا ہے:

سوال: ایک شخص روبرو دو گواہوں کے اپنا نکاح خود ہی ایک عورت بیوہ سے باندھتا ہے اور باہم ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ کیا یہ نکاح جائز ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

یہ نکاح صحیح ہے اور شریعت میں اعلان نکاح دو گواہوں کے ساتھ مسلم رکھا ہے، گویا ضروری اعلان حاصل ہو گیا۔ (۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵۵/۷)

آنکھوں پہ پٹی باندھ کر نکاح کرنا:

سوال: زید نے ہندہ سے دو گواہوں کے سامنے نکاح کیا؛ لیکن ہندہ نے اپنی آنکھوں پر حیا کی پٹی باندھ لی تو کیا یہ پٹی نقاب کے حکم میں ہوگی، جس کے بارے میں ''ردالمحتار'' وغیرہ میں لکھا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ چہرہ پر نقاب نہ ہو؟ یا نقاب کے حکم میں نہیں اور نکاح مع جملہ احتیاطوں کے منعقد ہو جائے گا؟

(امیر علی صاحب، معرفت حامد میاں، مدرسہ شاہی مراد آباد)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اصل مقصود تعریف وتمیز ہے، اگر یہ حاصل ہو جائے تو نکاح درست ہوتا ہے، اگر چہ عورت مجلسِ عقد میں حاضر نہ ہو، محض اس کا نام لیا ہو اور اگر چہ گواہ نابینا ہوں اور اگر چہ عورت نقاب پوش ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر گواہ جانتے اور پہچانتے ہیں تو پٹی باندھنا مضر نہیں، خواہ صورت وشکل سے پہچانتے ہوں، یا باپ دادا کے نام سے، یا محلّہ اور بستی کے پتہ سے، یا کسی اور ذریعہ سے۔ اگر پٹی کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے اور جہالت باقی ہے، کوئی اور ذریعہ بھی شناخت کا نہیں تو احتیاط کے خلاف ہے، اگر چہ حکم عدمِ صحت کا نہیں دی جا سکتا۔ (هكذا يستفاد من ردالمحتار) (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذی قعدہ، ۱۳۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۴/۱۰)

---

(۱) ويشترط الاعلان مع الشهود، لما في التبيين: أن النكاح بحضور الشاهدين يخرج عن أن يكون سراً ويحصل بحضورهما الاعلان. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹۴/۳، دار الكتاب الإسلامي بيروت، ظفير)

(۲) ''تنبيه: أشار بقوله فيما مر: ''ولا المنكوحة مجهولة'' الى ما ذكره في البحر هنا بقوله: ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة، فان كانت حاضرة متنقبة كفى الاشرة اليها، والاحتياط كشف وجهها، الخ''. (ردالمحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۲۱/۳، سعيد)

''فان كان الشهود يعرفونها، فذكر مجرد اسمها، جاز، وان لم يعرفونها فلا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها. أما لو كانت حاضرة متنقبة، فقال: تزوجت هذه وقبلت، جاز؛ لأنها صارت معروفة بالاشارة، الخ''. (فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۲/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

دو شرعی گواہوں کے سامنے بلا مہر ایجاب وقبول سے نکاح ہو جاتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید و ہندہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں اور اسی مکان میں خالد وصالحہ وحمیدہ بھی موجود ہیں، زید نے ہندہ سے تین مرتبہ بلا تذکرہ مہر کہا کہ تمہارے ساتھ نکاح کرتے ہیں، تم کو منظور ہے، ہندہ نے تینوں مرتبہ یہ کہا کہ مجھے منظور ہے تو اس صورت میں نکاح منعقد ہوا، یا نہ؟ اور خطبہ نکاح میں ضروری ہے، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں نکاح صحیح ولازم ہوگیا؛ کیوں کہ صحت نکاح کی شرط شاہدین اور اس کا رکن ایجاب وقبول ہے اور یہ دونوں اس صورت میں موجود ہیں، خطبہ مسنون ہے، نکاح کی صحت اس پر موقوف نہیں۔(۱) فقط

کتبہ: عتیق الرحمٰن عثمانی، الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن، مفتی دار العلوم دیوبند (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۵۷)

دو شرعی گواہ کہیں کہ ہمارے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے تو نکاح ہو جائے گا:

سوال: زید مدعی ہے کہ ہندہ نے میری عدم حاضری میں اپنے نفس کو مجھ کو دے دیا تھا اور میں نے بھی اس کی عدم حاضری میں قبول کرلیا تھا اور عمرو خالد و پدر ہندہ شاہد ہیں تو اس صورت میں نکاح ہوا، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں اگر ہندہ وزید دونوں کے ایجاب وقبول پر شرعی شہادت موجود ہے تو یہ نکاح صحیح ہوگیا، صحت نکاح کا اصلی مدار شاہدین پر ہے، پس اگر عمرو خالد اس امر کے شاہد ہیں کہ ہم دونوں کے سامنے زید و ہندہ نے ایجاب وقبول کرلیا ہے تو نکاح منقعد ہوگیا۔ (هکذافی کتب الفقه)(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۵۷)

عورت نکاح سے انکار کرے اور گواہوں میں اختلاف ہو تو کیا حکم ہے:

سوال: زید نے ہندہ سے نکاح کیا، دو تین سال بعد شوہر اور اولیاء زوجہ میں اختلاف ہوگیا اور اولیاء زوجہ نے زوجہ کو شوہر کے گھر جانے سے روک دیا اور زید نے حاکم وقت مسلمان سے محاکمہ کیا، اولیاء زوجہ نے نکاح سے انکار کیا، بغرض شہادت عقد شوہر نے چند گواہ قائم کئے اور زوجہ کے اولیاء نے گواہوں کو رشوت دے کر زید سے منحرف اور دروغ شہادت پر آمادہ کیا، چناں چہ گواہوں نے شہادت کے وقت کسی نے کہا رات کو، کسی نے دن کو، کسی نے رمضان

(۱) ويندب إعلانه وتقديم خطبة. (الدر المختار على هامش ردالمحتار كتاب النكاح: ۲/۳۵۹، ظفير)

قال في ردالمحتار: لوقال بالمضارع ذی الهمزة: أتزوجک، فقالت: زوجت نفسي انعقد. (رد المحتار، كتاب النكاح، تحت قول الماتن: إذا لم ينو الاستقبال: ۲/۳۶۳، ظفير)

(۲) وشرط حضور شاهدين. (الدر المختار)

أي يشهدان على العقد. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/۳۷۳، ظفير)

میں اور کسی نے غیر رمضان میں نکاح ہونا بیان کیا؛ مگر نفس نکاح کا کسی نے انکار نہیں کیا، حاکم وقت نے گواہوں کو جھوٹا سمجھ کر مقدمہ کو خارج کر دیا۔ اس صورت میں نکاح ثابت ہوا، یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدرالمختار: وكذا تجب مطابقة الشهادتين لفظاً ومعناً بطريق الوضع،الخ، ولوشهد أحدهما بالنكاح والآخربالتزويج قبلت لاتحاد معناهما،الخ.

وفی الشامی (قوله: بطريق الوضع): ای بمعناه المطابقی وهذا جعله الزيلعی تفسير للمرافقة فی اللفظ حيث قال: والمراد بالاتفاق فی اللفظ تطابق اللفظين علی إفادة المعنی بطريق الوضع لابطريق التضمن. (شامی: ۳۸۹/٤)(۱)

وأيضاً فی الدرالمختار: وشرط حضورشاهدين إلی أن قال: ولوفاسقين،الخ، (قوله: ولوفاسقين) اعلم أن النكاح له حكمان: حكم الانعقاد، وحكم الاظهار، فالأول ماذكره والثانی إنما يكون عند التجاحد، فلا يقبل فی الاظهار إلا شهادة من تقبل شهادته فی سائرالأحكام، الخ. (شامی: ۱۷۳/۳)(۲)

عبارت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ اختلاف شہود کی صورت میں شہادت معتبر نہیں ہے اور عورت کے انکار کی حالت میں ایسی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہوگا اور روایات ثانیہ سے معلوم ہوا کہ شہود فسقاء اور غیر مقبول الشہادۃ کے حاضر ہونے سے اور ایجاب وقبول سننے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن بصورت تضاد ایسے گواہوں سے نکاح ثابت نہ ہوگا، الحاصل یہ صورت فسخ نکاح کی نہیں ہے، جو یہ کہا جاوے کہ حاکم غیر مسلم کے حکم سے نکاح فسخ نہ ہوگا؛ بلکہ اس حالت میں جب کہ عورت نکاح سے منکر ہے اور شوہر کے گواہوں میں اختلاف لفظی ومعنوی ہے، نکاح ثابت ہی نہ ہوگا اور چوں کہ فقہا نے تصریح فرمائی ہے، **كما فی الدرالمختار والشامی: "والمرأة كالقاضی".** (۳) لہذا عورت جب کہ نکاح ثابت نہ ہوا اس مرد سے علاحدہ رہے گی اور منکوحہ اس کی نہ ہوگی، ہاں اگر عورت مقر ہے نکاح کی تو نکاح ثابت ہے، گواہوں کی اول تو ضرورت ہی نہیں اور اگر گواہوں نے اختلاف کیا تو ان کے اختلاف سے نکاح ثابت بتصادق الزوجین باطل نہ ہوگا اور ان کی گواہی پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۱۷/۷-۲۱۹)

زید نکاح کا منکر اور ہندہ مدعیہ ہو تو کس کا قول معتبر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا ہندہ سے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوا؛ مگر زید حلفیہ کہتا ہے کہ میرا نکاح ہندہ کے ساتھ نہیں ہوا اور ہندہ کا حلفیہ دعویٰ ہے کہ میرا

(۱) ردالمحتار، کتاب الشهادات، باب الاختلاف فی الشهادة: ٥٣٦/٤-٥٤٠. ظفير

(۲) رد المحتار، کتاب النكاح: ۲۳/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) ردالمحتار، باب صريح الطلاق: ۲٥۱/۳، دارالفکر بیروت، انیس

نکاح زید کے ساتھ ہوا اور زید نے میرے ساتھ تین راتیں بحیثیت شوہر گزاری بھی ہیں، اس صورت میں کیا زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ثابت ہوا، یا نہیں؟ اگر ہوا تو اس صورت میں دوسرا نکاح ہونے کی صورت کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

(المستفتی: محمد مشرف لال مسجد روڈ، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر ہندہ اپنا نکاح زید کے ساتھ ہونے پر دو گواہ پیش کردے تو شرعاً ہندہ زید کی بیوی ثابت ہوگی، دونوں کا میاں بیوی کی طرح زندگی گزارنا درست ہوگا۔

ومن ادعت عليه امرأة أنه تزوجها، وأقامت بينةً فجعلها القاضی امرأته ولم يكن تزوجها وسعها المقام معه، الخ. (الهداية، كتاب النكاح، فصل فی بيان المحرمات، اشرفية ديوبند: ۳۱۳/۲، الهندية القسم التاسع المحرمات بالطلقات، زكريا ديوبند: ۲۸۳/۱، جديد زكريا: ۳۴۸/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۶۰۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۶۰-۶۱)

بھائی و بہنوئی کی گواہی کے بیان میں اختلاف:

سوال (۱) زید عمرو کا حقیقی بھائی ہے، زید عمرو کے حق میں اس کے نفع کی شہادت دیتا ہے، نہ نقصان کی، آیا زید کی شہادت عمر کے حق میں نفع کے واسطے شرعاً قبول ہے، یا نہیں؟

(۲) منگنی کی مجلس کے چار گواہ دیندار معزز رئیس اور دو گواہ معمولی تھے، چار گواہاں کہتے ہیں کہ ایجاب کے بعد قبول نہیں سنا اور دو گواہ معمولی ایک حقیقی بھائی مدعی کا دوسرا بہنوئی مدعی کا؛ یعنی رشتہ دار کہتے ہیں: قبول مدعی نے کیا ہے۔ آیا یہ اختلاف شہادت میں ہوا، یا نہیں؟ اس اختلاف کی وجہ سے یہ شہادت شرعاً مقبول ہے، یا نہیں؟ نیز بہنوئی کی شہادت بوجۂ رشتہ دار ہونے کے شرعاً مقبول ہے، یا مردود؟

(۳) جو گواہ مدعی علیہ کی طرف سے مختار ہے، وہ ہی گواہ ہمراہ مدعی متفق ہوکر مدعی علیہ کے ساتھ مخاصمت کرتا ہے اور مدعی کے ساتھ مدعیٰ علیہ کے برخلاف اس کے حقوق کو پامال کرنے کے لیے مشہور کرتا ہے۔ کیا اس کی شرعاً شہادت مقبول ہے، یا مردود؟ لہٰذا عنداللہ جواب بعباراتِ فقہ ارقام فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اصلی واقعہ کا جواب مدعی ومدعیٰ علیہ وگواہان کے بیان دیکھ کر اور حسب ضرورت تنقیحات کر کے پہلے مفصل لکھا جا چکا ہے۔ اس مرتبہ جو سوالات کئے گئے ہیں، صرف ان کا جواب دیا جاتا ہے۔

(۱) بھائی ہونا گواہی قبول ہونے سے مانع نہیں۔

"شهادة الأخ لأخته وأولاده جائز،آه". (فتاوی عالمگیری:۳/٤٠)(۱)

(۲) یہ شہادت میں اختلاف نہیں؛ کیوں کہ چار گواہ اپنے سننے کی نفی کرتے ہیں، نفسِ قبول کی نفی نہیں کرتے، پس اگر مدعی کا بھائی اور مدعی کا بہنوئی عادل ہیں اور مدعی کی طرف سے قبول کرنے کی شہادت دیتے ہیں تو شرعا ان کی شہادت قبول ہوگی، محض بھائی اور بہنوئی ہونے کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی۔(۲)

رہی یہ بات کہ ان کی اس شہادت سے نکاح کو منعقد قرار دیا جائے، یا محض منگنی کی پختگی پر محمول کیا جائے تو یہ موقوف ہے مدعی اور مدعیٰ علیہ اور اور گواہی کے پورے بیان اور مجلس کی پوری کیفیت سامنے ہونے پر، جس کو پہلے لکھا جاچکا ہے۔

(۳) اگر مدعیٰ علیہ نے کسی شخص کو وکیل بنایا تھا اور وکیل یہ کہتا ہے کہ مجھے نکاح کا وکیل بنایا تھا اور میں نے عقد کردیا ہے اور مدعی وکیل بنانے کا تو اقرار کرتا ہے؛ لیکن عقد کا انکار کرتا ہے تو اس سے وکالت تو ثابت ہوجائے گی؛ لیکن عقد کے لیے مستقل شہادت درکار ہے۔(۳) اگر لڑکی بالغہ ہے تو عقد کے لیے اس کی اجازت اور رضا بھی ضروری ہے،(۴) اور شرعاً وکیل ہونا بھی شہادت کے رد کا سبب نہیں اور بلا وجہ کسی کی مخالفت کرنا اور اس کو اذیت پہونچانا، پامال کرنا سخت گناہ ہے، اس سے ہر شخص کو اجتناب لازم ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿والذين يؤذن المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا، فقد احتملوا بهتانا وإثما مبينا﴾ (سورة الأحزاب:٥٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/محرم ۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۶۲۳-۶۲۵)

---

(۱) الفتاوى الهندية، الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهادتة للتهمة،الخ، كتاب الشهادات:۳/٤٧٠،رشيديه)

"أما سائر القرابات كالأخ والعم والخال ونحوهم، فقبل شهادة بعضهم لبعض، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل فى شرائط الركن:۹/۳٥، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "شهادة الأخ لأخته وأولاده جائز،آه". (الفتاوى الهندية،الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهادتة للتهمة،الخ، كتاب الشهادات:۳/٤٧٠،رشيديه)

"أما سائر القرابات كالأخ والعم والخال ونحوهم، فقبل شهادة بعضهم لبعض،الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل فى شرائط الركن:۹/۳٥، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين. اعلم أن الشهادة شرط فى باب النكاح، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا نكاح الا بشهود". (الهداية، كتاب النكاح:۲/۳٠٦، شركة علمية ملتان)

(۴) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحية العقل من أب أو سلطان بغير اذنها، بكرا كانت أو ثيبا، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء:۱/۲۸٧، رشيديه)

"ولا تجبر بكر بالغة على النكاح: أى لا ينفذ على عقد الولى عليها بغير رضاها". (البحر الرائق، باب الأولياء والاكفاء:۳/۱۹٤، رشيديه)

بعض گواہ نکاح کے مقر ہوں، بعض منکر تو کیا کیا جائے:

سوال(۱) ایک بالغ لڑکا اور ایک بالغ کی دونوں نے چھپ کر نکاح کرلیا ہے، اب دونوں کے والدین کو خبر نہیں۔ نکاح کے ایک کاغذ پر وکیل کے دستخط اور دولہا دولہن کے دستخط اور قاضی کے دستخط ہیں۔ ان سبھوں کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے، جب نکاح کا چرچا ہوا تو بعض لوگوں کی ڈر سے ایک گواہ اور قاضی دونوں انکار کررہے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا ہے اور انکار کرنے والوں کے دستخط بھی ہیں، دستخط کر کے بھی انکار کررہے ہیں۔ ابھی دولہا اور دولہن اور ایک گواہ اور وکیل یہ چاروں کہہ رہے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ اب بتائیے کہ یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟ اب لڑکا اور لڑکی کے والدین کو کوئی اعتراض نہیں؟

(۲) دولہا اور دولہن اور وکیل ایک اور گواہ یہ چاروں قرآن مجید کی حلف لینے کے لیے تیار ہیں کہ نکاح ہوا ہے، اور ایک گواہ اور قاضی دونوں دستخط کرنے کے باوجود بھی قرآن مجید کی حلف لینے کے لیے تیار ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لہذا من جانب پنچایت حلف دلوا سکتے ہیں کہ نہیں؟ از روئے شرع مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو اور بالغ ہیں اور ایک گواہ اور وکیل کا بیان یہ ہے کہ ہمارے سامنے لڑکے سے یہ کہا گیا کہ یہ لڑکی تمہارے نکاح میں دے اور لڑکے نے یہ کہا کہ میں نے اس کو قبول کیا اور لڑکی بھی اسی مجلس میں موجود تھی تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہوگیا،(۱) کسی سے حلف لینے کی ضرورت نہیں، دونوں کے والدین کو اعتراض نہیں ہے تو اپنے اطمینان کے لیے دوبارہ ایجاب وقبول کرادیں، بات کو طول نہ دیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱۱/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۳۷-۶۳۸)

ایک عورت پر دو شخصوں کا دعوائے نکاح:

سوال: تجمل علی اور عبدالنور نامی دو شخصوں نے ایک عورت پر زوجیت کا دعویٰ کر کے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے کے دعویٰ پر شاہد پیش کیا۔ اس عقد کی شہادت طلب کی گئی تو تجمل علی نے ایک وکیل اور ایک شاہد پیش کیا اور دوسرے شاہد نے باوجود طلب کے شہادت دینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں ایک مرتبہ پنچایت میں شہادت دے چکا ہوں، دوبارہ مقررہ حاکم کے پاس شہادت نہیں دوں گا۔ عبدالنور نے ایک وکیل اور ایک شاہد اپنے بہنوئی اور شاہد اُن کے باپ کو پیش کیا اور عورت بالغہ ہے، لہٰذا عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میرا نکاح پہلے عبدالنور

(۱) "وعلی هذا زوج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد، إن كانت حاضرة، جاز وإن كانت غائبة، لم يجز ،الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۷/۲، شركة علميه ملتان)

سے ہوا ہے، اس کے چندروز بعد جبراً تجمل علی کے ساتھ نکاح کر دیا گیا۔ میرے شوہر عبدالنور مجھ کو لے آئے، لہٰذا اب تین سال سے میں اطمینان سے اپنے شوہر کے پاس ہوں اور میرے دو اولاد ہیں۔ ایک عالم نے بھی عبدالنور کے نکاح کے صحیح ہونے کا فتوی دیا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

باپ کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے،(۱) البتہ اگر زوجین میں سے کوئی منکر ہوتو باپ کی شہادت اولاد کی موافقت میں قضا معتبر نہیں ہوتی۔(۲) صورت مسئولہ میں کوئی منکر نہیں، لہٰذا اس نکاح کو نا جائز نہیں کہا جائے گا، عبد النور کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۳۸-۶۳۹)

اگر دو مرد کسی ایک عورت سے نکاح پر گواہ پیش کردیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید دعویٰ کر رہا ہے کہ حفصہ کا نکاح اس کے والد نے نابالغی کی حالت میں میرے ساتھ کر دیا تھا اور وہ گواہ بھی پیش کر رہا ہے اور حامد دعویٰ کر رہا ہے کہ حفصہ کے والد نے اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا تھا، حامد بھی گواہ پیش کر رہا ہے، اب حفصہ کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور حفصہ بھی لاعلمی کا اظہار کر رہی ہے تو کس کا دعویٰ صحیح ہوگا اور حفصہ کس کی منکوحہ شمار ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

جب دو مرد کسی عورت سے نکاح کے دعویدار ہوں اور دونوں کے پاس گواہ بھی موجود ہوں تو کسی ایک کے حق میں

---

(۱) ”أمر الأب رجلا أن يزوج صغيرته، فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه يجعل عاقدا حكما، وإلا لا“. (الدر المختار) ”فاندفع ما أورده في النهاية: من أنه تكلف غير محتاج اليه، فإن الأب يصلح شاهدا“. (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۴/۳، سعيد)

”قال في النهاية: هذا تكلف غير محتاج اليه في المسئلة الأولى؛ لأن الأب يصلح أن يكون شاهدا في باب النكاح، فلا حاجة الى نقل المباشرة من المأمور الى الآمر حكما“. (فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۶/۳، مصطفى البابي الحلبي)

(۲) قال العلامة ابن الهمام: ”وأما الأوان بأن بزوج الأب ابنته بشهادة ابنيهٗ فأنكر الزوج وادعاه الأب والبنت كبيرة، أو المرأة فشهد، لا تقبل. ولو كان الزوج هو المدعي والمرأة منكرة، أو الأب، قبلت، هذا قول أبي يوسف. وعند محمود: تقبل وان كان المدعي الأب أو المرأة أيضا، والأصل أن كل شيء يدعيه الأب فشهادتهما فيه باطلة وان لم يكن فيه منفعة له لشبة الأبوة عند أبي يوسف، لثبوت منفعة نفاذ كالمه. وقال محمد: كل شيء للأب فيه منفعة حجدا وادعاء، فشهادة ابنيه فيه باطلة، وكذا كل شيء وليه مما يكون خصما فيه كالبيح ونظائره“. (فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۵/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

فیصلہ نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ محل (عورت) اشتراک کے قابل نہیں، مگر یہ کہ خود عورت ہی کسی ایک کی بیوی ہونے کا اقرار کرے یا البتہ اگر مدعیان نے گواہی سمیت تاریخ کی نشاندہی بھی کی ہو تو جس مدعی کی تاریخ پہلے کی ہو اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا اور اگر دونوں کی تاریخ بھی ایک ہی ہو تو عورت کسی کی بھی بیوی شمار نہ ہوگی الا یہ کہ وہ ان میں سے ایک کے پاس رہتی ہو تو اسی کی بیوی شمار ہوگی لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مدعیان میں سے کوئی ایک پرانی تاریخ کی نشاندہی کردے یا عورت کا اپنے پاس ہونا ثابت کردے تو مذکورہ عورت (حفصہ) اس کی بیوی سمجھی جائے گی، ورنہ بصورت دیگر دونوں میں سے کسی ایک کی بھی بیوی شمار نہ ہوگی۔

لمافی القدوری، کتاب الدعویٰ (ص:۲۲۷): **وأن ادعى كل واحد منهما نكاح امرأة وأقاما البينة لم يقض بواحدة من البينتين، ويرجع إلى تصديق المرأة لأحدهما.**

وفي البحر الرائق(۲۳۵/۷): رجلان ادعيا نكاح امرأة واقاما البينة لايقضى لواحد منها، إلا اذا أقرت المرأة لأحدهما، وهذا إذا لم يورخا، أو ارخاتا ريخا واحدا وإن ارخا وتاريخ أحدهما أسبق فهو أولى وإن كان تاريخهما سواء ولأحدهما يد، فهي له.

وفي الشامية (۱۵۷/۵): قوله (إذا لم تكن الخ) اما إذا كانت في يد من كذبته أو دخل بها فهو أولٰى ولا يعتبر قولها لأن تمكنه من نقلها أو من الدخول بها دليل على سبق عقده إلا ان يقيم الآخر البينة أنه تزوجها قبل فيكون اولى لان الصريح يفوق الدلالة. (نجم الفتاویٰ:۱۰۸/۴)

دو گواہوں میں ایک نکاح ہونا بیان کرے اور دوسرا منگنی تو کیا حکم ہے:

سوال: مدعی اور مدعا علیہ ایک عالم کے پاس نکاح کا معاملہ لے کر گئے، عالم نے مدعی سے پوچھا کہ دعوے دار نکاح کون ہے، مدعی نے کہا میں خود ناکح نہیں ہوں، ناکح سفر میں ہے، میں اس کا برادر ہوں، ایک شخص نکاح ہونا بیان کرتا ہے اور دوسرا منگنی کا ہونا بیان کرتا ہے کہ خطبہ ہوا ہے، نکاح نہیں ہوا ہے اور مدعا علیہ بھی یہی کہتا ہے کہ میں نے اپنی دختر کا خطبہ کیا ہے، مدعا علیہ سے عالم نے کہا کہ نکاح صحیح نہیں ہوا، تم اپنی دختر کا نکاح دوسری جگہ کر سکتے ہو، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

جب کہ نکاح کے دو گواہوں میں اختلاف ہو جاوے، ایک نکاح کا ہونا اور ایک صرف خطبہ اور منگنی کا ہونا بیان کرے تو ظاہر ہے کہ بصورت انکار مدعا علیہ (از نکاح) نکاح ثابت نہ ہوگا، فتویٰ اس عالم کا جس نے بسبب نہ متفق ہونے دو گواہوں کے نکاح پر فتویٰ عدم صحت نکاح کا دیا ہے، صحیح ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹۶/۷)

---

(۱) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار کتاب النكاح: ۳۷۳/۲، ظفير

جبراً نکاح ہوا؛ مگر دو گواہ گواہی دیتے ہیں کہ عورت کی رضا سے ہوا، کیا حکم ہے:

سوال: ہندہ بیوہ کا نکاح جبراً زید سے کیا گیا، اب ہندہ کہتی ہے کہ میرا نکاح جبراً کیا گیا، میری رضا نہ تھی اور نہ ہے اور شوہر کی جانب سے چند شاہد بناوٹی جو کہ شوہر کے قرابت دار ہیں، شہادت دیتے ہیں کہ نکاح منکوحہ کی رضا سے ہوا، نیز چند گواہ عورت کی جانب سے اس کے عدم رضا پر شہادت دیتے ہیں اور عورت بدستور واویلا کرتی ہے، بعد نکاح مدخولہ نہیں ہوئی۔ نکاح ثابت ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اگر دو گواہ معتبر سے شوہر رضا مندی عورت کی ثابت کردے گا تو نکاح صحیح ثابت ہو جاوے گا، عورت کا اظہار نارضامندی معتبر نہ ہوگا اور اس کے گواہ دربارہ عدم رضا مسموع نہ ہوں گے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۲۱۹)

مرد، عورت کے دعوے کے بغیر نکاح پر شہادت معتبر نہیں:

سوال: مسمی امان خان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسماۃ صاحبزادی نے حکیم محمد شریف سے نکاح کیا اور یہ ہر دو یعنی مسماۃ صاحبزادی اور حکیم محمد شریف اس نکاح سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان انعقاد نکاح ہوا اس روز صرف جان محمد و نور محمد صرف دو اشخاص موجود تھے اور مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف تھے اور کوئی نہیں تھا۔ حکیم نے کہا کہ میں اس سے نکاح کرتا ہوں اور مسماۃ صاحبزادی نے تین دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا تن بخشا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امان خان جو ایک ثالث شخص ہے، جس نے دعویٰ نکاح کیا، باوجودیکہ مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف انکار کر رہے ہیں، اس ثالث شخص کی شہادت پیش کرنے سے نکاح منعقد ہوگا، یا نہیں؟ اور باوجود انکار ہر دو کہ یہ شہادت قابل التفات ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح پر بغیر دعویٰ احد الزوجین شہادت مقبول نہیں، پس جب تک زوجین میں سے کوئی نکاح کا مقر نہ ہو، کسی تیسرے شخص کا شہادت پیش کرنا غیر معتبر ہے۔ (۲)

---

(۱) قال الزوج للبکر البالغة: بلغک النکاح فسکت وقالت: رددت النکاح ولا بینة لهما علی ذلک ولم یکن دخل بها طوعا فی الأصح فالقول قولها، الخ، وتقبل بینته علی سکوتها، الخ، ولو برهنا فبینتها أولیٰ؛ إلا أن یبرهن علی رضاها أو إجازتها. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الولی: ۲/۴۱۶، ظفیر)

(۲) ولا تقبل الشهادة بدون الدعویٰ، لأن طلب المدعی یشترط فی الشهادة، لأنه حقه. (فتاوی النوازل، کتاب الشهادة، ص: ۲۹۸، حیدر آباد دکن) الشهادة علی حقوق العباد لا تقبل بلا دعوی (قواعد الفقه، ص: ۸۶، (رقم القاعدة: ۱۵۷، الصدف پبلشرز)

جن چیزوں میں شہادت بغیر دعویٰ مسموع ہوجاتی ہے، وہ خالص حقوق اللہ ہے، نکاح ان میں داخل نہیں۔(۱) واللہ اعلم
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۲۸۷/۵)

عورت نے مرد سے کہا: نکاح کرلینا، اس نے دو گواہوں کے سامنے کہا: میں نے فلاں سے نکاح کرلیا:

سوال(۱) ایک شخص نے ایک عورت سے اس کی رضا سے نکاح کیا اور عورت و مرد میں باہم یہ گفتگو ہوئی کہ عورت نے مرد سے کہا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کرلینا، مرد نے جاکر دو مردوں کے سامنے یہ کہا کہ میں نے فلاں عورت کا نکاح اپنے نفس سے کرلیا اور قبول کرلیا اور گواہوں کے سامنے صرف عورت کا نام لیا اور قوم و باپ کا نام نہیں لیا اور گواہ اس عورت کو جانتے بھی نہیں ہیں تو یہ نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟

ذیل کی صورت میں نکاح ہوا، یا نہیں:

(۲)　ایک نکاح خواں نے ایک نکاح اس صورت سے پڑھا کہ اول باکرہ عورت سے اجازت لی، وہ خاموش رہی، پھر ولی سے اجازت لی، اس نے اجازت دے دی، پھر مرد سے کہا کہ فلاں سے تمہارا نکاح بعوض مہر معین کیا، تم نے قبول کیا؟ اس نے کہا: میں نے قبول کیا۔ یہ صورت نکاح موافق شرع ہے؟

الجواب

(۱)　اگر عورت کا نام مع نام باپ کے لیا گیا تو نکاح صحیح ہوگیا، صورت مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا؛ اس لیے کہ گواہ اسے نہیں جانتے ہیں اور نہ باپ کا ہی نام لیا گیا ہے کہ وہ متعین ہوسکے۔(۲)

(۲)　اس صورت میں نکاح ہوگیا۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۸/۷)

عورت و مرد باہمی رضامندی سے دو گواہوں کے سامنے نکاح کرلیں تو یہ درست ہے:

سوال:　زید و ہندہ نے برضائے باہمی دو گواہ عابد زاہد کے روبرو عقد کرلیا، اس عقد کا علم صرف زاہد و عابد کو ہے، آیا ان پر اس کا اظہار ضروری ہے، یا نہیں؟

---

(۱)　الشهادة : ويجب الأداء بلا طلب لو الشهادة في حقوق الله تعالى وهي كثيرة.(الدر المختار، كتاب الشهادات: ٤٦٣/٥، سعيد)

(۲)　ولا المنكوحة مجهولة.(الدرالمختار)ظاهره أنها لو جرت المقدمات على متعينة وتميزت عندالشهود أيضاً يصح العقد لأن المقصود نفي الجهالة وذلك بتعينها عندالعاقدين والشهود،الخ،ويؤيده ماسيأتي من أنها لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها كفى ذكر اسمها وإلا لابد من ذكر الأب والجد أيضاً.(ردالمحتار كتاب النكاح: ٣٦٧/٢،ظفير)

(۳)　وينعقد بايجاب وقبول،الخ.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ٣٦١/٢،ظفير

الجواب

نکاح اس صورت میں شرعاً صحیح اور منعقد ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ جو اعلان شرط انعقاد نکاح ہے، وہ اس صورت میں حاصل ہوگیا، (۱) البتہ مستحب اور سنت یہ ہے کہ عام اعلان نکاح کا ہو، **کما ورد "اعلنوا هذا النكاح واضربوا عليه بالدف"**. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۹/۷)

گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول سے نکاح ہوگیا اور وہ عورت اس کے لڑکے کے لیے حرام ہوگئی:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے مجمع عام میں اپنا نکاح برضاء عورت بالغہ کرایا، گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا، بعد النکاح وہ شخص یوں کہتا ہے کہ یہ ایجاب وقبول میں نے اپنی نہیں کیا؛ بلکہ میرا لڑکا جو نابالغ ہے، اس کے لیے ایجاب وقبول کیا ہے اور عورت بھی راضی نہیں ہے تو کیا یہ نکاح اس کے لڑکے سے ہوسکتا ہے، یا نہ؟ اور اس آدمی سے بھی نکاح باقی رہ سکتا ہے، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں جب کہ شخص مذکور نے گواہوں کے سامنے عورت کو قبول کرلیا اور شرعی طور پر ایجاب وقبول ہوگیا تو اب یہ نکاح خود اس کو صحیح ہوگیا۔ (۳) یہ اس کا شوہر اور وہ اس کی بیوی ہوگئی، اب صحت نکاح کے بعد اس شخص کا یہ کہنا کہ میں نے خود اپنا نکاح نہیں کیا؛ بلکہ لڑکے کا کیا ہے، معتبر نہیں۔ یہ عورت لڑکے کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، اب اس سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔

قال في الدرالمختار: (وزوجة أصله وفرعه مطلقا) ولو بعيداً دخل بها أو لا، الخ. (۴) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶۳/۷-۶۴)

گواہوں کے سامنے ایجاب کے بعد قبول بھی پایا گیا تو نکاح ہوگیا:

سوال: زید نے اپنے حالت مرض میں جب کہ اس کے ہوش وحواس صحیح تھے، روبروہم شیخ تصدق حسین ومحمد

(۱) **النكاح ينعقد بالايجاب والقبول بلفظين، الخ، ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين، الخ. (الهداية، كتاب النكاح: ۲۸۵/۲، ظفير)**

(۲) **ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة. (الدرالمختار)**

(قوله: ويندب إعلانه) لحديث الترمذي: اعلنوا هذا النكاح واجعلوا في المساجد واضربوا عليه بالدفوف، فتح. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۵۹/۲، ظفير)

(۳) **وينعقد بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر، الخ. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۶۱/۲، ظفير)**

(۴) **الدرالمختار على هامش ردالمحتار باب المحرمات: ۳۸۳/۲، ظفير**

حسین وصفی اللہ کے یوں کہا کہ ہم اپنی لڑکی کلثوم نابالغہ کو بعوض دین مہر مبلغ ماللعہ ۱۲۴ کے نکاح میں نور محمد جو پسر نابالغ شیخ پھید وکا ہے، دے دیا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کو منگائی؛ لیکن قبل تقسیم شیرینی زید قضا (انتقال) کر گیا، بعد انقضائے ایام چھ ماہ کے زید موصوف کی ہمشیرہ حقیقی نے جو کلثوم کی پھوپی ہے، ولی نکاح ہوکر دوسرا نکاح کلثوم کا زین الدین نابالغ پسر سراج الحق مرحوم سے کرا دیا ہے۔اس صورت میں کون سا نکاح صحیح ہے؟

الجواب

یہ جو زید کی طرف الفاظ مذکور ہیں کہ ''ہم نے اپنی دختر کلثوم نابالغہ کو، الخ'' یہ ایجاب ہے، اگر اس کے بعد نور محمد کی طرف سے اس کے باپ شیخ پھید و نے یہ لفظ کہہ لیا ہے کہ میں نے اپنے پسر نور محمد کے لیے قبول کرلیا تو نکاح ہو گیا ہے،(۱) دوسرا نکاح اس لڑکی کا صحیح نہ ہوگا۔(كذا في الدر المختار وغيره، من كتب الفقه)(۲) فقط

(لیکن اگر قبول نہیں پایا گیا ہے تو درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم (ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۶۵-۶۶)

عورت مکان میں تنہا تھی، اس نے گواہ کے سامنے ایجاب کیا، مرد نے قبول کیا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک مرد اور عورت میں جائز نکاح کی رغبت تھی؛ مگر عورت بضرورت و بمصلحت خانگی نکاح میں توقف کرتی تھی، پس مرد نے دو گواہ باہر دروازے کی طرف کھڑے کر کے عورت ایجاب چاہا، جب اس نے ایجاب کیا، مرد نے قبول کرلیا، اس صورت میں نکاح ان کا شرعا درست ہے، یا نہیں؟ دراں حالے کہ اس مکان کے اندر صرف وہی عورت تھی اور گواہ اس کی آواز کو خوب پہچانتے تھے؛ کیوں کہ ایک جگہ کے رہنے والے ہیں؟

الجواب

شامی میں ہے:

''ولابد من تميز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة ، فإن كانت حاضرة منتقبة كفى الإشارة إليها والاحتياط كشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت إن كانت وحدها فيه جاز ولو معها أخرى فلا، لعدم زوال الجهالة، الخ. (شامی)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۶۶)

---

(۱) وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر، الخ، كزوجت نفسي أو بنتي أو مؤكلتي عنك ويقول الآخر: تزوجت. (الدر المختار)

(كزوجت نفسي، الخ) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلا أو ولياً أو وكيلاً، قوله: ويقول الآخر: تزوجت أي قبلت لنفسي أو لمؤكلي أو ابني أو موكلتي ط. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/۳۶۱، ظفير)

(۲) أما نكاح منكوحة الغير، الخ، فلم يقل أحد بجوازه. (ردالمحتار: ۲/۴۸۲، ظفير)

(۳) دیکھئے: ردالمحتار كتاب النكاح: ۲/۳۷۴، ظفير

مرد وعورت خود دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح درست ہے:

سوال: زیداور ہندہ نے آپس میں لفظ ایجاب وقبول بحضور شاہدین کرلیا، یہ نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اپنا نکاح بغیر اجازت قاضی، یا مفتی کے کرلیوے ساتھ ارکان وشرائط نکاح کے تو جائز ہوگا، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں جب کہ مرد وعورت جو کہ دونوں بالغ ہیں اور ہم کفو ہیں بحضور شاہدین خود ایجاب وقبول کرلیویں، بدون وکیل وقاضی کے تو نکاح صحیح ہے اور منعقد ہوجاتا ہے اور نکاح خواں اور وکیل اور وکالت کے گواہوں کے موجودگی کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ (کذافی عامة کتب الفقه)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۷۰-۷۱)

وکیل نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرایا، کیا حکم ہے:

سوال: زید وہندہ میں برسوں ناجائز مخالطت رہی، جب دل میں ہدایت آئی، زید وہندہ میں مشورہ ہوا کہ ہم دونوں کا نکاح ہوجانا چاہیے، چناں چہ زید نے عمر وکیل کو زنانہ مکان میں بلاکر ہندہ کے سامنے عمر وکیل سے کہا کہ ہم دونوں نکاح کرنا چاہتے ہیں، نکاح کردیجئے، عمر وکیل نے زید سے ہندہ کے سامنے پوچھا کہ مہر کس قدر مقرر ہو، زید نے کہا کہ دس درہم شرعی، ازاں بعد عمر وکیل اور زید دونوں زنانہ مکاں سے باہر نشست کے نکاح میں آئے اور وہاں شمس الہدیٰ اور محمد عثمان موجود تھے، پھر عمر وکیل نے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ کردیا، ان دونوں گواہوں کے روبرو، حاصل کلام یہ ہے کہ عورت جب کسی کو وکیل بالنکاح مقرر کرے تو گواہان کا بھی موجود رہنا عورت کے سامنے شرط ہے، یا نہیں؟ اور یہ نکاح درست ہوا، یا نہیں؟

ہدایہ، جلد اول، باب النکاح، فصل فی الوکالت وغیرہ میں مسطور ہے:

”وكذلك لو زوج رجل امرأة بغير رضاها أورجلاً بغير رضاه وهذا عندنا، فإن كل عقد صدر من الفصولي وله مجيز انعقد موقوفاً على الإجازة.(۲)

اس نکاح فضولی میں جواز عقد عورت کی رضا پر موقوف ہے، باوجودیکہ شاہدین کی موجوگی عورت کے نزدیک نہیں اور صورت مذکورہ مسئولہ اس سے اقوی ہے؛ اس لیے کہ عورت خود اجازت دیتی ہے اور شاہدین غائبین کو مقرر کرتی ہے اور یہ بیوہ عورت تھی، نکاح ثانی زید سے ہوا۔

الجواب

جب کہ ہندہ نے عمر کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیا اور عمر نے باہر آکر دو گواہوں کے سامنے ہندہ کا نکاح زید سے کیا اور

---

(۱) وینعقدمتلبساًبایجاب من أحدهماوقبول من الآخر،الخ،كزوجت نفسي،الخ،ويقول الآخر:تزوجت.(الدر المختار)أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلا أووليا أووكيلا.(ردالمحتار كتاب النكاح: ۳۶۱/۲،ظفير)

(۲) دیکھئے:الهداية: ۳۰۲/۲،ظفير

زید نے قبول کیا تو یہ نکاح منعقد ہوگیا؛ کیوں کہ دو گواہوں کا موجود ہونا بوقت ایجاب وقبول ضروری ہے، وکیل ہونے کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے، یہ شہادت علی التوکیل ہے، یہ اس وقت ضروری ہوتی ہے کہ عورت توکیل سے انکار کرے، (۱) اور واضح ہو کہ یہ نکاح فضولی کا نہیں؛ بلکہ اس میں عورت نے عمر کو وکیل بنایا ہے، پس ایجاب عمر کا بمنزلہ ایجاب عورت کے ہے، اس کے بعد قبول کرنا شوہر کا مفید عقد نکاح کو ہے، جب کہ ایجاب وکیل عورت کا اور قبول کرنا شوہر کا روبرو دو گواہوں کے ہو۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۷۶-۷۷)

لڑکے سے اجازت کے بعد اس کی عدم موجودگی میں لڑکی سے قبول کروایا تو نکاح کا حکم:

سوال: کشمیر میں یہ رواج عام ہو چکا ہے کہ بارات پہنچنے سے قبل ہی دو تین آدمی لڑکے سے پوچھ کر بغرض نکاح لڑکی والے کے گھر جاتے ہیں اور لڑکے کی عدم موجودگی میں نکاح پڑھا لیتے ہیں، بعدہ بارات لڑکے کے ساتھ پہونچتی ہے، بعد تناول لڑکی کی رخصتی کرا کر بارات واپس چلی آتی ہے، جب کہ لڑکے کی عدم موجودگی میں دو تین وکیل جا کر یہ کہیں کہ لڑکے کو لڑکی پسند ہے اور لڑکا اس لڑکی سے راضی بھی ہے تو صرف وکیل کی قبولیت پر نکاح درست ہو جاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر لڑکا اپنے نکاح کا وکیل کسی دوسرے شخص کو بنا دے اور وہ اس لڑکے کا نکاح گواہان کی موجودگی میں کسی لڑکی سے کر دے تو ایسی صورت میں نکاح شرعاً صحیح ومنعقد ہوگا اور وہ دونوں میاں بیوی ہوں گے؛ لیکن وکیل کے لیے باقاعدہ لڑکی یا اس کے وکیل سے ایجاب وقبول کرانا ضروری ہوگا، صرف یہ اطلاع دینے سے کہ میں لڑکے کا نکاح کرنے آیا ہوں، نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

"وکّل رجلا لیزوّجه فلانة فتزوّجها الوکیل صح نکاح الوکیل". (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح: ۱/۲۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴۸)

شوہر کے ایجاب کو جب گواہ نہ سنے تو نکاح ہوگا، یا نہیں:

سوال: زید وہندہ میں نکاح کا ایجاب وقبول ہوا؛ لیکن زید کے قبول کو گواہوں نے نہیں سنا، اس کے بعد زید نے ہندہ سے مباشرت کی، اس صورت میں نکاح ہوا، یا نہیں؟ جو فعل زید سے ہوا، اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) وقدمنا أن الشهادة علی الوکالة لا یلزم إلا عند الجحود. (رد المحتار، باب الکفاءة، مطلب: فی الوکیل: ۲/۴۴۸، ظفیر)

قال فی الدر المختار: وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معاً فاهمین أنه نکاح. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب النکاح: ۲/۳۷۳، ظفیر)

الجواب

جب کہ زید کے قبول کو دو گواہوں نے نہیں سنا تو وہ نکاح نہیں ہوا، (کذا فی الدر المختار) (۱) پس ان دونوں میں پھر ایجاب وقبول دو گواہوں کے سامنے ہونا چاہیے اور جو فعل زید سے ہوا، اس سے توبہ کرے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۸۴-۸۵)

ایک شبہ کا جواب:

سوال: اس شبہ کا کیا جواب ہے: ''ولو زوج ابنته البالغة العاقلة بحضر شاهد واحد جاز، إن كانت ابنته حاضرة، لأنها تجعل عاقدة وإلا فلا'' (۲) یہ دال ہے جواز نکاح پر، بایں وجہ کہ مامور جو کہ بظاہر عاقد معلوم ہوتا ہے، سفیر محض ٹھہر کر شاہد ہو جاتا ہے اور خود عاقلہ بالغہ عاقد ٹھہرائی جاتی ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ مامور کا بکنا پھرنا آنا عاقد فی الشہادت لغو ہے اور آئندہ عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ لغو نہیں ہے، وہ یہ ہے: '' ثم إنما تقبل، الخ''. (۳)

دریافت طلب یہ ہے کہ ترجیح کس کو ہے؟

الجواب

ان دونوں عبارتوں میں جو آپ نے لکھی ہیں، کچھ تناقض اور تدافع نہیں ہے، اول عبارت سے انعقاد کا حکم بیان کیا ہے اور دوسری عبارت میں قبول وعدم قبول شہادت کا ذکر ہے، یہ ایسا ہے، جیسا کہ فقہا لکھتے ہیں کہ شاہدین فاسقین سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر نزاع ہو اور شہادت کی ضرورت ہوگی تو فاسقین کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہوگا۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۸۹)

عورت کی موجودگی میں بھی گواہوں کا ہونا ضروری ہے:

سوال: ایک مرد اور ایک عورت ایک شخص کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ تم ہم دونوں کا نکاح پڑھا دو، اس شخص نے کہا کہ نکاح کے واسطے ایک وکیل اور دو گواہ کی ضرورت ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ اگر میں موجود نہ ہوتی، تب وکیل اور گواہ کی ضرورت تھی۔ اس شخص نے دونوں کا نکاح پڑھا دیا، وہ دونوں مثل زوجین کے رہتے ہیں اور اولاد بھی ہوگئی

(۱) وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح. (الدر المختار) فلاينعقد بحضرة النائمين والأصمين. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/۳۷۳-۳۷۵، ظفير)

(۲) الدر المختار على هامش ردالمحتار كتاب النكاح: ۲/۳۷۷. ظفير

(۳) دیکھئے الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/ ۳۷۷، ظفير

(۴) ولو فاسقين. (الدر المختار) اعلم أن النكاح له حكمان: حكم الانعقاد وحكم الإظهار، فالأول ماذكره والثاني إنما يكون عند التجاهد في الإظهار ... فلذا انعقد بحضور الفاسقين والأعميين ...لم يقبل أداء هم عند القاضي. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/۳۷۶، ظفير)

ہے۔ یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہ؟ آیا دو گواہوں کا ہونا نکاح کے واسطے ضرری ہے اور جو اولاد ہوئی، اس کا کیا حکم ہے؟ نکاح کے وقت گو دو گواہ موجود نہ تھے؛ لیکن شہادت نکاح کے واسطے ایک گواہ نکاح پڑھانے والا موجود ہے اور بعد نکاح جن مرد اور عورتوں سے زوجین نے اپنے نکاح کے تذکرے کئے ہیں، وہ بھی نکاح ہونے کے گواہ ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

بدون دو گواہوں کے موجود ہونے کے، جو کہ ایجاب وقبول کو سنیں نکاح منعقد نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"**لا نکاح إلا بشهود**". (الهداية)(۱)

اور درمختار میں ہے: "**وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً**"، انتهٰی. (۲)

پس صورت مذکورہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا اور صحیح نہیں ہوا؛ کیوں کہ دو گواہوں کا موجود ہونا اور ایجاب وقبول کو سننا فرض ہے اور شرط ہے، اور جب کہ شرط نہ پائی گئی تو مشروط بھی نہ پایا گیا، جیسا کہ قاعدہ ہے:

"**إذا فات الشرط فات المشروط**". (۳)

اور ہدایہ میں ہے:

"**لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين**. (الهداية، كتاب النكاح: ۲۸٦/۲، ظفير)

اور ایک شخص کی شہادت صحت نکاح کے لیے کافی نہیں ہے اور بعد میں مشہور ہو جانا اس نکاح کا اور تذکرہ کرنا زوجین کا دوسرے لوگوں کے سامنے سے بھی انعقاد نکاح نہیں ہوتا۔ (۴)

---

(۱) الهداية، كتاب النكاح: ۲۸٦/۲، ظفير

قَالَ عليه السلام: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُودٍ"، قُلْت: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَفِي الْبَابِ أَحَادِيثُ: مِنْهَا مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيِّ ثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا نِكَاحَ إلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، وَمَا كَانَ مِنْ نِكَاحٍ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بَاطِلٌ، فَإِنْ تَشَاجَرُوا، فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ، انْتَهَى، أَخْرَجَهُ فِي النَّوْعِ الثَّامِنِ وَالتِّسْعِينَ، مِنْ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَالَ: لَمْ يَقُلْ فِيهِ: وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ إلَّا ثَلَاثَةُ أَنْفُسٍ: سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى الْأُمَوِيُّ عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بن عبد الوهاب الحجبى عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يُونُسَ الرَّقِّيِّ عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ، وَلَا يَصِحُّ فِي ذِكْرِ الشَّاهِدَيْنِ غَيْرُ هَذَا الْخَبَرِ، انْتَهَى كَلَامُه. (نصب الراية، كتاب النكاح: ۱٦٧/۳، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، انيس)

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار كتاب النكاح: ۳۷۳/۲، ظفير

(۳) والشرط دائماً يقدم على المشروط، إذ وجوده يتوقف على وجود الشرط. (منحة السلوك فى شرح تحفة الملوك، كتاب الطهارة: ۳۷/۱، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية قطر، انيس)

نیز مذکورہ قاعدہ کی اصل بنیاد حدیث شریف ہے: عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ مَا وَافَقَ الْحَقَّ. (المستدرك للحاكم، رقم الحديث: 2310، انيس)

(۴) لو تزوج بغير شهود، ثم أخبر لشهود على وجه الخبر لا يجوز إلا أن يجدد عقدا بحضرتهم. (البحر الرائق كتاب النكاح: ۹٤/۳، ظفير)

اورنکاح مذکور سے جواولاد ہوئی، وہ ولدالحرام ہے، اگر چہ احتیاطاً نسب ان کا اس شوہر سے عندالبعض ثابت ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:

أن الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب ومثل له فی البحرهناک بالتزوج بلاشهود،الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۷/۹۰-۹۱)

بالغہ عورت موجودتھی اوراس کا نکاح صرف باپ کی موجودگی میں قاضی نے پڑھادیاتو نکاح ہوگیا:

سوال: مسماۃ بگو کا نکاح علی زماں سے کیا گیا ہے، جس میں مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

فریقین کے رہائشی مکانوں کے درمیان دس قدم کا فاصلہ ہے، بوقت نکاح علی زماں کی والدہ اور مسمی مہندہ گواہ تھے اور ایک قاضی صاحب، مہر کا نام تک نہیں لیا گیا، قاضی کو نکاح خوانی بھی نہیں دی، وکیل کوئی نہ تھا، فریقین بالغ تھے، نکاح کوعرصہ چھ سال ہوا، آج تک آباد نہیں ہوئے، نہ مسماۃ کو روٹی کپڑا دیا، یہاں کے علما اس نکاح کوفساد کہتے ہیں۔ آیا نکاح صحیح ہوا، یانہیں؟

الجواب

اگر مسماۃ بگو بالغہ بھی مجلس نکاح میں موجود تھی تو قاضی صاحب پہلے گواہ شمار ہوکر نکاح صحیح ہوجاوے گا۔ اصل یہ ہے کہ نکاح کے وقت دو گواہوں کا ہونا شرط ہے، جو کہ ایجاب وقبول کو سنیں اور اگر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں، تب بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے، (۲) اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر لڑکی بالغہ ہو اور اس نے نکاح خواں کو اجازت نکاح کی دی اور اس نے روبرو ایک مرد، یا دو عورتوں کو نکاح پڑھ دیا تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ وہ نکاح خواں بھی گواہ شمار ہوجاتا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز إن کانت ابنته حاضرة لأنها تجعل عاقدة،الخ. (۳)

اورمہر کا ذکر نہ ہوتو نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور مہر مثل لازم آتا ہے، (۴) اور نکاح خواں کو نکاح خوانی نہ دینا، یا وکیل

---

(۱) ردالمحتار باب العدة مطلب فی النکاح الفاسد والباطل:۸۳۵/۲،ظفیر

(۲) وشرط حضور شاهدین حرین أوحر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معاً.(الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، کتاب النکاح:۳۷۷/۲،ظفیر)

(۳) ردالمحتار، کتاب النکاح:۳۷۷/۲،ظفیر

(۴) وإن لم یسمه أونفاه فلهامهرمثلها إن وطیء أومات عنها، لماروی فی سنن الترمذی عن عبدالله بن مسعود فی رجل تزوج امرأة فمات عنها ولم یدخل بها ولم یفرض لها الصداق، فقال:لها الصداق کاملاً،الخ.(البحرالرائق، باب المهر:۱۵٦/۳،ظفیر)

نہ ہونا کچھ خلل انداز انعقاد نکاح میں نہیں ہے اور ایک جگہ زوجین کا نہ رہنا، یا نان ونفقہ نہ دینا موجب فسخ نکاح نہیں ہے ؛لیکن شوہر اگر حقوق زوجہ ادا نہ کرے، یا نفقہ نہ دیوے تو عاصی ہے اور نفقہ اس کے ذمہ لازم ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۰۷-۱۰۸)

لڑکی سے اجازت لیتے وقت گواہوں کا ہونا صحت نکاح کے لیے شرط نہیں:

سوال: ملک ہندوستان میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ ہے کہ کسی بالغہ جوان لڑکی کا نکاح ہوتا ہے، سب براتی لڑکی کے مکان پر آجاتے ہیں تو لڑکی سے اس کے مہر اور نفس کی اجازت لینے تین شخص جاتے ہیں، ان میں سے ایک تو لڑکا کا باپ، یا چچا، یا ماموں، یا کوئی اور سگا ہوتا ہے، دو تو وکیل کی نیت سے جاتا ہے اور دوسرے جو دو آدمی ہوتے ہیں، وہ گواہ کی نیت سے جاتے ہیں؛ مگر وہ دو آدمی بھی ایسے ہوتے ہیں، جن سے لڑکی کا پردہ نہیں ہوتا ہے اور وہ لڑکی کی آواز سمجھتے ہیں۔ اب لڑکی سے وہ شخص سوال کرتا ہے، جو وکالت کی نیت سے گیا ہے کہ مسماۃ فلاں بی بی تم نے اپنے مہر اور نفس کا اختیار مجھ کو دیا؟ وہ لڑکی گواہوں کے سامنے کہتی ہے کہ میں تم کو اپنے مہر کا اور نفس کا اختیار دیا، تب وہ وکیل اور گواہ لڑکی کے کلام کو سن کر باہر آتے ہیں اور اہل مجلس کو سلام کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ مسماۃ فلانہ بنت فلاں نے مہر اور نفس کا اختیار ہمارے سامنے فلاں ابن فلاں کو دیا ہے، پھر قاضی صاحب وکیل سے اجازت لے کر خطبہ شروع کرتے ہیں، بعد خطبہ کے وکیل سے سوال کرتے ہیں کہ میں فلاں ابن فلاں صاحب آپ نے اپنی وکالت، یا ولایت سے فلانہ بنت فلاں کا نکاح بعوض مہر مبلغ اس قدر روپیہ اور فلاں گواہوں کی گواہی سے حاضرین مجلس کے حضور فلاں ابن فلاں سے کر دیا، تب وکیل اقرار کرتا ہے، پھر قاضی صاحب دولہا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، غرض دونوں طرف ایجاب وقبول کر دیا، تب وکیل اقرار کرتا ہے، پھر قاضی صاحب دولہا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ غرض دونوں طرف ایجاب وقبول کرا کے دعا خیر کرتے ہیں۔ اب عرض یہ کرنا ہے کہ وہ دو گواہ جو اجازت لینے کے وقت وکیل؛ یعنی لڑکی کے باپ، چچا، ماموں وغیرہ کے ساتھ گئے تھے، وہ گواہ فرض ہیں، یا واجب، یا سنت، یا مستحب شرط نکاح، یا محض رواج؟

الجواب

وہ دونوں گواہ جو لڑکی کی اجازت کو سننے کے لیے وکیل کے ہمراہ جاتے ہیں، وہ صرف ثبوت توکیل، یا ثبوت اذن کے لیے ہوتے ہیں، انعقاد نکاح کی مجلس میں وہ دونوں گواہ مجلس نکاح میں بھی ہوں اور ایجاب وقبول بھی ان کے سامنے ہو تو وہ وکالت اور اذن کے گواہ بھی ہوں گے اور نکاح کے بھی، اگر وکیل کی وکالت کا، یا اپنی جانب سے اذن دینے کا لڑکی انکار کر دے تو اذن اور وکالت کے ثابت کرنے کے لیے ان گواہوں کی ضرورت ہوگی، ورنہ صحت نکاح کے لیے ان

(۱) فتجب النفقة للزوجة بنكاح صحيح على زوجها. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب النكاح، باب النفقة: ۲/۸۸۶، ظفير)

گواہوں کی ضرورت نہیں ہے؛(۱) یعنی لڑکی اگر کسی گواہ کی موجودگی کے بغیر بھی اپنے ولی کو اپنے نکاح (۲) کا اذن دے دے، یا کسی کو وکیل بنادے اور وہ ولی، یا وکیل باقاعدہ مجلس میں نکاح کردے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔(۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی، ۳۰ر ستمبر ۱۹۳۰ء۔ (کفایۃ المفتی: ۱۴۵/۵)

عورت نے کہا کہ اگر میں وکیل بنادوں تو میرا نکاح ہی ہو جائے گا، بعد میں اس نے وکیل بنادیا، کیا حکم ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۳ر مئی ۱۹۲۷ء)

سوال: ایک بیوہ کو ایک جماعت نکاح کے واسطے زور دے اور بیوہ انکار کرے، اس کے انکار پر جماعت، یا پنچایت نے یہ کہا کہ اگر تو اس وقت نکاح نہیں کرتی تو اپنے نکاح کا ایک آدمی کو وکیل بنادے اور آدمی وہ ہو، جس کو پنچایت مقرر کرے۔ عورت نے جواب دیا کہ اگر میں وکیل بنادوں گی تو میرا نکاح ہی ہو جاوے گا، باوجود اس کہنے کے بھی بیوہ نے اپنا وکیل بنادیا، یہ لفظ صرف ایک ہی دفعہ کہا ہے۔ نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب

جب اس نے نکاح کے لیے وکیل بنادیا تو اس کا نکاح اگر وکیل پڑھاوے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔(۴)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۷/۵)

لڑکی ایک شہر میں ہے اور لڑکا دوسرے شہر میں، نکاح کا شرعی طریقہ کیا ہوگا:

سوال (۱) اگر لڑکی ایک شہر میں ہے اور لڑکا دوسرے شہر میں اور کوئی ایسی شکل نہیں کہ ایک جگہ آسکیں تو اس صورت میں نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

(۲) لڑکی بالغ ہے، اپنا نکاح اس صورت سے اپنی مرضی کے خلاف کرسکتی ہے، یا نہیں؟

(۳) لڑکی کا تحریری قبول جائز ہے، یا نہیں؟

(۴) ایجاب کی مفصل عبارت کیا ہوگی؟

(۵) قبول کی عبارت جو لڑکی لکھے گی، کیا ہونا چاہیے؟

---

(۱) ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین بالغین مسلمین. (الهداية، کتاب النكاح: ۲۷٤/۲، شرکة علمية ملتان)

(۲) أما الشهادة على التوكل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه فى البحر وإنما فائدتها الاثبات عند جحود التوكيل. (رد المحتار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، سعيد)

(۳-۴) وينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... كزوجت نفسي أو بنتي أوموكلتي منك. (الدرالمختار) وفي الرد: (قوله: كزوجت نفسي) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلاً أووليًا أووكيلاً. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۱۰/۳، سعيد)

(۶) ایجاب وقبول ایک ہی کاغذ پر ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۷) ایجاب کا کسی قاضی کے سامنے لکھا جانا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۸) تحریری قبول پر گواہی کی ضرورت ہے، یا نہیں اور اگر ہے تو کتنے گواہوں کی؟

(۹) وکیل ہونا لازمی ہے، یا نہیں؟

(۱۰) تحریری ایجاب وقبول ہونے کے بعد ان تحریروں کا کسی قاضی کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۱۱) نکاح کا خطبہ اس صورت میں کیوں کر ہوگا؟

(۱۲) اعلان نکاح لازمی ہے، یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس مجلس میں جہاں لڑکا ہے، وہاں اعلان ضروری ہے، یا جہاں لڑکی ہے، وہاں اعلان ضروری ہے۔

(۱۳) رسم نکاح کی ادائیگی اور تکمیل کے لیے لڑکے کی طرف سے لڑکی کو کوئی ہدیہ دیا جانا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۱۴) اس صورت میں ایجاب اور قبول میں دو ایک دن کا فاصلہ پڑے گا اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

(المستفتی: ۱۸۳۱ اختر رضوی صاحب، گوالیار، ۲۴ر جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۲ر ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

ایجاب اور قبول ایک مجلس میں گواہوں کے سامنے ہونا صحت نکاح کے لیے لازم ہے۔(۱) خطبۂ نکاح لازم اور واجب نہیں۔(۲) نکاح کا قاضی کے یہاں درج کیا جانا بھی لازم نہیں، نکاح کی شہرت دینا مستحسن ہے؛ لیکن صحت نکاح کے لیے صرف دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوجانا کافی ہے۔(۳)

لڑکی کو کوئی ہدیہ، یا مہر کا کوئی حصہ نکاح کے وقت دے دینا مستحسن ہے؛(۴) مگر نکاح کی صحت اس پر موقوف نہیں، اگر لڑکی بالغہ ہے تو وہ ولی کی اجازت کی محتاج نہیں؛ یعنی اگر وہ خود اپنا نکاح کرلے تو نکاح منعقد ہوجائے گا،(۵) بشرطیکہ نکاح غیر کفو میں نہ کیا ہو۔(۶) اگر لڑکی اور لڑکا ایک مقام پر نہ ہوں اور تحریری ایجاب وقبول کرنا ضروری ہو تو یہ

(۱) ومنها (أی من شرائطها) أن یکون الإیجاب والقبول فی مجلس واحد حتی لو اختلف المجلس بأن کانا حاضرین فأوجب أحدهما فقام الآخر عن المجلس أو اشتغل بعمل یوجب اختلاف المجلس لا ینعقد (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح: ۲۶۹/۱، ماجدیة)

(۲) ویندب اعلانه وتقدیم خطبة.(الدر المختار، کتاب النکاح: ۸/۳، سعید)

(۳) وشرط حضور شاهدین حرین أوحر وحرتین مکلفین سامعین معًا.(الدر المختار، کتاب النکاح: ۲۲/۳، سعید)

(۴) ومنها ما یدفع بعد الدخول کالإزار والخف والمکعب وأثواب الحمام، وهذه ما لونة بمنزلة المشروط عرفًا.(رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر: ۱۳۰/۳، سعید)

(۵) فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضاء ولی.(الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۵۶/۳، سعید)

(۶) وله أی للولی الاعتراض فی غیر الکفؤ، فیفسخه القاضی.(الدرالمختار، باب الولی: ۵۶/۳، سعید)

بھی ہوسکتا ہے؛(۱) لیکن بہتر یہ ہے کہ لڑکی کا کوئی وکیل لڑکے کے جائے قیام پر آجائے، یا لڑکے کا وکیل لڑکی کے جائے قیام پر چلا جائے اور اس کے ذریعہ سے ایجاب وقبول ایک مجلس میں کرلیا جائے، اگر توکیل کی صورت نہ ہوسکے تو لڑکا ایک کاغذ پر عبارت لکھے کہ میں فلاں بن فلاں، ساکن مقام فلاں نے تم فلانہ بنت فلاں ساکنہ فلاں کو بعوض اتنے مہر کے اپنے نکاح میں لیا، یہ تحریر جب عورت کے پاس پہنچے تو وہ اس کو دو گواہوں کے سامنے پڑھے اور ان کو بتلائے کہ فلاں شخص نے مجھ سے نکاح کرنے کے لیے مجھے یہ لکھا ہے اور ایجاب کی عبارت ان کو پڑھ کر سنائے اور پھر کہے کہ میں نے قبول کیا؛(۲) یعنی گواہ ایک مجلس میں ایجاب وقبول دونوں سن لیں، اس صورت میں نکاح صحیح ہوجائے گا،(۳) اس کے بعد عدالت میں ثبوت نکاح کا معاملہ وہ علاحدہ ہے، اس کے لیے قانونی ضروریات مہیا کرنی ہوں گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۲۹۲/۵-۲۹۳)

جواز نکاح بایجاب وقبول وکیل روبروئے شاہدین:

سوال: ایک مسئلہ دریافت طلب آں حضرت قبلہ کے حضور میں پیش ہے۔ زینب وزید میں آپس میں مناکحت کا اقرار ہوا، زینب نے زید سے کہا کہ مجھے تمہارے ساتھ نکاح کرنا منظور ہے، میں تم کو اپنا وکیل مقرر کرتی ہوں، اپنے ساتھ میرا نکاح دو گواہوں کے روبرو کرلو۔ زید نے دو گواہوں کے روبرو پیش کر کے کہا کہ بحیثیت وکیل مسماۃ زینب میں مسماۃ زینب کے اقبال ومنظوری نکاح کو ہمراہ زید کے (میرے) ظاہر کرتا ہوں اور بحیثیت خود اقبال ومنظوری نکاح کا اقرار کرتا ہوں، آپ لوگ اس امر کے شاہد رہیے، گواہوں نے شہادت مناکحت زید وزینب منظور کرلی۔ آیا اس قسم کا نکاح جائز ہے؟

الجواب

جائز ہے۔(۴) (امداد الفتاویٰ:۲۳۴/۲)

---

(۱) ولا بكتابة حاضر، بل غائب بشرط اعلام الشهود بها في الكتاب ما لم يكن بلفظ الأمر فيتولى الطرفين.(الدر المختار)

وفي الرد: فإنه قال: ينعقد النكح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب.(رد المحتار، كتاب النكاح: ١٢/٣، سعيد)

(۲) فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته: أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب احضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلانا كتب الي يخطبني فاشهدوا إني زوجت نفسي منه.(ردالمحتار، كتاب النكاح: ١٢/٣، سعيد)

(۳) وأرسل إليها رسولاً أو كتب إليها بذلك فقبلت بحضرة شاهدين سمعا كلام الرسول وقرأة الكتاب جاز لاتحاد المجلس من حيث المعنىٰ.(الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول: ٢٦٩/١، ماجدية)

(۴) "النكاح ينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... بشرط حضور شاهدين حرين أو حر أو حرتين مكلفين سامعين، الخ".(الدالمختار، كتاب النكاح: ٩/٣، ٢٢، ط: سعيد، انيس)

باپ بھائی کی شہادت سے نکاح:

سوال: اگر کسی عقد میں لڑکی کا والداور بالغ بھائی گواہ کی حیثیت سے ہوں اور قاضی صاحب نے بھائی کے ایک دوست کی موجودگی میں نکاح پڑھایا ہواور قاضی صاحب نے مذکورہ اشخاص کی موجودگی میں پردہ کی آر (پیچھے) سے لڑکی سے ایجاب وقبول کرایا ہوتو کیا شرعاً عقد درست ہوجائے گا؟ جب کہ عقد کے وقت صرف ایک بھائی، لڑکی کا باپ اور قاضی اور بھائی کا ایک دوست موجود تھے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

درست ہوجائے گا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۱۸-۶۱۹) ☆

ایک شخص کا لڑکی کے والدین کو گواہ بنا کر نکاح کرنا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مولوی صاحب ایک لڑکی کا نکاح اپنے ساتھ اس کے والدین کے سامنے (یعنی والدین کو گواہ بنا کر) ایجاب وقبول کرتے ہیں، کیا اس صورت میں ان کا نکاح ہوجائے گا؟ دلائل سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

---

(۱) "(أمر) الأب (رجلا أن يزوج صغيرته فزوجها عند رجل أو امرأتين) والحال أن (الأب حاضر صح)؛ لأنه يجعل عاقدا حكما (وإلا لا،ولو زوج بنته البالغة) العاقلة (بمحضر شاهد واحد، جاز)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: الخاص على العام: ۳/۲٤،سعيد)

وانظر أيضا: الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۷،شركة علمية

☆ **نکاح میں باپ اور بھائی کی گواہی:**

سوال: ایک مرد اور ایک اجنبیہ عورت میں تعلق قائم ہوا، جب ایک مرتبہ لڑکی کا خط پکڑا گیا تو تعلق ظاہر ہوا، اب لڑکی کہتی ہے کہ میری شادی ۱۵/ رمضان رات میں بارہ بجے ہوچکی ہے۔ میرے باپ اور بھائی گواہ ہیں تو اس کا نکاح ثابت ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر والد اور بھائی کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول ہوا تو یہ بھی صحتِ نکاح کے لیے کافی ہے، ("(ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين عاقلين بالغين مسلمين أورجل وامرأتين عدولا) أما اشتراط الشهادة، فلقوله عليه الصلاة والسلام: "لا نكاح الا بشهود" الخ. (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۹، مصطفى البابى الحلبى مصر) دوسرے لوگ اب تجسس نہ کریں، دونوں کی گواہی پر اکتفا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱۲/۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۱۹-۶۲۰)

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ صحت نکاح کے لیے دومرد، یاایک مرداور دوعورتیں بطورِ گواہ موجود ہونا ضروری ہیں، جب کہ مذکورہ مسئلہ میں صرف ایک مرداور ایک عورت ہے، لہٰذا نکاح صحیح نہیں ہوا۔

لمافی مشكوٰة المصابيح (ص: ۲۷۱): وعن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "البغايا اللاتى ينكحن انفسهن بغير بينة".

وفى الهندية (۱/۲٦٧): ومنها الشهادة قال عامة العلماء: إنها شرط جواز النكاح، هكذا فى البدائع، وشرط فى الشاهد أربعة أمور: الحرية والعقل والبلوغ والإسلام فلا ينعقد بحضرة العبيد ... ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، هكذا فى البدائع ولا يشترط وصف الذكورة حتى ينعقد بحضور رجل وامراتين كذا فى الهداية ولا ينعقد بشهادة المراتين.

وفى الدر المختار (۳/۲۱): (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أوحر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح. (نجم الفتاویٰ: ۴/۹۹-۱۰۰)

کیا نکاح کے گواہ باپ اور بھائی بن سکتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح کے گواہ باپ اور بھائی بن سکتے ہیں؟

(المستفتی: عبدالرشید)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح کے گواہ باپ اور بھائی بھی بن سکتے ہے۔

وكذا أى جاز النكاح لو زوجت المرأة نفسها بشهادة أبيها، وشاهد آخر. (الفتاوىٰ الخانية على الهندية، كتاب النكاح، فصل فى شرائط النكاح: ۱/۳۳۳، زكريا جديد: ۱/۲۰۳)

ولو زوج بنتهٔ العاقلة البالغة بمحضر شاهد واحد جاز، إن كانت ابنتهٔ حاضرة؛ لانها تجعل عاقدة وإلا لا. (شامى، زكريا: ٤/٩٥، كراتشى: ۳/۲٥، المبسوط للسرخى، دارالكتب العلمية بيروت: ۱۹/۳۲، البناية اشرفية ديوبند: ٥/۱۹، الهداية، اشرفية ديوبند: ۲/۳۰۷)

والاصل أن كل من صلح أن يكون ولياً فيه بولاية نفسهٖ صلح أن يكون شاهداً فيه ...فإن الاب يصلح شاهداً. (شامى، كراتشى: ۳/۲٤، زكريا ديوبند: ٤/٩٤-٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰/۴۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۱۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۵۹-۶۰)

بھائی، بہن اور ماں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اور ہندہ سے دوستی چلی آرہی ہے، ہندہ کنواری ہے، زید کی دوستی ہندہ سے ختم نہیں ہوتی، جس سے گناہ کا بھی اسے ڈر ہے، ایسی حالت میں زید نے عالم ومفتی سے مشورہ کرکے ہندہ کو کہا کہ تم مجھ سے نکاح تین سو روپیہ دین مہر پر کرلو اور اَبا بھیا کو نہ کہو؛ مگر چھوٹا بھائی جو جوان ہے اور ماں اور جوان بہن تینوں کو بٹھا کر مجھ سے کہو کہ میں نے آپ سے نکاح کیا اور میں کہوں کہ میں نے قبول کیا تو ایسا کرنے پر دوستی برقرار رہے گی اور عنداللہ گناہ بھی نہ ہوگا، پھر جب مناسب حالات ہوں گے تو اعلان کردیں گے اور صحبت کریں گے؟

چناں چہ ہندہ نے اسی طرح کیا ہے اور زید نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور پھر زید نے ہندہ کو تین سو روپیہ دے دیئے، اب خلوت بھی ہوتی ہے؛ مگر اعلان اور صحبت میں وقت کا انتظار کررہا ہے۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا؟ جب کہ ہندہ جوان بھی ہے اور عمر بیس برس ہے اور زید پینتیس برس کا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مسئولہ صورت میں چوں کہ گواہی کا نصاب (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں) مکمل ہے؛ اس لیے یہ نکاح منعقد ہوچکا ہے؛ لیکن اگر غیر کفو میں نکاح ہوا ہے تو باپ کو اعتراض کا حق ہوگا۔

عن الشعبى أن شريحاً كان يجيز شهادة الأخ لأخيه إذا كان عدلاً. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب ما جاء فى شهادة لأخيه: ۲۷۸/۱۵، رقم: ۲۱٤٦٦)

ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين. (الهداية: ۳۰٦/۲)

الكفاءة معتبرة، قالوا: معناه معتبرة فى اللزوم على الأولياء، حتى أن عند عدمها جاز للولى الفسخ، وهٰذا بناء على ظاهر الرواية من أن العقد صحيح وللولى الاعتراض. أما على رواية الحسن المختارة للفتوىٰ من أنه لا يصح، فالمعنى معتبرة فى الصحة. وكذا لو كانت الزوجة صغيرة، والعاقد غير الأب والجد، فقد مرّ أن العقد لا يصح. (شامى، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۸٤/۳، كراتشى، ۲۰٦/٤، زكريا)

أما سائر القرابات كالأخ والعم والخال ونحوهم، فتقبل شهادة بعضهم لبعض. (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل فى شرائط الركن: ۳٥/۹، دار الكتب العلمية بيروت/البحر الرائق، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل: ۱٥٦/۷، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۱/۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۷/۸-۱۳۸)

بوقت نکاح لڑکا اور لڑکی کے علاوہ لڑکی کی ماں، بھائی وقاضی نکاح تھے، نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: میرے لڑکے ندیم حسرت نے میری بیوی بچوں اور رشتہ داروں کی مرضی کے خلاف بالغہ شبینہ پروین سے شادی کرلی۔ بوقت نکاح لڑکا، لڑکی اور لڑکی کی ماں، بھائی اور قاضی نکاح کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہ تھا، گواہان لڑکی کی ماں اور بھائی بنے، از روئے شرع یہ بتلایا جائے کہ یہ نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟

شادی کے بعد لڑکا سسرال ہی میں رہنے لگا؛ مگر برابر تو تو میں میں ہونے لگی، جس کی وجہ کر لڑکا سات کیلومیٹر دور ایک مکان کرایہ پر لے کر اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگا؛ مگر وہاں بھی لڑکی کی ماں اور بھائی نے جا کر لڑکے کو دو تین بار مار پیٹ کی، اس کے باوجود بھی میرے لڑکے نے اس کو نہیں چھوڑا، ایک دن پھر لڑکی نے اپنی ماں اور بھائی کو بلا کر میرے لڑکے کو گھر میں بند کر کے بری طرح مارا پیٹا، لڑکا اپنی جان بچانے کی خاطر وہاں سے بھاگ کر میرے گھر چلا آیا اور میرے اور اپنی ماں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا، طلاق کا جملہ اس طرح تھا کہ ''میں اس کو طلاق دے رہا ہوں، آج سے میں اپنی بیوی کو نہیں لاؤں گا'' یہ جملہ چار پانچ بار میرے اور میری اہلیہ کے سامنے دہرایا اور طلاق کا ذکر اپنے دوستوں اور پاس پڑوس کے لوگوں کے پاس بھی کیا اور کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہوں، اب وہ میرے لیے حرام ہوگئی ہے۔ اب میرا لڑکا پھر اسی لڑکی کو لانے کے لیے بضد ہے اور بولتا ہے کہ میں اسی لڑکی کے ساتھ رہوں گا، میں اس کو چھوڑوں گا نہیں اور اس کے یہاں آنے جانے بھی لگا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت حال میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں جب کہ قاضی نے ندیم کا نکاح لڑکی کی ماں اور اس کے بھائی کی موجودگی میں کیا اور اسی مجلس میں وہ لڑکی بھی موجود تھی تو اس صورت میں یہ نکاح شرعاً صحیح ومنعقد ہوگیا، شرعی طور پر وہ دونوں میاں بیوی ہوگئے؛ اس لیے کہ مذکورہ صورت میں لڑکی عاقدہ ہوگی اور قاضی گواہ ہوگا۔

''إذا زوّج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد إن كانت حاضرة جاز و إن كانت غائبة لايجوز''. (الهداية: ٣٠٧/٢)

اس کے بعد اگر واقعۃً شوہر ندیم نے اپنی بیوی کو دو سے زائد طلاق دے دی، جیسا کہ سوال سے واضح ہوتا ہے تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی اور وہ ندیم کے لیے حرام ہوگئی، اب بلا حلالۂ شرعی ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہونے اور ایک ساتھ رہنے کی شرعاً کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔

''وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرّة، وثنتين في الأمة ، لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلّقها أويموت عنها كذا في الهداية''. (الفتاوىٰ الهندية: ٤٧٣/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۵/۲/۱۴۲۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۹/۴-۵۱)

باپ کا بنایا ہوا ولی نکاح میں گواہ بن سکتا ہے:

سوال: زید نے اپنے لڑکے کی شادی بکر کی لڑکی سے کی اور بوقت نکاح کے زید کو بکر نے رشتہ کی، یا زندگی کی وجہ سے لڑکی کا ولی مقرر کیا؛ یعنی اپنا حق ولایت سپرد کیا اور بکر ولی نہ بنا؛ بلکہ گواہ بنا اور دوسرا ولی زید کے دوسرے لڑکے کو بنایا اور زید نے ہی ایجاب وقبول کرایا۔ یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر بکر کی لڑکی بالغہ تھی تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف تھا، (۱) اگر اس نے اجازت دے دی ہو اور نکاح کو منظور کرلیا ہو تو نکاح درست ہو گیا اور اگر نابالغہ تھی تو یہ نکاح اس لیے درست ہوا کہ لڑکی کا ولی جائز یعنی باپ اس نکاح سے راضی اور خود بطور شاہد مجلس عقد میں موجود تھا؛ اس لیے ایجاب یا قبول لڑکی کی طرف سے کسی نے کیا ہو، باپ کی طرف منسوب اور منتقل ہو جائے گا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ غفر لہ (کفایۃ المفتی: ۵/۱۰۰)

تجدیدِ نکاح کے وقت بھی گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے:

سوال: احتیاطاً اگر نکاح کو دہرانا ہے تو اس وقت بھی کیا شاہد ومہر کی ضرورت ہے، یا میاں بیوی دونوں کا نکاح ایجاب وقبول کافی ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس وقت بھی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، صرف شوہر وبیوی کا تنہائی میں ایجاب وقبول کافی نہیں، (۳) مہر بھی متعین کیا جائے گا، گزشتہ مہر کافی نہیں۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/محرم ۱۳۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ، ۲۶/محرم الحرام ۱۳۶۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۶۲۲-۶۲۳)

---

(۱) لایجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها فإن اجازته جاز. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، باب الرابع: ۱/۲۸۷، ماجدیة)

(۲) فی الدر: أمر الأب رجلان ان یزوج صغیرته فزوجها عند رجل وامرتین والحال ان الأب حاضر، لأنه یجعل عاقداً حکما وفی الرد: لأن الوکیل فی النکاح سفیر ومعبر ینقل عبارة المؤکل فإذا کان الموکل حاضراً کان مباشراً لأن العبارة نقل الیه وهو فی المجلس. (رد المحتار، کتاب النکاح: ۳/۲۴، سعید)

(۳) ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین. (الهدایة: ۲/۳۶، کتاب النکاح، شرکة علمیة)

(۴) "المهر یتکرر بالعقد مرةً وبالوطیء أخری ... والطلاق بعد الدخول یقعب الرجعة ویوجب کمال المهر". (فتاوی قاضی خان، کتاب النکاح، فصل فی تکرار المهر: ۱/۳۹۲-۳۹۳، رشیدیه)

نکاح میں نابینا شخص کی گواہی:

سوال: اگر نکاح کی مجلس میں دو گواہ تو موجود ہوں؛ مگر نابینا (بصارت سے محروم) ہوں تو کیا ان کی گواہی سے نکاح صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

فقہاء احناف کے ہاں نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا ہونا ضروری ہے:

(۱) حریت (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) اسلام۔

چونکہ بینا ہونا ان شرائط میں داخل نہیں، لہٰذا نکاح کے معاملے میں ان کی گواہی احناف کے ہاں درست ہے۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمه الله: وشرط فی الشاهد أربعة امور الحرية والعقل والبلوغ والاسلام. (البحرالرائق:۹۵/۳، کتاب النکاح)(۱) (فتاویٰ حقانیہ:۳۱۶/۴)

ایک گواہ بہرہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی، نکاح منعقد نہ ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلے کے متعلق کہ ایک آدمی نے نکاح کیا دو گواہوں کے سامنے، ان میں سے ایک بہرہ ہے، سنتا نہیں آیا۔ نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟ اسی طرح ایک آدمی نے طلاق دی، دو آدمیوں کے سامنے ایک ان میں سے بہرا ہے۔ آیا یہ طلاق واقع ہوئی، یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

نکاح کے گواہوں کے لیے عاقدین کے کلام کا سننا ضروری ہے؛ اس لیے دو گواہوں میں سے اگر ایک بہرا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوا اور اگر دو گواہ، جس میں سے ایک بہرا ہے، کے سامنے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیوں کہ وقوع طلاق کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں۔ صرف "أنت طالق" یا اس جیسے دوسرے الفاظ جو رفع پر دال ہوں، ادا کرنے سے طلاق ہو جاتی ہے، جب کہ نکاح میں شرعاً دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، ورنہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

لمافی بدائع الصنائع (۲۱۰/٤): فصل وأما بيان ركن الطلاق فركن الطلاق هواللفظ الذى جعل دلالة على معنى الطلاق لغة وهو التخلية والإرسال ورفع القيد فى الصريح وقطع الوصلة ونحوه فى الكناية أوشرعا وهو إزالة حل المحلية فى النوعين أوما يقوم مقام اللفظ، أما اللفظ فمثل أن يقول فى الكناية: أنت بائن أو ابنتك أويقول فى الصريح: أنت طالق.

---

(۱) قال العلامة المرغيناني: ولاينعقد نكاح المسلمين إلابحضورشاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أورجل وامرأتين. (الهداية: ۲۸٦/۲، كتاب النكاح) ومثله فى شرح الوقاية: ۹/۲، كتاب النكاح)

وفی البحر الرائق (۸۸/۳): وعامة المشايخ شرطوا السماع والقائل بعدمه القاضی الإمام علی السغدی اه وثمرة الاختلاف تظهر فی النائمين والاصمين فعلی قول العامة لا ينعقد النكاح بحضورهما وعلی قول السغدی ينعقد وصحح قاضی خان فی شرحه أنه لا ينعقد بحضرة الأصمين وجزم بأنه لا ينعقد بحضرة النائمين وجزم فی فتاواه بأنه لا ينعقد بحضرة النائمين إذ لم يسمعا كلامهما فثبت بهذا ان الأصح ما عليه العامة كما صرح به فی التجنيس إذا المقصود من الحضور السماع فقول الزيلعی ينعقد بحضرة النائمين علی الاصح ولا ينعقد بحضرة الاصمين علی المختار ضعيف بل لا فرق بينهما فی عدم الانعقاد علی الأصح لعدم السماع ولقد انصف المحقق الكمال حيث قال ولقد ابعدعن الفقه وعن الحكمة الشرعية من جوزه بحضرة النائمين،آه ... فلو كان أحدهما أصم، فسمع صاحب السمع ولم يسمع الأصم حتی صاح صاحبه فی إذنه أوغيره لا يجوز النكاح،حتی يكون السماع معا.

وفی الهندية (۲٦۸/۱):وتكلموا فی الاصمين اللذين لا يسمعان والصحيح انه لا ينعقد كذا فی شرح الجامع الصغيرلقاضی خان... ولو كان بحضرة الرجلين واحدهما اصم فسمع السميع دون الاصم فصاح السميع او رجل آخر فی إذن الأصم لا يجوز، حتی يكون سماعهما معا، كذا فی فتاوی قاضی خان. (نجم الفتاویٰ:۹۳/۴)

کیا نکاح کی صحت کے لیے لڑکا لڑکی دونوں کی طرف سے گواہ ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دو گواہوں میں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی کی طرف سے ہونا ضروری ہے، یا کسی بھی دو شخصوں کی گواہی کافی ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وباللّٰه التوفيق

نکاح کی صحت کے لیے مطلق دو گواہ ہونے کافی ہیں۔ لڑکا، یا لڑکی کی طرف سے الگ الگ گواہ ہونے ضروری نہیں ہیں۔

عن أبی موسیٰ الأشعری رضی اللّٰه عنه مرفوعاً: لا نكاح إلا بولی وشاهدين. (رواه الطبرانی فی الكبير، كذا فی الجامع الصغير: ۱۸٦/۲، إعلاء السنن: ۲۷/۱۱)

وذكر البيهقی عن الشافعی أنه قال: هو ثابت عن ابن عباس وغيره من الصحابة أی قوله: لا نكاح إلا بشاهدين. (الجوهر النقی: ۷۹/۲، إعلاء السنن: ۲۸/۱۱،بيروت)

ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين عاقلين بالغين مسلمين،الخ،أما اشتراط الشهادة فلقوله عليه السلام: لا نكاح إلا بشهود. (فتح القدير،كتاب النكاح: ۱۹۹/۳،زكريا، كذا فی الفقه الإسلامی وأدلته،آراء الفقهاء فی الشهادة: ٦۵۵۹/۹، تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ٤۵۲/۲،دارالكتب العلمية بيروت)

وشرط حضور شاهدين حرين. (الدر المختار مع الشامی: ۸۷/٤،زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۱/۶/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۳/۸-۱۳۴)

کیا قبول کے وقت اُنہیں گواہوں کا ہونا ضروری ہے، جولڑکی سے اجازت کے وقت تھے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بوقت نکاح ایجاب وقبول دونوں وقت دونوں مقام پرشاہدین کا ہونا ضروری ہے، یا صرف قبول کے وقت؟ دوگواہ لڑکی کے پاس بوقت ایجاب موجود تھے؛ لیکن لڑکے کے قبول کے وقت دوگواہ موجود نہ تھے، فقط لڑکی کا وکیل تھا تو کیا نکاح درست ہوا، یانہیں؟ جب کہ دینی مجمع موجود ہے، وہ اصل گواہ ایجاب کے وقت والے نہیں ہیں تو قاضیٔ نکاح کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہی شخص لڑکی کا وکیل ہے، لڑکی اورلڑکا کامٹی کے ہیں اورنکاح بلاس پور دینی اجتماع میں ہورہا ہے، قاضی نکاح بھی اتفاقی ہے، جب کہ تقریباً کامٹی اور بلاس پور کا فاصلہ تین سوکلومیٹر کا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح میں عاقدین (ناکح ومنکوحہ)، یا دونوں کے وکیلوں، یا ایک عاقد دوسرے وکیل کے مابین عقد کے وقت اِیجاب وقبول پردوگواہوں کا ہونا مطلقاً شرط ہے، یہ ضروری نہیں کہ جوگواہ لڑکی سے اجازت لیتے وقت موجود ہوں، وہی گواہ قبول کے وقت بھی موجود ہوں؛ بلکہ مجلس میں حاضر دیگرلوگ بھی خود بخود اس نکاح کے گواہ بن جاتے ہیں، نیز لڑکی کی جانب سے وکیل کا ہونا کافی ہے اورتوکیل پرگواہی لازمی نہیں ہے، پس اس مسئولہ صورت میں نکاح درست ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی: ۱۴۹/۵)

عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا نكاح إلا بولى وشاهدى عدل، وما كان من نكاح على غير ذٰلك فهو باطل،الخ. (صحيح ابن حبان: ۳۱۰/٤، رقم: ٤٠٧٧، سنن الدار قطنى: ٥٥/٣، رقم: ٣٤٨١، المعجم الأوسط للطبرانى: ٤٢٨/٦، رقم: ٩٢٩١)

وشرط حضور شاهدين. (الدرالمختار)

(وتحته فى الشامية) أى يشهدان على العقد، أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته، وإنما فائدتها الإثبات عند حجود التوكيل (إلى قوله) وعلى قول الخصاف يكفى مطلقًا، ولا يخفى أنه إذا كان الشهود كثيرين لا يلزم معرفة الكل؛ بل إذا ذكر اسمها وعرفها اثنان منهم كفىٰ. (الدرالمختار مع الشامى، كتاب النكاح: ٨٧-٩٠، زكريا، ٢١/٣-٢٢، كراتشى، البحر الرائق: ٩٥/٣)

أما الشهادةعلى التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه. (شامى: ٨٧/٤-٨٩، زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۷/۱۴۱۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیراحمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۴/۸-۱۳۵)

قاضی اور گواہوں کے انتقال کی وجہ سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہندہ اورزید دونوں آپس میں

میاں بیوی کی طرح زندگی بسر کررہے ہیں، لوگوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کا نکاح کس نے پڑھایا اور گواہ کون ہے؟ تو دونوں یہ بتلاتے ہیں کہ قاضی اور گواہان کا انتقال ہوگیا، واقعہ کے مطابق یہ بتائیے کہ ان دونوں کے کہنے سے نکاح کا وجود ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح کا وجود نہیں ہوا تو دوبارہ نکاح کرنے کے لیے ہندہ پر عدت واجب ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد مسرور عالم، پورنوی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ہندہ اور زید کا اگر واقعۃً گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوا تھا، جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے تو قاضی اور گواہوں کے انتقال کی وجہ سے ان کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نیز گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہونے کا دونوں طرف سے ایک ساتھ اقرار کافی ہے۔

ولو أقرت المرأة في صحة، أو مرض بأنها تزوجت فلاناً بكذا، ثم جحدته فإن صدقها الزوج في حياتها يثبت النكاح. (الفتاویٰ الهندية، الباب السادس عشر في الإقرار بالنكاح والطلاق: ٢٠٦/٤-٢٠٧، زكريا جديد: ٢١٢/٤)

ولو أقرت المرأة في صحة، أومرض، أنها تزوجت فلانًا بكذا، ثم جحدته، فإن صدقها الزوج في حياتها يثبت النكاح لما بينا أن جحودها بعد الإقرار باطل. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت: ١٤٣/١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۰۳۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۵/۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳؍ ۴۳-۴۴)

عورت کا مرد پر جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے مرد پر جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کیا؛ لیکن مرد اس سے انکار کرتا رہا، جج نے نکاح صحیح ہونے کا فیصلہ کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ از روئے شریعت نکاح منعقد ہوگا، یا نہیں؟ اگر منعقد ہے تو مرد کا انکار بمنزلہ طلاق ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح ظاہراً منعقد ہوجائے گا، چاہے پہلے سے نکاح تھا، یا نہیں؟ جج کے فیصلہ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ نیز جھوٹی گواہی دینے والوں نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، جو کل بروزِ قیامت شدید پکڑ کا باعث بنے گا۔ مرد کے انکار سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا، البتہ شوہر کے لیے وطی کرنا جائز نہیں، اس کے لیے آسان حل یہ ہے کہ طلاق کے الفاظ استعمال کرکے عورت کو علاحدہ کردے۔

لمافی الهداية (۲۹۳/۲) كتاب النكاح: ومن ادعت عليه امرأة انه تزوجها وأقامت بينة فجعلها القاضی امرأته ولم يكن تزوجها وسعها المقام معه.

وفی الخانية (۱۰٤/۱):وان ادعت المرأة علی رجل نكاحاً فجحد فاقامت شاهدين يقضی بالنكاح وجحوده لايكون طلاقاً. (نجم الفتاویٰ:۱۱۱/۴)

خواہ کوئی جگہ ہو، نکاح کی صحت کے لیے دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے:

سوال: ایک مرد اور عورت جنگل ویران میں ایسے مقام پر ہیں کہ وہاں کوئی مسلمان نہیں، جو گواہ ہو اور وہ دونوں نکاح پر راضی ہیں، کیا وہ دونوں ایجاب وقبول کر سکتے ہیں اور نکاح صحیح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

بدوں دو مسلمان گواہوں کی موجودگی کے جو ایجاب وقبول کو سنیں، نکاح صحیح نہیں ہوتا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۴/۷)

کیا اہل کتاب سے نکاح کے لیے گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک بزرگ دوست کو سیر وسیاحت کا بڑا شوق ہے، وہ پورے پاکستان کے دورے پر نکلے، پنجاب کے آخری علاقوں میں سیاحت کر رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا، وہاں ان کا ایک عیسائی دوست رہتا تھا، جس کے گھر ہمارے دوست ہاشم صاحب مقیم تھے، رات کو وہ عیسائی بہت زیادہ بیمار ہوگیا، قریب تھا کہ مر جائے اس نے ہاشم کو بلا کر کہا کہ میری زندگی کے دن ختم ہو رہے ہیں، معلوم نہیں صبح کا سورج دیکھوں، میری ایک بیٹی ہے، میرے بعد اس کا کوئی پرسان حال نہیں، آپ اس سے نکاح کر لیں؛ تاکہ میں مطمئن ہو کر مروں اور اس نے اپنی بیٹی کو بلایا اور فٹافٹ نکاح ہوگیا؛ لیکن مسئلہ یہ بن گیا کہ ہاشم صاحب تو عاقد تھے، ایک اور مسلمان دوست ان کا سیاحت پر ساتھ تھا، وہ ایک گواہ اور دوسرا گواہ، وہ مرگ الموت میں عیسائی باپ تھا، ہاشم صاحب نے تو لڑکی کو اپنی بیوی تسلیم کر لیا، لیکن جب مجھے بتایا تو میں نے کہا: نکاح تو مسلمان گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا، یہ تو آپ نے غلط کیا، اس پر وہ نادم ہوئے، نیز وہ بڈھا تو تھا بھی مرگ الموت میں، مفتی صاحب دونوں باتوں کا جواب دے دیں کہ ایک گواہ عیسائی ہو، یا مرگ الموت میں ہو تو نکاح ہوگا، یا نہیں؟

---

(۱) وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهمامعاً علی الأصح.(الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۳/۲)

(قوله:عندحرين أوحروحرتين عاقلين،الخ) متعلق بينعقدبيان للشرط الخاص به وهو الاشهاد فلم يصح ای النكاح بغير شهود لحديث الترمذی البغايا اللاتی ينكحن أنفسهن من غير بينة ولماروا ه محمد بن الحسن مرفوعا: لانكاح إلابشهود،الخ.(البحرالرائق كتاب النكاح: ۹٤/۳ ظفير)

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح میں زوجین مسلمان ہوں تو گواہوں کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے؛ کیوں کہ کفار مسلمانوں کے خلاف نہ گواہی دے سکتے ہیں اور نہ ان کو مسلمانوں پر ولایت حاصل ہے، اگر چہ مسلمان، کافر کے فروع میں سے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ مسلمان بیٹی پر کافر باپ کو ولایت حاصل نہیں ہے۔

نکاح میں زوج مسلمان ہو اور زوجہ ذمی (یعنی اہل کتاب میں سے جو مسلمانوں کے ملک میں جزیہ دے کر رہتے ہیں) ہو تو دونوں گواہ ذمی ہی کیوں نہ ہوں، نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ انکار نکاح کے وقت قضاءً مسلمان مرد کے خلاف ذمی گواہوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔ تحمل شہادت کے لیے گواہ کا صحت مند ہونا ضروری نہیں ہے، اگر گواہ عاقل ہو (یعنی سمجھ بوجھ رکھتا ہو)، بصیر ہو (یعنی اندھا نہ ہو) تو عقد نکاح میں اس کی گواہی معتبر ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح منعقد ہو گیا ہے۔

لما في البحر الرائق (۱۶۰/۳، كتاب النكاح، رشيديه) : قوله (وصح تزوج مسلم ذمية عند ذميين) بيان لكون اشتراط إسلام الشاهد إنما هو إذا كانا مسلمين أما إذا كانت ذمية فلا عندهما... ولهما أن الشهادة شرطت في النكاح على اعتبار إثبات الملك لوروده على محل ذي خطر لا على اعتبار وجوب المهر. (نجم الفتاویٰ: ۱۰۵/۴-۱۰۶)

گواہ عیسائی ہونے کی صورت میں نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف کورٹ میں شادی کی تھی اور رخصتی سے پہلے ہی مجھ پر گھر والوں کی طرف سے بہت دباؤ ڈالا گیا اور مجھے طلاق دینے پر مجبور کر دیا گیا، اب جب کہ وکیل کو نکاح نامہ دکھایا گیا تو اس نے واضح کیا کہ چوں کہ نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حیثیت؟ نکاح نامہ میں گواہ نمبر: ۲ غیر مسلم عیسائی ہے اور کوئی وکیل بھی نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے کہ نکاح ہوا، یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو کیا میں دوبارہ سے دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر سکتا ہوں؟ برائے مہربانی شریعت کی رو سے مجھے اس مسئلے کے متعلق فتویٰ عنایت فرما کر اس الجھن سے نجات دلائیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

طلاق کے وقوع کے لیے نکاح کا ہونا ضروری ہے کہ نکاح شرعاً منعقد ہو چکا ہو، اس کے بعد طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ نکاح شرعی کے انعقاد کے لیے دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، ان کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ مجلس میں موجود ہر مسلمان شخص از خود ہی گواہ بن جاتا ہے، نکاح نامے پر اس کا نام وغیرہ لکھنا ضروری نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً ایجاب وقبول کے وقت ان دو گواہوں کے علاوہ کوئی اور مسلمان وہاں

موجود نہیں تھا تو اس میں ایک گواہ چوں کہ عیسائی ہے، اس کی شہادت کا مسلمانوں کے نکاح میں اعتبار نہیں تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، لہٰذا اس کے بعد دی جانے والی طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اس صورت میں اب آپ شرعی طریقے کے مطابق دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کی موجودگی میں اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں؛ لیکن اگر وہاں کوئی اور مسلمان موجود تھا اور آپ اس لڑکی کے کفوء (دین، مال، نسب، پیشہ وغیرہ کے اعتبار سے برابر) ہوں تو پھر آپ کا نکاح منعقد ہوگیا اور اس کے بعد یکبارگی تین طلاق دینے سے وہ مغلظہ ہوگئی، اس صورت میں بغیر حلالہ شرعی کے آپ کے لیے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:٢٨٢): ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الاُخْرٰى﴾ (الآية)

وفی إعلاء السنن (٢٥/١١): عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "لانکاح إلا بولی وشاهدی عدل وما کان من نکاح علی غیر ذلک فهو باطل.

وقال فی شرحه: ولو حملنا المطلق علی المقید فالمراد بالعدالة الإسلام فلا یجوز نکاح المسلمة بشهادة الکفار.

وفی الدر المختار (٤٠٩/٣): **(لا) ینکح (مطلقة) من نکاح صحیح نافذ کما سنحققه (بها) ای بالثلاث (لو حرة وثنتین لو أمة) ولو قبل الدخول وما فی المشکلات باطل أو موول کما مر (حتی یطاها غیره).**

وفی الرد تحته: قوله (من نکاح صحیح نافذ) احترز بالصحیح عن الفاسد وهو ما عدم بعض شروط الصحة ککونه یغیر شهود فإنه لا حکم قبل الوطء وبعده یجب مهر المثل والطلاق فیه لا ینقص عددا لانه متارکة فلو طلقها ثلاثا لا یقع شیء وله تزوجها بلا محلل. (نجم الفتاویٰ: ١٠٥/٤)

غیر مسلم گواہوں کی موجودگی میں کئے گئے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بعض اوقات لڑکا اور لڑکی راضی ہوکر بھاگ جاتے ہیں، پھر عدالت میں جاکر جج کے پاس ایجاب وقبول کرلیتے ہیں۔ عدالت میں جج اور گواہ دونوں کافر ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں کا کیا ہوا نکاح شرعاً صحیح ہے، یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو کیا کرنا چاہیے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب ــــــــــــ بعون الملك الوهاب

واضح رہے کہ اولاً تو والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر لڑکے اور لڑکی کا آپس میں باہم رضامندی سے عدالت چلے جانا انتہائی قبیح فعل ہے، ایسے نکاح میں برکت نہیں رہتی اور بعد والی زندگی میں بے شمار مشکلات بھی پیش

آتی ہیں، بابرکت نکاح وہی ہوتا ہے، جو والدین کی رضامندی اور باہمی مشورے سے کیا جائے، البتہ اگر کوئی ہم کفو لڑکی لڑکا عدالت جا کر نکاح کروالیں، جبکہ گواہ مسلمان ہوں تو نکاح منعقد ہو جائے گا؛ لیکن گواہ مسلمان نہ ہوں، جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے تو اس صورت میں نکاح کا انعقاد نہیں ہوگا۔ اگر اس طرح سے نکاح کروادیا گیا ہے تو فوراً تفریق؛ یعنی لڑکی لڑکے کو الگ الگ کرنا ضروری ہے، ورنہ نکاح جدید ہونے تک حرام کے ارتکاب میں مبتلا رہیں گے۔ (نوٹ: جج کے مسلمان ہونے، یا نہ ہونے کا نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔)

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۱۴۱/۱): ﴿وَلَن يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا﴾

وفی الهندیة (۲۹۲/۱): وروی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی ان النکاح لا ینعقد وبه أخذ کثیر من مشایخنا رحمهم اللّٰه تعالی کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایة الحسن وقال الشیخ الإمام شمس الائمة السرخسی: روایة الحسن أقرب إلی الاحتیاط، کذا فی فتاوی قاضی خان فی فصل شرائط النکاح.

وفی الشامیة (۳۰۴/۵): وحاصله أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحریة وعدم العمی والحد فی قذف شروط لصحة تولیته ولصحة حکمه بعدها ومقتضاه أن تقلید الکافر لا یصح وإن أسلم. (نجم الفتاویٰ:۱۰۲/۴-۱۰۳)

خنثیٰ کے گواہ، یا قاضی بننے کے احکام:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں جامعہ عربیہ کا فاضل ہوں اور آج کل ایک مدرسے میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں، میرے ذہن میں ایک اشکال تھا، آپ حضرات سے دریافت کرر ہا ہوں۔ اشکال یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت گواہ ہجڑے ہوں، یا قاضی ہجڑا ہو تو کیا نکاح ہو جائے گا؟ کیوں کہ آج کل جب گھروں میں نکاح ہوتا ہے تو قریب ہجڑے میراثی بھی پہنچے ہوتے ہیں، اگر بوقت نکاح مثلاً فقط ایک گواہ ہو تو یہ ہجڑا دوسرا گواہ بن جائے گا؟ یا ہجڑے قاضی کا پڑھایا نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) کسی بھی شخص کے گواہ بننے کے لیے اس میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: عاقل ہو، بینا ہو، جس چیز پر گواہ بن رہا ہے، اس کا خود معاینہ کیا ہو، ہجڑا ہونا گواہ بننے کے لیے مانع نہیں۔

(۲) دوسرا یہ ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ حقیقتاً ہجڑا کون ہے؟ ہجڑا دراصل وہ ہے، جس کے خلقۃً دونوں (مرد اور عورت کے) اعضا ہوں، اسے عربی اصطلاح میں خنثیٰ کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا مردوالا

آلہ استعمال ہوتا ہو اور وہی غالب ہو تو ایسے خنثیٰ پر مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں اور اگر اس کی عورت والی شرمگاہ سے حیض وغیرہ آتا ہو اور عورتوں والی علامات غالب ہوں تو وہ خنثیٰ عورت شمار ہوگا اور اس پر عورتوں والے تمام احکام جاری ہوں گے، لہٰذا خنثیٰ اگر مرد ہو تو ایسے دو خنثیٰ کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر خنثیٰ عورت ہو تو پھر ایسے دو خنثیٰ کے ساتھ ایک مرد کا ہونا نکاح کی صحت کے لیے ضروری ہوگا، البتہ اگر خنثیٰ کے دونوں قسم کے اعضا یکساں عمل کرتے ہوں اور کوئی ایک قسم کی علامت غالب نہ ہو تو ایسا خنثیٰ مشکل ہوتا ہے، شہادت کے سلسلے میں اس کا حکم احتیاطاً عورت کا ہے، لہٰذا صرف دو خنثیٰ مشکل کی گواہی سے نکاح منعقد نہ ہوگا؛ بلکہ ان کے ساتھ ایک مرد کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

(۳) تیسری بات یہ ملحوظ رہے کہ آج کل ہمارے شہروں میں معروف ہیجڑے دراصل خنثیٰ نہیں، ان کے خلقۃً دونوں قسم کے آلات نہیں ہوتے؛ بلکہ یہ حقیقتاً مرد ہی ہوتے ہیں اور ان کے پاس صرف مرد کا آلہ ہوتا ہے، البتہ مصنوعی عمل سے گزر کر یہ اپنے آپ کو ہجڑا بناتے ہیں، اس مصنوعی عمل کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی بڑے آپریشن کے ذریعے مصنوعی طور پر مرد کو عورت بنا دیا جائے، یا اس میں عورت کی شرمگاہ کا اضافہ کر دیا جائے، اگر کسی شخص پر ایسا عمل ہو جائے تو پھر اس کی جو صلاحیت غالب ہوگی، اس کے مطابق اس پر مرد، یا عورت ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

مصنوعی ہجڑا بننے کی دوسری صورت (جو کہ آج کل عام ہے، وہ) یہ ہے کہ اپنی مردانہ صلاحیت کو ختم کرا لیا جاتا ہے، مثلاً خصّی بن گیا، یا آلہ تناسل کٹوا لیا اور چہرے پر ہجڑوں والی ہیئت بنالی، ایسا شخص ہجڑا نہیں؛ بلکہ مرد ہے اور اس پر مرد کے احکام ہی جاری ہوں گے؛ کیوں کہ اپنی مردانہ صلاحیت ختم کرانے سے اس پر عورت کے احکام جاری نہیں کئے جاسکتے۔ نیز ان معروف ہجڑوں میں بعض مخنث (بتکلف عورت کی حرکات کرنے والے) بھی ہوتے ہیں؛ یعنی وہ کسی بھی مصنوعی عمل سے نہیں گزرتے؛ بلکہ صرف عورتوں جیسی حرکتیں اور عادات اختیار کر لیتے ہیں، ایسا شخص تو ظاہر ہے مرد ہی ہے، لہٰذا اس پر مرد کے احکام ہی جاری ہوں گے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر فطرتاً ہی کسی کو عورت جیسی حرکات وسکنات کی عادت ہو تو حرج نہیں؛ لیکن اپنے اختیار سے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا حرام اور گناہ ہے، چناں چہ اس سے احتراز لازم ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بوقتِ نکاح ایک گواہ مرد ہو اور دوسرا خنثیٰ تو دیکھ لیا جائے کہ وہ خنثیٰ حقیقی؛ یعنی خلقۃً خنثیٰ ہے اور اس پر کون سی علامات غالب ہیں، اگر مرد والی غالب ہیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر عورت والی غالب ہیں تو پھر نصابِ شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہ ہوگا؛ کیوں کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور اگر وہ خنثیٰ مصنوعی ہجڑا ہے تو اگر آپریشن سے اسے باقاعدہ خنثیٰ بنایا گیا ہو تو اس میں بھی علامات کا لحاظ کر لیا جائے، جو علامات غالب ہوں، وہ احکام جاری ہوں گے اور اگر اس خنثیٰ کو صرف مردانہ صلاحیت

ختم کر کے ہجڑا بنایا گیا ہو تو وہ حقیقتاً مرد ہی ہے اور اس کی موجودگی میں (جب کہ ایک اور مرد اس کے ساتھ موجود ہو) نکاح منعقد ہو جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی مخنث (بتکلف عورتوں جیسی حرکات کرنے والے)، یا مصنوعی ہجڑے کی موجودگی میں نکاح کا انعقاد فقط صحتِ نکاح کی حد تک ہے، یہ لوگ درحقیقت فاسق اور دیانت وعدالت کے درجے سے ساقط ہیں؛ لیکن عدالت گواہ بننے کے لیے شرط نہیں؛ بلکہ گواہ بننے کی جو تین شرائط تھیں، وہ ذکر کر دی گئیں، بہتر بہر حال یہی ہے کہ گواہ عادل اور باشرع انسان کو بنایا جائے؛ کیوں کہ فاسق قضاءً اداءِ شہادت کا اہل نہیں؛ اس لیے اگر کبھی عدالت میں نکاح کے بارے میں گواہی دینی پڑ گئی تو ان مخنث اور مصنوعی ہجڑوں کی گواہی سے نکاح کا ثبوت نہ ہو سکے گا۔

لما فی الهداية (١٦٩/٣):قال:ولا تقبل شهادة مخنث ومراده المخنث فی الردیء من الأفعال لانه فاسق فاما الذی فی کلامه لین وفی أعضائه تکسر فهو مقبول الشهادة.

وفی بدائع الصنائع (٩/٥):فصل واما الشرائط فی الاصل فنوعان نوع هو شرط تحمل الشهادة ونوع هو شرط أداء الشهادة اما الأول فثلاثة احدها ان یکون عاقلا وقت التحمل فلا یصح التحمل من المجنون والصبی الذی لا یعقل لان تحمل الشهادة عبارة عن فهم الحادثة وضبطها ولا یحصل ذلک إلا بآلة الفهم والضبط وهی العقل،والثانی ان یکون بصیرا وقت التحمل... وأما البلوغ والحریةوالإسلام والعدالة فلیست من شرائط التحمل بل من شرائط الاداء حتی لو کان وقت التحمل صبیا عاقلا او عبدا او کافرا او فاسقا ثم بلغ الصبی وعتق العبد واسلم الکافر وتاب الفاسق فشهدوا عند القاضی تقبل شهادتهم... الثالث ان یکون التحمل بمعاینة المشهود به بنفسه لا بغیره إلا فی أشیاء مخصوصة یصح التحمل فیها بالتسامع من الناس.

وفی الدرالمختار(٤٧٤/٥): (وخنثی) کأنثی لو مشکلا وإلا فلا إشکال.

وفی الرد تحته: (قوله: کانثی) فیقبل فی رجل وامرأة فی غیر حدوقود.

وفی الموسوعةالفقهية(٢٨/٢٠):الخنثی:ذهب جمهور الفقهاء إلی ان الخنثی کالأنثی فی الشهادة فتقبل شهادته مع رجل وامرأة فی غیر حدو قود و یعد فی شهادته امرأة. (نجم الفتاویٰ:۱۰۳/۴-۱۰۴)

کیا تبلیغی اِجتماع میں نکاح کے وقت اِیجاب والے گواہوں کا ہونا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے یہاں شادی کی ترتیب یہ ہے کہ تنظیم کی جانب سے وکیل کو نکاح کا فارم دیا جاتا ہے، وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں دولہن سے ایجاب کراتا ہے، فارم جمع کرتے وقت وکیل اور گواہوں سے دستخط لیے جاتے ہیں، پھر تاریخ مقررہ پر مجمع کثیر کے اندر لڑکے سے مائک پر قبول کرایا جاتا ہے؛ لیکن اس وقت مذکورہ بالا دونوں گواہوں کی موجودگی کو لازم قرار نہیں دیا جاتا؛ بلکہ بعض گواہ مجلس نکاح میں بھی موجود نہیں ہوتے۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ چند روز پہلے ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' مصنفہ حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ میں (۲۷/۵) پر ایک مسئلہ نظر سے گزرا، جس میں حضرت نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ متفرق مجلس میں متفرق گواہوں سے نکاح صحیح نہیں، اب اگر ایسی صورت میں نکاح صحیح نہیں مانتے تو عالمی تبلیغی اجتماع بھوپال میں ہر سال سیکڑوں نکاح ہوتے ہیں، وہاں پر آج تک گواہوں کی موجودگی کی تحقیق نہیں کی جاتی ہے، صراف امیر تبلیغ مولانا زبیر صاحب نکاح پڑھا دیتے ہیں، اور بس؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر وہ وکیل جس نے بچی سے نکاح کی اِجازت لی ہے، وہ خود مجلس نکاح میں موجود ہو اور وہ قاضی کو نکاح کا اختیار دے دے اور قاضی لڑکے سے مجلس نکاح میں قبول کرائے تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے اور جو گواہ وکیل کے ساتھ لڑکی سے اجازت لینے گئے تھے، اُن کی گواہی؛ بلکہ مجلس نکاح میں اُن کی موجودگی بھی لازم نہیں ہے اور جو لوگ مجلس نکاح میں حاضر ہوں گے، وہی اس نکاح کے شرعی گواہ بن جائیں گے اور عام طور پر تبلیغی اجتماعات، یا دینی جلسوں میں نکاح اسی طریقہ پر منعقد ہوتے ہیں، لہٰذا اُن کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

واعلم أنه لا تشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح؛ بل على عقد الوكيل. (شامي: ۲۲۱/٤، زكريا)

اور ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' کے جس مسئلہ کا آپ نے حوالہ دیا ہے، اس سے وہ صورت مراد ہے، جب کہ اِیجاب کے گواہ الگ ہوں اور قبول کے الگ، یہاں یہ صورت نہیں؛ بلکہ یہاں قاضی ایجاب کرتا ہے اور لڑکا قبول کرتا ہے، اور یہ دونوں ایک ہی مجلس میں انجام پاتے ہیں، اس لئے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ولو بعث مريدُ النكاح (أقواماً للخطبة، فزوجها الأب) أو الولي (بحضرتهم، صح) فيجعل المتكلم فقط خاطبًا والباقي شهودًا به يفتىٰ. (الدرالمختار)

وعليه الفتوىٰ؛ لأنه ضرورة في جعل الكل خاطبًا، فيجعل المتكلم فقط والباقي شهود. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۷۷/۳، كراتشي، ۹۷-۹۸، زكريا ديوبند)

رجل زوّج ابنته من رجل في بيت وقومٌ في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم، إن كان من هٰذا البيت إلى ذٰلك البيت كوة رأوا الأب منها، تقبل شهادتهم ... رجل بعث أقواماً لخطبة امرأة إلى والدها، فقال الأب: زوّجت، وقبل عن الزواج واحدٌ من القوم، لا يصح النكاح، وقيل: يصح، وهو الصحيح وعليه الفتوىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً، الخ: ۲٦۸/۱، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۸/۱٦ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۴۰/۸-۱۴۱)

صرف مرد وعورت کے ایجاب وقبول سے جب کہ گواہ نہ ہوں، نکاح جائز نہیں:

سوال: ایک بیوہ عورت اگر اپنے میکے والوں کے خوف سے جو کہ جاہل ہیں اور نکاح ثانی کو معیوب جانتے ہیں، کسی نیک مرد سے آپس میں کلمہ کلام اور حسب شرع مہر مقرر کر کے مرد وعورت دوبدو ایجاب وقبول کر لیں اور تیسرے شخص کو خبر نہ ہو تو کیا نکاح منعقد ہو جاوے گا؟ اگر نکاح درست نہیں تو مجامعت کرنے پر کیا کفارہ ہوگا؟

الجواب

بدون اس کے کہ دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہو، نکاح صحیح نہ ہوگا، پس یہ جائز ہے کہ بیوی بالغہ خود اپنی رضا سے اپنا نکاح کفو میں کرے اور میکہ والوں کو خبر نہ کرے؛ لیکن بوقت ایجاب وقبول دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، بدون اس کے نکاح نہ ہوگا، البتہ یہ جائز ہے کہ سوائے ان دو گواہوں کے اور کسی کو بوجہ مصلحت کے اطلاع نہ کی جاوے۔(۱) پس اگر ایسا کی کہ دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا تو نکاح صحیح ہے اور شوہر کو مجامعت وغیرہ درست ہے اور اگر ایسا نہیں ہو تو نکاح نہیں ہوا اور مجامعت حرام ہے اور جو کچھ ہوا وہ زنا ہوا، اس سے دونوں توبہ کریں اور تجدید نکاح روبرو شاہدین کے کریں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۹۱-۹۲)

بلا گواہ کسی مجبوری کی وجہ سے نکاح جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ہندہ بیوہ ہے اور نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے؛ لیکن اہل قرابت کے فساد کی وجہ سے کہ وہ لوگ جاہل ہیں، علی الاعلان نہیں کہہ سکی: ''فی نفسہا اجازت دیتی ہے''۔ ایسی صورت میں ہندہ کا نکاح بغیر وکیل اور گواہوں کے صرف اس کے اذن پر ہو سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ اگر ہندہ خود زبانی اجازت دے تو دو گواہوں کے سامنے بغیر وکیل کے بھی نکاح منعقد ہو سکتا ہے اور اگر ہندہ کا نکاح دو گواہوں کے سامنے ہندہ کی عدم موجودگی میں کیا جائے اور ہندہ نکاح کا علم ہونے کے بعد اس کی اجازت دیدے تو نکاح منعقد اور تام ہو جائے گا اور اگر اس نکاح کو ناپسند کرے تو باطل ہو جائے گا، پس اگر ہندہ کسی شخص کو وکیل کر دے اور وہ وکیل دو گواہوں کے سامنے اس کا نکاح کر دے تو نکاح ہو جائے گا اور اگر بالغہ عورت کا بغیر وکالت، یا اجازت کے نکاح کر دیا تو یہ نکاح فضولی ہوگا اور نکاح فضولی اجازت پر موقوف منعقد ہوتا ہے۔

(۱) عندحرين أو حر و حرتين عاقلين بالغين مسلمين ولو فاسقين. (كنز) بيان للشرط الخاص به وهو الاشهاد فلم يصح النكاح بغير شهود، الخ، ولا يشترط الاعلان مع الشهود لما في التبيين: أن النكاح بحضور الشاهدين يخرج عن أن يكون سراً ويحصل بحضورهما الاعلان. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۹٤، ظفير)

كمافي الدرالمختار: ونكاح عبد أو أمة بغيرإذن السيد موقوف على الإجازة كنكاح الفضولي.(۱)

قال في الشامي: وإنماينبغي أن يشهد على الوكالة، إذا خيف جحد المؤكل إياها، فتح. (شامي)(۲)

الغرض بغیر دو گواہوں کی موجودگی کی ایجاب وقبول کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ لیکن بغیر وکیل کے ہوسکتا ہے، اس طرح کہ عورت سے خود اجازت لے لی جائے اور دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیا جائے۔

پس اگر وہ عورت اور مرد جو نکاح کرتے ہیں، موجود ہوں اور دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوجائے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۰/۷-۱۴۱)

ایسی جگہ جہاں پر مسلمان گواہ میسر نہ ہوں، نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی زنا پر مجبور کرے اور یہ کہے کہ اگر تم اس عورت سے زنا نہیں کروگے تو تمہیں قتل کردوں گا وغیرہ، اس صورت میں زنا کرے، یا جان دے دے؟ نیز اگر دو مسلمان لڑکا لڑکی کافروں کے علاقے میں ہوں، یا وہاں گئے ہوں، پھر دونوں آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہوں تو کیا طریقہ ہوگا؛ کیوں کہ وہاں مسلمان گواہ تو نہیں ہیں اور نکاح کے بغیر تو زنا ہوجائے گا؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلی جواب مطلوب ہے؟

الجواب ــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

(۱) اس شخص کے لیے زنا کا ارتکاب جائز نہیں؛ کیوں کہ زنا کی حرمت ان حرمات کی قبیل سے ہے، جو کسی صورت میں ساقط وقابل رخصت نہیں ہوسکتی۔

(۲) نکاح کے انعقاد کے لیے مسلمان گواہوں کی موجودگی شرط ہے، پس صورت مسئولہ میں ممکنہ طور پر دو صورتیں بن سکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے نکاح میں کافر گواہ نہیں بن سکتا، لہٰذا کسی ایسی جگہ جہاں مسلمان رہتے ہوں، وہاں جاکر گواہوں کی موجودگی میں عقد نکاح کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک خط اپنے احباب کے پاس بھیج دیں، جس میں انہوں نے اپنے نکاح کا کسی کو وکیل بنایا ہو، وہ دو گواہوں کے سامنے پڑھ کہ سنایا جائے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

---

(۱) الدرالمختارعلى هامش ردالمحتار، مطلب في الوكيل و الفضولي: ٤٤٩/٢، ظفير

(۲) ردالمحتار، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل: ٤٤٦/٢، ظفير

(۳) (ينعقدبايجاب من احدهماوقبول من الآخر، الخ، شرط حضورشاهدين، الخ. (الدرالمختارعلى هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ٣٦١/٢-٣٧٣، ظفير)

لمافي القرآن الكريم (بني اسرائيل: ٣٢): ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا﴾

وفي الدر المختار (١٣٧/٦): (ولو اكره على الزنا لا يرخص له) لأن فيه قتل النفس بضياعها؛ لكنه لا يحد استحسانا بل يغرم المهر ولو طائعة لأنهما لا يسقطان جميعا.

وفي الرد تحته: (قوله: ولو اكره) أي بملجيء ويدل عليه ما يجيء قوله (بضياعها) لأن ولد الزنا هالك حكما العدم من يربيه فلا يستباح بضرورة ما كالقتل، درر... (قوله: فترخص بالملجيء) في باب الإكراه من النتف: لو أكره على الزنا واللواطة لا يسعه وإن قتل، آه.

وفيه أيضا (١٢/٣): وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب احضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت: زوجت نفسي منه، أوتقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا إني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح. (نجم الفتاویٰ: ۹۳/۴-۹۴)

بلا گواہ ایجاب وقبول سے نکاح ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص کسی رانڈ عورت سے بغیر حضور شواہد کے ایجاب وقبول کر کے اس کو اپنے گھر میں رکھ لے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور حلال ہے، یا حرام؟ اور اگر دو شاہد کے روبرو ایجاب وقبول کر کے بغیر حضور ملا و نکاح کے خطبہ کے گھر میں رکھ لے تو ان صورتوں میں جماع اس عورت سے حلال ہے، یا حرام؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

دو شاہدوں کا موجود ہونا ایجاب وقبول کو سننا جوازِ نکاح کے لیے ضروری ہے، مُلّا اور خطیب نہ ہوں تو مضائقہ نہیں، اگر کوئی گواہ نہ تھا تو نکاح ناجائز ہوا اور وطی حرام ہے اور اگر دو گواہ سننے والے ایجاب وقبول کے موجود تھے تو نکاح صحیح ہوا، وطی حلال ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴۲/۷)

بلا گواہ نکاح جائز نہیں:

سوال: نکاح بلا گواہ و ناکح کے شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ اور ایسے نکاح کے لیے بعد نفاذ حقوق زن وشوہر کے طلاق ضروری ہے، یا نہیں؟ اور گواہان کے لیے کیا کیا شرائط وقیود شرعی ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

جب تک دو گواہ ایجاب وقبول کے سننے والے بوقت نکاح موجود نہ ہوں گے، نکاح منعقد نہ ہوگا۔

---

(۱) قال في الدر المختار: وشرط حضور شاهدين حرين أوحر وحرتين مكلفين سامعين قولهمامعاعلى الأصح فاهمين أنه نكاح على المذهب، بحر، مسلمين لنكاح مسلمة الخ. (الدر المختار والشامي: ٣٧٣/٢، ظفير)

كما في الدرالمختار: وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح. (۱)

اوران دو گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حر اور مسلمان ہوں اور بالغ ہوں، اگر چہ فاسق ہوں۔

كمافي الدر المختار أيضاً: ولو فاسقين، الخ. (۲) (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۷/۴۳)

بغیر گواہوں کے نکاح باطل ہے، یا فاسد:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہوتا ہے، یا باطل؟ اگر کوئی عورت بغیر گواہوں کے نکاح کرے اور بعد میں یہ سمجھ لے کہ گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، وہ اس شوہر سے طلاق لیے بغیر دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں عورت کو دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) شوہر عورت کو قولاً ایسے الفاظ کہے جو متارکت (چھوڑنے) پر دلالت کرتے ہوں، جیسے میں نے تجھے چھوڑا، یا میں نے اسے چھوڑ دیا، یا میں نے تمہارا راستہ خالی کر دیا وغیرہ، یا مرد اور عورت میں سے کوئی بھی اس نکاح کو فسخ کر دے، جیسے: میں یہ نکاح فسخ کرتا ہوں، یا کرتی ہوں وغیرہ، یا قاضی، شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اگر نکاح فاسد کے بعد وطی ہو چکی ہو تو جب میاں بیوی کے درمیان تفریق واقع ہو، (چاہے قاضی کرے، یا شوہر خود چھوڑ دے، یا فسخ واقع ہو جائے) اس دن سے عورت عدت گزارے گی، عدت کے اختتام کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، البتہ اگر نکاح فاسد میں وطی نہیں ہوئی تو پھر کوئی عدت نہیں، تفریق کے فوراً بعد دوسری جگہ نکاح کیا جا سکتا ہے۔

لمافي الهندية (۱/۳۳۰): الباب الثامن في النكاح الفاسد واحكامه: إذا وقع النكاح فاسداً فرق القاضي بين الزوج والمرأة فإن لم يكن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وإن كان قد دخل بها فلها الاقل مما سمى لها ومن مهر مثلها... وتجب العدة ويعتبر الجماع في القبل حتى يصير مستوفيا للمعقود عليه... والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك او تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة اما لو انكر وقال ايضا اذهبي وتزوجي كان

---

(۱) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/۳۷۳-۳۷۴، ظفير

(۲) (مُسْلِمَيْنِ لِنِكَاحِ مُسْلِمَةٍ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ أَوْ مَحْدُودَيْنِ فِي قَذْفٍ أَوْ أَعْمَيَيْنِ أَوْ ابْنَيْ الزَّوْجَيْنِ أَوْ ابْنَيْ أَحَدِهِمَا، وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ النِّكَاحُ بِهِمَا). (الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۲۳-۲۴، دارالفكر بيروت، انيس)

متارکة لکن لا ینتقص من عدد الطلاق وبعدم مجیء احدهما إلی الآخر بعد الدخول لا تحصل المتارکة وقال صاحب المحیط وقبل الدخول ایضا لا تتحقق إلا بالقول ولکل فسخه بغیر محضر صاحبه وبعده لا إلا بمحضر صاحبه کذا فی الوجیز للکردری وعلم غیر المتارک شرط لصحة المتارکة هو الصحیح حتی لو لم یعلمها لا تنقضی عدتها کذا فی القنیة والصحیح ان علمها بالمتارکة لا یشترط فی الطلاق وعدة الوفاة لا تجب فی النکاح الفاسد.

وفی الدرالمختار(۱۳۱/۳): (ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد) وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود (بالوطء) فی القبل... (و) یثبت (لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر عن صاحبه ودخل بها او لا)فی الاصح خروجا عن المعصیة فلا ینافی وجوبه بل یجب علی القاضی التفریق بینهما (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفریق) أو متارکة الزوج.

وفی الشامیة (۱۳۳/۳): قوله (او متارکة الزوج) فی البزازیة المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لا تکون إلا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک ومجرد إنکار النکاح لا یکون متارکة. (نجم الفتاویٰ:۱۰۱/۴)

بغیر گواہ کے نکاح کی ایک صورت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید سنی صحیح العقیدہ ہے، اس نے اس طرح نکاح کیا کہ ایک تحریر، جس پر یہ مضمون رقم ہے:

''میں (زید کا نام) ابن (باپ کا نام) نے (لڑکی کا نام مع باپ کا نام درج ہے) سے اتنے مہر کے عوض اپنے نکاح میں قبول کیا، کیا تم نے بھی قبول کیا؟ لڑکی نے کہا: ہاں! میں نے بھی قبول کیا۔ اس کے بعد لڑکی نے اس لڑکے سے کہا میں اتنے مہر کے عوض میں تمہارے نکاح میں آئی، تم نے قبول کیا؟ لڑکے نے کہا: ہاں! میں نے بھی قبول کیا۔

اس طرح دونوں نے ایجاب وقبول بغیر گواہان کے کیا، اس نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ ایجاب وقبول کے بعد زید نے یہ تحریر سنی قاضی کو دے کر نکاح کی رسید حاصل کر لی۔ عرض یہ کرنا تھا کہ اس نکاح میں کوئی گواہ نہیں تھا، صرف لڑکا اور لڑکی نے ایجاب وقبول کیا، کوئی تیسرا نہیں تھا، حتی کہ قاضی صاحب بھی نہیں تھے، اس تحریر کے نیچے لڑکے اور لڑکی نے دستخط کر کے قاضی کو یہ تحریر دے دی، قاضی صاحب نے ان کو نکاح کی رسید دے کر نکاح ہو جانے کی تصدیق کر دی۔ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہوا، یا نہیں؟ ارشاد فرمائیں اور شکریہ کا موقع دیں۔

(المستفتی: انتخاب عالم، صدیقی قادری، امروہہ، یوپی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰه التوفیق

حسب تحریر سوال لڑکے اور لڑکی نے آپسی رضامندی سے بغیر گواہ کے جو نکاح کیا ہے، وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوا؛

اس لیے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے کم سے کم دو مسلمان مرد، یا ایک مسلمان مرد اور عورتوں کا ہونا وجوبی شرط ہے، اس شرط کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ لہٰذا مذکورہ نکاح جو لڑکے اور لڑکی نے بغیر گواہوں کے آپسی رضا مندی سے کرلیا ہے، وہ منعقد ہی نہیں ہوا، دونوں آپس میں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں، دونوں کا ساتھ میں رہنا حرام کاری اور بدکاری ہے اور محض ان دونوں کے دستخط سے قاضی صاحب نے جو نکاح کی رسید دی ہے، اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین، عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین. (الهداية: ٣٠٦/٢، شامي كراتشي: ٢١/٣-٢٢، البحر الرائق: ١٥٥/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۲۱۴۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۷/۱۴۳۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/۴۲-۴۳)

بلا گواہ نکاح کیا جائز ہوا، یا نہیں؟ اور اولاد کا کیا حکم ہے اور اولاد کی امامت جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے بیوہ بھاوج سے نکاح ہونا ظاہر کیا اور دو غیر قوم شخصوں کو دیوار کی آڑ میں مسماۃ سے یہ بیان کرادیا کہ میرا نکاح فلاں سے ہوگیا ہے، نہ کوئی نکاح پڑھنے والا ہے، نہ گواہ ہیں تو نکاح جائز ہے، یا ناجائز؟ اور اس ناکح سے جو اولاد ہو، وہ صحیح سمجھی جاوے گی، یا ولد الزنا؟ اور اولاد مذکور میں سے کسی کو امام بنانا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

دو گواہ بوقت ایجاب وقبول ہونا ضروری ہے، جو کہ ایجاب وقبول کو سنیں، اگر ایسا نہیں ہوا تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوا، (۱) اور بلا گواہ کے نکاح سے جو اولاد ہوئی، وہ ولد الزنا ہے۔ (۲) باقی ولد الزنا اگر صالح ہو تو امامت اس کی درست ہے۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۷/۷)

عالم نے بلا گواہ جو نکاح پڑھایا، وہ درست نہیں ہوا:

سوال: اگر خالد مع ہندہ کے زید عالم کے پاس گیا کہ ہندہ کا نکاح میرے ساتھ کردیجئے، زید نے ہندہ سے دریافت کیا، اس نے بھی رضا مندی ظاہر کردی، زید نے خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول کرادیا، یہ نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اب کیا کرنا چاہیے؟

---

(۱) وشرط حضور شاهدين مكلفين سامعين قولهما معاً. (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣٧٣/٢، ظفير)

(۲) والمراد بالنكاح الفاسد النكاح الذى لم تجتمع شرائطه كتزوج الأختين معاً والنكاح بغير شهود، الخ، يجب على القاضي التفريق بينهما، الخ، فظاهره أنهما لايحدان وأن النسب يثبت فيه. (البحر الرائق، باب المهر: ١٨١/٣، ظفير)

(۳) عَنْ مَكْحُولٍ ,عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ. مَكْحُولٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِى هُرَيْرَةَ وَمَنْ دُونَهُ ثِقَاتٌ. (سنن الدارقطنى، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، رقم الحديث: ١٧٦٨، انيس)

الجواب

یہ نکاح نہیں ہوا، نکاح بدون دو گواہ؛ یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورت کے موجود ہونے کے جو کہ ایجاب وقبول کو سنیں منعقد نہیں ہوتا، اس صورت میں دوبارہ با قاعدہ بحضور شاہدین نکاح ہونا چاہیے اور ماضٰی سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹۴/۷)

یہ درست ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا:

سوال: زید کہتا ہے کہ بلا حضور شاہدین عقد نکاح منعقد نہیں ہوسکتا؟

الجواب

بلا حضور شاہدین نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ (التفصیل فی کتب الفقه) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۹/۷-۹۰)

دو گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوگا:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۱۸/ستمبر ۱۹۲۷ء)

سوال: زید نے ایک عورت سے عدم موجودگی میں کسی گواہ، یا قاضی کے اپنا عقد اس طرح پر کرلیا کہ زید نے عورت سے کہا کہ میں نے تم کو بعوض اتنے مہر کے اپنی زوجیت میں لیا اور عورت نے کہا کہ میں نے بھی قبول کیا، یا عورت نے زید سے کہا کہ میں نے اپنے کو بعوض اتنے مہر کے تمہاری زوجیت میں دیا اور زید نے کہا کہ میں نے قبول کیا، حالاں کہ ان ہر دو صورتوں میں کوئی شاہد، یا قاضی، یا وکیل موجود نہیں ہے، کیا یہ عقد جائز ہوا؟

الجواب

انعقاد نکاح کے لیے شاہدین کا موجود ہونا اور ایجاب وقبول کو سننا شرط ہے۔(۳) پس صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۷/۵)

---

(۱) ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین، الخ، اعلم أن الشهادة شرط فی باب النکاح لقوله علیه السلام: لا نکاح الا بشهود. (الهداية، كتاب النكاح: ۲۸٦/۲، ظفير)

(۲) ومنها: الشهادة، قال عامة العلماء: إنها شرط جواز النكاح، هكذا فی البدائع. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح: ۲٥۰/۱، مصری)

وشرط حضور شاهدین حرین، الخ، مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۳/۲، ظفير)

(۳) وشرط حضور شاهدین حرین أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، سعيد)

تنہائی میں لڑکی سے نکاح نامہ پر دستخط کرایا تو نکاح کا حکم:

سوال: زید نے ایک لڑکی سے تنہائی میں ایک نکاح نامہ پر دستخط کرایا، اس موقع پر زید اور لڑکی کے علاوہ کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا، بعدہ زید نے کسی مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں قاضی سے نکاح پڑھوایا، کیا یہ نکاح منعقد ہوگیا؟ لڑکی اپنے بیان میں والدین سے کہتی ہے کہ میں نے لڑکے کے دباؤ میں آکر یہ سوچ کر دستخط کیا تھا کہ اس طرح تو نکاح ہوتا ہی نہیں ہے۔لڑکی زید کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

سوال واضح نہیں ہے، اگر نکاح نامہ پر دستخط کی صورت یہ ہو کہ نکاح نامہ میں ایجاب اور قبول ہو تو بھی اس نکاح نامہ پر دستخط سے نکاح نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ کوئی گواہ موجود نہیں ہے۔ بعد میں قاضی سے خطبہ پڑھوا کر اگر لڑکے نے نکاح قبول کیا، دراں حالیکہ وہاں وہ لڑکی موجود نہیں تھی، نہ اس کا کوئی وکیل، تو ایسی صورت میں قاضی نکاح جس نے ایجاب کرایا، وہ محض فضولی تھا اور فضولی کا ایجاب معتبر نہیں، جب تک خود لڑکی اس کو منظور نہ کرلے۔(۱)

ان حالات میں مناسب یہ ہے کہ ایک درخواست قاضی شریعت دارالقضاء جنوبی دہلی (یا اپنے علاقہ کے دارالقضاء) کے پاس دی جائے اور دونوں فریق حاضر ہوکر اپنی پوری بات کہیں اور ان سب کو سامنے رکھ کر قاضی شریعت جو حکم شرعی دیں، اس پر فریقین عمل کریں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴۷-۴۸)

بغیر گواہ کے نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مرد اور ایک عورت آبادی سے بہت دور جنگل میں خلوت نشیں ہیں اور آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں اور گواہ وہاں موجود نہیں ہیں، اگر گواہ تلاش کیا جائے تو زنا میں ملوث ہونے کا یقینی خطرہ ہے تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(المستفتی: مولانا محمد اطہر)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

دو گواہوں کی موجودگی کے بغیر ان دونوں کا آپس میں نکاح قطعاً درست نہیں ہوگا، چاہے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ کیوں نہ ہو، اگر نکاح ہی کرنا ہے تو کہیں سے بھی دو گواہ فراہم کرکے ان کی موجودگی میں نکاح کرلیں، ورنہ زنا کاری ہوگی، اس کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں۔

---

(۱) وقال في البحر: الفضولي من يتصرف لغير بغير ولاية ولا وكالة ... فإنه يتوقف على إجازة الزوج. (رد المحتار: ۹۷/۳)

عن عمران بن حصين، أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: لانكاح إلا بولی، وشاهدی عدل. (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی: ١٤٢/١٨، رقم: ٢٩٩، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی: ١٩٥/٦، رقم: ١٠٤٧٣)

ولاينعقد نكاح المسلمين إلابحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل، و امرأتين. (الهداية، كتاب النكاح، أشرفيه ديوبند: ٣٠٦/٢)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: البغايا اللاتی ينكحن أنفسهن بغير بينة. (سنن الترمذی، كتاب النكاح، باب ماجاء لانكاح إلابينة، النسخة الهندية: ٢١٠/١، دارالسلام رقم: ١١٠٣، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی: ١٨٢/١٢، رقم: ٢١٨٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۰ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ (فتویٰ نمبر: الف ۷۶۸۲/۳۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۶/۱۰ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۵۳/۱۳-۵۴)

کیا وکیل اور گواہوں کے بغیر جوازِ نکاح کی کوئی صورت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر صرف لڑکا اور لڑکی ہوں اور کوئی گواہ، یا وکیل میسر نہ ہو تو نکاح پڑھانے کی کیا شکل اختیار کرنی چاہیے؟ اگر لڑکی اور لڑکا دونوں آپس میں ایجاب وقبول کرلیں تو کیا نکاح صحیح ہوجائے گا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر صرف لڑکا اور لڑکی موجود ہوں اور گواہ نہیں ہیں تو ایسی صورت میں نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے، نکاح کے لیے بہر حال دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے، بریں بنا اگر لڑکے اور لڑکی گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول کریں گے تو ہرگز اُن کا نکاح منعقد نہیں ہوگا اور دونوں بدستور ایک دوسرے کے لئے اَجنبی رہیں گے، اور اُن کے درمیان اِزدواجی تعلق حرام ہوگا۔

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما، قوله: لا نكاح إلا ببينة. (سنن الترمذی: ١٤٠/١، وصححه)

وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين مسلمين. (الدر المختار مع الشامی: ٨٧/٤-٩٢، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۲/۲/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۴۶/۸)

بغیر گواہوں کے اور بغیر ولی کی اجازت کے نکاح نہیں ہوتا:

سوال: میں ایک کنواری، عاقل، بالغ، حنفی، سنی مسلمان لڑکی ہوں، میں نے ایک لڑکے سے خفیہ نکاح کرلیا ہے،

نکاح اس طرح ہوا کہ لڑکے نے مجھ سے تین بار کہا کہ اس نے مجھے بہ عوض پانچ سو روپیہ حق مہر شرعی محمدی کے بموجب اپنے نکاح میں لیا، میں نے تینوں بار قبول کیا۔ اس ایجاب وقبول کا کوئی وکیل، کوئی گواہ نہیں۔ کسی مجبوری کے تحت ہم نکاح کی تشہیر بھی نہیں چاہتے۔ کیا شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگیا کہ نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیسے ہوگا؟ براہ کرم آپ کا جواب خالصتاً فقہ کی رُو سے ہونا چاہیے؟

الجواب

یہ نکاح دو وجہ سے فاسد ہے، اوّل یہ کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو عاقل بالغ مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری شرط ہے، اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، حدیث میں ہے:

"البغایا اللاتی ینکحن أنفسهن من غیر بینة". (البحر الرائق: ۹٤/۳)(۱)

(وہ عورتیں زانیہ ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کر لیتی ہیں۔)

دُوسری وجہ یہ ہے کہ والدین کی اطلاع واجازت کے بغیر خفیہ نکاح عموماً وہاں ہوتا ہے جہاں لڑکا، لڑکی کے جوڑ کا نہ ہو۔ اور ایسی صورت میں والدین کی اجازت کے بغیر نکاح باطل ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

"عن عائشة رضی اللّٰہ عنها أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: أیما امرأة نکحت نفسها بغیر إذن ولیها فنکاحها باطل، فنکاحها باطل، فنکاحها باطل". (مشکاة المصابیح، ص: ۲۷۰، البحر الرائق: ۱۱۸/۳)(۲)

---

(۱) حَدَّثَنَا یُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ الْبَصْرِیُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَی، عَنْ سَعِیدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَیْدٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْبَغَایَا اللَّاتِی یُنْکِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ.

قَالَ یُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ: رَفَعَ عَبْدُ الأَعْلَی هَذَا الحَدِیثَ فِی التَّفْسِیرِ وَأَوْقَفَهُ فِی کِتَابِ الطَّلَاقِ وَلَمْ یَرْفَعْهُ.

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ سَعِیدِ بْنِ أَبِی عَرُوبَةَ نَحْوَهُ وَلَمْ یَرْفَعْهُ وَهَذَا أَصَحُّ، هَذَا حَدِیثٌ غَیْرُ مَحْفُوظٍ لا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ إِلَّا مَا رُوِیَ عَنْ عَبْدِ الأَعْلَی، عَنْ سَعِیدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، مَرْفُوعًا وَرُوِیَ عَنْ عَبْدِ الأَعْلَی، عَنْ سَعِیدٍ هَذَا الحَدِیثُ مَوْقُوفًا وَالصَّحِیحُ مَا رُوِیَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ: لا نِکَاحَ إِلَّا بِبَیِّنَةٍ. هَکَذَا رَوَی أَصْحَابُ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَیْدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَا نِکَاحَ إِلَّا بِبَیِّنَةٍ، وَهَکَذَا رَوَی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ أَبِی عَرُوبَةَ نَحْوَ هَذَا مَوْقُوفًا، وَفِی هَذَا البَابِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ، وَأَنَسٍ، وَأَبِی هُرَیْرَةَ، وَالعَمَلُ عَلَی هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِینَ وَغَیْرِهِمْ قَالُوا: لا نِکَاحَ إِلَّا بِشُهُودٍ لَمْ یَخْتَلِفُوا فِی ذَلِکَ مَنْ مَضَی مِنْهُمْ إِلَّا قَوْمًا مِنَ الْمُتَأَخِّرِینَ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ، وَإِنَّمَا اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِی هَذَا إِذَا شَهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ فَقَالَ أَکْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَهْلِ الکُوفَةِ وَغَیْرِهِمْ: لا یَجُوزُ النِّکَاحُ حَتَّی یَشْهَدَ الشَّاهِدَانِ مَعًا عِنْدَ عُقْدَةِ النِّکَاحِ وَقَدْ رَأَی بَعْضُ أَهْلِ المَدِینَةِ، إِذَا أُشْهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ جَائِزٌ إِذَا أَعْلَنُوا ذَلِکَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِکِ بْنِ أَنَسٍ وَغَیْرِهِ هَکَذَا قَالَ إِسْحَاقُ فِیمَا حَکَی عَنْ أَهْلِ المَدِینَةِ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: یَجُوزُ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَامْرَأَتَیْنِ فِی النِّکَاحِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ. (سنن الترمذی، باب ماجاء لا نکاح إلا ببینة، رقم الحدیث: ۱۱۰۳ـ۱۱۰٤، انیس)

(۲) رواه الترمذی، باب ماجاء لا نکاح إلا بولی، رقم الحدیث: ۱۱۰۲، وقال: هذا حدیث حسن، انیس

(جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔)

بہرحال آپ کا نکاح نہیں ہوا، آپ دونوں الگ ہوجائیں، اور اگر میاں بیوی کا تعلق قائم ہوچکا ہے تو اس لڑکے کے ذمہ آپ کا مقرّر کردہ مہر پانچ سو روپیہ لازم نہیں؛ بلکہ اس کے ذمہ مہرِ مثل لازم ہے۔ مہرِ مثل سے مراد یہ ہے کہ اس خاندان کی لڑکیوں کا جتنا مہر عموماً رکھا جاتا ہے، اتنا دِلوایا جائے۔ بہرصورت آپ دونوں الگ ہوجائیں اور توبہ کریں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۱۱۴-۱۱۵)

بغیر گواہوں کے نکاح اور اس سے متعلق مالکیہ کے مذہب کی تحقیق:

سوال: میرے ایک عزیز کے ساتھ گزشتہ سال کچھ انوکھا واقعہ پیش آیا، آپ سے اس کا صحیح حل دریافت کرنا ہے۔ وہ عزیز سمندر میں سفر کررہے تھے، شکار وغیرہ کے ارادے سے تھے، سمندری طوفان کے باعث جہاز اپنا توازن کھو بیٹھا اور ڈوب گیا۔ صرف وہ عزیز اور ایک عورت تھی، جو ایک ساحل پر پہنچ گئے، وہاں سے نکلنے اور واپس شہر پہنچنے کے انتظام سے پہلے ان دونوں کو شیطان بہکا رہا تھا، لہٰذا ان دونوں نے وہاں بغیر گواہوں کے عارضی نکاح کرلیا، بعد میں شہر پہنچ گئے۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا؟ ایک عالم نے بتایا کہ امام مالک کے ہاں بینہ شرط نہیں؛ لیکن اعلان شرط ہے تو مفتی صاحب امام مالک کے نزدیک بھی تو عدم اعلان کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہ ہوگا؛ لیکن ان عالم کا کہنا تھا کہ نہیں اعلان اس طرح شرط نہیں، ورنہ تو امام مالک کے نزدیک تو مذہب اور سخت ہوجائے گا، بہرحال میرا علم اتنا نہ تھا، میں آپ سے درج ذیل سوالوں کے جواب چاہتا ہوں:

(۱) امام مالک کا مذہب کیا ہے؟ اعلان شرط ہے تو کیا کیفیت ہے، پچاس آدمی میں، سو آدمی میں، یا اعلان کس کیفیت سے شرط ہے؟ نیز بینہ مطلقاً ضروری نہیں؟ احناف اور مالکیہ کا ثمرہ اختلاف کہاں ظاہر ہوگا؟

(۲) کیا اس مسئلے میں امام مالک کے مذہب پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟ از راہِ کرم میرے مسئلے کا مفصل اور مدلل جواب مرحمت فرمادیں؟

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے، بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا، امام مالک کا مذہب اگرچہ خطبہ نکاح کے وقت صرف اعلان کا ہے؛ لیکن ان کے نزدیک بھی مرد کے عورت سے ہمبستری کرنے سے قبل نکاح پر دو گواہ بنانا ضروری ہیں، جب ان (مالکیہ) کے نزدیک بھی گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو مذکورہ صورت میں خروج عن المذہب بے معنی ہے۔ حضرات مالکیہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ نکاح میں عندالعقد ایجاب وقبول کے وقت گواہ ہونا شرط نہیں؛ یعنی صحتِ نکاح کے لیے گواہی شرط نہیں؛ لیکن اس عقد کا اعلان کرانا صحتِ نکاح کی شرائط میں سے ہے، البتہ ہمبستری سے قبل اس عقدِ نکاح پر دو گواہ بنانا مالکیہ کے نزدیک بھی ضروری اور واجب ہے۔ عقد کے اعلان کی کیفیت

مالکیہ کے نزدیک وہی ہے، جو حدیث میں بیان کی گئی ہے، دف بجانا، یا دھویں کے ذریعے تشہیر نکاح کرنا حضرات مالکیہ کی کتب میں اعلان کی یہی کیفیت موجود ہے، افراد کی تحدید ذکر نہیں۔

ایسے ملک میں جہاں مسلمان گواہ موجود نہ ہوں، مسلمان لڑکا اور لڑکی کسی دوسرے ملک میں وکیل بنالیں، وہ وکلاء لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول کرلیں تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا، جہاں تک مذکورہ سوال میں دریافت صورت کا تعلق ہے تو اس میں اتنی بات تو واضح ہے کہ ان دونوں کے پاس گواہ نہیں، لہٰذا یہ نکاح کسی بھی مذہب کے مطابق درست نہ ہوگا۔ سوال میں بغیر گواہوں کے عارضی نکاح کا ذکر ہے، اس عارضی نکاح سے مراد اگر شہر پہنچنے تک موقت نکاح مراد ہے تو یہ نکاح باطل اور کالعدم ہوگا اور اگر صرف بغیر گواہوں کے مطلق نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح فاسد ہے، اس میں نکاحِ فاسد کے احکام جاری ہوں گے، نیز وطی کرنا اس میں بھی بہر صورت حرام ہوگا، لہٰذا ان مرد وعورت پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے دور رہیں اور جلد از جلد شہر آجائیں اور صحیح شرعی طریقے سے نکاح کریں۔

حضراتِ احناف اور مالکیہ کے درمیان ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو حنفیہ کے نزدیک ابتدا سے ہی نکاح منعقد نہ ہوگا؛ اس لیے کہ حنفیہ کے نزدیک گواہ صحتِ نکاح کی شرائط میں سے ہیں، البتہ امام مالک کے نزدیک نکاح منعقد ہوجائے گا؛ لیکن ہمبستری سے قبل گواہ نہ بنانے پر نکاح خود ہی فسخ ہوکر طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی۔ الغرض نتیجتاً ہر صورت میں یہ نکاح بے فائدہ اور بغیر گواہوں کے کالعدم ہوگا۔

لمافی إعلاء السنن (۲۱۱/۵) (باب جواز عقد النكاح) : عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فى المساجد واضربوا عليه بالدفوف". (أخرجه الترمذى)

وفيه أيضاً(۱۷/۱۱): عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا نكاح إلا بولى وشاهدى عدل وما كان من نكاح على غير ذلك فهو باطل فإن تشاجروا فالسلطان ولى من لاولى له. هذا الحديث يدل على اشتراط الولى والشهود العدول فى صحة النكاح.

وفى بداية المجتهد ونهاية المقتصد (۱۳/۲): الفصل الثانى فى الشهادة: واتفق أبوحنيفة والشافعى ومالك على أن الشهادة من شرط النكاح واختلفوا هل هى شرط تمام يؤمر به عند الدخول أوشرط صحة يؤمر به عند العقد واتفقوا على أنه لا يجوز نكاح السرواختلفوا إذا اشهد شاهدين ووصيا بالكتمان هل هو سر أو ليس بسر؟ فقال مالك: هو سر ويفسخ وقال أبوحنيفة والشافعى: ليس بسر وسبب اختلافهم هل الشهادة فى ذلك حكم شرعى أم إنما المقصود منها سد ذريعة الاختلاف أو الإنكار؟ فمن قال: حكم شرعى، قال: هى شرط من شروط الصحة ومن قال: توثق، قال: من شروط التمام ... وقال أبوحنيفة: ينعقد النكاح عنده بشهادة فاسقين لأن المقصود عنده بالشهادة هو الإعلان فقط.

وفی المدونة الکبری (۱۲۷/۲):قلت: أرأیت إن تزوج رجل بغیر بینة واقر المزوج بذلک انه زوجه بغیر بینة أیجوز أن یشهدا فی المستقبل وتکون العقدة صحیحة فی قول مالک؟ قال: نعم، کذلک قال مالک.

وفی حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر (۳۵۲/۲):(قوله: وإعلانه) أی وندب إعلانه ای إظهاره وإشهاره بإطعام الطعام علیه لقوله علیه الصلاة والسلام ”افشوا النکاح واضربوا علیه بالدف“... (إن فشا) النکاح بولیمة أو ضرب دف أو دخان أوکان علی العقد أوعلی الدخول شاهد واحد غیر الولی.

وفی بدائع الصنائع (۳۹۱/۲):وقال مالک لیست بشرط وإنما الشرط هو الإعلان حتی لو عقد النکاح وشرط الإعلان جاز وإن لم یحضره شهود ولو حضرته شهود وشرط علیهم الکتمان لم یجز... وجه قول مالک أن النکاح إنما یمتاز عن السفاح بالإعلان فإن الزنا یکون سراً فیجب أن یکون النکاح علانیة... ولنا ما روی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰة علیه وسلم أنه قال: لا نکاح إلا بشهود، وروی:لا نکاح إلا بشاهدین. (نجم الفتاویٰ:۸۹/۴-۹۰)

بغیر گواہوں کے ہونے والے نکاح کا بعد میں مشہور ہونا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ دوعورتوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ گواہ شرعی اعتبار سے معتبر نہیں تھے، البتہ اب سب لوگوں کو پتہ چل گیا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ کیا ایسی صورت میں یہ نکاح درست نہیں ہوگا؟ دونوں کو الگ کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں دوعورتوں کی موجودگی میں کیا گیا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اگر چہ بعد میں لوگوں کی بڑی تعداد کو اس کا علم بھی ہوگیا ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انعقاد نکاح کے لیے شرعی شہادت؛ یعنی دو مردوں، یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی شرط ہے، جو کہ یہاں مفقود ہے؛ اس لیے جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ شرعی اعتبار سے نکاح درست نہیں تو دوبارہ عقد نکاح ضروری ہے، اسی عقد پر میاں بیوی کو برقرار رکھنا جائز نہیں، لہٰذا شرعی گواہوں کی موجودگی میں دوبارہ عقد نکاح کیا جائے۔

لمافی الهندیة(۲۶۷/۳-۲۶۸):ولا ینعقد بشهادة المرأتین بغیر رجل وکذا الخنثیین إذا لم یکن معهما رجل هکذا فی فتاوی قاضی خان ومنها سماع الشاهدین کلامهما معا،هکذا فی فتح القدیر.

وفی الدرالمختار (۲۱/۳-۲۲):(و) شرط (حضور) شاهدین(حرین) أو حر وحرتین (مکلفین سامعین قولهما معا)علی الأصح.

وفي الرد تحته:وخرج بقوله معا ما لو سمعا متفرقين بأن حضر أحدهما العقد ثم غاب وأعيد بحضرة الآخر أوسمع أحدهما فقط العقد فأعيد فسمعه الآخر دون الأول أوسمع أحدهما الإيجاب والآخر القبول ثم أعيد فسمع كل وحده ما لم يسمعه أو لا، لأن في هذه الصورة وجد عقدان لم يحضر كل واحد منهما شاهدان، كما في شرح النقاية، قوله (على الأصح) راجع لقوله سامعين وقوله معا ومقابل الأول القول بالاكتفاء بمجرد حضورهما ومقابل الثاني ما عن أبي يوسف من أنه إن اتحد المجلس جاز استحسانا، كما في الفتح. (نجم الفتاویٰ:۱۰۶/۴-۱۰۷)

کورٹ میرج کا شرعی حکم:

سوال: میں نے اپنے گھر والوں کی رضا مندی کے بغیر تقریباً گیارہ سال قبل ایک لڑکے شعیب انجم سے کورٹ میرج کیا، اس کورٹ میرج کے بعد سے آج تک میرا اس لڑکے سے میاں بیوی کا ازدواجی رشتہ کبھی قائم نہیں ہوا۔ اس کورٹ میرج کو چھپا کر رکھی، ایک سال قبل اس کا علم میرے والدین کو ہو گیا، اس کورٹ میرج کا مقصد میرے والدین کو بلیک میل کرنے کی گہری سازش تھی، نہ کہ حقیقی شادی۔

واضح رہے کہ کورٹ میرج کے وقت کسی شرعی قاضی سے نکاح (ایجاب وقبول) عمل میں نہیں آیا؛ بلکہ ایک فارم پر مجھ سے دستخط لیا گیا تھا، جس میں لکھا تھا کہ ''یہ کام اپنی مرضی سے کر رہی ہوں'' اور لڑکے نے بھی اس فارم پر دستخط کیا، کورٹ میں موجود رجسٹرار اور وکیل غیر مسلم تھے، البتہ تین گواہ تھے، جو اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہے تھے، اس کے بعد کبھی بھی رخصتی اور میاں بیوی کا رشتہ قائم نہیں ہوا، اس کورٹ میرج کو نکاح شرعی مانا جائے گا، یا نہیں؟ ہم دونوں آپس میں میاں بیوی ہوئے، یا نہیں؟ میں دوسری شادی کرسکتی ہوں، یا نہیں؟

الجواب ———————— وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر واقعتہً آپ دونوں نے صرف کورٹ میرج کیا اور باضابطہ شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب قبول نہیں ہوا تو ایسی صورت میں یہ نکاح شرعاً صحیح ومنعقد نہیں ہوا اور آپ دونوں میاں بیوی نہیں ہوئے۔(۱) آپ دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی: ۱۵/۲/۱۴۲۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۵۸/۴-۵۹)

---

(۱) (فلا ينعقد) بقبول بالفعل كقبض مهر... ولا بكتابة حاضر. (الدر المختار)

(قوله: ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر، والأظهر أن يقول فقالت فقبلت، الخ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي. (ردالمحتار، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۲/۲٦٥)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، وَمَا كَانَ مِنْ نِكَاحٍ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بَاطِلٌ، فَإِنْ تَشَاجَرُوا، فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ. (صحيح ابن حبان، ذكر نفي إجازة النكاح بغير وَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، رقم الحديث: 4075، انيس)

صرف نکاح نامے پر دستخط کرنے سے نکاح نہیں ہوتا، بلکہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے کوئی رشتہ دار نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے کورٹ میں شادی کا فیصلہ کیا اور ہم دونوں کورٹ گئے اور کورٹ کے باہر جو ٹائپسٹ بیٹھے ہوتے ہیں، ان سے حلف نامے کے فارم پر نکاح نامہ ٹائپ کروایا اور میں نے دستخط کئے، جب کہ میرے شوہر نے دستخط نہیں کئے، اس نے اس کے بارے میں کہا: ''میں مجسٹریٹ کے دستخط کے بعد دستخط کروں گا اور تمہیں مجسٹریٹ کے سامنے حلف دینا پڑے گا''، میں خاموش ہوگئی، دُوسرے دن کہنے لگے کہ: ''تم کو کورٹ نہیں جانا پڑے گا، میں نے ایک وکیل سے بات کرلی ہے وہ فیس لے کر مجسٹریٹ کے سائن کرادے گا۔'' وہ گئے اور مجسٹریٹ کے سائن کروا کر لے آئے اور کہنے لگے کہ: ''اب تم میری بیوی ہوگئی ہو، بیوی کے حقوق ادا کرو۔'' میں نے کہا کہ یہ تو کوئی نکاح نہیں ہوا۔ کہنے لگے کہ: ''تم نے دو گواہوں کے سامنے دستخط کردیئے، یعنی دو گواہوں کے سامنے اقرار کرلیا؛ اس لیے نکاح ہوگیا ہے۔'' وہ دو گواہ ٹائپسٹ تھے جبکہ ان دونوں کے دستخط نہیں ہوئے تھے، اس وقت نہ ہی میرے شوہر کے دستخط ہوئے، ہم دونوں میں بحث ہوتی ہے، میں کہتی ہوں کہ نکاح نہیں ہوا، وہ کہتا ہے کہ نکاح ہوگیا ہے۔

الجواب ــ

جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس سے نکاح نہیں ہوا، نکاح میں فریقین کی طرف سے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا کرتا ہے، جو نہیں ہوا۔ (۱) اب تک آپ لوگوں نے جو کچھ کیا ناجائز کیا، آئندہ حرام سے بچنے کے لیے باقاعدہ نکاح کرلیجئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۱/۶)

☆ ☆ ☆

---

(۱) وينعقد بالإيجاب والقبول (إلى قوله) عند حرين أو حر وحرين. (البحر الرائق: ۸۷/۳، طبع بيروت)

ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، طبع شركت علمية ملتان)

وفى الهندية (۲۶۸/۱) كتاب النكاح: ومنها سماع الشاهدين كلاهما معا، هكذا فى فتح القدير.

قَالَ الشَّيْخ بَاكِيرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : وَشَرْطُهُ الْخَاصُّ: حُضُورُ شَاهِدَيْنِ لَا يَنْعَقِدُ إلَّا بِهِ بِخِلَافِ بَقِيَّةِ الْأَحْكَامِ، فَإِنَّ الشَّهَادَةَ فِيهَا لِلظُّهُورِ عِنْدَ الْحَاكِمِ لَا لِلِانْعِقَادِ، آه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، شروط النكاح وأركانه: ۹۵/۲، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق، انيس)

اعلان نکاح کے احکام

نکاح سری کی تعریف اوراس کاحکم:

سوال: تعریف نکاح سری چیست وحکم آن چیست ؟ اگر شخصے نزد دو گواہان معتبر درخلوت باز نے ایجاب وقبول ساخت، آیا حکم ایں نکاح سری شد، یا جہری؟(۱)

الجواب

نکاح سرکہ ممنوع وباطل است، آن است کہ دوشاہدین علاوہ ناکح ومنکوحہ نباشندواگرشاہدین، یاشہود حاضر باشند، ایں چنیں نکاح نکاح سرباطل نباشد، اماخالی ازکراہت نباشد۔(۲)

لأن السنة فی النكاح الإعلان ولذا شرع له الدف ونحوه، وفی الحديث:الفرق بين الحلال والحرام الدف، ولأن فيه إلقاء نفسه فی التهمة ويتهمه بالزنا من لم يعلم بالنكاح وفی الحديث: اتقوا مواضع التهم.(۳)والله أعلم

۱۸/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام:۳/۲۳۷)

(۱) خلاصہ سوال: نکاح سری کی کیاتعریف ہے؟اگر دوگواہان کی موجودگی میں خلوت میں ایجاب وقبول کوانجام دیاجائے تو یہ نکاح سری ہے،یاجہری؟(انیس)

(۲) خلاصہ جواب: نکاح سری ممنوع وباطل ہے؛اس لیے کہ اس میں ناکح ومنکوحہ کے علاوہ گواہان نہیں ہوتے ہیں،اگر دوگواہان،یا شہود حاضرہوں تواس صورت میں نکاح سرباطل نہ ہوگا؛لیکن کراہت سے خالی نہ ہوگا۔(انیس)

(۳) عَنِ القَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ.هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ فِي هَذَا البَابِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الْأَنْصَارِيُّ يُضَعَّفُ فِي الحَدِيثِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الَّذِي يَرْوِي، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ التَّفْسِيرَ هُوَ ثِقَةٌ.(سنن الترمذی،باب ماجاء فی إعلان النكاح،رقم الحديث:۱۰۸۹،انيس)

عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:أَعْلِنُوا النِّكَاحَ.(تعليق الألبانی:حسن صحيح (الآداب(193)،المشكاة (3152)،الإرواء(1993)تعليق شعيب الأرنؤوط:إسناده حسن.(صحيح ابن حبان:۳۷۴/۹،مؤسسة الرسالة بيروت،رقم الحديث:۴۰۶۶،انيس)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ.(سنن النسائی،إعلان النكاح بالدف،رقم الحديث:۳۳۶۹،انيس)

==

نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے ایک بیوہ عورت سے خفیہ نکاح پڑھالیا، دو گواہ پردیسی ایک سوالی ایک واعظ آئے ہوئے تھے، ان دونوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا اور کسی سے ظاہر نہ کیا، جب حمل چار پانچ ماہ کا ہوگیا، جب عورتوں نے کہا: سچ بتلا تجھ کو حمل ہے؟ حاملہ عورت نے کہا فلاں کا حمل ہے، پھر دوبارہ عورتوں نے اور حاملہ مذکورہ کے دیور وغیرہ نے دریافت کیا: سچ بتلا حمل کس کا ہے؟ تب عورت مذکور نے کہا: فلاں امام صاحب کا ہے، ہمارا نکاح فلاں گاؤں میں ہوا ہے۔ اب امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ عورت سے نکاح ہو چکا ہے، امام صاحب نے کہا کہ ہو چکا ہے، یہیں ہوا ہے، باہر کے دو مسافر ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے، لوگوں کو یقین نہ آیا، امام صاحب مسجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے، ان سے ایک پرہیزگار متقی نے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ مذکورہ سے نکاح ہو چکا ہے؟ امام صاحب نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کہا: میرا نکاح ہو چکا ہے۔ آیا اس طرح خفیہ نکاح ہو جاتا ہے اور ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ فقط، جواب سے جلد مطلع فرمادیں۔

== ضرف الدف في النكاح إعلانا وتشهيراً سنة ويجب أن يكون بلا سنجات وجلاجل. (الفتاویٰ الغياثية، كتاب الإستحسان، الفصل الرابع، ص: ۱۰۹، ط: كوئٹه، انيس)

"ولا يشترط الأعلان مع الشهود، لما في التبيين: أن النكاح بحضور الشاهدين يخرج عن أن يكون سرّاً ويحصل بحضورهما الإعلان، آه". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۹٤/۳، دار الكتاب الإسلامي بيروت، انيس)

(فَنَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا) رِضَا (وَلِيٍّ) وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ تَصَرَّفَ فِي مَالِهِ تَصَرَّفَ فِي نَفْسِهِ وَمَا لَا فَلَا. (الدر المختار) (قَوْلُهُ فَنَفَذَ إلَخْ) أَرَادَ بِالنَّفَاذِ الصِّحَّةَ وَتَرَتُّبَ الْأَحْكَامِ مِنْ طَلَاقٍ وَتَوَارُثٍ وَغَيْرِهِمَا لَا اللُّزُومَ، إذْ هُوَ أَخَصُّ مِنْهَا لِأَنَّهُ مَا لَا يُمْكِنُ نَقْضُهُ وَهَذَا يُمْكِنُ رَفْعُهُ إذَا كَانَ مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ، فَقَوْلُهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ أَيْ يَنْعَقِدُ لَازِمًا فِي إطْلَاقِهِ نَظَرٌ، وَاحْتُرِزَ بِالْحُرَّةِ عَنْ الْمَرْقُوقَةِ وَلَوْ مُكَاتَبَةً أَوْ أُمَّ وَلَدٍ وَبِالْمُكَلَّفَةِ عَنْ الصَّغِيرَةِ وَالْمَجْنُونَةِ، فَلَا يَصِحُّ إلَّا بِوَلِيٍّ كَمَا قَدَّمَهُ، وَأَمَّا حَدِيثُ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ إذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَدِيثُ لَا نِكَاحَ إلَّا بِوَلِيٍّ رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَغَيْرُهُ، فَمُعَارَضٌ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَمَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ، وَالْأَيِّمُ مَنْ لَا زَوْجَ لَهَا بِكْرًا أَوْ لَا فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلْوَلِيِّ إلَّا مُبَاشَرَةُ الْعَقْدِ إذَا رَضِيَتْ وَقَدْ جَعَلَهَا أَحَقَّ مِنْهُ بِهِ، وَيَتَرَجَّحُ هَذَا بِقُوَّةِ السَّنَدِ وَالِاتِّفَاقِ عَلَى صِحَّتِهِ، بِخِلَافِ الْحَدِيثَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ فَإِنَّهُمَا ضَعِيفَانِ أَوْ حَسَنَانِ، أَوْ يُجْمَعُ بِالتَّخْصِيصِ، أَوْ بِأَنَّ النَّفْيَ لِلْكَمَالِ، أَوْ بِأَنْ يُرَادَ بِالْوَلِيِّ مَنْ يَتَوَقَّفُ عَلَى إذْنِهِ أَيْ لَا نِكَاحَ إلَّا بِمَنْ لَهُ وِلَايَةٌ لِيَنْفِيَ نِكَاحَ الْكَافِرِ لِلْمُسْلِمَةِ وَالْمَعْتُوهَةِ وَالْعَبْدِ وَالْأَمَةِ، وَالْمُرَادُ بِالْبَاطِلِ حَقِيقَتُهُ عَلَى قَوْلِ مَنْ لَمْ يُصَحِّحْ مَا بَاشَرَتْهُ مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ، أَوْ حُكْمُهُ عَلَى قَوْلِ مَنْ يُصَحِّحُهُ أَيْ لِلْوَلِيِّ أَنْ يُبْطِلَهُ وَكُلُّ ذَلِكَ سَائِغٌ فِي إطْلَاقَاتِ النُّصُوصِ وَيَجِبُ ارْتِكَابُهُ لِدَفْعِ الْمُعَارَضَةِ؛ وَتَمَامُ الْكَلَامِ عَلَى ذَلِكَ مَبْسُوطٌ فِي الْفَتْحِ. (ردالمحتار، باب الولي: ۳/۵۵-۵٦، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب

اس طرح خفیہ نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے اور ایسی عورت سے جس کا نکاح خفیہ ہوا ہو، شوہر کو مجامعت بھی جائز ہے اور اس کی اولاد بھی حلالی ہوگی؛ مگر خفیہ نکاح کرنے کے بعد عرصہ تک اس کو مخفی رکھنا گناہ ہے؛ بلکہ اس کو جلدی ہی ظاہر کر دینا چاہیے تھا؛ کیوں کہ جب عرصہ دراز تک نکاح کو مخفی رکھا جائے گا تو حمل قرار پانے کے وقت لوگوں کو عورت پر اور مرد پر زنا کا گمان ہوگا اور اس وقت لوگ اس دعویٰ کو کہ نکاح ہو چکا ہے، بات بنانے پر محمول کریں گے۔

وقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: "اتقوا مواضع التهم". (الحدیث)(۱)

فالاتقاء من التهمة واجب.

لہٰذا اس امام کو جب تک وہ اس گناہ سے (یعنی اخفاء نکاح سے) توبہ نہ کرے، امامت سے الگ کر دیا جائے اور توبہ اس کی یہ ہے کہ مجمع عام میں اپنی خطا کا اقرار کرے کہ میں نے جو نکاح کو عرصہ تک مخفی رکھا، جس سے لوگوں کو تہمت اور بدگمانی میں مبتلا کیا، (۲) مجھ سے گناہ ہوا، میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور جن لوگوں کو میں نے بدگمانی میں (اس فعل سے) مبتلا کیا ہے، ان سے بھی معافی چاہتا ہوں، فإن التوبة علی قدر المعصية. (۳) واللہ اعلم

۲۴ رشوال ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۲۳۲/۳)

(۱) (فقال صلّی اللّٰہ علیه وسلم: اتقوا مواضع التهم) قال العراقی: لم أجد له أصلاً، قلت أخرج الزبیر بن بکار فی الموفقیات عن عمر بن الخطاب قال: من تعرض للتهمة فلا یلومنّ من أساء به الظن، وأخرج البیهقی فی الشعب عن سعید بن المسیب قال: کتب لی بعض إخوانی من أصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلم: من عرض نفسه للتهم فلا یلومن إلا نفسه. قال ابن السبکی (۳۳۲/٦): لم أجد له إسناداً. (تخریج إحیاء علوم الدین، بیان معنی النفس والروح والقلب والعقل، الخ: ۱۵۵۹/٤، دارالعاصمة للنشر الریاض، انیس)

عَنْ بُدَيْلِ بْنِ وَرْقَاءَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَنْ أَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ التُّهَمَةِ؛ فَلَا يَلُومَنَّ مَنْ أَسَاءَ بِهِ الظَّنَّ. (مکارم الأخلاق للخرائطی، باب مایستحب للمرء من التحرز أن یساء به، رقم الحدیث: ٤٧٧، انیس)

(۲) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلا تَجَسَّسُوا، وَلا تَنَافَسُوا، وَلا تَحَاسَدُوا، وَلا تَبَاغَضُوا، وَلا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا. (موطأ الإمام محمد، باب مایکره من الکذب وسوء الظن، رقم الحدیث: ۸۹٦، انیس)

(۳) التَّوْبَة نَوْعَانِ وَاجِبَة ومستحبة:

الْوَاجِبَة من ترك مَأْمُور أَو فعل مَحْظُور، فالواجبة هِيَ التَّوْبَة من ترك مَأْمُور أَو فعل مَحْظُور وَهَذِه وَاجِبَة على جَمِيع الْمُكَلّفين كَمَا أَمرهم الله بذلك فِي كِتَابه وعَلى أَلْسِنَة رسله.

والمستحبة من ترك المستحبات وَفعل المكروهات، والمستحبة هِيَ التَّوْبَة من ترك المستحبات وَفعل المكروهات فَمن اقْتصر على التَّوْبَة الأولى كَانَ من الْأَبْرَار الْمُقْتَصِدِينَ وَمن تَابَ التوبتين كَانَ من السَّابِقين المقربين وَمن لم يَأْتِ بِالْأولَى كَانَ من الظَّالِمين إِمَّا الْكَافرين وَإِمَّا الْفَاسِقين، قَالَ الله تَعَالَى وكنتم أَزْوَاجًا ثَلَاثَة ==

شادی کو خفیہ رکھنا کیسا ہے:

سوال: زید ایک معزز اور شریف آدمی ہے، آٹھ دس سال سے شادی شدہ ہے، صاحب اولاد بھی ہے؛ مگر کچھ عرصے سے حق زوجیت ادا نہیں کرسکتا، کسی بیماری کی وجہ سے وہ اس فعل سے معذور ہے، گو وہ نان ونفقہ اور دیگر آسائش کا سامان مہیا کرسکتا ہے۔ زید اپنی عورت کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے طلاق دے کر عقد ثانی کی اجازت دینا چاہتا ہے؛ مگر چوں کہ وہ ذی عزت شخص ہے، لہٰذا وہ اس معاملے کو پردے میں رکھ کر نکاح کرنا چاہتا ہے۔ زید کی دلی منشا یہ ہے کہ عورت کا عقد ثانی بھی ہوجائے اور عورت اسی کے گھر میں رہے اور بچوں کی دیکھ بھال بھی ہوتی رہے اور اس معاملے کو ماسوائے نکاح پڑھانے والے کے اور شاہدوں کے اور کسی کو علم نہ ہو اور بکر جس سے عقد ہو، وہ بھی ان کے ہمراہ رہے۔ اس بارے میں علماء دین متین کا کیا خیال ہے اور کیا فتویٰ ہے؟ کیا ایسا عقد جائز ہوسکتا ہے اور جو اولاد بعد میں ہوگی، وہ ٹھیک ہوگی؟

(المستفتی: ۱۲۸۴: معراج الدین صاحب، رڑکی، ۱۹/شوال ۱۳۵۵ھ، مطابق ۳/جنوری ۱۹۳۷ء)

الجواب

زوجین، یا ان کے وکیلوں کے علاوہ دو شاہدوں کے سامنے ایجاب وقبول ہونا صحت نکاح کے لیے کافی ہے، نکاح منعقد ہوجائے گا؛(۱) لیکن انعقاد نکاح کے بعد وہ عورت منکوحۃ الغیر ہونے کی وجہ سے زید کے پاس خلوت میں نہ رہ سکے گی؛(۲) کیوں کہ (اب وہ عورت) اجنبیہ اور منکوحۃ الغیر ہوگی اور بکر زوج ثانی کے لیے اس سے ازدواج کے تعلقات کرنے

== فأصحاب الميمنة مَا أَصْحَاب الميمنة وَأَصْحَاب المشأمة مَا أَصْحَاب المشأمة وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَـئِكَ المقربون فِي جنَّات النَّعيم(سُورَة الْوَاقِعَة:۷-۱۲) وَقَالَ تَعَالَى فَأَما إِن كَانَ من المقربين فروح وَرَيْحَان وجنة نعيم وَأما إِن كَانَ من أَصْحَاب الْيَمين فسلام لَك من أَصْحَاب الْيَمين وَأما إِن كَانَ من المكذبين الضَّالّين فنزل من حميم وتصلية جحيم (سُورَة الْوَاقِعَة:۸۸-۹۴)وَقَالَ تَعَالَى فَمنهمْ ظَالِم لنَفسِهِ وَمِنْهُم مقتصد وَمِنْهُم سَابق بالخيرات بِإِذن اللّٰه (سُورَة فاطر:۳۲) وَقَالَ تَعَالَى: إِنَّا هديناه السَّبِيل إِمَّا شاكراً وَإِمَّا كفوراً إِنَّا أَعْتَدْنَا للْكَافِرِينَ سلاسل وأغلالاً وسعيراً إِن الْأَبْرَار يشربون من كأس كَانَ مزاجها كافورا عينا يشرب بهَا عباد اللّٰه يفجرونها تفجيرا(سُورَة الْإِنْسَان:۳-۶) وَقَالَ كلا إِن كتاب الْفجار لفي سِجِّين إِلَى قَوْله كلا إِن كتاب الْأَبْرَار لفي عليين وَمَا أَدْرَاك مَا عليون إِلَى قَوْله ومزاجه من تسنيم عينا يشرب بهَا المقربون (سُورَة المطففين: ۷-۲۸)قَالَ ابْن عَبَّاس تمزج لأَصْحَاب الْيَمين مزجا وَيشْرب بهَا المقربون صرفا.(جامع الرسائل لابن تيمية،رسالة فى التوبة:۲۲۷/۱-۲۲۸،دارالعطاء الرياض)

خلاصہ یہ کہ توبہ کی دو قسمیں ہیں: واجب، مستحب۔ کسی بھی مامور کے ترک اور محظور وممنوع کام کے کرنے سے توبہ کرنا فی الفور واجب اور ضروری ہے اور یہ تمام مکلف اہل ایمان پر واجب ہے۔ مستحبات کے ترک اور مکروہات کے ارتکاب سے توبہ کرنا مستحب ہے۔(انیس الرحمٰن قاسمی)

(۱) النكاح ينعقد بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر.(الدر المختار، كتاب النكاح:۹/۳،سعيد)

(۲) عن ابن عباس عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال:لا يخلون رجل بامرأة الا مع ذى رحم محرم.(صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة:۷۸۷/۲، قديمى)

جائز ہوں گے، اولاد بھی بکر کی ہوگی، زید طلاق دے کر اور عدت گزر جانے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرا سکتا ہے؛(۱) مگر اس کو اس طرح مخفی رکھنا کہ لوگ زید کی بیوی ہی سمجھتے رہیں،(۲) اخلاقاً اور شرعاً اور نتیجتاً خطرناک ہے۔(۳) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۲۹۳/۵)

نکاح خفیہ:

سوال: ایک مرد وعورت آپس میں دو گواہوں کے روبرو نکاح کرنا چاہیں اپنے رشتہ داروں کی پوشیدگی سے تو شرعاً یہ نکاح کیسا ہے؟

(حافظ عبداللہ پیش امام محلّہ خرادیاں چھچرولی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نکاح میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ اعلان کے ساتھ بڑے مجمع میں مسجد میں کیا جائے،(۴) اور جائز دو گواہوں کی موجودگی میں بھی ہو جاتا ہے، جب کہ وہ دونوں گواہ مرد مسلمان بالغ عاقل ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔(۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۱۳۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۷۵-۵۷۶)

خفیہ نکاح:

سوال: ایک شخص یعنی غلام نبی غلام ولد غلام محمد ایک عورت کے ساتھ عورت کے ورثا سے خفیہ نکاح کرتا ہے،

---

(۱) ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾(سورة البقرة: ۲۳۲)

(۲) عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح واجعلوهن في المساجد واضربوا عليه بالدفوف. (جامع الترمذي، ابواب النكاح، باب ما جاء في اعلان النكاح: ۲۰۷/۱، سعيد)

(۳) عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يكلم رجل بامرأة إلا كان ثالثها الشيطان. (جامع الترمذي، أبواب الرضاع: ۲۲۱/۱، سعيد)

(۴) عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (سنن الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في إعلان النكاح: ۲۰۷/۱، سعيد)

(۵) النكاح ينعقد بإيجاب أحدهما وقبول من الآخر، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: كثيرا مايتسأهل في إطلاق المستحب على السنة: ۹/۳، سعيد)

"وشرط حضور شاهدين حرين، اوحر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا، الخ. (ردالمحتار، مطلب الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳۱/۳، سعيد)

جس کا نام خدیجہ بی بی بنت سردار خان ہے، عورت بیوہ ہے، رشتہ دار اس شخص یعنی غلام نبی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس عورت سے علاحدہ ہوجا، چوں کہ شبہ ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ عورت میری ماں بہن کی طرح ہے، حالاں کہ دو تین سال ہو چکے ہیں خفیہ نکاح ہوئے۔ عام مجلس میں اقرار کر کے بری ہونے کے چند دن بعد دونوں نکاح ظاہر کرتے ہیں، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے بائیکاٹ کر سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

"وشرط شاهدين، حرين، مكلفين، سامعين قولهما معا، على الأصح، فاهمين أنه نكاح، على المذهب، آه". (الدرالمختار)(۱)

"أمر الأب رجلا أن يزوج صغيرته فزوجها عند رجل او أمرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لانه يجلع عاقدا حكما، وإلا لا، ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد، جاز إن كانت بنته حاضرة؛ لأنها تجعل عاقدة، وإلا لا، آه". (الدرالمختار)(۲)

ويندب إعلانه وخطبته وكونه فى مسجد، آه". (الدرالمختار)(۳)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لیے کم از کم دو گواہوں کا ہونا شرط ہے اور اعلان کے ساتھ نکاح کرنا مستحب ہوگیا، بشرطیکہ کوئی اور بھی مانع حرمت مصاہرت وعدم کفات وغیرہ نہ ہوں، البتہ اعلان نہ کرنے سے مستحب کو ترک کا تارک ہوا؛ لیکن ترک مستحب پر بائیکاٹ کرنا جائز نہیں، (۴) (اور خاص کر جب کسی مصلحت سے مستحب کو ترک کیا ہو) اور اس کا حکم یہ ہے، متارکت لازم ہے، (۵) اور اس کے بعد عدت گزار کر اگر طرفین رضا مند ہوں تو دوبارہ با قاعدہ نکاح کریں، اگر غلام نبی متارکت پر تیار نہ ہو اور مسئلہ سمجھانے کے باوجود نہ مانے تو پھر اس کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ (۶)

---

(۱) **الدرالمختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳-۲۲، سعيد**

(۲) **الدرالمختار، كتاب النكاح مطلب فى عطف الخاص على العام: ۲٤/۳-۲۵، سعيد**

(۳) **الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، رشيدية**

(۴) **قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "تركه لايوجب إساءة ولاعتابا كترك سنة الزوائد". (رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب آداب الصلاة: ٤٧٧/١، سعيد)**

علامہ شامی نے مذکور بالا عبارت میں ترک مستحب کا حکم بیان کیا ہے کہ ترک مستحب والا شخص ملامت اور سزا کے لائق نہیں، لہذا ترک مستحب والے شخص سے بائیکاٹ بھی درست نہیں ہے۔

(۵) **ويجب مهر المثل فى نكاح فاسد وهو الذى فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود... بل يجب على القاضى التفريق بينهما". (الدرالمختار). "(قوله: بل يجب على القاضى) أى إن لم يتفرقا". (ردالمحتار، مطلب فى النكاح الفاسد: ۱۳۱/۳-۱۳۳، سعيد)**

(۶) **"قال الخطابى: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال، لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران فى حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الاول: ۷۵۸/۸، مكتبه رشيدية كوئٹه)**

نکاح صحیح ہونے کی صورت میں لوگوں کے دریافت کرنے پر یہ کہنا کہ ''یہ عورت میری ماں بہن کی طرح ہے'' کنایات ظہار سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے ظہار، یا طلاق کی نیت کی ہے تو وہ نیت معتبر ہے اور حسب نیت ظہار، یا طلاق کا حکم جاری کیا جائے گا، اگر کرامت کی نیت کی ہے، یا کچھ نیت نہیں ہے، یا کچھ نیت نہیں کی ہے تو اس نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑھے گا۔

''وإن نوى بأنت على مثل أمي أو كأمي، وكذا لو حذف ''على''، خانية، براً أو ظهاراً أوطلاقاً، صحت نيته، ووقع ما نواه؛ لأنه كناية، وإلا ينو شيئا أوحذف الكاف، بأن قال: أنت أمي، تعين الأدنى: أي البر؛ يعني الكرامة، آه''. (الدر المختار)(۱)

اور اگر اس کہنے کے بعد باقاعدہ نکاح کیا ہے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۳/۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۷۶-۵۷۹)

چاہت میں خفیہ شادی کرنا غلط ہے:

سوال: ایک لڑکے، لڑکی نے چاہت میں شادی کر لی، دونوں کے والدین کو علم نہیں، بعد ازاں لڑکی کے چچا نے پولیس کے ذریعہ لڑکی واپس منگوائی اور یہ کہہ کر اس کا دُوسرا نکاح کر دیا کہ پہلا نکاح نابالغی میں ہوا تھا۔ اب اگر لڑکا ثبوت پیش کرے کہ جب میں نے نکاح کیا تھا تو لڑکی بالغ تھی، تو ایسی صورت میں کون سا نکاح صحیح ہوا، پہلا یا دُوسرا؟

الجواب

لڑکی اگر اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں شادی کرنا چاہے تو یہ نکاح نہیں ہوتا، (۲) والدین کے علم کے بغیر جو شادیاں کی جاتی ہیں وہ عموماً ایسی ہی ہوتی ہیں؛ اس لیے صورتِ مسئولہ میں پہلا نکاح غلط تھا، دُوسرا صحیح ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۱۳۹)

---

(۱) الدر المختار، باب الظهار: ۳/۴۷۰، سعيد

(۲) وَأَنَّ الْمُفْتَى بِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ الْإِمَامِ مِنْ عَدَمِ الِانْعِقَادِ أَصْلًا إذَا كَانَ لَهَا وَلِيٌّ لَمْ يَرْضَ بِهِ قَبْلَ الْعَقْدِ فَلَا يُفِيدُ الرِّضَا بَعْدَهُ. (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۳۷، دار المعرفة بيروت)

نفذ نِكَاح حرَّة مكلفة بِلَا ولي وَله الِاعْتِرَاض فِي غير الكفو وروى الْحسن عَن الامام عدم جوازه، الخ. (ملتقى الابحر) (وَلَهُ) أَيْ لِكُلٍّ مِنْ الْأَوْلِيَاءِ إذَا لَمْ يَرْضَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ (الِاعْتِرَاضُ) أَيْ وِلَايَةُ الْمُرَافَعَةِ إلَى الْقَاضِي لِيَفْسَخَ وَلَيْسَ هَذَا التَّفْرِيقُ طَلَاقًا حَتَّى لَا يَنْقُصَ عَدَدُ الطَّلَاقِ وَلَا يَجِبُ شَيْءٌ مِنْ الْمَهْرِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَلَوْ بَعْدَهُ لَهَا الْمُسَمَّى، وَكَذَا بَعْدَ الْخَلْوَةِ الصَّحِيحَةِ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا نَفَقَةُ الْعِدَّةِ وَلَا يَثْبُتُ إلَّا بِالْقَضَاءِ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ وَالنِّكَاحُ صَحِيحٌ يَتَوَارَثَانِ بِهِ إذَا مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْقَضَاءِ (فِي غَيْرِ الْكُفْءِ) دَفْعًا لِضَرَرِ الْعَارِ، فَإِنْ رَضِيَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ لَيْسَ لِمَنْ فِي دَرَجَتِهِ أَوْ أَسْفَلَ اعْتِرَاضٌ هَذَا إذَا لَمْ تَلِدْ مِنْهُ وَأَمَّا إذَا سَكَتَ حَتَّى وَلَدَتْ فَلَيْسَ لَهُ الِاعْتِرَاضُ لِئَلَّا يَضِيعَ الْوَلَدُ كَمَا فِي أَكْثَرِ الْمُعْتَبَرَاتِ، ==

خفیہ طور پر نکاح کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(الف) ایک رشتہ دار نے اَب سے ڈیڑھ سال قبل (بقول اُنہی کے) نکاح کیا؛ لیکن وہ بھی اس طرح کہ اُسے راز رکھا اور بنا کسی کی مرضی، یا کسی کو بتائے گھر میں (سبھی رشتہ داروں کے ہمراہ) اس طرح رہتے رہے، جس طرح عام حالات میں کوئی فیملی رہتی ہے اور دوسروں کو یہ محسوس تک نہ ہونے دیا کہ ان کا نکاح ہو چکا ہے، جب اس کی بھنک گھر کے ذمہ داران کو ہوئی تو ناگوار طور پر اُن سے پوچھ تاچھ کی گئی، (کیوں کہ معاملہ عزت کا تھا) لہٰذا کچھ گہما گہمی کی صورتِ حال ہوگئی تو اُن حضرات نے قبول کرلیا کہ وہ اور اس گھر کی ایک خاتون سے ازدواجی رشتہ قائم کئے ہوئے ہیں، اس پر نکاح کی رسید دکھلانے کو کہا گیا تو انہوں نے کوئی یقینی سند نہیں دکھائی؛ بلکہ ایک عام طرز کا چھپا ہوا نکاح نامہ دکھایا، جس پر کسی مفتی، یا قاضی صاحب کی سند یافتہ تحریر ہی تھی اور نہ ہی کوئی سند یافتہ اِدارے، یا قاضی کے دستخط، یا مہر۔ اُن کی منکوحہ سے دریافت کیا گیا کہ گواہان کون تھے؟ وکیل کس کو بنایا گیا تھا؟ تو اُنہوں نے اِس پر لاعلمی ظاہر کی کہ وہ اس بارے میں نہیں جانتی ہیں؟

(ب) اب گھر کے ذمہ دار افراد نے یہ کہا کہ آپ اس رشتہ کو عام کیجئے؛ تا کہ سب کو معلوم ہو جائے اور دین سماج میں اس رشتہ کا لحاظ قائم کیا جا سکے تو ان صاحب نے تین ماہ کی مہلت مانگی، جسے گھر والوں نے قبول نہیں کیا کہ اس طرح بنا کسی کو اُجاگر کئے عورت و مرد ایک ڈیڑھ سال سے ایک ہی گھر میں جورہ رہے ہیں، نہیں رہ سکتے؟

(ج) محترم! کیا اس طرح بنا بتائے گھر والوں عزیزوں اور رشتہ داروں میں بات ہضم نہیں ہو رہی ہے کہ یہ رشتہ کس طرح کا ہے اور عزت کی معراج پر جو ضرب پڑ رہی ہے، کیا یہ ان مرد وعورت کے لیے اور گھر کے ذمہ داران کے لیے صحیح ہے؟ حدیث وسنت کی روشنی میں اس کا جواب دینے کی زحمت فرمادیں اور یہ بھی کہ اِن حالات کے معلوم ہونے کے بعد گھر والوں کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ اور انہیں کیا کرنا چاہیے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شریعت میں نکاح کو علانیہ کرنے کا حکم ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”نکاح کا اعلان کرو“۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۶۸/۲)

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح

== وَقِيلَ: لَهُ الِاعْتِرَاضُ وَإِنْ وَلَدَتْ أَوْلَادًا، وَفِي الْمُحِيطِ لَوْ فَارَقَتْهُ بَعْدَ رِضَى الْوَلِيِّ بِنِكَاحِهَا، ثُمَّ تَزَوَّجَتْ مِنْهُ بِدُونِ رِضَاهُ لَهُ الِاعْتِرَاضُ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْفَسْخِ يَتَجَدَّدُ بِتَجَدُّدِ النِّكَاحِ (وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ الْإِمَامِ) وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ (عَدَمَ جَوَازِهِ) أَيْ عَدَمَ جَوَازِ نِكَاحِهَا إذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بِلَا وَلِيٍّ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ وَبِهِ أَخَذَ كَثِيرٌ مِنْ مَشَايِخِنَا؛ لِأَنَّ كَمْ مِنْ وَاقِعٍ لَا يَرْفَعُ (وَعَلَيْهِ فَتْوَى قَاضِي خَانْ) وَهَذَا أَصَحُّ وَأَحْوَطُ وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى فِي زَمَانِنَا إذْ لَيْسَ كُلُّ وَلِيٍّ يُحْسِنُ الْمُرَافَعَةَ وَلَا كُلُّ قَاضٍ يَعْدِلُ فَسَدُّ هَذَا الْبَابِ أَوْلَى خُصُوصًا إذَا وَرَدَ أَمْرُ السُّلْطَانِ هَكَذَا وَأَمَرَ بِأَنْ يُفْتَى بِهِ. (مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱۸۸/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

واجعلوه في المساجد،الخ. (سنن الترمذی: ۱/۱۳۸،رقم:۱۰۸۹،وقال: مرسل حسن، سنن ابن ماجة رقم: ۱۸۹۵، إعلاء السنن:۱۱/۷،السنن الکبریٰ للبیهقی: ۷/۲۹۰)

قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه: أعلنوا النكاح وحصنوا هٰذه الفروج. (المصنف لابن أبی شيبة:۳/۴۵۸،رقم: ۱۶۱۹۳،بيروت)

عن نافع مولى ابن عمر رضی الله عنهما يقول: ليس فی الإسلام نكاح السرِّ. (المصنف لابن أبی شيبة: ۳/۴۸۵،رقم:۱۶۱۹۳،بيروت)

ويندب إعلانه وتقديم خطبته، وكونه فی مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول. (الدر المختار: ۴/۶۶،۶۷،زكريا)

لہٰذا ایسا خفیہ نکاح جس کی خبر عام لوگوں کو نہ ہو شریعت کی روح کے خلاف اور مختلف مفاسد پر مشتمل ہے۔ (اصلاح انقلاب امت:۲/۵۲)

بریں بنا سوال میں جو صورت تحریر کی گئی ہے، وہ ہرگز مناسب نہیں ہے، مذکورہ شخص پر لازم ہے کہ اگر اس نے نکاح کیا ہے تو گواہوں وغیرہ کو برسر عام ظاہر کرے اور اس کا اظہار کیئے بغیر مذکورہ خاتون سے راہ ورسم نہ رکھے، یا اگر فریقین راضی ہوں اور کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو تو اب نکاح برسرعام کرلیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۶/۸/۱۴۳۱ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/۶۱-۶۳)

لڑکے لڑکی کا گھر والوں سے چھپ کر نکاح کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص شادی شدہ ہے، اس نے ایک لڑکی سے اس کے اور اپنے گھر والوں سے پوشیدہ نکاح کرلیا ہے،لڑکی کی طرف سے گواہ بھی انجان اور غیر لوگ تھے،ایک گواہ نے اپنا نام و پتہ بھی غلط تحریر کیا، دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ لڑکی اپنے گھر والوں کو راضی کرکے باقاعدہ نکاح دوبارہ ہوجائے گا،نکاح کی رسید میں تاریخ بھی ایک سال قبل کی تحریر کی ہے؛لیکن تقریباً دس ماہ گزرنے پر بھی صحبت نہیں ہوئی،خلوتِ صحیحہ بھی نہیں ہوئی تو کیا دونوں کا نکاح صحیح ہوا، یا غلط؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر واقعی دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول پایا گیا ہے تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا ہے۔

وينعقد ملتبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۹، کراتشی،۴/۶۹،زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۱/۹/۱۴۱۷ھ۔(کتاب النوازل:۸/۶۳-۶۴)

گھر والوں سے مخفی کرکے بیوہ سے نکاح کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید ایک شادی کرچکا ہے،

اس کے بڑے بڑے بچے بھی ہیں، زید کے پاس جو جائیداد ہے، وہ پہلی بیوی کے نام ہے، مزید اور جو بھی جائیداد خریدتا ہے، اس میں دوسری بیوی کا نام نہیں رکھنا چاہتا ہے، زید دوسرا نکاح کسی بیوہ سے کرنا چاہتا ہے، بیوہ اس بات پر رضامند ہے کہ اسے کسی قسم کی جائیداد، یا پیسے کی خواہش نہیں ہے، چوں کہ اگر زید اپنی دوسری بیوی کے نام جائیداد کردیتا ہے تو گھر میں انتشار ہوجائے گا اور گھر کے سبھی لوگ دوسری بیوی کو طلاق دلوادیں گے، ایسی صورت میں کیا نکاح کرنا اور اس کو مخفی رکھنا جائز ہے؟ زید اس بات پر نکاح کرنے پر رضامند ہے کہ نکاحِ ثانی کو بالکل مخفی رکھا جائے اور اگر نکاح کے بارے میں گھر کے لوگوں کو علم ہوجائے گا تو طلاق دے دوں گا، اِن شرائط کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے؟ اور زید گناہ کا مرتکب تو نہیں ہوگا؟ جواب سے نوازیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر دو گواہوں کی موجودگی میں بیوہ سے باقاعدہ نکاح کرے تو وہ شرعاً منعقد ہوجائے گا اور اس کے نکاح میں رہتے ہوئے اگر شوہر زید کا انتقال ہوگیا تو زید کے ترکہ میں سے وہ بیوی بھی حسبِ حصصِ شرعیہ اپنے حصہ کی مستحق ہوگی اور نکاح کے وقت جو شرطیں لگائی ہیں، اُن سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور آپ نے سوال میں نکاحِ ثانی کو مخفی رکھنے کی جو بات لکھی ہے، یہ بجائے خود فتنہ ہے، نکاح تو بہر حال علانیہ کرنا چاہیے اور اگر آپ کو فتنہ کا ایسا ہی اندیشہ ہے تو بہتر ہے یہ اقدام ہی نہ کریں؛ کیوں کہ ایسے نکاح میں بیوی کی حق تلفی کا قوی اندیشہ ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل، وما كان من نكاح على غير ذٰلک فهو باطل،الخ. (أخرجه ابن حبان في صحيحه،رقم:۷۵،والدار قطني في سننه:۲۲۶/۳،والبيهقي في السنن الكبرىٰ:۱۲۵/۷، إعلاء السنن:۲۵/۱۱)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قوله: لا نكاح إلا ببينة. (سنن الترمذي:۱۴۰/۱،المكتبة الأشرفية ديوبند)

عن أبي الزبير أن عمر رضي اللّٰه عنه أتي برجل في نكاح لم يشهد عليه إلا رجل وامرأة، فقال عمر: هٰذا نكاح السرّ ولا نجيزه، ولو كنت تقدمت فيه لرجمت. (رواه الإمام محمد بن الحسن في الموطأ:۲۴۱/۱،وهو مرسل صحيح)

وأما الرابع: فبأن يخاف الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه؛ لأنه إنما شرع لمصلحة من تحصين النفس وتحصيل الثواب وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هٰذه المفاسد. (البحر الرائق:۱۴۰/۳،زكريا)

ومكروهاً لخوف الجور، فإن تيقنه حرم ذلک، ويندب إعلانه. (الدر المختار مع الشامي:۶۶/۴،زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۱۱/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۸/)

سیّدلڑکی کی غیر سیّدلڑکے سے خفیہ شادی کالعدم ہے:

سوال: میں اور مشتاق ایک دُوسرے سے محبت کرتے ہیں، مشتاق نے میرے گھر رشتہ بھیجا؛ مگر میرے گھر والوں نے یہ کہہ کرانکارکردیا کہ ہم سیّد ہیں، باہر شادی نہیں کریں گے۔ہم نے مایوس ہوکرعلاحدگی میں پانچ آدمیوں کی گواہی میں سادے کاغذات پرنکاح نامہ لکھ کرایجاب وقبول کیا اور شیرینی تقسیم کی اورکورٹ میں جانے کوفرصت پر ٹال دیا؛مگراب صورتِ حال یہ ہے کہ چندوجوہ کی بناپرکورٹ نہ جاسکےتوہماراسابقہ نکاح کافی ہے،یانہیں؟

الجواب

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی سیّد ہےاورلڑکے کاتعلق کسی غیرقریشی خاندان سے ہے،پس اگرلڑکا قریشی نہیں تو وہ سیّدلڑکی کا''کفو''نہیں؛یعنی خاندانی اعتبار سے برابرنہیں،ایسارشتہ والدین کی اجازت سےتو ہوسکتا ہے؛لیکن جب والدین ناخوش ہوں تو نکاح صحیح نہیں،چوں کہ یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں؛اس لیے آپ دونوں میاں بیوی نہیں بنے اوراگرآپ کورٹ جاکرنکاح کرلیں گے،والدین کی اطلاع واجازت کے بغیر یہ نکاح جب بھی نہیں ہوگا۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کاحل:۱۴۲/۶)

نکاح کا اعلان:

سوال: بوقتِ نکاح اعلان کرنا ضروری ہے،یانہیں؟اوراگر بارات کے آدمی کثرت سے موجود ہوں،پھربھی

---

(۱) وَأَنَّ الْمُفْتَى بِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ الْإِمَامِ مِنْ عَدَمِ الِانْعِقَادِ أَصْلًا إذَا كَانَ لَهَاوَلِيٌّ لَمْ يَرْضَ بِهِ قَبْلَ الْعَقْدِ فَلَا يُفِيدُ الرِّضَا بَعْدَهُ.(البحرالرائق،باب الأولياء والأكفاء:۱۳۷/۳،دارالمعرفة بيروت)

نفذ نِكاح حرَّة مكلفة بِلَا ولى وَله الِاعْتِرَاض فِي غير الكفو وروى الْحسن عَن الامام عدم جوازه،الخ.(ملتقى الأبحر)(وَلَهُ) أَيْ لِكُلٍّ مِنْ الْأَوْلِيَاءِ إذَا لَمْ يَرْضَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ (الِاعْتِرَاضُ) أَيْ وِلَايَةُ الْمُرَافَعَةِ إلَى الْقَاضِي لِيَفْسَخَ وَلَيْسَ هَذَا التَّفْرِيقُ طَلَاقًا حَتَّى لَا يَنْقُصَ عَدَدُ الطَّلَاقِ وَلَا يَجِبُ شَيْءٌ مِنْ الْمَهْرِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَلَوْ بَعْدَهُ لَهَا الْمُسَمَّى، وَكَذَا بَعْدَ الْخَلْوَةِ الصَّحِيحَةِ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا نَفَقَةُ الْعِدَّةِ وَلَا يَثْبُتُ إلَّا بِالْقَضَاءِ لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ وَالنِّكَاحُ صَحِيحٌ يَتَوَارَثَانِ بِهِ إذَا مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْقَضَاءِ (فِي غَيْرِ الْكُفْءِ) دَفْعًا لِضَرَرِ الْعَارِ، فَإِنْ رَضِيَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ لَيْسَ لِمَنْ فِي دَرَجَتِهِ أَوْ أَسْفَلَ اعْتِرَاضٌ هَذَا إذَا لَمْ تَلِدْ مِنْهُ وَأَمَّا إذَا سَكَتَ حَتَّى وَلَدَتْ فَلَيْسَ لَهُ الِاعْتِرَاضُ لِئَلَّا يَضِيعَ الْوَلَدُ كَمَا فِي أَكْثَرِ الْمُعْتَبَرَاتِ وَقِيلَ: لَهُ الِاعْتِرَاضُ وَإِنْ وَلَدَتْ أَوْلَادًا،وَفِي الْمُحِيطِ لَوْ فَارَقَتْهُ بَعْدَ رِضَى الْوَلِيِّ بِنِكَاحِهَا، ثُمَّ تَزَوَّجَتْ مِنْهُ بِدُونِ رِضَاهُ لَهُ الِاعْتِرَاضُ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْفَسْخِ يَتَجَدَّدُ بِتَجَدُّدِ النِّكَاحِ (وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ الْإِمَامِ) وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ (عَدَمَ جَوَازِهِ) أَيْ عَدَمَ جَوَازِ نِكَاحِهَا إذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بِلَا وَلِيٍّ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ وَبِهِ أَخَذَ كَثِيرٌ مِنْ مَشَايِخِنَا؛ لِأَنَّ كَمْ مِنْ وَاقِعٍ لَا يَرْفَعُ (وَعَلَيْهِ فَتْوَى قَاضِي خَانْ) وَهَذَا أَصَحُّ وَأَحْوَطُ وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى فِي زَمَانِنَا إذْ لَيْسَ كُلُّ وَلِيٍّ يُحْسِنُ الْمُرَافَعَةَ وَلَا كُلُّ قَاضٍ يَعْدِلُ فَسَدُّ هَذَا الْبَابِ أَوْلَى خُصُوصًا إذَا وَرَدَ أَمْرُ السُّلْطَانِ هَكَذَا وَأَمَرَ بِأَنْ يُفْتَى بِهِ.(مجمع الأنهر،باب الأولياء والأكفاء:۱۸۸/۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

ضروری ہے، یا نہیں؟ اور کس چیز سے شریعت میں اعلان کرنا جائز ہے؟ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی میں گانے بجانے کے ساز و باز جو برات مروج ہے، ان سے اعلان کرایا جاتا ہے۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نکاح کا اعلان مندوب ہے۔

"**ویندب إعلانه، آه**". (الدر المختار: ۴۰۴/۲)(۱)

اعلان کے لیے بوقتِ عقد محض دف بجا دینا کافی ہے اور طریقۂ مروجہ پر ساز وغیرہ بجانا جیسا کہ سوال میں درج ہے، جائز نہیں۔

"**وکره کل لهو: أی کل لعب وعبث، والثلاثة بمعنی واحد کما فی شرح للتأویلات، والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه کالرقص والسخریة والتصفیق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والرباط والصنج والبوق، فانها کها مکروهة؛ لأنها زی الکفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغیر ذلک حرام، آه**". (شامی: ۲۷۹/۵)(۲)

"**وعن الحسن: لا بأس بالدف فی العرس لیشتهر. وفی السراجیة: هذا اذا لم یکن له جلال جل ولم یضرب علی هیئة التطربن، آه**". (شامی: ۲۴۷/۵)(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱/۱۳۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۶/۱۰-۴۷۷)

نکاح کا اعلان کرنا کیسا ہے:

سوال: **ماقولکم دام فضلکم ورحمکم ربکم** درصورتیکہ درعدم اعلان بدہل، اگر نکاح کردہ می شود، نکاح چنداں مشتہر نمی گردد و عدم تشہیر آں باعث چند فسادات می گردد خویشاں و اقارب منکوحہ کہ عدم رضائے اوشان درنکاح است، درسر کار دعویٰ باطلہ رائے نکاح خود می کنند و ایں چنیں فسادات دریں دیار خیلے سرزدمی شود، آیا درصورت اعلان بطبل کہ آں باعث اجتماع ناس است، ہم چنیں فسادات کمتر می شود، لہذا امر ایں چنیں حالت اگر دروقت نکاح اعلان بطبل بوجہی کردہ شود کہ اجتماع نان ازاں حاصل آید شرعاً ممنوع است، یا نہ؟

---

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید

"وروی الترمذی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "اعلنوا هذا النکاح، اجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف"، کذا فی فتح القدیر. (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۴۳/۳، رشیدیه) (ومشکاة المصابیح، کتاب النکاح، باب إعلان النکاح والخطبة، آه، الفصل الأول: ۲۷۲/۲، قدیمی)

(۲) رد المحتار، کتاب الحظرف والاباحة، فصل فی البیح: ۳۹۵/۶، سعید

(۳) ردالمحتار، کتاب الحظر والابحاة: ۳۵۰/۶، سعید

الجواب

اعلان نکاح مسنون ومستحب است، کما فی الدر المختار ویندب إعلانه أی إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد، لحديث الترمذی: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف، الخ. (۱)

پس معلوم شد کہ اعلان بالدف در نکاح جائز است۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۴۹-۱۵۰)

اعلانِ نکاح کے مصالح:

سوال: آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ''نکاح سے پہلے، یا نکاح کے بعد اعلان ہو'' اعلان ہونا سخت خطرناک امر ہے، خاکسار کی تو یہ ہی عرض ہے کہ خفیہ نکاح کی اطلاع خاص قاضی اور دو گواہوں کو ہو اور کسی بچہ تک کو بھی نہ معلوم ہو سکے؛ کیوں کہ پوشیدہ نکاح سے لوگوں سے کسی قسم کا فتنہ فساد نہیں ہوتا ہے، اگر نکاح سے پہلے، یا بعد میں اطلاع دی جاوے تو سخت نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ صرف خادم کی یہ عرض ہے، نکاح کی اطلاع اعلان تا زندگی معلوم نہ ہو۔ آپ یہ فرماویں کہ تا زندگی کے لیے خفیہ نکاح جائز ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

شرعاً نکاح صرف دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو جاتا ہے، (۳) البتہ اس کا اعلان کرنا مستحب ہے، (۴) اس میں بھی مصلحتیں ہیں، مثلاً اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ کہیں چلا گیا، یا مر گیا اور عورت نے نکاح سے انکار کر دیا تو قضاءً ثبوت

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار کتاب النکاح: ۲/۳۵۹-۳۶۰، ظفير

(۲) سوال جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بذریعہ دف نکاح کا اعلان جائز ہے؛ بلکہ اعلان کرنا چاہیے، جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے؛ مگر اس اعلان کو باجہ اور ڈھول ڈپا کا بہانہ ہرگز نہ بنانا چاہیے۔

وفی الذخيرة: ضرب الدف فی العرس مختلف فيه، ومحله ما لا جلاجل، أما له جلاجل، فمكروه. (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۲/۸۶، ظفير)

(۳) ''ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين عدولا كانوا أو غير عدول، الخ''. (الهداية، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، مکتبہ شرکة علمیه ملتان)

(۴) ''وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ''أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا عليه بالدفوف''. (رواه الترمذی)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: ''أعلنوا هذا النكاح'': أی بالبينة، فالأمر للوجوب، أو بالاظهار والاشتهار، فالأمر للاستحباب، الخ''. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب اعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی: ۶/۳۱۲، رشيديه)

''ويندب إعلانه''. (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعيد)

میں دشواری ہوگی، اولاد کے نسب میں بھی اشکال ہوگا، جن لوگوں کو نکاح کا علم نہیں، وہ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے، زوجین کے تعلقات کو حرمت اور زنا وغیرہ پر محمول کریں گے، اہلِ تجربہ سے یہ اشیاء مخفی نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/محرم ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۵/۱۰-۴۷۶)

نکاح شہرت سے بہتر ہے، یا خفیہ طور پر:

سوال: نکاح شرعاً شہرت کے ساتھ ہونا چاہیے، یا خفیہ طور پر؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ شہرت کے ساتھ ہونا چاہیے، (۲) اور دو گواہوں کے روبرو اگر خفیہ بھی ایجاب وقبول ہو جاوے تو نکاح صحیح ہے۔(۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۵/۷)

بذریعہ دف نکاح کا اعلان کرنا:

سوال: نکاح کا اعلان دف کے ذریعے کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

نکاح کی تشہیر واعلان سنت ہے، (۴) پھر دیگر ممنوعات شرعیہ سے خالی ہونے کی صورت میں دف کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے۔

---

(۱) عَنْ بُدَيْلِ بْنِ وَرْقَاءَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَنْ أَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ التُّهَمَةِ، فَلَا يَلُومَنَّ مَنْ أَسَاءَ بِهِ الظَّنَّ. (مكارم الأخلاق للخرائطي، باب مايستحب للمرء من التحرز أن يساء به، رقم الحديث: ٤٧٧، انيس)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلا تَجَسَّسُوا، وَلا تَنَافَسُوا، وَلا تَحَاسَدُوا، وَلا تَبَاغَضُوا، وَلا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا. (موطأ الإمام محمد، باب مايكره من الكذب وسوء الظن، رقم الحديث: ٨٩٦، انيس)

(۲) عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: اعلنوا النكاح واضربوا عليه بالغربال (أى الدف). (سنن ابن ماجة، باب إعلان النكاح: ٩٠/٣، رقم الحديث: ١٨٩٥، انيس)

عن الربيع بنت معوذ قالت: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل على صبيحة بنى بى، فجلس على فراشى كمجلسك منى، فجعلت جويريات لنا يضربن بدف لهن ويندبن من قتل من آبائى إلى أن قالت إحداهن: وفينا نبى يعلم ما فى غد، فقال لها: دعى هذه وقولى الذى كنت تقولين. (صحيح البخارى، رقم الحديث: ٤٠٠١، انيس)

(۳) "ولا يشترط الأعلان مع الشهود، لما فى التبين: أن النكاح بحضور الشاهدين يخرج عن أن يكون سرّاً ويحصل بحضورهما الإعلان، آه". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ٩٤/٣، دار الكتاب الإسلامى بيروت، انيس)

(۴) ضرف الدف فى النكاح إعلانا وتشهيراً سنة ويجب أن يكون بلا سنجات وجلاجل. (الفتاوىٰ الغياثية، كتاب الإستحسان، الفصل الرابع، ص: ١٠٩، ط: كوئٹه، انيس)

روی عن النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اعلنوا ھٰذا النکاح،الخ.(مشکاۃ المصابیح:۲۷۲/۲، کتاب النکاح)

قال الشیخ الطوری:وعن الحسن بن زیادلابأس بأن یکون فی العرس دف یضرب بہٖ یشتہر ویعلن النکاح ... وفی الذخیرۃ: لابأس بضرب الدف فی العرس والولیمۃ والأعیاد. (تکملۃ البحر الرائق:۱۸۹/۸، کتاب الکراھیۃ،قبیل:فصل فی اللبس) (فتاوی حقانیہ:۲۹۶/۴)

نکاح میں دف کا حکم:

سوال: نکاح کے وقت دف بجانے کا؛ یعنی دھپڑا بجانا، جو کہ بھنگی بجاتا ہے، اکثر فقہاء کے کلام سے جواز؛ بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے اور تکملہ فتح القدیر سے طبل کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے،(۱) اس میں قول فیصل کیا ہے، ایسی شادی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ طبل کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب ________________ حامداً ومصلیاً

اصل مقصود اعلانِ نکاح ہے اور دف اس کا ایک ذریعہ ہے، بعد حصولِ مقصود ذریعہ کی تحصیل بے سود ہوتی ہے، کتب فقہ وحدیث میں دف کی اسی حیثیت سے اباحت، یا ترغیب مذکور ہے اور دیگر بعض ائمہ کے نیز داعلان لازم ہے، بغیر اس کے نکاح صحیح نہیں ہوتا؛ مگر ان کے نزدیک گواہ شرط نہیں اور حنفیہ کے نزدیک گواہ شرط ہونے کی وجہ سے اعلان کو مستحب قرار دیا ہے کہ زبانِ طعن کشادہ نہ ہو اور ظنون میں فساد نہ آئے اور یہ بھی مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ جلا جلہ نہ ہو اور ہیئتِ تطرب پر نہ بجایا جائے ۔

”قال الفقیہ أبو اللیث السمرقندی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ بعد نقل الأقوال والدلائل : ”أما الدف الذی یضرب فی زماننا ھذا مع الفنجات والجلاجل ینبغی أن یکون مکروھاً بالاتفاق، وإنما الاختلاف فی الدف الذی کان یضرب فی الزمن المتقدم ،واللّٰہ اعلم“.(بستان،ص:۱۱۹)(۲)

”قال الشامی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ:جواز ضرب الدف فیہ خاص بالنساء، لما فی البحر عن المعراج بعد ذکر ہ:أنہ مباح فی النکاح وما فی معناہ من حادث سرور، قال:وھو مکروہ للرجل علی کل حال للتشبہ بالنساء“.(رد المحتار:۵۳۰/٤،کتاب الشھادۃ، باب القبول وعدمہ)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ دف کا مصداق یہ ہے کہ بچیاں ڈھپڑی بنا کر کچھ دیر کے لیے بجالیں اور بس۔

---

(۱) لم أجد فی نتائج الأفکار تکملۃ فتح القدیر إلا بلفظ:”والنوع الثانی مباح :وھو الدف فی النکاح،وفی معناہ ما کان من حادث سرور، ویکرہ“.(کتاب الشھادات، باب من تقبل شھادتہ ومن لا تقبل: ۴۰۹/۷، مصطفی البابی الحلبی مصر)

وعین ھذہ العبارۃ أیضاً فی فتح القدیر فی ھذا الباب:۴۱۰/۷،ولایو جد فیھا ذکر الطبل فقط واللّٰہ تعالی اعلم

(۲) بستان العارفین للسمرقندی ، الباب والثمانون فی ضرب الدف،ص:٦٥،رشدیہ

(۳) رد المحتار ، کتاب الشھادات، باب القبول وعدمہ:۴۸۲/۵،سعید

الدف هو البضم والفتح معروف: أي الذي يطبل به، والمراد في الحديث يضرب الدف على النكاح أعلان النكاح". (مجمع البحار: ۱/٤١٥)(۱)

''طبل'' کا لفظ ''دف'' سے عام ہے۔

''طبل بالفتح دھل یک رویہ باشد، یادوریہ''۔ (منتہی الأرب:۳/۱۱۱۱)(۲)

جس جگہ عرس میں طبل کا جواز معلوم ہوتا ہے، وہاں ایک رؤیہ مراد ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی تحریر میں اس کا مدلل کیا ہے، جس مجلس میں دف، یا طبل ممنوع موجود ہو، اس میں شرکت ممنوع ہے۔ (كذا في الدر المختار) (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب ۱۳۶۶ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/رجب/۶۶ ۱۳ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/رجب/۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۱۷)

دف بجا کر اعلان نکاح کا منشا کیا ہے اور کتنی دیر بجایا جائے:

سوال: حدیث ''أعلنوا النكاح واضربوا عليه بالدفوف''، ضمیر راجع بہ نکاح بمعنی عقد است، آیا چند بار زدن دفوف جائز واز کدام زماں تا بکدام حین واگر اعلان یعنی اظہار عقد بزن دف چند بار یا بدیگر چیز شدہ بود، پس دوم بار یزدن دف اعلان بعد اعلان نمودن جائز باشد، یانہ؟

الجواب

ہرگاہ درصریح حدیث ضرب دفوف علی الاطلاق وارد است، پس بقید اعداد واز مان واحیان نخواہد شد بہر قدر کہ اعلان حاصل شود وہر قدر کہ مروج است جائز است واگر اعلان باشیاء دیگر شود کافی است حاجت ضرب دفوف نیست؛ لیکن اگر باوجود حصول اعلان باشیاء دیگر ضرب دفوف کردہ شود ممنوع نخواہدہ شد، لاطلاق الحدیث۔ (۴) (ماحصل یہ ہے کہ جتنے سے اعلان ہو جائے، اتنی دیر دف بجانے میں مضائقہ نہیں۔ ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۷/۱۵۰)

---

(۱) باب الدال مع الفاء من مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار لمحمد ظاهر الفتني الكجراتي: ۲/ ۱۸۸، مطبع مجلس دائرة المعارف حيد آباد دكن

(۲) منتہی الأرب:۳/۳۶، باب الطاء، فصل الباء، مطبوعہ اسلامی سٹیم پریس لاہور، ۱۹۲۶ء

(۳) "دعى إلى وليمة وثمة لعب أو غناء ...فلو على المائدة، لا نيبغى أن يقعد بل يخرج معرضاً، لقوله تعالىٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكر ى مع القوم الظالمين﴾ ... فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع، خرج ولم يقعدلأن فيه شين الدين". (الدر المختار ، كتاب الحظر والإباحة ،قبيل فصل في اللبس : ٦/ ٣٤٧،سعيد)

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ. (سنن الترمذي،باب ماجاء في إعلان النكاح،رقم الحديث: ۱۰۸۹،انيس)

عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَعْلِنُوا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالْغِرْبَالِ؛ يَعْنِي الدُّفَّ. (مسند البزار،عامر بن عبدالله بن الزبير عن أبيه،رقم الحديث: ۲۲۱٤،انيس)

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان:

سوال: گانا بجانا اور سننا عامۃ جب حرام ہے تو دف باجا کس طرح حلال ہوا؟ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ''اعلانِ نکاح اس سے کیا جاوے'' اس سے دف کے باجے کی اباحت معلوم ہوتی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نکاح کے اعلان کا حکم ہے، جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس پر دف بجایا جائے، اگر اعلان بلا دف کے ہو جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے اور دف بھی وہ جس میں جلاجل نہ ہو، جلاجل کے ساتھ مکروہ ہے۔

"وروی الترمذی عن عائشة رضی اللّٰه عنها قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "أعلنوا هذا النکاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف" کذا فی فتح القدیر والذخیرة. (۱)

اور محض ضربِ دف اور ضربِ غربال جس میں کوئی تطریب نہ ہو، صرف صوت مسموع ہو، اس میں کوئی لذت اور حظ نہیں ہے جیسا کہ سحری کی اطلاع کے لیے نقارہ بجا دیا جائے، یا مدرسہ کے وقت کے لیے گھنٹہ بجا دیا جائے۔

العرف الشذی میں ہے:

"(قوله: الدف، الخ) ما یکون مجلدا من جانب واحد، وصرح الفقهاء بعدم جواز ذی جلاجل، أقول: تدل المسائل علی التوسیع وجواز ما یقال له: الدهل، وجواز النقارة والطبل، فإنه لا ذوق ولا حظ فی هذه الأشیاء". (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۴/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۷۷-۴۷۸)

محفل نکاح میں کس قسم کا دف بجانے کی اجازت ہے:

مسئلہ: اعلان نکاح کے واسطے دف کا بجانا درست ہے، بشرطیکہ جھانجھ دار نہ ہو۔ **قال فی مسند الإمام عن السراجی:** ''مضائقہ نیست بہ شب عروسی زدن دف بنا بر اعلان نکاح، وقتیکہ جلاجل دار نہ باشد'' انتہیٰ۔ (۳)

---

(۱) **البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱٤۳، رشیدیه**

(۲) **العرف الشذی، باب اعلان النکاح: ۱/۲۰۸، سعید**

"قال الفقهاء: المراد بالدف ما لا جلاجل له، کذا ذکره ابن الهمام". (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، باب اعلان النکاح والخطبة والشرط: ٦/۲۱۳)

(۳) ترجمہ: رخصتی کی رات اعلان نکاح کے خیال سے دف بجانے میں حرج نہیں ہے، جب تک اس میں گھونگرو [جھانجھن] نہ ہوں۔ (اصل میں اسی طرح ہے؛ مگر اس عبارت اور اس میں مذکور حوالوں میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں مسند الامام سے فتاوی سراجیہ میں نقل کیا گیا ہے تو وہ اول عربی ہوگا، دوسرے مسند الامام حدیث کی کتاب ہے اور فتاویٰ سراجیہ فقہ و مسائل کی۔ اگر سراجیہ نے اس سے کچھ نقل کیا ہے تو وہ روایت ہوگی، مسئلہ نہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ دونوں کی عبارت فارسی میں نہیں ہو سکتی، اس کو عربی میں ہونا چاہیے تھا، اس فارسی اقتباس سے ایسا لگتا ہے کہ یہ متأخر دور کے کسی ہندوستانی عالم کی تحریر کا اقتباس ہے، غلطی سے اس پر مسند الامام اور سراجیہ لکھا گیا۔ فقط واللہ اعلم (نور)

باقی جملہ آلات معازف ومزامیر، خورد وکلاں، خواہ ہاتھ سے بجائے جائیں، یا منھ سے حرام اور اس کی اجرت بھی حرام ہے اور ایسی مجلس میں جانا بھی حرام ہے، یہی مذہب تمام فقہاء کا ہے۔

قال فی الهداية:"ولا يجوز الاستئجار علىٰ الغناء والنوح وكذا سائر الملاهی، لأنه استيجار علىٰ المعصية والمعصية لاتستحق بالعقد" انتهىٰ.(۱)

"وقال سيدنا قطب الأقطاب الشيخ عبد القادر جيلانی فی غنية الطالبين: هٰذا الذی ذكرناه إذا كان خالياً عن المنكر فإن حضره منكر كالطبل والمزمار، والعود، والناى، والشيز، والشبابة، والرباب، والمغانی، والطنابير، والجعران التی بها الترك لايجلس هناك لأن جميع ذلك محرم وأما الدف فيجوز استعماله فی النكاح وسماع القول بالقصب والرقص مكروه، انتهىٰ".(۲)

قال فی الحمادية: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:"إن الله كرّه لكم الخمر والميسر والمزمار والمعازف والكوبة". (الحديث) (فتاوی حمادية، ص:۵۵)

فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص:۸۴-۸۵) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۵۰-۲۵۱)

کیا دف صرف نکاح کے لیے مباح ہے:

سوال: دف کی اباحت خاص نکاح کے وقت ہے، یا ہر وقت؟

الجواب

خصوصیت نکاح کی نہیں ہے۔(۳) واللہ اعلم

(مجموعہ رام پور، ص:۸) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۵۱)

نکاح میں اعلان کے لیے باجہ بجانا کیسا ہے:

سوال: اعلان کے لیے نکاح میں باجے حلال ہیں، یا نہیں؟

---

(۱) الهداية، باب الإجارة الفاسدة:۳۰۱/۳، أصح المطابع، نيز باب الإجارة الفاسدة:۳۰۳/۳)

(۲) غنية الطالبين، فصل فی آداب الأكل والشرب: ۵٦/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) قال الشيخ الطوری: وعن الحسن بن زياد لابأس بأن يكون فی العرس دف يضرب به يشتهر ويعلن النكاح ... وفی الذخيرة لابأس بضرب الدف فی العرس والوليمة والأعياد. (تكملة البحر الرائق: ۱۸۹/۸، كتاب الكراهية، قبيل: فصل فی اللبس، انيس)

جواز ضرب الدف فيه خاص بالنساء، لما فی البحر عن المعراج بعد ذكره: أنه مباح فی النكاح وما فی معناه من حادث سرور، قال: وهو مكروه للرجل علی كل حال للتشبه بالنساء". (رد المحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۴۸۲/۵، ط: سعيد، انيس)

الجواب

اعلان نکاح کے لیے دف بجانا حلال ہے اور باقی باجے سب حرام ہیں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۵۸)

شادی میں ڈھول بجانے کو دف پر قیاس کرنا:

سوال: شادی کے موقع پر بڑی عمر کی عورتوں، یا جوان عورتوں کا آپس میں دف بجا کر گیت گانا (جس میں فحش کلام نہ ہو) جائز ہے، یا نہیں؟ ہمارے علاقہ میں اکثر شادیوں کے موقع پر ڈھول بجا کر اسی طرح کے گیت گانے کا رواج ہے۔ اگر اس عمل سے روکا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ خوشی کا موقع ہے، پھر خوشی کے اظہار کے لیے کیا کریں؟ لہٰذا اگر دف بجا کر گیت گانا جائز ہے تو ڈھول وغیرہ کی خرافات کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کو ''دف'' کی ترغیب دے سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور مزید یہ کہ دف کا اطلاق گھروں میں رکھے ہوئے برتنوں، مثلاً پرات وگھڑا وغیرہ پر ہوتا ہے، یا نہیں؟ کہ اگر دف دستیاب نہ ہو تو ان کو بجا کر گیت گایا جائے؟ عام طور پر لوگ اس موقع پر حدیث ''أعلنوا النکاح ولو بالدف'' اور بخاری شریف میں موجود حضرت ربیع بنت معوذ کی شادی کے موقع پر دف بجایا جانا وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ کیا یہ استدلال صحیح ہے؟

الجواب　　بعون الملك الوهاب

شادی اگرچہ خوشی کا موقع ہے اور اسلام خوشی کا اظہار کرنے سے نہیں روکتا؛ لیکن اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ خوشی کے اظہار میں حد سے تجاوز کیا جائے، ناجائز اور غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جائے، لہٰذا اس موقع پر ڈھول بجا کر گیت وغیرہ گانا ناجائز اور حرام ہے، البتہ شریعت نے اس موقع پر نکاح کی تشہیر کی غرض سے دف (پرات، گھڑا وغیرہ) بجانے اور اشعار پڑھنے کی رخصت دی ہے؛ لیکن اس میں بھی مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱)　ایسا دف ہو، جس میں ''گھنگھرو'' لگے ہوئے نہ ہوں۔
(۲)　پیشہ ور گلوکاروں اور موسیقاروں کی طرز پر نہ بجایا جائے اور نہ قواعدِ موسیقی کی رعایت کی جائے۔
(۳)　دف بجانے والی عورتیں ہوں، نہ کہ مرد۔
(۴)　ایسے اشعار ہوں، جن کا مضمون فحش اور فتنہ میں ڈالنے والا نہ ہو۔
(۵)　عورتوں کی آواز مردوں تک نہ پہنچے۔

ان مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ کر کے دف بجانا اور اشعار کا پڑھنا جائز ہے، ورنہ ناجائز ہوگا، البتہ ہمارے زمانے میں

(۱)　هذا الذی ذکرناه إذا کان خالیاً عن المنکر فإن حضره منکر کالطبل والمزمار، والعود، والنای، والشیز، والشبابة، والرباب، والمغانی، والطنابیر، والجعران التی بها الترک لایجلس هناک لأن جمیع ذلک محرم وأما الدف فیجوز استعماله فی النکاح وسماع القول بالقصب والرقص مکروه، انتهٰی''. (غنیة الطالبین، فصل فی آداب الأکل والشرب: ۱/۵٦، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس)

لوگ ایسے مواقع پر شریعت کی دی ہوئی حدود کا لحاظ نہیں رکھتے؛ اس لیے ان چیزوں سے احتیاط ہی بہتر ہے۔ مزید یہ کہ نکاح کے موقع پر دف بجانے سے مقصود نکاح کی تشہیر ہے اور آج کل اس کے بغیر بھی مقصود حاصل ہوجاتا ہے، لہذا اس کی ضرورت نہیں رہی۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۳/۲): قالت الربیع بنت معوذ ابن عفراء، جاء النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فدخل حین بنی علی، فجلس علی فراشی کمجلسک منی، فجعلت جویریات لنا، یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر، إذ قالت إحداهن: وفینا نبی یعلم ما فی غد، فقال: دعی هذه، وقولی بالذی کنت تقولین.

وفی مشکاة المصابیح (۳۱۸/۲) باب الخمر ووعید شاربها: وعن أبی أمامة قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إن اللّٰہ تعالی بعثنی رحمة للعالمین وهدی للعالمین وأمرنی ربی عزوجل بمحق المعازف والمزامیر والأوثان والصلب وأمر الجاهلیة وحلف ربی عز وجل: بعزتی لا یشرب عبد من عبیدی جرعة خمر إلا سقیته من الصدید مثلها ولا یترکها من مخافتی إلا سقیته من حیاض القدس". (رواه أحمد)

وفی مرقاة المفاتیح (۲۱۹/۷): (قوله: بمحق المعازف) أی بمحو آلات اللهو وفی النهایة العزف اللعب بالمعازف وهی الدفوف وغیرها مما یضرب وقیل إن کل لعب عزف.

وفی نیل الأوطار (۲۴۳/۴): واخرج القاسم بن سلام عن علی ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن ضرب الدف والطبل وصوت المزمار.

وفی المرقاة أیضاً (۲۷۵/۶) باب إعلان النکاح: بل المراد الترغیب إلی إعلان أمر النکاح بحیث لا یخفی علی الاباعد فالسنة إعلان النکاح بضرب الدف وأصوات الحاضرین بالتهنئة أو النعمة فی إنشاد الشعر المباح.

وفی فتح الباری (۱۸۵/۹): واستدل بقوله واضربوا علی أن ذلک لا یختص بالنساء لکنه ضعیف والأحادیث القویة فیها الإذن فی ذلک للنساء فلا یلتحق بهن الرجال لعموم النهی عن التشبه بهن.

وفی أحکام القرآن للتهانوی (۲۲۶/۳): لان الغناء یطلق علی رفع الصوت وعلی الترنم الذی تسمیه العرب النصب وعلی الحداء ولا یسمی فاعله مغنیا... ثم هذا کله کلام علی الغناء من حیث انه غناء مع قطع النظر عما ینضم الیه من المنکرات والمعاصی عادة باجتماع اهل الهوی والسماع عن النساء والاجنبیات او من الامارد او سماع ما یتضمن الحرام من الکلام کالتشبیب بامراة مسماة معروفة حیة او کغیبة انسان... فانه حرام باطباق النصوص وباجماع المسلمین لایختلف فیه مسلمان، اه.

وفیہ أیضاً (ص:۲۳۴): قد تلخص مما ذکرنا من روایات المذهب وأقوال المشائخ الحنفية قدس اسرارهم انهم اتفقوا على تحريم الآلات المطربة بنفسها من دون الغناء وعدوا الدف الذى فيه الجلاجل منها كمافى ردالمحتار والبحر، واختلفوا فى الدف والقضيب وأمثالهما فى النكاح وامثاله... وانهم اتفقوا على اباحة الغناء لنفسه بشرائط.

وفى الشامية (۶/۳۵۰): وعن الحسن لا بأس بالدف فى العرس ليشتهر وفى السراجية هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب، آه. (نجم الفتاویٰ:۴/۰)

شادی میں دَف بجانے کے جواز سے بینڈ باجے پر اِستدلال کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی میں دف بجانے کے متعلق حدیث میں آیا ہے؛ لیکن فی زمانناد عوت نامہ اورٹوئیس کو چھاپتے ہیں اوراس کو ہر آدمی کے ہاتھ دیا جاتا ہےاور ٹوئیس کو اکثر جگہ میں لگایا جاتا ہےاورشادی بھی شادی ہال میں ہوتی ہے،اس طرح کے کسی اعلان کے باوجود بھی دف بجانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور وہ بھی جلاجل اور راگ راگنی اور سیٹی کے ساتھ بجایا جاتا ہےاور بعض شہروں میں تو نوجوانوں کا ایک گروہ باقاعدہ مشق کر کے اس کو اپنا پیشہ بنا چکا ہےاور شادیوں میں بجاتا ہے،اس طرح کا دف بجانا سنت ہے، یا حرام مردوں کا کام ہے، یا عورتوں کا؟ اوراس کو بجانے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

پہلی بات تو یہ کہ دف کا مقصد اعلان نکاح ہے، اگر یہ مقصد کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوگا تو پھر دف کی ضرورت بالکل نہیں رہتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس دف کی اِجازت بعض اَحادیث میں ہے، وہ آج کے معروف دف سے بالکل مختلف ہے، آج دف میں راگ اور موسیقی کے تمام آداب ملحوظ رکھے جاتے ہیں، جوکسی بھی طرح جائز نہیں ہےاور دَف کے جواز کی روایت سے موجودہ زمانہ کے بینڈ باجوں کے جواز پر استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ (جواہر الفقہ :۱۱۲-۲۱۳)

قال الفقهاء: المراد بالدف ما لا جلاجِلَ له، كذا ذكره ابن الهمام. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ،باب إعلان النكاح:۶/۳۱۶،زكريا)

قال الفقيه أبو الليث السمرقندیؒ بعد نقل الأقوال والدلائل: أما الدف الذى يضرب فى زماننا هٰذا مع الفنجات والجلاجل ينبغي أن يكون مكروهًا بالاتفاق، وإنما الاختلاف فى الدف الذى كان يضرب فى الزمن التقدم، والله أعلم. (بستان العارفين،الباب الثالث والثمانون فى ضرب الدف: ۶۵،کوئٹہ، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۴۲۸،میرٹھ)

عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه أنه سئل عنها ؟ فقال: الغناء والذى لا إلٰه إلا هو. (المصنف لابن أبی شيبة: ۱۱/۱۰۱،رقم:۲۱۵۳۷)

قال إبراهيم: الغناء ينبت النفاق فی القلب قال: وقال مجاهد: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ هو الغناء. (المصنف لابن أبی شيبة: ۱۱/۱۰۲، رقم: ۲۱۵۳۷)

الملاهی كلها حرام حتی التغنی بضرب القصب. (البحر الرائق، فصل فی اللبس: ۱۸۸/۸، كوئٹه)

ودلت المسئلة أن الملاهی كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق فی القلب كما ينبت الماء النبات وفی البزازية: استماع صوت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام. (الدر المختار، الحظر والإباحة: ۵۰۲/۹-۵۰۴، زكريا)

قال رحمه اللّٰه تعالیٰ: السماع والقول والرقص الذی يفعله المتصوفة فی زماننا حرام لايجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو الغناء والمزامير سواء. (الفتاویٰ الهندية ۳۵۲/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۴/۷/۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۸۵/۸-۴۸۶)

دف کتنی دیر تک بجانا درست ہے:

سوال: نکاح میں دف بجانا کتنی دیر تک جائز ہے؟

الجواب

دف بجانا بقصد اعلان نکاح جائز رکھا ہے، پس جس قدر ضرورت اعلان میں ہے، وہاں تک مباح ہے۔ (باقی اس کو بہانہ بنا کر ڈھول صبح سے شام تک پٹوانا درست نہیں، یہ پھر اعلان کے بجائے باجا کے حکم میں ہوجاتا ہے۔ ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۸/۷)

دف کی اجازت ہے؛ مگر یہ کہنا کہ بغیر باجا نکاح حرام ہے، بددینی ہے اور کفر کا خوف ہے:

سوال: تقویۃ الایمان کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ تبوک کی لڑائی کے بعد دف کو منع فرمایا تھا اور جو شخص یہ کہے کہ جس نکاح میں باجہ نہ ہو، وہ نکاح حرام ہے، اس شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

فقہائے احناف نے دف کی اجازت دی ہے۔

شامی میں ہے: ويندب إعلانه أی اظهاره والضمير راجع إلی النكاح بمعنی العقد. (۱)

ولحديث الترمذی: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه الدفوف، فتح. (۲)

جو شخص یہ کہے کہ جس بیاہ میں باجا وغیرہ نہ ہو، وہ حرام ہے، الخ، وہ شخص فاسق ہے؛ بلکہ اس کے کفر کا خوف ہے، توبہ کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۸/۷-۱۵۹)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۵۹/۲، ظفير

(۲) دیکھئے: مشكاة المصابيح، باب إعلان النكاح، ص: ۲۷۲، ظفير (سنن الترمذی، باب ماجاء فی إعلان النكاح، رقم الحديث: ۱۰۸۹، عن عائشة رضی اللّٰه عنها، انيس)

نکاح میں دف اور گولہ:

سوال: بیاہ شادی میں دو چار گولہ اور دف کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے، لہٰذا دریافت طلب امر اس وقت یہ ہے کہ عوام کس کے قول پر عمل کریں؟ اگر بالکل ناجائز ہو اور کوئی شخص اس فعل کا مرتکب ہو، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر جائز ہے تو کس مقدار تک جائز ہے اور کب تک بجا سکتا ہے؟ مدلل مفصل فرمادیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعلانِ نکاح کے لیے دفن بجانا بشرطیکہ اس میں جلاجل نہ ہو، نیز ہیئت تطرب پر نہ بجایا جائے، محض اعلان اور تشہیر کے لیے بجایا جائے، شرعاً درست ہے، گولہ کا استعمال اضاعتِ مال اور ناجائز ہے۔

" لابأس بالدف ليلة العرس، يجب أن يكون بلا ستنجاب و جلاجل ،آه". (مجموعة الفتاویٰ)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولی ۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۱۸)

نکاح کے اعلان کے لیے آتش بازی:

سوال: نکاح میں آتش بازی اس نیت سے کہ لوگوں کو نکاح کی خبر ہوجائے، نہ کہ تماشہ کی نیت سے، جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا بالدلائل والواضحۃ توجروا عند اللہ بفرائد الجنۃ۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ناجائز ہے، ہاں دف کے ذریعہ سے اعلان کرنا جائز ہے۔

"فی الغیا ثیة: ضرب الدف فی النكاح إعلاناً وتشهيراً سنة". (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۶/۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ جمادی الاولی ۱۳۵۶۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۰۸)

---

(۱) مجموعة الفتاویٰ مترجم لمولانا عبد الحی الکنوی، کتاب النکاح (رقم الاستفتاء: ۳۱-۳۲) ۳۸/۲، سعید

(۲) ضرب الدف فی النكاح إعلاناً وتشهيراً سنة، لقوله عليه الصلاة والسلام: " أعلنوا النكاح ولو بالدف " وإنما أمر بالإعلان لا نتفاء تهمة السفاح بالكلية، ويجب أن يكون بلا سنجات وجلاجل ". (الفتاویٰ الغياثية، كتاب الحظر والإباحة ،فصل فی الضيافات والوليمة، ص: ۱۰۹، مكتبة اسلامية)

وقال ابن عابدين الشامی رحمه الله تعالیٰ فی حاشيته: "إذا كان الطبل لغيره اللهو ، فلا بأس به كطبل ==

شادی سے پہلے دعوت کا حکم:

سوال: شادی سے پہلے دن دولہا کے گھر پر بڑی دعوت ہوتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اوراس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

شادی سے پہلے دن دولہا کے گھر دعوت کا مسنون نہ ہونا ظاہر ہے، اب اگر مسئولہ دعوت رسم ورواج کے طور پر ہوتی ہے تو اس کا ناجائز وبدعت ہونا بھی ظاہر ہے اوراس میں شرکت کی بھی اجازت نہیں اوراگر باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو کھلانے کے لیے نظم کیا گیا ہے، کوئی رسم پیش نظر نہیں تو اس کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ:۲۸۹/۳)

☆ ☆ ☆

== الغزاة والعرس لما فی الأجناس: ولا بأس أن يكون ليلة العرس دف يضرب به ، ليعلن به النكاح ". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستيجار على المعاصی: ٥٥/٦ ،سعيد)

وفی الخلاصة: لابأس بالدف ليلة العرص،الخ". (خلاصة الفتاویٰ ، كتاب الكراهية ، الفصل الخامس فی الأكل ، نوع منه: ٤ / ٣٥٨ ،رشيديه)

وقال الملا على القاری رحمه الله تعالیٰ : "قال ابن الملک ... المراد الترغيب إلى إعلان أمر النكاح بحيث لا يخفى على الأباعد، فالسنة إعلان النكاح بضرب الدف، وأصواب الحاضرين بالتهنئة ". (مرقاة المفاتيح ،كتاب النكاح، باب إعلان النكاح: ٣١٤/٦ ،(رقم الحديث : ٣١٥٣) رشيديه)

اندراج نکاح کے احکام

نکاح کے رجسٹریشن کرانے کی فقہی وشرعی حیثیت:

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو!

سوال: ایک اہم علمی اور دینی ضرورت کے پیش نظر یہ عریضہ ارسال خدمت ہے اور توقع ہے کہ فوری طور پر اس پر غور وفکر فرما کر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔

معلوم ہوا ہے کہ حکومت یوپی نے مرکزی حکومت سے درخواست کی ہے کہ ایک مرکزی نکاح رجسٹریشن ایکٹ بنا دیا جائے؛ تاکہ اس قانون کے مطابق پورے ملک میں ہونے والے نکاحوں کا اندراج وغیرہ مکمل ہو سکے، حکومتِ یوپی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ نکاح کے رجسٹریشن کو ابھی تک حکومت نے لازمی قرار نہیں دیا ہے، جس کی وجہ سے حکومت عدلیہ اور عوام کے پاس کسی بھی نکاح کا موثق ریکارڈ موجود نہیں ہے، جس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ جب زن وشو میں تعلقات خراب ہوتے ہیں اور معاملات کی تحقیق کی نوبت آتی ہے تو اطمینان بخش گواہی نہیں مل پاتی ،اکثر و بیشتر دین مہر کا مسئلہ بہت اختلافی بن جاتا ہے اور صحیح طور پر دین مہر نہ گواہوں کو یاد رہتا ہے، نہ دوسرے حاضرین مجلس نکاح کو، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ گواہ اکثر بوڑھے لوگ بنائے جاتے ہیں، جن کے دنیا سے گزر جانے کے بعد گواہی اور دعویٰ کے ثبوت کا مسئلہ قانونی لحاظ سے پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

حکومت یوپی کا خیال ہے کہ ان دشواریوں کو دور کرنے اور نکاح کے مکمل ریکارڈ کو محفوظ رکھنے کے لیے نکاح کے اندراج کو لازمی قرار دیا جانا چاہیے؛ تاکہ ہر ایک نکاح کی تفصیلات کا معتمد علیہ وثیقہ موجود رہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مرکزی حکومت کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ نکاح رجسٹریشن ایکٹ بنا دئے جائیں کہ رجسٹریشن کی حیثیت نکاح کے لیے شرط کی سی ہو جائے اور اس قانون سازی کے بعد ہونے والا وہی نکاح حکومت عدلیہ کی نگاہ میں معتبر ہو، جس کے اندراجات حکومت کے قانون کے مطابق کرائے جا چکے ہوں اور نفاذ قانون کے بعد وہ سارے نکاح جو رجسٹریشن کے بغیر ہوں حکومت اور عدلیہ کی نگاہ میں غیر معتبر سمجھے جائیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت کو ایک دوسرا مشورہ بھی دیا گیا ہے کہ نکاح رجسٹریشن قانون اس طور پر بنایا جائے کہ اگر اس قانون کے نفاذ کے بعد کوئی شخص رجسٹریشن کے بغیر نکاح کرے تو وہ نکاح تو صحیح اور حکومت اور عدلیہ کے نزدیک

قابلِ قبول ہوگا؛ لیکن رجسٹریشن نہ کرنے کو ایک جرم قرار دیا جائے اور جو بھی اس جرم کا مرتکب ہو، اس کے لیے جرمانہ، یا جیل کی سزا تجویز کی جائے، گویا اس طور پر رجسٹریشن نہیں کرانے سے نکاح تو متاثر نہیں ہوگا؛ لیکن نکاح کی تفصیلات کے اندراج اور کسی بھی اٹھنے والے اختلاف کے لیے شہادت وثبوت کی خاطر رجسٹریشن کا نہ کرانا ایک مستقل جرم قرار دیا جائے گا، جس کی سزا کی جا سکے۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوگا کہ نکاح کے رجسٹریشن کے سلسلہ میں حکومت یوپی کس انداز سے غور کر رہی ہے اور حکومت میں موجود کچھ اور لوگوں کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ ----- ایسے حالات میں ضروری ہے کہ معاملہ کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور فیصلہ کیا جائے کہ رجسٹریشن کو اگر نکاح کے لیے شرط قرار دیا جائے اور رجسٹریشن کے بغیر نکاح کالعدم سمجھا جائے تو فقہی لحاظ سے یہ رجسٹریشن قابلِ قبول ہوگا؟ ----- رجسٹریشن کو اگر نکاح کے لیے شرط نہیں بنایا جائے؛ لیکن شہادت وثبوت کی خاطر رجسٹریشن نہیں کرانے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے اور اس کے لیے کوئی سزا تجویز کی جائے تو فقہی لحاظ سے ایسے رجسٹریشن کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

مسئلہ کی نزاکت واہمیت کے پیشِ نظر آپ سے جلد جواب دینے کی درخواست ہے، ۶ ر ستمبر ۱۹۸۱ء کو نئی دہلی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس میں قانونی اور فقہی جہتوں پر غور ہوگا؛ اس لیے براہ کرم ۲۵ ر نومبر تک اپنی رائے ضرور ارسال فرمائیں؛ تاکہ فکر و بحث میں آپ کی گرانقدر رائے سے استفادہ کیا جائے۔ والسلام

(حضرت مولانا) سید منت اللہ (رحمانی)

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، خانقاہ مونگیر، ۸۱۱۲۰۱

۶ ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ، مطابق ۴ ر نومبر ۱۹۸۱ء

الجواب

ان سوالات کا جواب دینے کے لیے پہلے ''فقہ اسلامی'' کے ان چند بنیادی اصول کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہے، جن سے ان مسائل کا گہرا تعلق ہے:

(۱) اسلام میں احکام کی اصل بنیاد کتاب وسنت ہے؛ اس لیے کسی چیز کا وجوب ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی تصریح موجود ہو، یا فی الجملہ اس کی کوئی اصل موجود ہو، قرآن وحدیث نے جن احکام کے لیے جو حدود اور شرائط متعین کئے ہیں، ان پر اپنی طرف سے بعض امور کا اضافہ کسی انسان کے لیے درست نہیں؛ اس لیے کہ یہ اللہ کی حاکمیت اور دین کی تکمیل کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے، قرآن مجید میں اس کی طرف واضح اشارات موجود ہیں، چناں چہ ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾(۱)

(۲) بعض امور وہ ہیں، جن کے مباح اور جائز ہونے کی خود قرآن نے تصریح کردی ہے، یا بعض منصوص کلیات کی روشنی میں فقہانے اباحت کا حکم لگایا ہے؛ اس لیے منصوص اباحات میں کسی ایک پہلو کو لازم قرار دینا درست نہیں ہے، ابواسحاق شاطبی نے ''الموافقات'' جلد اول میں اس سلسلہ میں ''مباحات منصوصہ'' کی مختلف انواع پر بہت مفصل، بصیرت افروز اور تشفی بخش گفتگو کی ہے، نیز خود قرآن میں اس کی واضح شہادتیں موجود ہیں۔

(۳) بعض احکام وہ ہیں جن کے جائز اور ناجائز ہونے کا شریعت نے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے اور نہ نصوص میں ایسی کوئی نظیر ہے، جس پر اس کو قیاس کیا جاسکے، محض شریعت کے اس حکم سے خاموش رہنے، یا شریعت میں اس کے نظائر نہ ملنے کی وجہ سے یہ مان لیا گیا ہے کہ وہ مباح ہے، اس کو کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، ان مباحات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر کسی دینی، یا انتظامی مصلحت کا تقاضا ہو کہ اس کے ایک پہلو کو لازم اور ضروری قرار دیا جائے اور وہ کسی ایسی چیز کا ذریعہ نہ بنے، جو شرعاً ناپسندیدہ ہو تو مصلحتاً ایسا کیا جاسکتا ہے اور یہ ان حضرات کے مشورہ سے کیا جائے گا، جو صاحبِ بصیرت، زمانہ شناس اور علوم اسلامیہ کے اعتبار سے ذی رائے ہوں،----قیمتوں کے تعین کے سلسلہ میں تاجر کے لیے آزادی تو ایک گونہ قرآن وحدیث سے ثابت بھی ہے؛ مگر چوں کہ شریعت کے مجموعی مزاج اور عوامی مصالح کے یہ بات مغائر ہے کہ تاجر اس طرح بازار گراں کرتا رہے،----اس لیے فقہاء نے حکومت کو یہ اختیار سونپا ہے، لہٰذا وہ مباحات جن کا اشارتاً بھی کتاب وسنت میں کوئی ذکر نہ ہو، اس سلسلہ میں ایسے اقدام کا اختیار تو حاکم کو ہوگا ہی، البتہ ''بمشورۃ من أهل الرای والبصیرۃ''۔

کتابت کا حکم اکثر معاملات میں ''کلام'' ہی کا ہے اور بالخصوص وثائق اور دستاویز کے طور پر تحریر کا استعمال تو شرعاً پسندیدہ بھی ہے، چناں چہ خود قرآن مجید نے کہا:

﴿ اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَ لْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾(۲)

فقہاء متقدمین کے یہاں بھی اس قسم کے عدالتی وثائق ہوا کرتے تھے، جن کو ''سجل، محضر، صک اور حجۃ'' وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا تھا،----رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کا سب سے بڑا ثبوت ''صلح حدیبیہ'' کے معاہدہ کی کتابت ہے، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مختلف مکاتیب ورسائل ہیں، جو شاہان وقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض عمال کے نام لکھے گئے۔

رہی یہ بات کہ ایسے وثائق کی عدالتی حیثیت کیا ہوگی؟ -----سو یہ مسئلہ ذرا تفصیل چاہتا ہے، قرآن مجید کی کتابت کا حکم دینا اور مہر لگا کر فقہی احکام اور دعوت دین سے متعلق خطوط کی ترسیل اس بات کا ثبوت ہے کہ فی الجملہ ان

---

(۱) سورۃ الأحزاب:۳۶

(۲) سورۃ البقرۃ:۲۸۲

کا اعتبار ضرور ہے، بشرطیکہ ان کو قابل اعتماد آدمی لکھے، جیسا کہ فقہا نے محضر وغیرہ کی کتابت کا طریقہ لکھا ہے، عام حالات میں کسی معاملہ کو ثابت کرنے کے لیے یہ تحریر کافی ہوگی، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں خود قرآن مجید نے آیت مذکور کے بعد اس کی بھی وضاحت کردی ہے کہ:

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَتَانِ﴾(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ تنہا یہ ''تحریر'' کافی نہیں؛ بلکہ اس کے ساتھ گواہ بھی بنائے جائیں، جو کسی اختلاف اور نزاع کے وقت کام آئے،-----لیکن اس آیت کے سلسلہ میں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ حکم ان معاملات کی بابت ہے جو فریقین باہم اپنے طور پر طے کریں اور آپس ہی میں اس کے وثیقے لکھ کر محفوظ کرلیں،-----یہی وثائق اگر قاضی، یا نائب کے سامنے لکھے جائیں، اس پر متعلقہ فریقوں، گواہوں اور قاضی کا دستخط ہو جائے اور عدالت یا اس کا مجاز ادارہ اس سے اس طرح محفوظ کرلے کہ ''ظن غالب'' ہو کہ اس میں ترمیم نہیں کی جا سکے گی تو اب اس کی حیثیت ایک قطعی ثبوت اور بینہ کی ہوگی، چناں چہ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے تصریح کردی ہے کہ اگر کوئی ایک دفعہ کسی جائداد کے سلسلہ میں کسی شخص کی ملکیت کی گواہی تحریر کردے اور پھر خود اپنے لیے اس کا دعوی کرے تو معتبر نہ ہوگا اور یہ ''تحریر'' اس کے خلاف حجت شمار ہوگی، اس کی تائید ''کتاب القاضی إلی القاضی'' کے سلسلہ میں قاضی امام ابو یوسفؒ کی رائے سے بھی ہوتی ہے:

''ان کے یہاں اس مسئلہ میں قاضی کا خط لے جانے والے دو اشخاص کی جانب سے صرف اس قدر تصدیق کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کا مکتوب ہے، خط کے مضمون سے ان حضرات کی واقفیت اور اس کی شہادت ضروری نہیں''۔(۲)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کے اصل فیصلہ کے لیے اس دوسرے قاضی کی بھیجی ہوئی تحریر اور مسل کافی ہوگی اور صرف اس بات کا اطمینان کرلینا کافی ہوگا کہ یہ انہی قاضی صاحب کے لکھے ہوئے بیانات ہیں اور اسی امر پر اطمینان کے لیے گواہی لی جائے گی، اصل معاملہ پر گواہی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی،-----اس سے معلوم ہوا کہ عدالت اگر کوئی ایسا وثیقہ تیار کرالے اور اس کو اس طرح محفوظ کرلے کہ اس کے ترمیم وتغیر سے محفوظ ہونے کا اطمینان ہوجائے تو وہی اس معاملہ سے متعلق امور کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہوجائے گا، اب اس معاملہ سے متعلق کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے گواہوں کی ضرورت درکار نہ ہوگی۔

لیکن اگر اس قسم کے وثائق عدالت میں محفوظ رہنے کے بجائے صرف فریقین کے پاس محفوظ ہوں، یا کسی ایسے ادارہ سے ان کا تعلق ہو، جن سے ان کو محفوظ رکھنے کا اطمینان نہ کیا جا سکتا ہو تو جیسا کہ قرآن مجید کی آیتِ مذکورہ میں تصریح کردی گئی ہے، باہمی نزاع کے وقت اس معاملہ کو ثابت کرنے کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوگی تو اس بات کی

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۸۲

(۲) ردالمحتار: ۱۳۵/۸

گواہی دیں کہ یہ دستخط متعلقہ اشخاص کے ہی ہیں، کہ ''الخط یشبہ الخط'' تاہم فی الجملہ یہ تحریر تقویت کا باعث تو ہر حال میں ہوگی۔ تعزیر اور سرزنش کے سلسلہ میں ابن نجیم مصریؒ نے ''الاشباہ والنظائر'' میں یہ اصول لکھا ہے کہ:

''**کل معصیة لیس فیها حد مقدر، ففیه التعزیر**''.(۱)

(جس جرم میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے، اس کے ارتکاب سے تعزیر واجب ہوتی ہے۔)

چناں چہ اس معاملہ میں اتنی وسعت ہے کہ ابن نجیم مصریؒ ہی کے الفاظ میں:

''**من آذی غیره بقول أو فعل یعزر ولو بغمز العین**''.(۲)

(اگر کوئی شخص قول، یا فعل سے آدمیوں کو ستائے گو آنکھوں کے اشارہ ہی سے سہی تو اس پر تعزیر واجب ہو جاتی ہے۔)

اور فقہا نے تو نابالغ بچوں کی بھی تعزیر کی اجازت دی ہے، حالاں کہ ان کی غلطیاں معصیت اور گناہ کے درجہ میں نہیں آتی؛ اس لیے کہ وہ احکام شریعت کے مکلّف ہی نہیں ہیں۔ تعزیر کے سلسلہ میں ان اصول اور فقہ اسلامی کی لچک سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر حکومت عوامی مصالح کو پیش نظر رکھ کر کوئی ایسا قانون بنائے، جو شرعی احکام کے مغائر اور اس سے متصادم بھی نہ ہو تو اس کی خلاف ورزی پر تعزیر مناسب حدود میں کی جا سکتی ہے، جیسا کہ ٹریفک قوانین ہیں، ان چند اصول کی وضاحت کے بعد اب ہم اصل سوالات کی طرف آتے ہیں۔

(الف) رجسٹریشن فی الجملہ اسلام کے مزاج اور اس کی روح کے خلاف نہیں ہے؛ بلکہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شریعت ایک حد تک اسے پسند کرتی ہے؛ اس لیے مناسب طریقہ پر اس کے نفاذ اور ترویج میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(ب) رجسٹریشن کو نکاح کے انعقاد کے لیے ضروری قرار دینا قطعاً درست نہیں اور شریعت میں کھلی اور صریح مداخلت ہے؛ اس لیے کہ قرآن وحدیث میں نکاح کے لیے جو شرائط بیان کی گئی ہیں، وہ صریح ہے کہ عاقدین ایک دوسرے کے لیے محرم نہ ہوں اور اس عقد کے وقت دو اشخاص کو گواہ بھی بنا لیا جائے، ----- اب رجسٹریشن کی شرط کا اضافہ کتاب وسنت کے علی الرغم اپنی طرف سے ایک نئی شرط عائد کرتا ہے، اس طرح بعض وہ نکاح جو شرعاً درست ہوں، اس شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نادرست قرار پائیں گے۔

(ج) رجسٹریشن کو نکاح کے اثبات کے لیے شرط اور ضروری قرار دینا بھی دین میں کھلی مداخلت ہے؛ اس لیے کہ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ سوائے حد زنا کے بقیہ تمام امور کو ثابت کرنے کے لیے (جن میں شہادت ضروری ہے، نہ کہ خبر) دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو گواہوں کی شہادت سے انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے۔(۳)

---

(۱) الأشباه والنظائر: ۷۲/۲، کتاب الحدود والتعزیر

(۲) الأشباه والنظائر: ۱۲/۲، کتاب الحدود والتعزیر

(۳) ردالمحتار: ۵۸/٤

(د) رجسٹریشن نہ کرنے پر معمولی قسم کی تعزیر کی اجازت دی جاسکتی ہے؛اس لیے کہ اس میں بہت سے مصالح ہیں اور سب سے بڑی مصلحت ''دین مہر'' کے سلسلہ میں نزاع کے وقت ایک واضح ثبوت کی فراہمی ہے،اس کے پیش نظر حکومت کے لیے ایسی قانون سازی درست ہوگی اور جب ہم اس کو دائرۂ قانون میں لانے کی اجازت دیں گے تو ضرور ہے کہ اس کی تنفیذ کے لیے ''تعزیر وسرزنش'' کا بھی حق دیں؛ ----لیکن یہ بات بہر حال زیادہ بہتر ہوگی کہ قانونی تہدید وترہیب کے بجائے اس کی ایسی ترویج کی صورت پیدا کی جائے کہ اس کی افادیت کے پیش نظر از خود لوگ اس کے پابند ہوجائیں۔ھذا ما عندی، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم (کتاب الفتاویٰ:۴/۴۴۷-۴۵۶)

نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا:

سوال: مسجد میں نکاح نہ ہونے پر گھر میں نکاح کرنے والوں کو نکاح کا رجسٹرڈ نہ دینا، مسجد میں نکاح کرنے والوں کو ہی نکاح کا رجسٹرڈ دینا، یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجوابـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نکاح کو درجِ رجسٹرڈ کرنا شرعاً لازم نہیں،(۱) اگر ضرورت ہو تو مسجد میں سادہ طور پر نکاح کرادیا جائے،(۲) اور پھر درج کرادیا جائے، یا مکان پر نکاح کرکے رجسٹر میں لکھوادیا جائے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۰۰)

نکاح کا رجسٹر میں اندراج:

سوال: نکاح کا اندراج رجسٹر سرکاری میں نہیں ہوا، کیا اندارج ضروری ہے؟ (منظور احمد، تحصیل رڑکی، سہارنپور)

الجوابـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

شرعاً ضروری نہیں، البتہ قانون کی روک تھام کے لیے ضروری ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۰۱)

---

(۱) مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر ایجاب وقبول دونوں نابالغوں کے ولی نے کیا تو نکاح صحیح ہوگیا، دستخط ہوں، یا نہ ہوں''۔(کفایت المفتی:۵/۱۰۵، کتاب النکاح، پانچواں باب ایجاب وقبول، دارالاشاعت)

(۲) "عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (رواه الترمذي)(مشكاة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني: ۲۷۲، قديمي)

چوں کہ طریقۂ مذکورہ کو اختیار کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے:

"عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما أمرت بتشييد المساجد" قال ابن عباس: لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى". (مشكاة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثاني: ۶۹/۱، قديمي)

(۳) نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے، جب کہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے؛ تاہم آج کل کے حالات کے پیش نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لیے نکاح کا اندراج رجسٹر میں مستحسن ضروری ہے: ==

نکاح کی رسید کے بغیر انجان وکیل اور گواہوں کے سامنے نکاح پڑھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مختار حسین کا بیٹا محمد فاضل اور سکندر علی کی لڑکی شیلا سکندر یہ دونوں گھر چھوڑ کر دلی چلے گئے، وہاں اسٹیشن پر انہیں کوئی مولانا مل گئے اور دونوں نے اپنی اپنی باتیں بتائیں اور نکاح کرنے کے لیے کہا، انہوں نے منع کر دیا کہ ہمارے پاس نکاح کی رسید نہیں ہے، ان دونوں نے بنا رسید نکاح پڑھانے کو کہا تو مولانا صاحب نے ایک وکیل اور دو گواہوں کے سامنے اُن دونوں کا نکاح پڑھایا تو کیا یہ نکاح درست ہوا، یا نہیں؟ براہ کرم سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

نکاح کے انعقاد کے لیے رجسٹر اور رسید کچھ ضروری نہیں ہے، اگر مذکورہ لڑکے اور لڑکی کا نکاح واقعۃً پڑھایا گیا ہے، تو شرعاً یہ معتبر ہے اور اس نکاح کے باقی رہتے ہوئے مذکورہ لڑکی کا کسی اور جگہ نکاح درست نہ ہوگا۔

النكاح ينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر. (شامي: ٤/٦٩، زكريا)

وشرط حضور الشاهدين. (شامي: ٤/٨٧، زكريا)

لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور الشاهدين. (الهداية: ٢/٣٠٦)

يصح التوكيل بالنكاح. (الفتاویٰ الهندية: ١/٢٩٤، زكريا)

ونفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي. (الدر المختار مع الشامي: ٤/١٥٥، زكريا)

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره. (الفتاویٰ الهندية: ١/٢٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۷/۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۱۴۵-۱۴۶)

غیر ملک میں نکاح کو کورٹ میں رجسٹر کرانا:

سوال: ملک ساؤتھ افریقہ میں یہاں کا قانون ہے کہ اگر عورت کورٹ میں، یا میرج آفیسر کے پاس نکاح رجسٹرڈ نہ کرے تو جب مذکورہ عورت کا خاوند مرجائے تو اس کو کچھ حصہ گورنمنٹ کی طرف سے نہیں ملتا۔ مرنے والے کی سب جائیداد گورنمنٹ ضبط کر لیتی ہے۔ اگر مرد کی کوئی اولاد ہو تو اس اولاد کا ثبوت گورنمنٹ کو دینا پڑتا ہے۔ اگر گورنمنٹ کو یہ تسلی ہو جائے کہ بے شک یہ اولاد مرد مذکورہ کی ہے تو پھر گورنمنٹ ضبط شدہ جائیداد میں سے یک صد میں سے دس پونڈ کاٹ کر باقی جائیداد مذکورہ مرد کی اولاد کو واپس دے دیتی ہے؛ لیکن عورت مذکورہ کو پھر بھی کچھ نہیں ملتا اور اس ملک میں ایک ہی عورت کرسکتا ہے؛ یعنی ایک ہی عورت کرنے کی گورنمنٹ کی طرف سے اجازت ہے۔ اب

== "النكاح ينعقد بالايجاب والقبول يعبر بهما عن الماضي... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ٢/٣٠٥-٣٠٦، مكتبه شركة علميه)

ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں کو اس صورت میں بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے؛ اس لیے کہ مسلمان کورٹ، یا میرج آفیسر کے پاس نکاح رجسٹر کرنے سے پرہیز کرنے کی اجازت ہے۔ اگر عورت رجسٹر کی جاے اور خاوند مرجائے تو آدھی جائیداد عورت کو اور آدھی اس کی والاد کو مل جاتی ہے۔ گورنمنٹ اس کی جائیداد کی مالک نہیں ہوسکتی۔ صرف دو فیصدی اپنی ڈیوٹی لے سکتی ہے، لیکن یہاں گورنمنٹ نے اتنی رعایت بھی رکھی ہے کہ مسلمان کو چار عورتیں کرنے کی اجازت ہے لیکن رجسٹرڈ ایک ہی کراسکتا ہے اور قانوناً صرف وہ رجسٹرڈ عورت اور اسی کی اولاد جائیداد کی وارث ہوسکتی ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں ساؤتھ افریقہ کا مسلمان اپنی عورت کو رجسٹرڈ کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو اس کی دوسری عورت، یا دوسری عورت کی اولاد ہو تو اس صورت میں مذکورہ مرد کی جائیداد کسے تقسیم کی جائے اور کیا عورت رجسٹرڈ کرانے میں ازروئے شریعت کچھ نقصان ہے، یا نہیں؟ اگر مسلمان عورت کو رجسٹرڈ نہ کریں تو مالدار مسلمان اگر مرجائے تو ایک تو اس کی جائیداد کو بہت نقصان پہنچتا ہے، دوسرے گورنمنٹ کے نزدیک اس کی یہ اولاد حلال نہیں سمجھی جاتی۔

الجواب

نکاح کی رجسٹری کرانے کا لزوم (واضح رہے کہ رجسٹری کا لزوم صحیح نہیں اس لیے کہ نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے،(۱) اور رجسٹری کرانے کی صورت میں عورت کو نصف جائیداد کا مستحق قرار دینا،(۲) رجسٹری نہ ہونے کی صورت میں جائیداد کا ضبط ہوجانا،(۳) غیر رجسٹرڈ عورت کو میراث کا نہ ملنا،(۴) صرف ایک عورت کو رجسٹرڈ کرسکنا،(۵) غیر رجسٹرڈی شدہ عورت سے جو اولاد ہو اس کو میراث نہ ملنا۔(۶) یہ تمام باتیں اسلامی پرسنل لا کے خلاف

---

(۱) کما فی الهداية: النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علمية)

(۲) جائز نہیں۔ ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۳) جائیداد کی مذکورہ ضبطی جائز نہیں۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۴) شادی شدہ عورت کی میراث کو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۵) ایک عورت کا رجسٹرڈ ہونا یعنی ایک ہی شادی پر مجبور کرنا جائز نہیں بلکہ وہ چار عورتوں سے بیک وقت شادی کرسکتا ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾ (سورة النساء: ۳)

(۶) اولاد کو میراث سے محروم کرنا جائز نہیں۔ ==

اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں بے جا مداخلت کی صاف اور صریح صورت ہے۔ مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ ہر جائز اور ممکن طریقے سے اسلامی پرسنل لا کی آزادی کے لیے پوری کوشش کریں اور جب تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہو، اس وقت کے لیے اگر وہ نکاح رجسٹری کرانے میں مصلحت سمجھیں تو کرا سکتے ہیں؛ لیکن رجسٹری شدہ منکوحہ احکام اسلامیہ کی رو سے نصف جائیداد کی مستحق نہیں ہے۔

رجسٹری کرانے میں ایک طرف یہ فائدہ تو ہے کہ جائیداد ضبط ہونے سے بچ جاتی ہے؛ مگر دوسری طرف یہ نقصان بھی ہے کہ عورت جو اولاد ہونے کی صورت میں ۱/۸ کی مستحق ہے ۱/۲ کی قانوناً مستحق ہو جاتی ہے اور رجسٹری نہ ہونے کی صورت میں تو وہ بھی محروم رہتی ہے اور جائیداد ساری حکومت ضبط کر لیتی ہے؛ اس لیے رجسٹری کرانے میں کسی قدر فائدہ ہی ہے؛ تاہم ان تمام غیر شرعی قوانین کو مسلمانوں کے حق میں شرعی صورت میں لانے کے لیے پوری جدوجہد کرنی لازم ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی، ۷/محرم ۱۳۵۰ھ۔ (کفایۃ المفتی: ۵/۲۸۹)

نکاح صحیح ہونے کے لیے سرکاری کاغذات میں اندراج ضروری نہیں ہے:

سوال: زید اور ہندہ زن وشوہر شرعی ہیں زید کا بیان ہے کہ ہندہ بدچلن ہے، چنانچہ ایک رشتہ کے بھائی سے پکڑی گئی بدنام ہوگئی تھی، جس سے زید لاعلم تھا، ہندہ اس عمل کو نباہ کے لیے متعلقین ہندہ پدر وغیرہ نے زید کو ورغلا کر اور اکھتر (۷۱) روپیہ کا لالچ جوڑے کا دے کر ہندہ کی شادی زید سے کر دی اور کسی قسم کا جہیز وغیرہ نہیں دیا گیا ہے، زید درس وتدریس کا کام کرتا ہے، پدر ہندہ اپنی سابقہ بیوی کے فوت ہونے پر یہ دوسرا عقد کر لیا، پدر ہندہ ہندہ کے ساتھ اپنی سابقہ بیوی کے بچے خالدہ اور فرزند نابالغ کو بھی بھجوا دیا ہے، اب زید اس ہندہ کو طلاق دے کر خالدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو عند الشرع کر سکتا ہے، یا کہ نہیں؟

اور چند گواہوں کی موجودگی میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دی ہے اور اس طرح چند گواہوں کی موجودگی میں عقد بھی خالدہ سے کر لیا ہے؛ لیکن یہ عقد سرکاری کاغذات میں درج نہیں ہے تو یہ عقد عند الشرع درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں زید نے کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہندہ کو واقعی طلاق دینے کے بعد اس کی عدت گزرنے

== ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (سورة النساء: ١١)

کے بعد خالدہ سے نکاح کیا ہے تو خواہ سرکاری کاغذات میں درج نہیں کرایا ہے، یہ نکاح خالدہ کا شرعاً درست اور جائز ہے اور خالدہ اور زید دونوں زن وشوہر کی طرح رہ سکتے ہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۲/۹۱-۹۲)

کیا رجسٹر میں درج نہ ہونے سے نکاح نہیں ہوتا:

سوال: مسمیٰ غلام حیدر کا نکاح جب کہ اس کی عمر ۱۳، ۱۴ر سال کی تھی، مسماۃ مریم ولد ستار شیخ کے ساتھ جب کہ اس کی عمر ۱۰، ۱۱ر سال کی تھی بہ اجازتِ والدین ہو گیا تھا۔ نکاح درج رجسٹر زوجین کے نابالغ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، اس نکاح پر ۴، ۵ر سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اب جب کہ مسمیٰ غلام حیدر اپنے سسر سے لڑکی کی رخصت کے لیے کہتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور جواب دیتا ہے کہ کوئی نکاح نہیں ہوا، اور اس نے اپنی لڑکی مریم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا ہے، جب کہ اس کی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔ ایسی حالت میں یہ نکاحِ ثانی درست ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور جس مولوی صاحب نے یہ نکاحِ ثانی پڑھایا ہے، ان کے بارے میں شرعی طور پر کیا حکم صادر ہوتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ستار شیخ نے اپنی نابالغہ لڑکی مسماۃ مریم کا نکاح غلام حیدر کے ساتھ گواہوں کے سامنے کر دیا تو وہ شرعاً منعقد اور

---

(۱) (وَرُكْنُهُ الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ)؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ يُوجَدُ بِهِمَا، وَرُكْنُ الشَّيْءِ مَا يُوجَدُ بِهِ كَأَرْكَانِ الْبَيْتِ،قَالَ:(وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظَيْنِ مَاضِيَيْنِ) كَقَوْلِهِ: زَوَّجْتُكَ، وَقَوْلِ الْآخَرِ: تَزَوَّجْتُ، أَوْ قَبِلْتُ؛لِأَنَّ هَذَا اللَّفْظَ يُسْتَعْمَلُ لِلْإِنْشَاءِ شَرْعًا؛ لِلْحَاجَةِ، وَلَا خِلَافَ فِيهِ،(أَوْ بِلَفْظَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَاضٍ، وَالْآخَرُ مُسْتَقْبَلٌ، كَقَوْلِهِ: زَوِّجْنِي، فَيَقُولُ: زَوَّجْتُكَ)؛ لِأَنَّ قَوْلَهُ: زَوِّجْنِي – تَوْكِيلٌ، وَالْوَكِيلُ يَتَوَلَّى طَرَفَيِ النِّكَاحِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ،وَرَوَى الْمُعَلَّى عَنْ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: لَوْ قَالَ: جِئْتُكَ خَاطِبًا ابْنَتَكَ، أَوْ لِتُزَوِّجَنِي ابْنَتَكَ، أَوْ زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ،فَقَالَ الْأَبُ: قَدْ زَوَّجْتُكَ ، فَالنِّكَاحُ لَازِمٌ، وَلَيْسَ لِلْخَاطِبِ أَنْ لَا يَقْبَلَ .وَلَا يُشْبِهُ الْبَيْعَ؛ لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى الْمُسَامَحَةِ وَالْمُسَاهَلَةِ، وَالْبَيْعُ عَلَى الْمُمَاكَسَةِ وَالْمُسَاوَمَةِ...(وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا بِحُضُورِ رَجُلَيْنِ، أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ .وَلَا بُدَّ فِي الشُّهُودِ مِنْ صِفَةِ الْحُرِّيَّةِ وَالْإِسْلَامِ، وَلَا تُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ) فَالشُّهُودُ شَرْطٌ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُودٍ،وَرَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ:الزَّانِيَةُ الَّتِي تُنْكِحُ نَفْسَهَا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ.وَأَمَّا صِفَةُ الشُّهُودِ قَالَ أَصْحَابُنَا: كُلُّ مَنْ مَلَكَ الْقَبُولَ بِنَفْسِهِ انْعَقَدَ الْعَقْدُ بِحُضُورِهِ، وَمَنْ لَا فَلَا،وَهَذَا صَحِيحٌ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّهَادَةِ وَالْقَبُولِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْعَقْدِ فَجَازَ اعْتِبَارُ أَحَدِهِمَا بِالْآخَرِ،وَلَا بُدَّ فِيهِ مِنِ اعْتِبَارِ الْحُرِّيَّةِ وَالْعَقْلِ وَالْبُلُوغِ فِي الشَّاهِدِ؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ وَالصَّبِيَّ وَالْمَجْنُونَ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ؛ لِمَا مَرَّ فِي الشَّهَادَاتِ، وَلَا يَمْلِكُونَ الْقَبُولَ بِأَنْفُسِهِمْ،وَلَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ الْإِسْلَامِ فِي نِكَاحِ الْمُسْلِمِينَ؛ لِعَدَمِ وِلَايَةِ الْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ، وَيَجُوزُ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ اعْتِبَارًا بِالشَّهَادَةِ عَلَى الْمَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فِي الشَّهَادَاتِ،وَيَنْعَقِدُ بِحُضُورِ الْفَاسِقِينَ؛ لِأَنَّ النَّصَّ لَا يَفْصِلُ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُ الْقَبُولَ بِنَفْسِهِ كَالْعَدْلِ، وَلِأَنَّهُ غَيْرُ مَسْلُوبِ الْوِلَايَةِ عَنْ نَفْسِهِ فَلَا يُسْلَبُهَا عَنْ غَيْرِهِ؛ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ، وَلِأَنَّهُ تَحَمُّلٌ فَيَجُوزُ ;لِأَنَّ الْفِسْقَ يُؤَثِّرُ فِي الشَّهَادَةِ؛ لِلتُّهْمَةِ وَذَلِكَ عِنْدَ الْأَدَاءِ.(الإختيار لتعليل المختار،كتاب النكاح: ۸۲/۱-۸٤،مطبعة الحلبي بيروت،انيس

لازم ہوگیا، اب اس کے بالغ ہونے پر لڑکی شوہر کے مکان پر بھیجنا اور اس کے شوہر کا مطالبۂ رخصتی پورا کرنا لازم ہے، محض رجسٹر میں درج نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا درست نہیں کہ نکاح نہیں ہوا تھا، ایسی حالت میں اگر لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کیا جائے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا؛ بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی، لڑکی بھی معصیت میں مبتلا ہوگی اور جس سے نکاح کیا جائے، وہ بھی معصیت میں مبتلا ہوگا، باوجود علم کے جو شخص اب نکاح پڑھائے گا، وہ بھی سخت گنہگار ہوگا، (۱) اور جو لوگ ایسے نکاح میں شرکت کریں گے وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے، (۲) اور قہر خداوندی اس سے جوش میں آئے گا؛ اس لیے ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔

اگر اس کا والد اس کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہے تو لڑکی کو لازم ہے کہ ہرگز اس نکاح کو قبول ومنظور نہ کرے، اس کی ہرگز اجازت نہ دے اور رخصت ہوکر ہرگز اس دوسرے شخص کے پاس نہ جائے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم (إلى قوله تعالیٰ) والمحصنات من النساء﴾ (الآية) (۲)

ولا يجوز الرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة". (فتاوى عالمگيرى: ٦/٢) (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۱/۱۰-۲۰۲)

صحت نکاح کے لیے قاضی کے رجسٹر میں اندراج شرط نہیں:

سوال: بوجہ نہ ملنے قاضی کے ۱۰/مئی ۳۵ء کو مجھ محمد اسحاق ولد کلن کا نکاح مسماۃ حمدین بنت شہاب الدین کے

---

(۱) "والفتوى على الترديد ان استعمل مستحلا كفر، والا لا، فان ارتكب من غير استحلال، فسق". (شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، فصل فى الكفر صريحا وكناية، ص: ١٨٨، قديمى)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ (سورة الأنعام: ٦٨)

قال الجصاص الرازى الحنفى: "وذلك عموم فى الذى عن مجالسة سائرة الظالمين من أهل الشكر وأهل املة لوقوع الاسم عليهم جميعا... فغير جائز لأحد مجالستهم مع ترك النكير، سواء كانوا مظهرين فى تلك الحال للظلم والقبائح أو غير مظهرين له؛ لأن النهى عام عن مجالة الظالمين". (أحكام القرآن للجصاص، باب النهى عن مجالسة الظالمين: ٢/٣، دارالكتاب العربى)

(۲) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ○ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (سورة النساء: ٢٣-٢٤)

(۳) الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التى يتعلق بها حق الغير: ٢٨٠/١، رشيديه

ساتھ نائب امام مسجد فتح پوری نے پڑھایا ہے، چناں چہ مسماۃ حمیدن کو اس کے بھائی محمد اسحاق کے یہاں سے لے گئے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا مسماۃ حمیدن بعمر جوان ہے، اس کی والدہ نے خود ولی بن کر نکاح پڑھایا ہے۔ آیا وہ نکاح شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۵۶ محمد اسحاق ولد کلن (دہلی: ۱۱) ۱۵/رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ مطابق ۲/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

جب کہ نکاح با قاعدہ ایجاب وقبول کے بعد ہوگیا تو نکاح صحیح اور جائز ہے، (۱) خواہ قاضی کے رجسٹر میں اس کا اندراج ہو، یا نہ ہو۔ لڑکی جوان تھی اور خود اس کی مرضی کے ساتھ نکاح ہوا تو ماں کے ولی بننے نہ بننے کا کوئی اثر نہیں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۸۴/۵)

رجسٹر نکاح میں انگوٹھا نہ لگایا تو نکاح میں کچھ نقصان نہیں:

سوال: ایک شخص نے عام مجلس شرع محمدی میں براضی ورضاء روبرو امام وگواہان اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد نکاح بایجاب وقبولیت کر دیا اور مجازی حکومت کے رجسٹر نکاح پر انگوٹھا چسپاں کرنے کا وعدہ بلوغیت کیا گیا تھا، اب لڑکی کا والد فوت ہوگیا ہے اور اس کی عورت بیوہ عورت موجود ہے، لڑکی منکوحہ کو دینے سے شوہر کو انکاری ہوگئی ہے، شہادت وغیرہ معقول ہے، کیا شرعاً ایسی صورت میں کہ بغیر انگوٹھا رجسٹر نکاح صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر فی الواقع لڑکی کے باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح گواہوں کے سامنے کر دیا تھا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگیا، (۳) رجسٹر میں انگوٹھا نہ لگانے سے اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا یہ لڑکی اسی شخص کی منکوحہ ہے، اس کو اپنے گھر لے جاوے، وھو کلہ ظاھر (واللہ تعالیٰ اعلم) (امداد المفتین: ۴۳۹/۲)

ایجاب وقبول کے بعد رجسٹر پر انگوٹھا لگانا صحت نکاح کے لیے شرط نہیں:

سوال: ایک شخص نے عام مجلس میں برضائے خود روبرو امام دیہہ وگواہان اپنی نابالغ لڑکی کا عقد نکاح بہ ایجاب وقبول کر دیا اور مجازی حکومت کے رجسٹر نکاح پر انگوٹھا وغیرہ چسپاں کرنے کا وعدہ بر بلوغت کیا گیا تھا۔ اب لڑکی کا والد

(۱) النکاح ینعقد بالأیجاب والقبول. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علمية)

(۲) نفذ نكاح الحرة مكلفة بلارضا ولی والأصل أن كل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه ومالا فلا. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولی: ۵۶/۳، سعيد)

(۳) ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضورشاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين. (الهداية: ۲۸۶/۲، كتاب النكاح) ومثله فی الهندية: ۲۶۹/۱، كتاب النكاح. الباب الأوّل، انيس)

فوت ہوگیا ہے اور اس کی بیوہ اب لڑکی دینے سے انکاری ہے، شہادت وغیرہ معقول ہے، کیا بغیر نشان انگوٹھا بر رجسٹر نکاح عقد نکاح درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر نکاح کی شہادت معتبرہ موجود ہے تو نکاح ثابت ہو جائے گا۔(۱) نکاح کے رجسٹر پر انگوٹھے کا نشان ہونا ضروری نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی (کفایۃ المفتی:۱۵۱/۵)

رجسٹر میں ولدیت بدلنے سے نکاح پر اثر:

سوال: ایک شادی کے رجسٹر میں دولہا کی ولدیت میں لڑکے کے ماموں کا نام لکھا گیا، اس صورت میں یہ شادی درست ہوگی، یا نہیں؟ چوں کہ لڑکا بچپن میں اپنے ماموں کی تربیت میں تھا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جب کہ لڑکی دولہا کے یہاں جاتی ہے اور گواہ اس کو دیکھ رہے ہیں تو انعقادِ نکاح کے لیے اتنی بات کافی ہے، رجسٹر میں بالکل ہی اندراج نہ ہو، تب بھی نکاح صحیح ہے،(۲) والد کے نام کی جگہ ماموں کا نام لکھ دیا گیا ہو؛ کیوں کہ وہ ماموں کی تربیت میں تھا، تب بھی نکاح میں خرابی نہیں آئی، والد کے نام کی ضرورت رفعِ جہالت کے لیے ہوتی ہے، جو حاضر میں موجود نہیں۔(کذا فی رد المحتار، ص: ۲۷۲)(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴/۴/۱۳۹۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۰۴/۱۰)

نکاح کے رجسٹر میں باپ کی جگہ نانا کا نام لکھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص محمد نعیم اپنے حقیقی

(۱) لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين، رجلين أو رجل وامرأتين. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲)

(۲) "النكاح ينعقد ملتبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(۳) "(قوله: ولا المنكوحة مجهولة) .... قُلْت: وَظَاهِرُهُ أَنَّهَا لَوْ جَرَتْ الْمُقَدِّمَاتُ عَلَى مُعَيَّنَةٍ وَتَمَيَّزَتْ عِنْدَ الشُّهُودِ أَيْضًا يَصِحُّ الْعَقْدُ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ نَفْيُ الْجَهَالَةِ، وَذَلِكَ حَاصِلٌ بِتَعَيُّنِهَا عِنْدَ الْعَاقِدَيْنِ وَالشُّهُودِ، وَإِنْ لَمْ يُصَرِّحْ بِاسْمِهَا كَمَا إذَا كَانَتْ إحْدَاهُمَا مُتَزَوِّجَةً، وَيُؤَيِّدُهُ مَا سَيَأْتِي مِنْ أَنَّهَا لَوْ كَانَتْ غَائِبَةً وَزَوَّجَهَا وَكِيلُهَا فَإِنْ عَرَفَهَا الشُّهُودُ وَعَلِمُوا أَنَّهُ أَرَادَهَا كَفَى ذِكْرُ اسْمِهَا، وَإِلَّا لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ أَيْضًا، وَلَا يَخْفَى أَنَّ قَوْلَهُ زَوَّجْت بِنْتِي وَلَهُ بِنْتَانِ أَقَلُّ إبْهَامًا مِنْ قَوْلِ الْوَكِيلِ زَوَّجْت فَاطِمَةَ. (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۱۵/۳، سعيد)

باپ جن کا نام محمد رفیع ہے اور حیات ہے کی جگہ اپنے نکاح وغیرہ میں اپنی ولدیت میں نہ لکھوا کر اپنے نانا محمد عمر کا نام لکھوائے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حقیقی باپ کے بجائے اپنا باپ نانا کو قرار دینا خلافِ واقعہ اور گناہ کا کام ہے اور اس کی تصحیح کرنا لازم ہے؛ تاہم اگر لڑکا مجلس نکاح میں موجود ہو اور اس کی پہچان میں کوئی شبہ نہ ہو تو ولدیت غلط ہونے کے باوجود نکاح منعقد اور صحیح ہو جائے گا۔(۱)

أی فإنها لو كانت مشاراً إليها وغلط فی اسم أبيها أو إسمها لايضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية. (شامی: ۹۷/٤، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۹/۲۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۱/۸)

☆ ☆ ☆

(۱) یعنی تعیین میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہونا چاہیے، خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو، مثلاً اس لڑکے کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ اشارہ کی وجہ سے گرچہ نام میں غلطی یا تبدیلی واقع کیوں نہ ہو، اشتباہ وعدم تعیین کا شبہ نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم نے محیط برہانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ طلاق کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ نسبت موجود ہو اور بیوی کا نام دوسرے نام سے بدل دیا جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لیے تسمیہ کی وجہ سے تعیین مکمل نہیں ہو پا رہی ہے کہ نام کی تبدیلی کی وجہ سے وہ عورت اجنبی جیسی ہوگئی؛ لیکن اگر نام بدل دے اور اس کی طرف اشارہ کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

وَفِي الْمُحِيطِ: اَلْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى وُجِدَتِ النِّسْبَةُ وَغَيَّرَ اسْمَهَا بِغَيْرِهِ لَا يَقَعُ لِأَنَّ التَّعْرِيفَ لَا يَحْصُلُ بِالتَّسْمِيَةِ مَتَى بَدَّلَ اسْمَهَا لِأَنَّ بِذٰلِكَ الِاسْمِ تَكُونُ امْرَأَةً أَجْنَبِيَّةً وَلَوْ بَدَّلَ اسْمَهَا وَأَشَارَ إِلَيْهَا يَقَعُ. (البحر الرائق، باب ألفاظ الطلاق: ۲۷۳/۳، دار الكتاب الإسلامي بيروت، انيس)

الفاظ نکاح کے احکام

نکاح کے الفاظ مخصوصہ کے معانی کا جاننا:

سوال: مرد وعورت کے درمیان ایجاب وقبول ہو گیا۔عورت نے قبلت ، یا قبول کردم کہا تھا اور گواہوں نے دونوں کا کلام ایک ساتھ سنا؛ مگر وہ عورت نہ اس لفظ کے معنیٰ جانتی ہے اور نہ یہ جانتی ہے کہ اس لفظ سے نکاح ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں نکاح منعقد ہوگا ، یا نہیں؟

الجواب

نکاح منعقد ہو جائے گا۔

نقایہ اور اس کی شرح قہستانی میں ہے:

(ینعقد بایجاب و قبول لفظهماماض كزوجت و تزوجت أوأمر وماض كزوجني فقال زوجت وإن لم يعلمامعناه)أى معنى لفظهماسواء كان عربياً أوعجمياً وسواء علماأنه مما انعقد به النكاح أو لا وهذا في الحكم وأما فيمابينه وبينه تعالىٰ فلاينعقد إن لم يعلما أنه مماينعقد به، كما في قاضي خان؛ لكنه مما اختلف فيه المشائخ، كما في الخزانة و ذكرفي العمادى أنه لم يصح عقد من العقود إذا لم يعلمامعناه، وقيل: يصح الجميع و قيل: إن كان مما يستوى جده وهزله يصح كالنكاح والإفلاء كالبيع ،إنتهىٰ. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۴۳)

'میں نکاح کرتا ہوں' کے الفاظ سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ''میں نکاح کرتا ہوں'' ان الفاظ سے نکاح ہو جائے گا ، یا ماضی کا لفظ ''میں نے نکاح کیا'' یہ بولنا ضروری ہے؟ یا یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''میں قبول کرتا ہوں'' اس پر بھی روشنی ڈال دیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

جاننا چاہیے کہ دو قسم کے الفاظ (صیغوں) سے نکاح منعقد ہوتا ہے:

(۱) جامع الرموز للقهستاني، كتاب النكاح: ۱/ ۱۹٤ـ ۱۹٥، منشي نول كشور لكهنؤ، انيس

(۱) لفظ ماضی: متعاقدین میں سے ہر ایک ایجاب وقبول لفظ ماضی کے ساتھ کرے، جیسا کہ آدمی کہے: ''میں نے تجھ سے نکاح کیا'' اور عورت جواب میں کہے: ''میں نے قبول کیا''۔

(۲) لفظ حال یا مستقبل (امر): متعاقدین میں سے ایک لفظ حال، یا مستقبل (امر) سے ایجاب کر لے اور دوسرا لفظ ماضی استعمال کر کے قبول کرے، جیسا کہ کوئی شخص کہے: ''میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں''، یا ''مجھ سے نکاح کرلو'' اور عورت قبول کرتے ہوئے کہے کہ ''میں نے قبول کرلیا'' تو اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اگر قبول کرنے میں وعدہ، یا استقبال کا مطلب لیے بغیر یہ الفاظ استعمال کر لیے جائیں ''میں قبول کرتا ہوں'' تو حال کا معنی مراد لیتے ہوئے اس سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ اگر وعدہ یا استقبال مراد ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

نکاح کے انعقاد کے لیے صرف لفظ ماضی کے ذریعے ایجاب وقبول کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ مندرجہ بالا الفاظ میں سے جس سے بھی ایجاب وقبول کیا جائے، نکاح منعقد ہو جائے گا، نیز استقبالِ محض (یعنی میں تجھ سے نکاح کروں گا وغیرہ) کا صیغہ اگر ایجاب، یا قبول میں استعمال ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لما فی الدر المختار (۹/۳): **(وينعقد) متلبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضى) لأن الماضى أدل على التحقيق (كزوجت) نفسى أو بنتى أو موكلتى منك (و) يقول الآخر: (تزوجت و) ينعقد أيضا (بما) أى بلفظين (وضع أحدهما له) للمضى (والآخر للاستقبال) أو للحال فالأول الأمر (كزوجنى) أو زوجينى نفسك أو كونى امرأتى فإنه ليس بإيجاب بل هو توكيل ضمنى (فإذا قال) فى المجلس: (زوجت) أو قبلت أو بالسمع والطاعة، بزازية، قام مقام الطرفين وقيل هو إيجاب ورجحه فى البحر والثانى المضارع المبدوء بهمزة أو نون أو تاء كتزوجينى نفسك إذا لم ينو الاستقبال.** (نجم الفتاویٰ:۴/ر)

نکاح کی ایک صورت:

سوال: مسماۃ کنیزہ خاتون نے اپنی وفات سے بہت پہلے چند مرد وعورت کی موجودگی میں جن کی تعداد دس ہوسکتی ہے، اپنے بالغ نواسہ عقیل احمد کو بلایا اور اپنی بالغہ پوتی مسماۃ لاڈلی خاتون کو بلایا اور اپنی پوتی کا ہاتھ نواسہ کے ہاتھ میں ڈال کر نواسہ سے کہا کہ ''میں تم دونوں کا رشتہ جوڑنا چاہتی ہوں اور لاڈلی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں اس لیے دیا کہ میرے سامنے اور ان گواہوں کے سامنے (جو وہاں موجود تھے) اقرار کرو کہ میں نے نکاح کے لیے لاڈلی خاتون کو قبول کیا'' اس پر نواسہ عقیل احمد نے لاڈلی خاتون کو اپنے نکاح کے لیے قبول کرلیا اور لڑکی نے بھی بخوشی ورضامندی اس نکاح کو قبول کرلیا۔ اب بتلایا جائے کہ یہ نکاح منعقد اور صحیح ہوا، یا نہیں؟

عقیل احمد کی ماں اور لڑکی لاڈلی خاتوں کی ماں کے مابین نا اتفاقی ہونے کی وجہ سے لڑکی کی والدہ اپنی بیٹی لاڈلی کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے، یہ درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر یہ صحیح ہے کہ عقیل احمد اور لاڈلی خاتون دونوں بالغ تھے اور کنیزہ خاتون نے دونوں کا ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں پکڑا کر دونوں سے نکاح قبول کرنے کو کہا اور دونوں نے باہمی رضامندی سے شرعی گواہوں کی موجودگی میں نکاح قبول کرلیا، جیسا کہ سوال سے واضح ہے تو ایسی صورت میں نکاح شرعاً منعقد اور درست ہو گیا اور دونوں میاں بیوی ہو گئے۔ اب اس صورت میں لڑکی کی ماں کے لیے لڑکی لاڈلی خاتون کا نکاح دوسری جگہ کرنا جائز نہیں ہے۔

’’(وإنما یصح بلفظ تزویج ونکاح) لأنهما صریح‘‘. (الدر المختار: ۲۶۸/۲)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی: ۲۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۶/۴۔۵۷)

لڑکے نے کہا: ’میں نے صبور کیا‘ نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: میرے بلوغ کے بعد میرے والد محترم نے میری شادی کے سلسلہ میں ایک رشتہ طے کیا؛ لیکن بدقسمتی سے منسوب ایسی جگہ طے ہوا، جہاں میں کسی طرح بھی شادی کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، لہٰذا سارے لوگ مجھے اس بات پر آمادہ کرتے رہے کہ میں وہاں شادی کرلوں؛ لیکن میں ہمیشہ انکار کرتا رہا، ایک بار میرے گھر میری بہن کی بارات آئی، اسی بارات میں میرے والد اور لڑکی والے مجھے بھی اسٹیج پر بلوائے اور چاہا کہ میرا نکاح بھی کردیں، چناں چہ ناکح نے خطبہ پڑھا اور مجھ سے اقرار کرانا چاہا؛ لیکن میں نے اقرار نہیں کیا اور بالکل خاموش رہا، اخیر میں تیسری مرتبہ میرے والد اور محلّہ کے سبھی لوگ بضد ہو گئے کہ میں کسی طرح اقرار کرلوں، میں نے جب دیکھا کہ اب کسی طرح بچ نہیں سکوں گا تو میں نے کہا ’’میں نے صبور کیا‘‘ اور پھر کرتا وغیرہ اُتار کر پھینکتا ہوا اپنے گھر چلا آیا۔

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں میرا نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح کے منعقد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ایک جانب سے ایجاب اور دوسری جانب سے قبول ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب وقبول کے لیے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں، جو تملیک عین فی الحال پر دلالت کریں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ کہا کہ ’’میں نے صبور کیا‘‘ تو اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبول ہے؛ مگر حقیقتاً یہ لفظ تملیک عین فی الحال پر دلالت نہیں کرتا ہے؛ اس لیے آپ کا نکاح منعقد نہیں ہوا اور وہ خاتون آپ کی بیوی نہیں ہوئی۔

ینعقد بالإیجاب والقبول وضعا للمضی ...فالصریح لفظ النکاح والتزویج وماعداهما وهو ما یفید ملک العین فی الحال کنایة ،کذا فی النهر الفائق ناقلا عن المبسوط. (الفتاویٰ الهندیه: ۲۷۰/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۹/۴)

---

(۱) الدرالمختار، کتاب النکاح: ۱۶/۳، دار الفکر بیروت، انیس

ایجاب میں کہا گیا: فلاں صغیر کو دی، اس کے جواب میں ولی نے کہا: میں نے قبول کیا تو کیا حکم ہے:

سوال: ولی صغیرہ نے پہلے کہا کہ میں نے اپنی صغیرہ کو فلاں صغیر سے نکاح کر دیا، ولی صغیر نے جو کہ اپنے واسطے قبول کرنا چاہتا تھا، کلمہ قبول بدیں طور کہا: ''میں نے قبول کیا''، اس کلمہ قبول کو اس کلمہ قبول پر حمل کیا جاوے گا، جس میں صریحاً کہنا ہے کہ میں نے اپنے واسطے قبول کیا، یا اس کلمہ قبول پر حمل کیا جاوے گا، جس میں اس لڑکی کے واسطے قبول کیا؛ مگر صریحاً نہیں کہا؛ بلکہ یہ کہا کہ قبول کیا۔ اس صورت میں نکاح صغیر کا منعقد ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ولی صغیر کا قبول اسی ایجاب کے ساتھ منعقد ہوگا، جو ولی صغیرہ نے کیا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں نکاح صغیر کا منعقد ہوگیا؛ کیوں کہ ولی صغیرہ کی طرف سے ایجاب صغیر کے لیے ہوا ہے، اس کے جواب میں ولی صغیر کا یہ کہنا کہ ''میں نے قبول کیا''، اسی ایجاب مذکور کے ساتھ متعلق ہے اور یہ کہنا ولی صغیر کا کہ میں نے اپنے لیے قبول کیا ہے، لغو ہے؛ کیوں کہ وہ اپنے لیے قبول نہیں کرسکتا۔

قال في الشامي: بخلاف مالو قال أبو الصغيرة: زوجت بنتي من ابنک، فقال أبو الإبن: قبلت، ولم يقل: لابني، يجوز للابن لإضافة المزوج النكاح إلى الابن بيقين، وقول القابل: قبلت، جواب له والجواب يتقيد بالأول فصار كمالو قال: قبلت لابني. (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۱۳۹)

عورت نے کہا ''پہلے شوہر کے مطابق کوئی مہر دے تو میں اس کی بیوی ہو جاؤں''

زید نے کہا ''منظور ہے'' تو نکاح نہیں ہوگا:

سوال: زید کے سامنے ایک عورت نے کہا کہ اگر ''پہلے شوہر کے مطابق کوئی دین مہر دے تو میں اس کی بیوی ہو جاؤں'' زید نے کہا کہ ہم کو منظور ہے، عورت نے تین بار یہ جملہ کہا، اس جگہ دو مسلمان موجود تھے، اس صورت میں نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس طرح کہنے سے نکاح نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ صرف نکاح کی شرط کی منظوری ہوئی، ایجاب وقبول نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۰/۱۱/۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴۶)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲/۳۷۸، ظفیر

اور الأشباہ والنظائر میں ہے:

''السوال معاد فی الجواب''. (دیکھئے: الأشباہ والنظائر، القاعدة الحادية عشر، ص: ۱۷۱، ظفیر)

عورت نے کہا''تم مجھ کو خرید لو میں تمہارے نزدیک مثل بیوی رہا کروں گی'' مرد نے کہا''خرید لیا'' نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: ایک عورت نے ایک مرد سے کہا کہ''تم مجھ کو خرید لو میں تمہارے نزدیک مثل بیوی رہا کروں گی'' اس مرد نے اس عورت کو خرید لیا اور دونوں مل کر مثل میاں بیوی رہنے لگے، ان دونوں کا اس طرح رہنا کیسا ہے؟ مع حوالۂ کتب تحریر فرمائیں۔ زید کہتا ہے کہ یہ بیع فاسد ہے اور ان دونوں کا مثل میاں بیوی رہنا بدون نکاح جائز نہیں اور استدلال میں زید''ہدایہ'' کی اس عبارت کو پیش کرتا ہے:

''إذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرّما فالبيع فاسد كالبيع بالميتة ...وكذا إذا كان غير مملوك كالحر''. (الهداية،باب البيع الفاسد:۴۹/۳)

کیا زید کی یہ دلیل صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں عورت نے کہا''تم مجھ کو خرید لو میں تمہارے نزدیک مثل بیوی کے رہا کروں گی''، اور مرد نے کہا''میں نے تم کو خرید لیا'' تو ایسی صورت میں دونوں کا نکاح ہو گیا۔

شامی میں ہے:

''بخلاف قوله بعتك بنتي فإن عدم قبول المحل للبيع يوجب الحمل على المجازي فهو قرينة يكتفي بهاالشهود وملخصه أنه لابد في كنايات النكاح مع النية قرينة أو تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أو إعلامهم به''. (ردالمحتار:۳۷۰/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی، ۳/۲/۱۴۰۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۶/۴-۴۷)

'لڑکی فلاں کو دی' کہنے سے انعقاد نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو دے دی، اس نے قبول کیا تو یہ نکاح ہو گیا، یا نہیں؟ ہمارے اطراف میں عموماً پہلے اس قسم کے الفاظ بلا ذکر مہر وغیرہ کے کہے جاتے ہیں اور بعد میں مستقلا نکاح رسوم مروجہ کے ساتھ کیا جاتا ہے، سو نکاح پہلے الفاظ سے منعقد ہوگا، یا دوسرے عقد سے؟ اگر پہلے سے نکاح نہیں ہوتا تو اس عورت کا نکاح دوسری جگہ کر دینا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ ومنه الصدق والصواب

سوال میں مذکورہ الفاظ ہبہ کے ہیں اور ہبہ سے نکاح منعقد ہوتا ہے کہ متکلم نکاح کی نیت کا اقرار کرے، یا نیت کا

قرینہ موجود ہو، مثلاً ذکر مہر و وجود شہود و تقدم خطبہ و خُطبہ وغیرہ، بدون قرینہ کے ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

قال في شرح التنوير: (وَإِنَّمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ تَزْوِيجٍ وَنِكَاحٍ) لِأَنَّهُمَا صَرِيحٌ (وَمَا) عَدَاهُمَا كِنَايَةٌ هُوَ كُلُّ لَفْظٍ (وُضِعَ لِتَمْلِيكِ عَيْنٍ) كَامِلَةٍ فَلَا يَصِحُّ بِالشَّرِكَةِ (وَفِي الْحَالِ) خَرَجَ الْوَصِيَّةُ غَيْرُ الْمُقَيَّدَةِ بِالْحَالِ (كَهِبَةٍ وَتَمْلِيكٍ وَصَدَقَةٍ وَعَطِيَّةٍ وَقَرْضٍ وَسَلَمٍ وَاسْتِئْجَارٍ)وَصُلْحٍ وَصَرْفٍ وَكُلِّ مَا تُمْلَكُ بِهِ الرِّقَابُ بِشَرْطِ نِيَّةٍ أَوْ قَرِينَةٍ وَفَهْمِ الشُّهُودِ الْمَقْصُودَ.

وفي الشامية: (قَوْلُهُ: كَهِبَةٍ) أَيْ إِذَا كَانَتْ عَلَى وَجْهِ النِّكَاحِ،وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَنْكُوحَةَ إِمَّا أَمَةٌ أَوْ حُرَّةٌ، فَإِذَا أَضَافَ الْهِبَةَ إِلَى الْأَمَةِ بِأَنْ قَالَ لِرَجُلٍ وَهَبْت أَمَتِي هَذِهِ مِنْك، فَإِنْ كَانَ الْحَالُ يَدُلُّ عَلَى النِّكَاحِ مِنْ إِحْضَارِ شُهُودٍ وَتَسْمِيَةِ الْمَهْرِ مُعَجَّلًا، وَمُؤَجَّلًا وَنَحْوِ ذَلِكَ يَنْصَرِفُ إِلَى النِّكَاحِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ الْحَالُ دَلِيلًا عَلَى النِّكَاحِ، فَإِنْ نَوَى النِّكَاحَ وَصَدَّقَهُ الْمَوْهُوبُ لَهُ فَكَذَلِكَ يَنْصَرِفُ إِلَى النِّكَاحِ بِقَرِينَةِ النِّيَّةِ، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ يَنْصَرِفُ إِلَى مِلْكِ الرَّقَبَةِ، وَإِنْ أُضِيفَتْ إِلَى الْحُرَّةِ فَإِنَّهُ يَنْعَقِدُ مِنْ غَيْرِ هَذِهِ الْقَرِينَةِ؛ لِأَنَّ عَدَمَ قَبُولِ الْمَحَلِّ لِلْمَعْنَى الْحَقِيقِيِّ، وَهُوَ الْمِلْكُ لِلْحُرَّةِ يُوجِبُ الْحَمْلَ عَلَى الْمَجَازِ فَهُوَ الْقَرِينَةُ، فَإِنْ قَامَتْ الْقَرِينَةُ عَلَى عَدَمِهِ لَا يَنْعَقِدُ، فَلَوْ طَلَبَ مِنْ امْرَأَةٍ الزِّنَى فَقَالَتْ وَهَبْت نَفْسِي مِنْك فَقَالَ الرَّجُلُ قَبِلْت لَا يَكُونُ نِكَاحُهُ كَقَوْلِ أَبِي الْبِنْتِ وَهَبْتهَا لَك لِتَخْدُمَك فَقَالَ قَبِلْت إِلَّا إِذَا أَرَادَ بِهِ النِّكَاحَ كَذَا فِي الْبَحْرِ ط.

(قَوْلُهُ: بِشَرْطِ نِيَّةٍ أَوْ قَرِينَةٍ،إِلَخْ) هَذَا مَا حَقَّقَهُ فِي الْفَتْحِ رَدًّا عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ عَنْ الزَّيْلَعِيِّ،(الى قوله)هَذَا حَاصِلُ مَا فِي الْفَتْحِ، وَمُلَخَّصُهُ أَنَّهُ لَا بُدَّ فِي كِنَايَاتِ النِّكَاحِ مِنْ النِّيَّةِ مَعَ قَرِينَةٍ أَوْ تَصْدِيقِ الْقَابِلِ لِلْمُوجِبِ وَفَهْمِ الشُّهُودِ الْمُرَادَ أَوْ إِعْلَامِهِمْ بِهِ.(ردالمحتار: ۲۷۰/۲)(۱)

اگر لفظ نکاح بھی ایسے طریقہ پر کہا کہ محض وعدہ کا محتمل بھی ہو اور محض وعدہ پر قرائن بھی موجود ہوں تو بھی نکاح منعقد نہ ہوگا۔

كما في شرح التنوير :هَذَا حَاصِلُ مَا فِي الْفَتْحِ، وَمُلَخَّصُهُ أَنَّهُ لَا بُدَّ فِي كِنَايَاتِ النِّكَاحِ مِنْ النِّيَّةِ مَعَ قَرِينَةٍ أَوْ تَصْدِيقِ الْقَابِلِ لِلْمُوجِبِ وَفَهْمِ الشُّهُودِ الْمُرَادَ أَوْ إِعْلَامِهِمْ بِهِ وَكَذَا أَنَا مُتَزَوِّجُك أَوْ جِئْتُك خَاطِبًا لِعَدَمِ جَرَيَانِ الْمُسَاوَمَةِ فِي النِّكَاحِ أَوْ هَلْ أَعْطَيْتنِيهَا إِنْ الْمَجْلِسُ لِلنِّكَاحِ، وَإِنْ لِلْوَعْدِ فَوَعْدٌ.

قال في الشامية:وَبِهِ عُلِمَ أَنَّ الْمَبْدُوءَ بِالْهَمْزَةِ كَمَا لَا يَصِحُّ فِيهِ الِاسْتِيعَادُ لَا يَصِحُّ فِيهِ الْوَعْدُ بِالتَّزَوُّجِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ عِنْدَ قِيَامِ الْقَرِينَةِ عَلَى قَصْدِ التَّحْقِيقِ وَالرِّضَا كَمَا قُلْنَاهُ آنِفًا فَافْهَمْ.(ردالمحتار: ۳۶۳/۲)(۲)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۱۶/۳-۱۸، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح: ۱۱/۳-۱۲، دارالفکر بیروت، انیس

بیان مذکور سے ثابت ہوا کہ صورت سوال میں قرائن نکاح (ذکر مہر وغیرہ) نہ ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، صرف وعدۂ نکاح ہے اور بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا علامت نفاق ہے، خصوصاً اگر شروع ہی سے وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو تو سخت گناہ اور حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

”آية المنافق ثلاث: إذا وعد أخلف، الخ. (مشكاة)(۱)

وقيل: الخلف في الوعد بغير مانع حرام وهو المراد هٰهنا وكان الوفاء بالوعد مأموراً به في الشرائع السابقة أيضا. (أشعة اللمعات، باب الوعد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۶/۵-۱۷)

”میں نے اپنی لڑکی تمہیں دے دی“ کے الفاظ سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو دے دی، اس نے قبول کیا تو یہ نکاح ہو گیا، یا نہیں؟ ہمارے اطراف میں عموماً پہلے اس قسم کے الفاظ بلا ذکر مہر وغیرہ کے کہے جاتے ہیں اور بعد میں مستقلاً نکاح رسوم مروجہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نکاح پہلے الفاظ سے منعقد ہو گیا، یا دوسرے عقد سے منعقد ہوگا؟ اور اس عورت کا نکاح کیا دوسری جگہ کر دینا صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــ بعون الملك الوهاب

جب ایک شخص نے کہا: میں نے تم کو اپنی لڑکی دے دی اور دوسرے نے قبول کر لیا تو اگر لڑکی بالغہ ہو اور اس کی رضامندی سے دو گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے گئے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ یہ مجلس نکاح کے لیے منعقد کی گئی ہے، یا منگنی کے لیے، اگر مجلس کا انعقاد بغرض نکاح ہے تو ان الفاظ سے نکاح ہو جائے گا اور اگر مجلس منگنی کی ہو تو منگنی ہوگی۔ سوال سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ منگنی کے لیے کہے جاتے ہیں اور نکاح بعد میں مستقلاً ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں ان الفاظ سے نکاح منعقد نہ ہوگا اور اس صورت میں لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرایا جا سکتا ہے۔

لمافي الدر المختار (۱۰/۳): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها أن المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد.

وفي الشامية (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة. (نجم الفتاویٰ: ۴/)

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (صحيح البخاري، باب علامة المنافق، رقم الحديث: 33، وأخرجه مسلم في الإيمان، باب بيان خصال المنافق، رقم الحديث: 59، انيس)

اپنی لڑکی فلاں کو دے دی، اس سے نکاح منعقد ہوگا، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے مجمع عام میں اقرار کیا ہے کہ میں نے اپنی فلاں لڑکی نابالغہ فلاں شخص کو دے دی ہے، بعد بلوغ اس شخص نے لڑکی مذکورہ کو نکاح دوسرے شخص سے کردیا، کیا پہلے اقرار سے نکاح ثابت ہوگیا، یا نہیں؟ اور دوسرے نکاح کا کیا حکم ہے اور پہلا اقرار جب اس نے کیا تھا تو اس کی غرض نکاح سے تھی، نہ کوئی دوسری؟

الجواب

میں نے اپنی لڑکی فلاں کو دے دی یہ الفاظ ہبہ ہیں اور ہبہ کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ”فلو طلب من امرأةٍ الزنا، فقالت: وهبت نفسي منك، فقال الرجل: قبلت، لايكون نكاحاً، كقول أبي البنت: وهبتها لك لتخدمك، فقال: قبلت، إلا إذا أراد به النكاح، كذا في البحر.(۱)

اس واقعہ میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ مجمع عام میں اس کا یہ اقرار بطور نکاح تھا، یا محض بطور منگنی درصورت اول نکاح منعقد ہوگیا اور صورت ثانیہ نہیں، پس اگر سوال میں یہ لکھنا صحیح ہے کہ پہلے اقرار کے وقت غرض اور قصد نکاح ہی کا تھا تو نکاح منعقد ہو چکا ہے اور نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا۔ (امداد المفتین: ۲/۴۳۳)

شرط بودن در انعقاد بلفظ زوجنی للہ یا مولانا، فہمیدن آنکہ ازیں لفظ نکاح منعقد شود:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پڑھا لکھا اور درویش آدمی بکر کے مکان پر جایا آیا کرتا تھا، اتفاق سے اس کا قصد حج بیت اللہ کا ہوا اور اس کی معیت میں خالد اور ولید تھے، وہ بکر کے مکان پر گیا، دروازہ میں سے بکر کی زوجہ کو بلایا اور کہا کہ میرا قصور معاف کردو، میں حج کو جاتا ہوں، بکر کی زوجہ نے کہا: تم نے ہمارا کیا قصور کیا ہے؟ اس میں زید نے بہت اصرار کیا کہ ہمارا قصور معاف کردو، زیادہ اصرار کی وجہ سے زوجہ نے کہا کہ معاف کیا، اس کے بعد دختر بیوہ بکر کو آواز دی اور کہا کہ تم کچھ وظیفہ پڑھتی ہو، اس نے کہا کہ نماز پڑھتی ہوں اور جو دعا آپ نے بتائی تھی، وہ پڑھتی ہوں، وہ کیا دعا ہے، اس نے کہا: وہ یہ ہے: ”نحمده ونصلي على رسول الكريم“ اس کے بعد زید نے کہا اور یہ پڑھا کرو، مقولہ عورت؛ یعنی دختر مذکور ”رب زوجني مولانا يارب زوجني، جس وقت یہ الفاظ تعلیم کردیئے، تب بیرون دروازہ سے علاوہ خالد اور ولید کے ایک عربی خواں کو بھی بلایا، اس کا بیان ہے کہ یہ الفاظ تھے: ”زوجني لله يا مولانا“ اس دختر سے یہ الفاظ صحیح نہ ادا ہوئے تو زید نے پھر بتلائے، تب اس دختر نے ”زوجني لله يامولانا“ کہا اور زید نے ”قبلت“ کہا، ایسی حالت میں کہ دختر مذکور اور مودود دین

(۱) البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۹۲، دار الكتاب الإسلامي بيروت/ ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۷، دار الفكر بيروت، انيس

میں سوائے عربی خواں کے یہ جانتے ہیں کہ یہ درویش کہا: ایسی دعا تعلیم کر رہے ہیں، ان کو ہرگز یہ خیال نہیں ہے کہ ایجاب قبول ہو رہا ہے اور نہ ہم لوگ گواہ ہیں؛ بلکہ وہ جانتے ہیں کہ دعا تعلیم ہو رہی ہے اور وہ دختر بھی یہی جان کر یہ کلمات کہہ رہی ہے کہ میں دعا سیکھ رہی ہوں، اس صورت میں کہ نہ عورت جانتی ہے کہ میں اپنا نکاح کرتی ہوں اور نہ گواہ جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح ہو رہا ہے، سوائے عربی خواں کے ایسی حالت میں "**زوجنی للّٰہ یامولانا**" کہنے سے ایجاب ہو جائے گا، یا نہیں؟ اور نکاح زید کا دختر مذکور سے صحیح ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

اور مکرر یہ ہے کہ نہ اس وقت مہر کا ذکر ہوا، نہ اس کے بعد۔

الجواب

درمختار میں جہاں جہاں عدم اشتراط العلم بمعنی الایجاب والقبول کا ذکر کیا ہے، وہاں ردالمحتار میں درر سے یہ قید لگائی ہے:

"**إذا علما أن هذا اللفظ ينعقد به النكاح أى وإن لم يعلماحقيقة معناه**". (۲۳۷/۲)(۱)

اسی طرح درمختار میں جہاں الفاظ مصحفہ سے انعقاد وعدم انعقاد کی بحث کی ہے اور ردالمحتار میں اس میں تفصیل کی ہے، وہاں یہ عبارت ہے:

"**بل قصد حل الاستمتاع باللفظ الوارد شرعاً**". (۲)

اور یہ بھی ہے:

"**قاصداً به معنى النكاح** (إلى قوله) **ولا شك أن لفظ جوزت أور زوجت لا يفهم منه العاقدان والشهود إلا أنه عبارة عن التزويج ولا يقصد منه إلا ذلک المعنى بحسب العرف**". (۲/۴۴۰-۲۴۴)(۳)

اور درمختار میں شاہدین نکاح کے لیے بحر سے یہ شرط لگائی ہے:

"**فا همين أنه نكاح على المذهب**". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۲۳/۳، دارالفکر بیروت، انیس)

اور ردالمحتار میں بعد نقل اقوال یہ کہا ہے:

"**ووفق الرحمتى بحمل القول بالاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معانى الالفاظ بعد ما فهم أن المراد عقد النكاح**. (۴۴۷/۲)(۴)

ان سب روایات سے متفقاً ومشترکاً محقق ومنقح ہو گیا کہ متناکحین وشاہدین کے لیے گو خاص معانی موضوع لہا کا جاننا شرط نہ ہو؛ لیکن یہ سمجھنا یقیناً شرط ہے کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے؛ اس لیے صورت مذکور میں بالیقین نکاح

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۱۵/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲۰/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲۰/۳-۲۱، دارالفکر بیروت، انیس

(۴) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲۳/۳، دارالفکر بیروت، انیس

منعقد نہیں ہوا؛ بلکہ لفظ زوجنی تو اگر معنی سمجھ کر بھی کہا جاتا، تب بھی اس سے یہ نکاح نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ تو مجھ سے نکاح کرے، اس کے لیے تو تزوجنی، یا زوجی من نفسک موضوع ہے؛ بلکہ معنی یہ ہیں کہ میرا کسی دوسرے سے نکاح کردے تو یہ توکیل بالنکاح من نفسہ نہیں؛ بلکہ توکیل بالنکاح من غیرہ ہے اور یہاں تو ایک دوسرا مانع یعنی عدم فہم کونہ نکاحاً بھی موجود ہے کما ذکر، تیسرے صیغہ نکاح انشاء ہونا ضرور ہے اور یہاں یاد کرنے کے لیے نقل ہے، نہ کہ انشاء، ایک مانع یہ بھی ہے اور نیز جب وہ لڑکی اس کو دعا سمجھ رہی ہے تو مولانا میں خطاب حق تعالیٰ کو ہے اور للّٰہ میں وضع مظہر موضوع مضمر ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اپنی ذات جامع الکمالات کے واسطے، اے میرے مالک میرا نکاح کسی سے کردیجئے تو یہ خدا تعالیٰ سے دعا مانگ رہی ہے تو اس سے نکاح منعقد ہونے کو کوئی تعلق ہی نہیں اور یہ امر بھی واجب التنبیہ ہے کہ جس شخص نے مقتدا کی وضع بنا کر یہ حرکت تلبیسیہ کی ہے، مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس شخص کے ساتھ وہ معاملہ نہ رکھیں، جو مقتداؤں سے رکھا جاتا ہے۔ (امداد الفتاوی جدید:۲/۲۰۸)

کوئی شخص کسی عورت کو گواہوں کے روبرو ''زوجتک نفسی'' کہے:

سوال: کوئی شخص کسی بالغہ عاقلہ باکرہ، یا بیوہ عورت سے عربی میں ''زوجتک نفسی'' دو گواہوں کے روبرو کہلوائے اور جب عورت یہ الفاظ کہے: قبلت، ہوگا، یا نہیں؟ اگر نہیں درست ہوگا تو عورت اگر ان الفاظ کے معنی سے خبردار ہو؛ لیکن گواہ بے خبر ہو، اس صورت میں بھی نکاح جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمحتار فی اشتراط فهم الزوجين معنى الايجاب والقبول أوعدم اشتراط لصحة النكاح ما نصه: لكن قيد فى الدر عدم الاشتراط بما إذا اعلما (الزوجان) أن هذا اللفظ ينعقد به النكاح أى وإن لم يعلما حقيقة معناه، الخ. (۱)

وفيه: فى الاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معانى الالفاظ بعد ما فهم أن المراد عقد النكاح. (۲)

بنابر روایات مذکورہ اگر عورت، یا گواہ یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاوے گا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

(امداد الفتاوی جدید:۲/۲۰۸)

جن الفاظ میں نکاح کا معنی واضح نہ ہو، ان سے نکاح منعقد ہوگا، یا نہیں:

سوال: زید نے ہندہ کے سامنے یہ جملہ کہا: ''مرا باشیدی باذنی'' جس کے معنی یہ ہیں کہ تو میری عورت ہوئی، یا

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح:۳/۱۵، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) ردالمحتار، کتاب النکاح:۳/۲۳، دارالفکر بیروت، انیس

نہیں، ہندہ سے ''شدم'' کہلایا؛ مگر ہندہ کو اس کا علم نہیں کہ اس جملہ کے کیا معنی ہیں اور نہ زید نے ہندہ کو نکاح کی اطلاع دی، محض زید کے کہلانے سے ہندہ نے ''شدم'' کہا، جب زید نے ہندہ سے کہا کہ اس جملہ سے تیرا نکاح میرے ساتھ ہو گیا تو ہندہ نے سن کر سخت بیزاری ظاہر کی اور نکاح سے انکار کیا، پس ایسی حالت میں ہندہ زید کی بیوی ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں چوں کہ مشہود وشاہدین اور فہم معانی نکاح نہیں ہے؛ اس لیے نکاح نہ ہوا، اولاً اس لیے کہ ایجاب کے الفاظ درست نہیں ہیں، دوئم اس لیے کہ عورت کو دلالۃً قرائن سے نکاح کا علم نہیں، (۱) بغیر علم بالنکاح نکاح نہ ہوگا، فہم معانی الفاظ ہو، یا پہلے سے مجلس نکاح، بہر حال نکاح کا علم ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابو المحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳۴۵/۲/۱۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۸۳/۱)

حکم لفظ 'نکاح پڑھو' وحکم انکار زن از اذن نکاح:

سوال: فدوی نے ایک نکاح مسمی زید کا ساتھ صالحہ بی بی کے گھر میں جمع ہوئے اور مسماۃ صالحہ بی بی جس کی عمر چھبیس برس کی ہوگی، کوٹھے غربی کے چھت پر جو تقریباً چار فٹ اونچا ہوگا بیٹھی تھی اور اس کے پاس ایک وکیل اور دو گواہ اس لیے بھیجے گئے کہ تیرا نکاح ساتھ فلاں ولد فلاں قوم موچی کے کیا جاتا ہے تو اس نے تین بار کلمہ شہادت پڑھ کر آواز بلند کہا کہ میرا نکاح پڑھو، جس کو نیچے والی مجلس کے لوگوں نے بھی سنا، پھر وکیل اور گواہ کوٹھے سے اُتر کر مجلس میں آئے اور مجھ نکاح خواں کو اجازت نکاح کرنے کی دی اور میں ایجاب مسماۃ صالحہ بی بی کا سن کر طریقۂ شرعی ایک سو روپیہ ڈبل رائج الوقت مقرر کر کے فلاں ولد فلاں کو قبول ل کرایا اور نوشہ نے قبول کر لیا، اس پر شیرینی تل وشکر تقسیم ہوئی، پھر اس کے بعد صالحہ بی بی کی بہن اور بہنوئی نے نوشہ کو کہا کہ اب ہم سامان چند روز میں کر کے تمہاری تمہارے ساتھ کر دیں گے، تم اپنے گاؤں کے چند آدمی ہمراہ لانا اور اپنی منکوحہ کو لے جانا، پھر وہ نوشہ اپنے گاؤں کی طرف چلا گیا، عرصہ دو ماہ کے بعد صالحہ بی بی کو کوئی بدراہ کر کے لے گیا اور اس کو یعنی بخود نکاح کر لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

عورت کا یہ کہنا کہ میرا نکاح پڑھو، ترجمہ ہے زوجنی کا، اس کے ایجاب ہونے میں اختلاف ہے؛ لیکن توکیل ہونا یقینی ہے، پھر جب وکیل نے نکاح پڑھا، یہ ایجاب قائم مقام ایجاب اصل کے ہوا اور نوشہ نے قبول کیا، ایجاب وقبول

---

(۱) وملخصه أنه لا بد فی کنایات النکاح مع النیة مع قرنة أو تصدیق القابل الموجب وفهم الشهود المراد أو إعلامهم به. (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳۷۰/۲)

نکاح وتزویج کے علاوہ جو دوسرے الفاظ ہیں، اگر عاقدین ان کا حقیقی معنی نہیں جانتے ہیں؛ لیکن انہیں یہ پتہ ہے کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، پھر انہوں نے ان الفاظ کے ذریعہ نکاح کیا تو بعض فقہا کی تحقیق کے مطابق یہ نکاح درست ہوگا۔ مجاہد

دونوں متحقق ہو گئے، پس نکاح یقیناً صحیح ہو گیا، یہ اس وقت ہے جب کہ عورت اس اجازت دینے کا اقرار کرے اور اگر انکار کرتی ہو تو حکم یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان شخص کے پاس مقدمہ آوے، جو سلطنت کی جانب سے حاکم ہو، یا مرد وعورت دونوں رضا مند ہو کر اس کے پاس مقدمہ لے آئیں اور وہ گواہوں سے حکم کر دے تو اس کا انکار مؤثر نہ ہوگا اور اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں، صرف علما کا فتویٰ ہی ہے تو شوہر کو ان گواہوں کے بیان پر عورت کو لے جانا درست نہیں۔

في الدرالمختار: كزوجني (إلىٰ قوله) فإنه ليس بإيجاب بل هو توكيل ضمني.

وفيه: وقيل: هو إيجاب. (۱) واللہ اعلم وعلمہ اتم (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۱۳)

الفاظِ کنائی سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی لڑکی سے کہا کہ میں خدا کو حاضر ناظر مان کر کہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنی زندگی میں مانتا ہوں، کیا تم بھی مجھے مانتی ہو؟ لڑکی نے کہا: ''ہاں''، پھر لڑکے نے کہا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کے لیے قبول کرتا ہوں، کیا تم تسلیم کرتی ہو؟ لڑکی نے کہا: ''ہاں کرتی ہوں''۔ یہ باتیں دو عاقل بالغ گواہوں کی موجودگی میں ہوئی ہیں تو کیا اس کلام سے ان کے درمیان نکاح ہو گیا، یا نہیں؟ اور اگر نکاح ہو گیا ہے تو مذکورہ دو جملوں میں سے کس جملے کی وجہ سے ہوا ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح الفاظ کنائی کے ساتھ اس شرط پر درست ہوتا ہے، جب ان دونوں کی نیت بھی نکاح کی ہو اور گواہوں نے بھی ان کے مذکورہ الفاظ کے مقصود کو سمجھا ہو کہ ان دونوں کی مراد اس سے عقدِ نکاح ہے، صورتِ مسئولہ میں اگر واقعتاً مذکورہ شخص نے یہی الفاظ کہے ہوں کہ ''میں تمہیں اپنی زندگی کے لیے قبول کرتا ہوں کیا تم تسلیم کرتی ہو''، تو لڑکی نے جواب دیا ہو''ہاں کرتی ہوں'' اور ان دونوں کی نیت نکاح کی ہو اور دو گواہوں نے ان الفاظ کے مقصود کو سمجھا بھی ہو تو اس سے نکاح منعقد ہو گیا، ورنہ نہیں۔

لمافي الدرالمختار (۳/۱۸): وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة وفهم الشهودالمقصود.

وفي الرد تحته: وملخصه أنه لا بد في كنايات النكاح من النية مع قرينة أوتصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أو إعلامهم به.

وفي الفقه الإسلامي وإدلته، كتاب النكاح (۹/۶۵۲۳): وأما الألفاظ التي اختلفوا في انعقاد

(۱) الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۱۰، دار الفكر بيروت، انیس)

الزواج بها: فهي لفظ البيع، ولفظ الهبة، ولفظ الصدقة، أو العطية ونحوها مما يدل على تمليك العين في الحال، وبقاء الملك مدة الحياة:

(۱)　قال الحنفية والمالكية على الراجح: ينعقد الزواج بها بشرط نية أو قرينة تدل على الزواج، كبيان المهر وإحضار الناس، وفهم الشهود المقصود لأن المطلوب التعرف على إرادة العاقدين، وليس للفظ اعتبار، وقد ورد في الشرع ما يدل على الزواج بلفظ الهبة والتمليك. (نجم الفتاویٰ:۴؍۸)

محض الفاظ ہبہ سے بلانیت نکاح منعقد نہ ہوگا:

سوال:　علاقہ پنجاب میں یہ دستور ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے اقارب والدین وغیرہ جب ان کی منگنی کرتے ہیں تو اس خوف سے کہ شاید پھر لڑکی والا شادی کرنے سے انکار کردے لڑکا والا لڑکی والوں سے یہ فرمائش کرتا ہے کہ تم کہہ دو کہ ہم نے اپنی لڑکی تم کو، یا تمہارے لڑکے کو بخش دی، یا ہبہ کر دی اور یہ الفاظ چند لوگوں کے سامنے بولے جاتے ہیں، یہ دستور عام ہے؛ مگر بعد اس کے پھر نکاح کرتے ہیں، ان الفاظ سے صرف منگنی ہونا تصور کرتے ہیں تو آیا وقت منگنی کے لڑکی والوں کے یہ الفاظ کہہ دینے سے محقق مطلوب ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ پنجاب کے بعض مولویوں میں اختلاف ہو گیا؛ اس لیے اس کا جواب محقق مطلوب ہے، فقط اور اگر لڑکی کی ضرورت ہے، یا بغیر طلاق دلائے ہوئے لڑکی کا دوسری جگہ نکاح ہو سکتا ہے۔ فقط

الجواب

في الدرالمختار: (وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح) لأنهما صريح (وما) عداهما كناية وهو كل لفظ (وضع لتمليك عين)... (كهبة وتمليك) (إلى قوله) بشرط نية أو قرينة وفهم الشهود المقصود. (۱)

في رد المحتار (قوله: لشرط نيته، الخ): هذا ما حققه في الفتح رداً على ماقدمناه عن الزيلعي (إلى قوله) وملخصه أنه لابد في كنايات النكاح من النية صح قرينة أو تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أو اعلامهم به، اه. (۲)

اس روایت سے جو شرط مفہوم ہوتی ہے، سوال کی اس عبارت سے کہ ان الفاظ سے محض منگنی ہونا تصور کرتے ہیں، اس شرط کا ارتفاع معلوم ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہ ہوگا، جب نکاح نہ ہوا تو طلاق دلوانے کی ضرورت نہیں۔ فقط (امداد الفتاویٰ جدید:۲؍۲۱۹)

لفظ ''ہبہ'' سے نکاح کے لیے نیت شرط ہے:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کتاب ''احسن المسائل'' میں

---

(۱)　الدرالمختار، كتاب النكاح:۳؍۱۶-۱۸، دارالفكر بيروت، انيس

(۲)　ردالمحتار، كتاب النكاح:۳؍۱۸، دارالفكر بيروت، انيس

لکھا ہے کہ نکاح لفظِ ہبہ سے اور لفظ ''تزویج'' سے بھی ہوجاتا ہے، اس تحریر کو پڑھ کر زید نے دو آدمیوں کے سامنے ہندہ کو کہا: ''ھب لی نفسک'' (تم اپنے کو مجھے ہبہ کردو) اس پر ہندہ نے کہا: ''وھبت لک نفسی'' (میں نے اپنے کو آپ کو ہبہ کیا)؛ مگر اس مکالمے میں زید نے نکاح کی نیت کی اور ہندہ نے نکاح کی نیت نہیں کی اور اب تک زید کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی کرتی ہے تو اس صورت میں نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟ ہندہ ایک جوان غیر شادی شدہ عورت ہے اور زید نے ہندہ کو دو سو روپیہ دین مہر کی نیت سے دیا اور دین مہر کہہ کر نہیں دیا اور ہندہ نے اسے لے لیا۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

لفظ ''ہبہ'' نکاح کے کنائی الفاظ میں ہے؛ یعنی اگر ان الفاظ کی ادائیگی کے وقت نکاح کی نیت کی ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا، ورنہ نہیں؟ صورتِ مسئولہ میں چوں کہ ہندہ نے ''وھبت لک نفسی'' کہتے وقت نکاح کی نیت نہیں کی ہے، لہٰذا قبول صحیح نہیں ہوا اور نکاح منعقد نہیں ہوا، لہٰذا زید و ہندہ پر از سرِ نو نکاح کرنا لازم ہے۔

وإنما يصح بلفظ ''تزويج ونكاح''؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية، هو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، كهبة أي إذا كانت على وجه النكاح، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة، وفهم الشهود المقصود. (الدر المختار مع الشامي: ۱۷/۳، كراتشي، ۷۹/٤،زكريا، كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۹۰۸/۲،دار المعرفة بيروت، النهر الفائق: ۱۷۲/۲،إمدادية، بحواله: تعليقات: فتاویٰ محمودیہ ۶۶۴/۱۰، ڈابھیل)

اور چوں کہ نکاح صحیح نہیں ہوا ہے، لہٰذا زید نے جو دو سو روپیہ مہر کے نام پر دیا ہے، وہ اسے واپس لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۸/۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

ناطہ کے لفظ سے نکاح منعقد ہوگا، یا نہیں:

سوال: مدعی کا بیان ہے کہ عرصہ پانچ سال کا ہوا کہ میں رات کو شاہ محمد کے گھر گیا اور سوال کیا کہ نکاح کا مقرر کیا اور اس دن ایجاب وقبول کرایا گیا۔ اب پانچ سال کے بعد شاہ محمد ناطہ سے انکاری ہے، بیانات گواہان منسلک ہیں، آیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوگیا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اول تو تحریری شہادت اس طرح معتبر نہیں، دوسرے ہم اس معاملہ کے حکم نہیں کہ شہادت سنیں؛ اس لیے ہم اس کا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، البتہ مسئلہ بتلا سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اگر فی الواقع ایجاب وقبول نکاح، یا اس کے مثل الفاظ کے ساتھ دو گواہوں کے سامنے کیا گیا ہے تو نکاح منعقد وصحیح ہوگیا اور اگر ایجاب وقبول نہیں ہوا، یا لفظ ناطہ؛ یعنی منگنی کے

ساتھ ایجاب وقبول ہوا ہے تو ان لفظوں سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔(۱) ناطہ بمعنی نکاح بولتے ہیں تو اطلاع دی جائے؛ تا کہ اس کا حکم لکھیں۔ (امداد المفتین:۲/۴۳۳)

مجمع میں ایجاب وقبول بہ لفظ ''ناتہ'' ہو تو نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: لوگوں کا مجمع ہوا اور اس میں ایجاب وقبول بلفظ ناطہ ہوا۔ نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب

در مختار میں ہے:

هل اعطيتنيها؟ إن المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد، الخ.

(قوله: إن المجلس للنكاح): أى لانشاء عقده لأنه يفهم منه التحقيق فى الحال، فإذا قال الآخر: اعطيتكها أوفعلت لزم وليس للأول أن لايقبل. (۲)

حاصل یہ ہے کہ ایسی صورت میں دلالت حال کا اور مجلس کا اعتبار ہوتا ہے، اگر اس وقت اجتماع لوگوں کا بغرض خطبہ وپختگی منگنی کے تھا تو الفاظ مذکورہ سے منگنی ہوتی ہے، نکاح نہیں ہوتا اور چوں کہ لفظ ناطہ کے ساتھ ایجاب وقبول ہوا ہے، یہ قرینہ ہے کہ خطبہ کے لیے اجتماع ہوا تھا؛ اس لیے اس صورت میں خطبہ منگنی ہوا ہے، نکاح نہیں ہوا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۲۹/۷)

دے دینے کے لفظ سے نکاح بشرط نیت منعقد ہو جاتا ہے:

سوال: رحم علی نے اپنی لڑکی روبرو گواہان ومجلس مسمی جہاں داد کو ان الفاظ میں اپنی بیٹی مسماۃ بہشتاں جہاں داد کو دے دی ہے اور جہاں داد کے والد غلام علی نے بایں الفاظ قبول کی: میں نے رحم علی کی بیٹی مسماۃ بہشتاں اپنے لڑکے کی زوجیت کے واسطے قبول کی، چوں کہ لڑکی نابالغ تھی؛ اس لیے مزید رسومات ادا نہ کی گئیں، اب تقریباً پانچ سال بعد جب لڑکی بالغ ہوئی تو باپ نے لڑکی کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کر دیا، اگر پہلا نکاح ہو گیا تھا تو دوسرا نکاح پڑھانے والا ناکح اور منکوحہ کے والدین اور گواہان کے لیے کیا سزا ہے؟

الجواب

اگر بیان مندرجہ سوال صحیح ہے تو صورت مسئولہ میں مسماۃ بہشتان کا نکاح جہاں داد کے ساتھ صحیح اور لازم ہو گیا،

---

(۱) وإذا كان المقصود هو المعنى لا اللفظ، لو صرح بالإستفهام أعتبر فهم الحال، كما ذكره الإستيجابى: لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: أعطيتك، إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۸۹/۳، دار الكتاب الإسلامى بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۵۴/۲، ظفير

بشرطیکہ الفاظ مذکورہ سے نیت نکاح کی گئی ہو، بعد بلوغ بھی ان کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں؛ کیوں کہ جانبین سے والد کا کیا ہوا نکاح ہے، صرح بہ فی الهدایة والدر المختار وغیرہ، (۱) اور (دینے) کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اگر شروط نکاح کے مستحق ہوں۔

لما فی الدر المختار: إنما يصح النكاح بلفظ تزويج ونكاح لأنهما صريح وماعداهما كناية (إلٰى قوله) كهبة وتمليك وصدقة (إلى قوله) بشرط نية أو قرينة وفهم الشهود المقصود. (۲)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ الفاظ مندرجہ سوال ''جہاں داد کو دے دی'' اگر ان الفاظ سے نکاح کی نیت کی گئی تھی، یا قرینہ اس کا موجود تھا اور گواہوں نے بھی یہی مقصود ان الفاظ سے نکاح نہ سمجھا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ پس صورت اولیٰ میں نکاح ثانی شرعاً باطل ہوگا اور اس کے پڑھنے والے اور گواہ سب کے سب سخت گناہ گار ہوں گے، اگر ان کو پہلے واقعہ کا علم ہوا اور صورت ثانیہ میں نکاح ثانیہ صحیح ہوگا، کسی کو کچھ گناہ نہ ہوگا۔ (امداد المفتین: ۴۳۵/۲)

نکاح خواں کے جواب میں ''لڑکی دی'' کے لفظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا:

سوال: عرض اینکہ ایک لڑکی نے اپنے نکاح کا وکیل ایک شخص کو مقرر کیا، جو کہ اس کا محرم نہ تھا، نکاح خواں نے ایجاب وقبول کراتے وقت لڑکی کے وکیل کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے کہ فلاں لڑکی فلاں کی بیٹی، فلاں لڑکا فلاں کا بیٹا تم نے بعوض اتنے روپے مہر کی قبول کی؟ اس کے جواب میں وکیل نے کہا: ''میں نے قبول کیا'' ایک دوسرے آدمی نے صحیح کہنے کی غرض سے کہا کہ اس طرح کہو کہ تم نے فلاں لڑکی فلاں کی بیٹی لڑکے کے لیے دی، وکیل نے کہا: دی، اس کے بعد لڑکے کو قبول کرایا گیا، آیا اس صورت میں نکاح کا انعقاد کس سے ہوا؟ وکیل سے، یا لڑکے سے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں نکاح خواں نے دوسری مرتبہ جو جملہ وکیل سے مخاطب ہو کر کہا اور وکیل نے اس کے جواب میں کہا: دی، اس سے نکاح منعقد ہو گیا، (۳) اور لڑکے ہی سے نکاح ہوا، وکیل سے نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ جب

(۱) فإن زوجهما الأب أو الجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لأنهما كاملا الرأى وافرا الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما كما إذا باشراه برضاهما وإن زوجهما غير الأب و الجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ. (الهداية، كتاب النكاح: ۱۹۳/۱، دار إحياء التراث العربى بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۱۷/۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) و فی رد المحتار، کتاب النکاح، ج: ۳، ص: ۱۱، لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: أعطيت، إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح.

وفی رد المحتار أيضا، ج: ۳، ص: ۱۲ (قوله: أن المجلس للنكاح) أى لانشاء عقدة لأنه يفهم منه التحقيق فى الحال فإذا قال الآخر: اعطيتكها أو فعلت لزم، الخ.

کہ لڑکی نے نکاح خواں کو وکیل بنایا ہو، (۱) ورنہ مذکورہ جملے کے بعد لڑکے سے جو ایجاب وقبول کرایا گیا، اس سے نکاح منعقد ہو گیا۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ، ۲۲/۱/۱۴۰۸ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/)

''ایک بیٹی تمہاری ایک تمہاری'' نہ نکاح ہے نہ خطبہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے مرض الموت میں اپنی دو بیٹیوں کو چچازاد برادران کو اس طرح کہہ کر دیئے ''ایک تمہاری ایک تمہاری'' جسے پشتو میں بخنہ کہتے ہیں، اب یہ لڑکیاں والد کے اس کہنے سے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد امین چھوٹا لاہور صوابی، ۱/۳/۱۹۸۴ء)

الجواب

بظاہر یہ معاملہ نہ نکاح ہے اور نہ خطبہ، (۲) یہ لڑکیاں آزاد اور خود مختار ہیں۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۵۹)

ہمارے عرف میں ''دے دی'' الفاظ کنائی اور نکاح وخطبہ دونوں کے محتمل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ دادا نے اپنی پوتی کا نکاح اپنے پوتے سے ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ میں نے فلاں کی بیٹی فلاں کے بیٹے واقف خان کو دے دی، اس مجلس میں ان کے بیٹے بھی موجود تھے، جب کہ لڑکی کا والد بھی یہی اقرار کرتا ہے کہ دادا نے یہ الفاظ کہے ہیں، باقی رشتہ دار بھی موجود تھے اور سب نے کہا تھا کہ بہت اچھا اور ایک دوسرے کو مبارک باد دے دی۔ اس طریقہ سے عندالشرع نکاح منعقد ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا

(المستفتی: گل مست خان مانکی صوابی، ۸/۱/۱۹۶۹ء)

الجواب

اگر دادا کی مراد نکاح ہو کہ یہ لڑکی بغیر طلاق وغیرہ کے اور کسی کو نہیں دی جائے گی اور یہ لڑکی مہر مثل کی مستحقہ ہوگی اور دادا نے اپنی مراد پر گواہوں کو خبردار کیا تھا، یا دیگر قرائن نکاح موجود تھے تو اس صورت میں یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں داخل ہوئی ہے اور اگر دادا کی مراد اور مقصد یہ تھا کہ اس لڑکی کو میں نے اس لڑکے کے نام کر دیا ہے اور اس کے لیے

---

(۱) وفی الدر المختار، کتاب النکاح، ج:۳،ص:۹،(طبع سعید) وینعقد متلبسا بایجاب من أحدهما و قبول من الآخر ... کزوجت نفسی أو بنتی أو موكلتی منک.

وفی الشامية (قوله كزوجت نفسی) أشار الى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلا أو وليا أو وكيلا.

(۲) قال العلامة الحصكفی: أن المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۲/۲۸۷، قبيل مطلب التزويج بارسال كتاب)

متعین کیا ہے؛ تاکہ دیگر کوئی رشتہ دار وغیرہ اس کے طمع اور امید میں نہ رہے تو اس صورت میں یہ نکاح نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ ''دے دی'' الفاظ کنایات سے ہے اور نکاح وخطبہ دونوں کا محتمل ہے، پس بغیر ان شرائط کے اس لفظ سے انعقاد نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔

فی الدر المختار: وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح لأنهما صريح وما عداهما كناية وهو كل لفظ وضع لتمليك عين. (۱)

وقال الشامي في ردالمحتار (۳۷۰/۲): هذا حاصل ما في الفتح وملخصه: أنه لا بد في كنايات النكاح من النية مع قرينة أوتصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أوإعلامهم به، انتهیٰ. (۲)

ويدل على كونه محتملا ما في الهندية: ۲۸۸/۱، وفي مجموع النوازل عن الشيخ الامام نجم الدين النسفي أن في قوله ''دختر خويش مراده'' لا بد أن يقول ''بزنی'' و يقول الآخر ''بزنی دادم'' فأما بدون ذلك فلا ينعقد النكاح عند بعض المشائخ وعند بعضهم ينعقد فلا بد من هٰذه الزيادة لتصير المسئلة متفقا عليها، كذا في المحيط، انتهیٰ. (۳)

نیز ہمارے عرف میں کہا جاتا ہے کہ فلانہ فلاں کو دی گئی ہے؛ لیکن نکاح نہیں ہوا ہے۔ **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲۶۱/۴-۲۶۲)

''رشتہ منظور ہے'' سے نکاح کے انعقاد کا حکم:

سوال: لڑکی کے والد نے لڑکے کو دیکھتے وقت کہا کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے تو کیا یہ الفاظ کہنے سے نکاح منعقد ہو گیا، یا نہیں؟

الجواب

اگر لڑکی کے والد نے ایجاب وقبول کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے ہوں تو شرعاً نکاح منعقد ہو چکا ہے، اگر لڑکی نابالغ ہے تو خیار فسخ بھی حاصل نہیں اور اگر بالغ ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر ان الفاظ سے فقط وعدہ نکاح مقصود ہو تو پھر شرعا نکاح منعقد نہیں ہوا۔

قال ابن عابدين: (تحت قوله اذا لم ينو الاستقبال) قال في شرح الطحاوي: لوقال: هل اعطتنيها؟ فقال: أعطيت، إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح. (ردالمحتار: ۱۱/۳، كتاب النكاح) (۴) (فتویٰ حقانیہ: ۲۹۴/۴)

---

(۱) الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۹۰/۲، كتاب النكاح

(۲) ردالمحتار هامش الدر المختار: ۲۹۲/۲، قبيل مطلب هل ينعقد النكاح بالالفاظ المصحفة

(۳) الفتاویٰ الهندية: ۲۷۱/۱، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح ومالا

(۴) قال الحصكفي رحمه اللّٰه: وينعقد تلبسا بايجاب من أحدهما وقول من الأخر. (الدر المختار علىٰ صدر ردّ المحتار: ۹/۳، كتاب النكاح) ومثله في البحر الرائق: ۸۳/۳، كتاب النكاح)

''میں نے اسے بیوی قبول کیا'' کے الفاظ سے نکاح کا حکم:

سوال: بالغ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے اقرار کریں، لڑکا کہے میں نے اسے بیوی قبول کیا۔ لڑکی کہے: میں نے اسے شوہر قبول کیا، یا لڑکا دو گواہوں کے سامنے کہے: میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا، لڑکی کہے: میں نے قبول کیا۔ اقرار کے کون سے الفاظ صحیح ہیں؟ کیا لڑکا لڑکی کا ایک دوسرے کا نام لے کر اقرار کرنا ضروری ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں نکاح منعقد ہوجاتا ہے، ایجاب اور قبول میں وہ الفاظ صحیح ہیں جو عقد نکاح کے معاملہ میں صالح ہوں، مثلاً مرد کہے: میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا۔ عورت کہے: میں نے قبول کیا۔ جب لڑکا اور لڑکی روبرو ہوں تو بغیر نام لیے نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

لما فی فتح القدیر (۱۹۱/۳): **فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح.**

وفی الدرالمختار (۱۷/۳): **(وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح) لانهما صريح (وما) عداهما كناية هو كل لفظ (وضع لتمليک عين) كاملة فلا يصح بالشركة (فی الحال) خرج الوصية غير المقيدة بالحال(كهبة وتمليک و صدقة) وعطية،الخ.**

وفی الشامية (۲۱/۳): **فان كانت حاضرة منتقبة كفى الاشارة إليها.** (نجم الفتاویٰ:۴/۷)

لڑکے کے باپ نے کہا ''قبول ہے'' تو نکاح کس کا ہوا؟ خیر الفتاویٰ کا تسامح:

سوال: مفتی صاحب! ایک انتہائی عجیب وغریب مسئلہ پیش آ گیا ہے، میرے عزیز ناصر اللہ کا نکاح اس کی چچا زاد بہن سے ہونا تھا، ہم ملتان کے رہائشی ہیں تمام انتظامات ہو چکے تھے، منگنی، مایوں مہندی سب کچھ انجام دیئے جا چکے تھے، ان میں سے بہت سی ہندوانہ رسموں کا منع بھی کیا گیا؛ لیکن صحرا میں چیخ سے زیادہ فائدہ نہ ہوا، اتوار کو ولیمہ تھا اور ہفتہ کو نکاح، بروز ہفتہ بعد نمازِ عصر نکاح کے وقت عجیب واقعہ پیش آیا، لڑکا نکاح کی مجلس میں نہ تھا، مسجد سے باہر تھا اور باپ اس کا وکیل بن کر عاقد تھا، قاضی نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ آپ کی بیٹی کا ناصر اللہ سے نکاح کرنے کی اجازت ہے؟ کہا اجازت ہے۔۔۔قاضی نے کہا: میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح کیا، کیا تجھے قبول ہے؟ لڑکے کے باپ نے کہا: قبول ہے۔۔۔ظاہر ہے مراد معین لڑکی کا نکاح معین لڑکے (ناصر اللہ) سے نکاح تھا؛ لیکن دعا کے بعد ایک کہرام مچ گیا کہ نکاح ناصر کا نہیں، ناصر کے باپ کا ہو گیا۔

ایک مولوی صاحب ملتان کے ہی مدرسے خیر المدارس کی کتاب ''خیر الفتاویٰ'' اٹھا کر لے آئے، اس کے ۲/۴ ۸۷ پر مسئلہ ایسے ہی تھا؛ بلکہ اس میں تو یہ بھی لکھا تھا کہ اب بیٹے کا نکاح کبھی بھی اس لڑکی سے نہیں ہوسکتا، چاہے باپ طلاق دے دے۔

مفتی صاحب! مسئلہ کیا ہے؟ لڑکی تو ابھی نابالغہ ہے اس کی تو رضا کا اعتبار نہیں؛ لیکن کیا لڑکی کے باپ کی رضا کا بھی اعتبار نہ ہوگا اور اس نے تو یہ کہہ کر ایجاب کا وکیل بنایا تھا کہ لڑکے ناصر اللہ کا نکاح ہو، نیز کوئی بھی ذہناً تیار نہیں تو یہ نکاح صرف الفاظ کے ہیر پھیر سے کیسے واقع ہوسکتا ہے؟ پورا گھر کہرام کا شکار ہے، برائے مہربانی مسئلہ حل فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مذکورہ نکاح منعقد نہیں ہوا؛ کیوں کہ قاضی ولی کی طرف سے وکیل تھا اور ولی نے اس کو ناصر اللہ کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنایا تھا، نہ کہ اس کے والد کے ساتھ، لہٰذا جب قاضی نے اس کے والد سے نکاح کروادیا تو اس نے موکل کی مخالفت کی اور جب نکاح کا وکیل موکل کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نکاح موکل کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، منعقد نہیں ہوتا، نکاح کی بہتر صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والے اگر عاقدین نہ ہوں؛ بلکہ ان کے وکیل ہوں تو صراحت کے ساتھ اصل عاقد کا نام اور اس سے رشتہ کا ذکر کر کے ایجاب وقبول کریں، مثلاً ''میں اپنے بیٹے زید کا نکاح کرتا ہوں'' وغیرہ؛ تا کہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

بہرحال خیر الفتاویٰ کے مسئلہ میں تسامح ہوا ہے اور اس میں شامیہ کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے، وہ عبارت اور مسئلہ ولی کا ہے کہ جب عورت کا ولی عاقد ہو اور وہ خود ایجاب کرے، جب کہ یہاں ایجاب کرنے والا قاضی (وکیل) ہے اور ولی اور وکیل میں فرق ہوتا ہے، ولی مطلق نابالغہ لڑکی کا نکاح کرواسکتا ہے، جب کہ وکیل صرف اس کے ساتھ نکاح کرواسکتا ہے، جس کے ساتھ موکل نے اس کو مقید کیا ہے، یا وہ عرف اور دلالت کی وجہ سے مقید ہو، لہٰذا شامی کی اس عبارت سے پیش آمدہ مسئلہ پر استدلال درست نہیں ہے۔

لما في التاتارخانية (٤/١٤٧) كتاب النكاح، ط: فاروقيه: وكله أن يزوجه امرأة من قبيلة فزوجها من قبيلة أخرى لم يجز وهذا ظاهر.

وفي الهندية (١/٢٥): أمره أن يزوجه بيضاء فزوجه سوداء أو على العكس لا يصح.

وفي الشامية (٣/٢٦): لو قال أبو الصغيرة لأبي الصغير زوجت ابنتي ولم يزد عليه شيئا فقال أبو الصغير قبلت يقع النكاح للأب هو الصحيح ويجب أن يحتاط فيه فيقول قبلت لابني اه وقال في الفتح بعد أن ذكر المسألة بالفارسية يجوز النكاح على الأب وإن جرى بينهما مقدمات النكاح للابن هو المختار لأن الأب اضافه إلى نفسه.

وفي الفقه الإسلامي وأدلته (٩/٦٧٢٩): الوكالة المطلقة: بأن لم يعين الموكل امرأة معينة ولا وصفاً معيناً ولا مهراً اختلف أئمة الحنفية فيها: رأى أبو حنيفة: أن للوكيل أن يزوجه بأية امرأة ولو غير كفء له، وبأي مهر... فأبو حنيفة يراعي عبارة الموكل ولفظه ورأى الصاحبان وباقي المذاهب: أنه يتقيد الوكيل بالمتعارف استحساناً لأن الإطلاق مقيد عرفاً وعادة بالكفء

وبالمهر المألوف، والمعروف عرفاً كالمشروط شرطاً... وهذا هو الرأى الراجح، وينبغي أن تكون عليه الفتوى عند الحنفية، وهو المعمول به في محاكم مصر وبه يتبين أن الصاحبين يحكمان العرف والعادة. (نجم الفتاویٰ: ۴/۴)

ان شاءاللہ کے ساتھ انعقاد کا حکم:

سوال: شخصے بہ محفل گفت کہ دختر صغیرہ فلاں را ان شاءاللہ تعالیٰ ''اعنی بزبان بنگالہ معنی اش اللہ ویلی می گویند'' بنکاح فلاں دادم، پس بموجب شرع از اتصال جملہ ان شاءاللہ نکاح منعقد خواہد شد، یا نہ؟

الجواب ــ

در ایجاب وقبول ان شاءاللہ گفتن مفید جواز وصحت نکاح نخواہد شد کہ بان شاءاللہ تحقق عقد نیست۔

وقد قال في الدر المختار: هو عقد يفيد ملك المتعة، الخ. (الدر المختار)

في الشامي: العقد مجموع إيجاب أحد المتكلمين مع قبول الآخر أو كلام الواحد القائم مقامهما أعني متولي الطرفين، بحر، الخ. (شامی: ۳۵۵)(۱)

وينعقد بايجاب وقبول وضعا للمضي لأن الماضي أدل على التحقيق. (الدر المختار)

(وقوله: على التحقيق) أي تحقيق وقوع الحدث، الخ. (شامی: ۳۶۱/۲)(۲)

وظاهر أن لايتحقق مع الاستثناء. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶۱/۷-۶۲)

''ان شاءاللہ میں نے قبول کیا'' سے نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: میری بہن رابعہ خاتون کی شادی جعفر امام سے ہونا قرار پائی، دوران نکاح جب قاضی نکاح نے جعفر امام کو کلمہ پڑھنے کے لیے کہا تو لڑکے نے کہا: میں مسلمان ہوں، آپ خطبہ پڑھیں؛ لیکن لڑکی کے والد نے اصرار کیا کہ کلمہ پڑھنا ہی ہوگا۔ لڑکے نے کہا کہ نہیں پڑھوں گا، پھر بھی لڑکی کے والد نے زور دے کر کہا کہ کلمہ پڑھنا ہی ہوگا، پھر لڑکے نے کہا: میں کلمہ نہیں پڑھوں گا، کلمہ پڑھنا شرک اور بدعت ہے۔ بہرحال قاضی نکاح نے نکاح قبول کروایا تو لڑکے نے قبولیت کے وقت کہا ''ان شاءاللہ میں نے قبول کیا''۔ از روئے شرع لڑکا اسلام میں داخل رہا، یا خارج ہوگیا اور یہ نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح کے وقت لڑکے کے لیے کلمہ پڑھنا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی کلمہ پڑھانا شرع سے ثابت ہے؛ اس لیے کلمہ

(۱-۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) سوال کا ماحصل یہ ہے کہ ایجاب میں کہا گیا ان شاءاللہ میں نے نکاح میں دیا، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان شاءاللہ کے ساتھ ایجاب وقبول سے جو نکاح کیا جائے گا، درست نہیں ہوگا؛ اس لیے ان شاءاللہ کے لفظ کے ساتھ عقد کا تحقق حاصل نہیں ہوتا ہے۔ (ظفیر)

پڑھنے پر جو اصرار کیا گیا، وہ صحیح نہیں ہوا اور لڑکے کے کلمہ نہ پڑھنے سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا، اب بھی وہ مسلمان ہے۔

نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ماضی کے صیغوں کے ساتھ ایجاب وقبول ہو، اگر نکاح کو کسی شرط مستقبل پر معلق کیا جائے تو نکاح صحیح ومنعقد نہیں ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر یہ صحیح ہے کہ لڑکا نے نکاح کے وقت ''ان شاءاللہ میں نے قبول کیا'' کہا تو یہ نکاح صحیح ومنعقد نہیں ہوا، اور وہ دونوں میاں بیوی نہیں ہوئے، از سرنو نکاح کرنا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:

''**وأن لایکون مضافاً ولامعلّقاً کما سیجیء**''. (الدرالمختار)

''**(قوله: أن لایکون مضافا) کتزوّجتک غدا ولامعلّقا أی علی غیر کائن کتزوّجتک إن قدم زید**''. (ردالمحتار: ۲/۲٦۷)

''**(والنکاح لایصح تعلیقه بالشرط) کتزوّجتک إن رضی أبی لم ینعقد النکاح لتعلیقه بالخطر**''. (الدرالمختار)

''**(قوله: والنکاح لایصح تعلیقه بالشرط) المراد أن النکاح المعلق بالشرط لایصح (قوله لتعلیقه بالخطر) ... مایکون معدوماً ومایتوقع وجوده**''. (ردالمحتار: ۲/۲۹٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی: ۱۴۲۲/۶/۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۴۵-۴۶)

قبول میں ''ان شاءاللہ'' کہہ دینے سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عقد نکاح میں کہا کہ میں نے ہندہ سے نکاح کیا تو ہندہ نے جواب میں کہا: قبلت ان شاءاللہ۔ اس صورت میں نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

عقد نکاح کو تام کرنے کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال ضروری ہے، جو عقد کے یقینی اور قطعی ہونے پر دلالت کریں، صورتِ مسئولہ میں جب ہندہ نے قبلت کے بعد ان شاءاللہ بھی کہا ہے تو چوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کا پتہ لگانا مشکل ہے؛ اس لیے ان شاءاللہ سے پہلے ہندہ کا قول ''قبلت'' باطل ہو جائے گا اور نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

لمافی الشامیة (۳/۳۷۱): مطلب مهم لفظ إن شاء اللّٰه هل هو إبطال أو تعلیق قوله (فإنه تطلیق،الخ) اعلم أن التعلیق بمشیئة اللّٰه تعالی إبطال عندهما أی رفع لحکم الإیجاب السابق وعند أبی یوسف تعلیق ولهذا شرط کونه متصلا کسائر الشروط ولهما أنه لا طریق للوصول إلی معرفة مشیئته تعالی کان إبطالا... ومثله فی متن مواهب الرحمن حیث قال ویجعل أی أبو یوسف إن شاء الله للتعلیق وهما للإبطال وبه یفتی.

وفيه أيضا(٣٦٦/٣): وعن الحلوانی كل ما يختص باللسان يبطله الاستثناء كالطلاق والبيع بخلاف ما يختص به كالصوم لا يرفعه لو قال نويت صوم غد إن شاء اللّٰه تعالى له أداوه بتلك النية. (نجم الفتاویٰ:۴/۳)

حال، یا امر کے الفاظ سے نکاح کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نکاح کرتے وقت ایجاب کرتے ہوئے یوں کہے میں تم سے نکاح کرتا ہوں اور لڑکی کہے قبول ہے تو کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا، یا نکاح کے انعقاد کے لیے ماضی کے جملے کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ ذرا تفصیل سے جواب دے کر ثواب دارین حاصل کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ ایجاب وقبول دونوں ماضی کے جملوں کے ساتھ ہوں، یا ان میں سے ایک ماضی کے جملے کے ساتھ اور دوسرا حال، یا امر کے جملے کے ساتھ ہو۔ صورت مسئولہ میں ایجاب ''میں تم سے نکاح کرتا ہوں'' حال کے جملے کے ساتھ ہے اور قبول ''مجھے قبول ہے'' ماضی کے جملے کے ساتھ ہے، لہٰذا اگر نکاح کی دیگر شرائط موجود ہوں تو ان مذکورہ جملوں کے ساتھ نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لمافی الهندية (٢٧٠/١): الباب الثانی فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به: ينعقد بالإيجاب والقبول وضعا للمضی أووضع أحدهما للمضی والآخر لغيره مستقبلا كان كالأمر أوحالا كالمضارع، كذا فی النهر الفائق، فإذا قال لها: أتزوجک بكذا، فقالت: قد قبلت يتم النكاح وإن لم يقل الزوج: قبلت، كذا فی الذخيرة.

وفی الدرالمختار (٩/٣) كتاب النكاح: (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضی) لأن الماضی أدل على التحقيق (كزوجت) نفسی أو بنتی أو موكلتی منک (و) يقول الآخر (تزوجت و) ينعقد أيضا (بما) أی بلفظين (وضع أحدهما له) للمضی (والآخر للاستقبال) أو للحال.

وفی الشامية تحته: قوله (لأن الماضی،الخ) قال فی البحر وإنما اختير لفظ الماضی لأن واضع اللغة لم يضع للإنشاء لفظا خاصا وإنما عرف الإنشاء بالشرع واختيار لفظ الماضی لدلالته على التحقيق والثبوت دون المستقبل،اه. (نجم الفتاویٰ:۴/۳)

بطور نقل کے صیغہ نکاح پڑھنے سے نکاح نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ بالغہ ثیبہ سے دو شخصوں کے سامنے اولاً خطبہ

نکاح پڑھوالیا، بعدہ ایک کاغذ ہندہ کے سامنے رکھ دیا اوراس میں یہ لکھا تھا کہ: ''**یا زید زوجت نفسی منک علی مأتی درهم**'' اورکہا کہ اس کو بلندآواز سے تین بار پڑھ، چناں چہ ہندہ نے بلندآواز سے اس کو پڑھا اورزید نے ''**قبلت**'' کہا اوران دونوں شخصوں سے سنا اور ہندہ اوروہ دونوں شخص اس کونہیں جانتے ہیں کہ ''**زوجت نفسی منک**'' سے عقد نکاح منعقد ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں بموجب قول صاحب شرح وقایہ کے ''**کزوجتنی، فقال: زوجت، وإن لم يعلما معناه وأيضا سامعين معا لفظهما**، وبموجب حدیث شریف ''**جدها جد وهز لها جد**'' کے عقد نکاح منعقد ہوگیا، یانہیں؟

الجواب

سوال مجمل ہے؛ لیکن ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے جو کاغذ لکھا ہوا پڑھ دیا، نہ تو اس کو خطاب کرنا مقصود ہے اور نہ اس کو یہ معلوم ہے کہ اس سے نکاح ہوجاتا ہے اور گواہوں کا اس امر کو نہ جاننا خود سوال میں مصرح ہے، پس خطاب نہ ہونے سے تو وہ انشا ہی نہیں، صرف حکایت ہے ایک عبارت کی، اس طور پر تو اگر ایسے الفاظ بھی کہیں، جس کے معنی جانتے ہوتے، تب بھی نکاح نہ ہوتا، نہ قضاءً، نہ دیانۃً، جیسا کہ ظاہر ہے اوراسی طرح اس لفظ کا مفید نکاح ہونا جب معلوم نہ ہوتو بھی بعض علما کے نزدیک نکاح باطل نہیں ہوتا اورشرح وقایہ وغیرہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معنی مفصل ومفسر معلوم نہوں، نہ یہ کہ اس کا مفید نکاح ہونا بھی معلوم نہ ہواور بعض نے جو نکاح اس صورت عدم علم افادہ نکاح میں جائز کہا ہے تو صرف قضاءً، نہ کہ دیانۃً اور یہاں ضرورت ہے صحت دیانۃً کی، ورنہ وہ اس شخص پر حرام رہے گی، قاضی تفریق پر جبر نہ کرے، اسی طرح شہود کا اتنا سمجھنا کہ یہ مفید نکاح ہے، علی الراجح شرط ہے، یہاں یہ بھی مفقود ہے، بہرحال یہ نکاح اصلاً صحیح نہیں ہوا، ہرگز اس کو حلال سمجھنے کی جرأت نہ کی جائے اور جو شخص ایسے حیلے کرنا چاہے، وہ شخص قابل تعزیز ہے اور قابل احتراز وترک ملاقات؛ کیوں کہ اس سے ڈر ہے کہ باب اضلال کسی وقت اس سے مفتوح ہو۔ (**نعوذ بالله تعالیٰ من شر كل غوی مغومی**)

فی رد المحتار تحت قول الدرالمختار (ولا يشترط، الخ): لكن قيد فی الدرر عدم الاشتراط بما إذا علما أن هذا للفظ ينعقد به النكاح أی وإن لم يعلما حقيقة معناه، قال الفتح: لولقنت المرأة زوجت نفسی بالعربية وولا تعلم معناه، وقبل والشهود يعلمون ذلكأو لا يعلمون صح كالطلاق، وقيل: لا، كالبيع، كذا فی الخلاصة، (وبعده بسطرين): واقعة فی الحكم (إلیٰ قوله) قال قاضی خان: ينبغی أن يكون النكاح كذلك.(۱)

وفی الدرالمختار (شاهدين) (إلیٰ قوله) فاهمين أنه نكاح علی المذهب بحر.

ونقل تصحيحه صاحب ردالمحتار عن التبيين والجوهرة و الظهيرية والخانية (إلیٰ قوله)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۱۵/۳، دارالفکر بیروت، انیس

ووفق الرحمتی يحمل القول بالا شتراط علی اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الألفاظ بعد ما فهم أن المراد عقد النكاح. (۱)

اور ہزل سے مراد یہ نہیں؛ بلکہ معنی یہ ہیں کہ علم معنی وقصد تکلم تو ہے؛ لیکن ترتب اثر کا قصد نہیں، اس کو ہزل کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۵ رمضان ۱۳۲۳ھ

تفصیل سوال کا سبق:

ہندہ بیوہ بالغہ ہے، اس کے کوئی اولاد نہیں ہے؛ بلکہ خلوت تک شوہر اول سے نہیں ہوئی، خود نمازی ہے اور قرآن بھی پڑھی ہے، اس کا باپ بے نمازی ہے؛ بلکہ تاڑی پیا کرتا ہے اور گفتگو کرتا ہے، اس سے آمادہ جنگ ہوجاتا ہے ہندہ زید کے گھر آیا جایا کرتی ہے، پس زید نے ایک روز دو شخصوں کے سامنے اس سے خطبہ نکاح پڑھوایا، بعد اس کے ایک کاغذ سامنے رکھ دیا، جس میں لکھا تھا کہ "**یا زید زوجت نفسی منک علی مأتی درهم**" اور ہندہ سے کہا تو اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھ، چناں چہ ہندہ نے ویسا ہی کیا اور خود "**قبلت**" کہا اور بعد کچھ دن کے ہندہ کے سامنے زید نے وہی خطبہ مذکور جو پڑھوایا تھا رکھ دیا اور کہا کہ اس کو تم نے فلاں روز پڑھا تھا، اس نے کہا کہ ہاں، پھر وہی کاغذ مذکور رکھ دیا اور کہا کہ اس کو بھی تم نے پڑھا تھا، اس نے یہ کہا کہ ہاں، پھر زید نے اس سے یہ کہا کہ "**یا زید زوجت منک نفسی**" کے معنی یہ ہیں کہ اے زید میں نے تجھ سے نکاح کرلیا، پس تو میری عورت ہوگئی اور میں تیرا شوہر ہوگیا، ہندہ اس پر ساکت ہوگئی اور کچھ جواب زید کو نہ دیا اور جس طرح اول زید کے گھر آیا کرتی تھی، اسی طرح اب بھی آتی جاتی ہے، زید آدمی محتاط ہے، فاسق اور فاجر نہیں، پس نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟ اور زید اس کا اعلان کرسکتا ہے، یا نہیں کہ ہمارا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا ہے؟ بینوا توا جروا۔

الجواب

ساکت ہونے سے صحت نکاح لازم نہیں آتی، (۲) اور اگر زید اس کو رضا سمجھتا ہے تو گویا وہ عورت نکاح پر راضی ہے

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح: ۳/۲۱-۲۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْفَضْلِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَذَاتُ الأَبِ وَغَيْرِ الأَبِ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ. (موطأ الإمام محمد بن حسن الشيبانی، باب: البكر تستامر فی نفسها، رقم الحديث: ٥٤٠، انیس)

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، حَدَّثَهُمْ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلاَ تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ. (صحيح البخاری، رقم الحديث: ٥١٣٦، انیس)

تو پھر اس حیلہ سے کیا فائدہ جس کا موجب نکاح نہ ہونا ثابت کردیا گیا ہے، جب وہ راضی ہے تو اس سے صاف طور پر گفتگو کر کے اب نکاح کرلیا جائے، جہالت کی رسم خود موقوف ہو جائے گی اور حیلہ مخترعہ میں اول تو نکاح نہ ہونا ثابت ہے، پھر اس سے رسم جہالت کیا موقوف ہوگی، اس جہالت سے بڑھ کر دوسری جہالت؛ یعنی مکروفریب کا رواج ہوگا،(۱) پھر جب اس عورت کا باپ ایسا ہے تو لامحالہ وہ فساد ہر طرح کرے گا، خواہ حیلہ سے نکاح ہو، یا صاف طور پر ہو، پھر حیلہ کرنے میں منع ہونا چاہتا ہے، لہذا میری وہی تحقیق ہے، جو پہلے لکھ چکا کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، زید کو واجب ہے کہ ہندہ کو آمد ورفت سے روک دے، ورنہ اندیشہ معصیت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم اتم

۲۸ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد: ۲/ ۲۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/ ۲۰۷)

☆ ☆ ☆

(۱) کیوں کہ شریعت میں مکروفریب کو ناجائز گردانا گیا ہے۔ صحیح ابن حبان میں ہے:

أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْحُبَابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ بْنِ الْجَهْمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا، وَالْمَكْرُ، وَالْخِدَاعُ فِي النَّارِ.

قال شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن، عاصم هو ابن بهدلة بن أبي النجود حسن الحديث، والهيثم بن جهم، روى عنه جمع، وذكره المؤلف في الثقات (۹/ ۲۳۵) وقال أبو حاتم (۹/ ۸۳): لم أر في حديثه مكروها وباقي رجاله ثقات. (صحيح ابن حبان، باب ذكر الزجر أن يمكر المرء أخاه المسلم: ۳/ ۳۲۶، مؤسسة الرسالة بيروت، رقم الحديث: ۵۶۷، انيس)

ایجاب وقبول میں نام، یا ولدیت کی غلطی

کیا انعقاد نکاح کے لیے منکوحہ کی تعیین اس کے نام کی تصریح کے ساتھ ضروری ہے:

سوال: وقت نکاح قاضی کو نام زوجہ کا لے کر مجمع عام میں پکار کر ایجاب وقبول کرانا چاہیے، یا کیا؟ اور جو بدون نام لینے زوجہ کے ایجاب وقبول کرادے تو نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

شرط جواز نکاح یہ ہے کہ منکوحہ زوج اور شاہدین کے نزدیک مجہول نہ رہے؛ بلکہ اپنے غیر سے متمیز ہو جائے، خواہ کسی طرح سے امتیاز ہو، پس اگر منکوحہ حاضر ہے تو اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے اور اگر غائب ہے تو اگر بدون تصریح نام کے بعض قیود سے اس کی تعیین ممکن ہے تو نام لینے کی حاجت نہیں اور اگر اوصاف سے تمیز نہ ہو تو اس کا نام لینا ضروری ہے؛ بلکہ اگر اس کے نام سے بھی تعیین نہ ہو تو باپ دادے کا بھی ضروری ہے، حاصل یہ ہے کہ رفع ابہام ہو جاوے۔

فی الدر المختار: وَلَا الْمَنْكُوحَةُ مَجْهُولَةٌ.

وفی رد المحتار: قُلْت: وَظَاهِرُهُ أَنَّهَا لَوْ جَرَتْ الْمُقَدِّمَاتُ عَلَى مُعَيَّنَةٍ وَتَمَيَّزَتْ عِنْدَ الشُّهُودِ أَيْضًا يَصِحُّ الْعَقْدُ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ نَفْيُ الْجَهَالَةِ، وَذَلِكَ حَاصِلٌ بِتَعَيُّنِهَا عِنْدَ الْعَاقِدَيْنِ وَالشُّهُودِ، وَإِنْ لَمْ يُصَرِّحْ بِاسْمِهَا كَمَا إذَا كَانَتْ إحْدَاهُمَا مُتَزَوِّجَةً، وَيُؤَيِّدُهُ مَا سَيَأْتِي مِنْ أَنَّهَا لَوْ كَانَتْ غَائِبَةً وَزَوَّجَهَا وَكِيلُهَا فَإِنْ عَرَفَهَا الشُّهُودُ وَعَلِمُوا أَنَّهُ أَرَادَهَا كَفَى ذِكْرُ اسْمِهَا، وَإِلَّا لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ أَيْضًا. (۱) إلى آخر ما قال وأطال. والله أعلم

(امداد: ۱۱/۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱۹۱/۲)

حکم صحت نکاح بدون ذکر اسم زوجہ وقتیکہ نزد گواہان وقاعدین بمقدمات نکاح وغیرہ زن متمیز شود:

سوال: زید کی دو لڑکیاں ہیں، بڑی لڑکی کا نام زینب اور چھوٹی لڑکی کا کلثوم ہے، زینب کا نکاح بکر سے ہونے کا مقرر ہوا، اس دن بکر کی طرف سے پانچ چھ آدمی کپڑا زیور وغیرہ لے کر زید کے مکان میں گئے تو زید نے ان لوگوں سے کپڑا زیور وغیرہ لے کر زینب کو پہنایا، یا بعد اس کے زید اور بکر کی طرف کے لوگ مل کر بکر کے مکان میں آئے اور زید

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۱۵/۳، دار الفکر بیروت، انیس

کے مکان پر زینب مذکور ہی بعد اس کے حاضرین مجلس نے زید سے کہا کہ تمہاری لڑکی کا نکاح بکر سے کر دیں؟ زید نے کہا کہ میں نے کر دیا، بکر نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور زید نے لڑکی کا نام نہیں لیا، نکاح خواں، حاضرین مجلس اور زید نے بکر سے پوچھا کہ کس کا نکاح ہوا تم سمجھے؟ معاً جواب دیا کہ سنگھار کیا ہوا دلہن کا۔ آیا نام نہ لے کر فقط سنگھار کیا ہوا زینب کی طرف نسبت کر کے جو نکاح ہوا، یہ صحیح ہے، یا نہیں؟ اور زینب مذکور نابالغ ہے، بکر اور گواہ اس وصف اور پتہ سے زینب کی تعیین سمجھی ہیں۔

الجواب

وفی رد المحتار: قُلت: وَظَاهِرُهُ أَنَّهَا لَوْ جَرَتْ الْمُقَدِّمَاتُ عَلَى مُعَيَّنَةٍ وَتَمَيَّزَتْ عِنْدَ الشُّهُودِ أَيْضًا يَصِحُّ الْعَقْدُ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ نَفْيُ الْجَهَالَةِ، وَذَلِكَ حَاصِلٌ بِتَعَيُّنِهَا عِنْدَ الْعَاقِدَيْنِ وَالشُّهُودِ، وَإِنْ لَمْ يُصَرِّحْ بِاسْمِهَا. (٤٣٧/٢)(۱)

جب زینب کی تعیین سمجھ گئے، نکاح صحیح ہو گیا۔

۱۶/رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۱۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱۹۲/۲)

ایجاب وقبول کے وقت لیا ہوا نام معتبر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نکاح کی بات ہوئی تو مسماۃ ان شاء اللہ جان سے نکاح ہونا قرار پایا؛ لیکن جب قاضی نے ایجاب وقبول کرایا تو بجائے مسماۃ ان شاء اللہ جان کے مسماۃ آمنہ بی کے ساتھ آمنہ بی کا نام لے کر ایجاب وقبول کر لیا اور رجسٹر میں بھی مسماۃ آمنہ بی لکھا گیا، جب رخصت ہوئی تو مسماۃ ان شاء اللہ جان کو رخصت کر لیا گیا، حالاں کہ ایجاب وقبول آمنہ بی سے کرایا گیا۔ عند الشرع ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ایجاب وقبول کے وقت مسماۃ آمنہ بی کے والد اور بھائی موجود تھے، چھ ماہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی، مسماۃ ان شاء اللہ جان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ (المستفتی:۲۷۳۲، قمر الدین، پل بنگش، دہلی:۲۸)

الجواب

یہ نکاح آمنہ بی کے ساتھ منعقد ہوا، (۲) جس کا نام ایجاب وقبول کے وقت لیا گیا؛ مگر چونکہ یہ غلطی ہوئی تو اب اس کے تدارک کی بہتر سبیل یہ ہے کہ ان شاء اللہ جان کو شوہر سے علاحدہ کر دیا جائے اور شوہر آمنہ بی کو طلاق دے دے اور اس کے بعد ان شاء اللہ جان کے ساتھ اس کا دوبارہ نکاح کر دیا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ الجواب صحیح: حبیب المرسلین، نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ (کفایۃ المفتی:۳۰۶/۵-۳۰۷)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح:۱۵/۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) ولو کان لرجل بنتان: کبری اسمها عائشة وصغریٰ اسمها فاطمة وأراد ان یزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ینعقد علی الصغریٰ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب الأول:۲۷۰/۱، ماجدیة)

جس کا نکاح کررہا تھا، نام اس کی بہن کا لیا تو نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: مسماۃ حکیمن بیوہ بالغہ نے اپنے نکاح کا اذن اپنی زبان سے دو گواہوں کے روبرو دے دیا؛ لیکن قاضی صاحب نے سہواً حکیمن کے بجائے اس کی چھوٹی بہن سلیمن کا نام لے کر ایجاب وقبول کرادیا۔ نکاح صحیح ہوا، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں حکیمن کا نکاح صحیح نہیں ہوا، (۱) اور سلیمن اگر بالغہ ہے تو اس کا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے اور جو نابالغہ ہے تو اس کی ولی کی اجازت پر موقوف رہا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۱۲)

رفیقن کے بجائے رفاقن نام سے نکاح ہوا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک لڑکی کا نکاح اس کے باپ کے گھر ہوا، نکاح خواں نے لڑکی کا نام رفیقن کے بجائے رفاقن لیا اور رفاقن نام کی کوئی عورت اس مکان میں موجود نہیں، اس وجہ سے نام قاضی کے رجسٹر میں غلط درج ہوگیا، اس صورت میں رفیقن کا نکاح ہوگیا، یا نہیں؟

الجواب

رجسٹر میں نام لکھے جانے کا اعتبار نہیں، رجسٹر میں نام غلط درج ہونے سے نکاح میں کوئی فرق نہیں ہوتا، شرعاً اس امر کا اعتبار ہے کہ نکاح خواں نے بوقت عقد کیا نام لیا، اگر اس وقت صحیح نام لیا تھا تو نکاح منعقد ہوگیا، ورنہ نہیں۔

کما فی الدر المختار: ''(غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إِلَيْهَا فَيَصِحُّ''.

وفی الشامی: وکذا یقال فیما لو غلط فی اسمها، الخ. (۳)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ غلط نام لینے سے نکاح مذکور نہیں ہوا؛ یعنی رفیقن کا نکاح نہیں، البتہ اگر سامنے ہوئی اور

---

(۱) (غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إِلَيْهَا فَيَصِحُّ؛ وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى، خَانِيَةٌ. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار کتاب النکاح: ۲/۳۷۸، ظفیر)

(۲) كُلُّ عَقْدٍ صَدَرَ مِنَ الْفُضُولِيِّ وَلَهُ قَابِلٌ يُقْبَلُ سَوَاءٌ كَانَ ذَلِكَ الْقَابِلُ فُضُولِيًّا آخَرَ أَوْ وَكِيلًا أَوْ أَصِيلًا انْعَقَدَ مَوْقُوفًا هَكَذَا فِي النِّهَايَةِ. (الفتاویٰ الهندية، کتاب النکاح، الباب السادس: ۱/۲۹۹، ظفیر)

(۳) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲/۳۷۸، ظفیر) خاکسار مرتب کے خیال میں نکاح ہوگیا؛ اس لیے کہ حسب قاعدہ باپ کا نام لیا ہی گیا ہوگا اور رفاقن نام کی دوسری لڑکی تھی نہیں؛ اس لیے رفیقن کو رفاقن کہہ دینے سے کوئی خاص فرق نہ ہوا، بالخصوص جب کہ عوام میں نام کی یہ معمولی تبدیلی عموماً ہوتی رہتی ہے، پھر گواہوں اور اہل مجلس میں یہ مسلم تھا کہ رفاقن سے رفیقن ہی مراد ہے، وہ اچھی طرح جان رہے ہوں گے، لأن المقصود نفی الجهالة وذلک حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود. (ردالمحتار کتاب النکاح: ۲/۳۶۷، ظفیر)

اشارہ بوقت نکاح اس کی طرف ہوتا، مثلاً اس طرح کہ اس عورت کے ساتھ جو سامنے بیٹھی ہے، تیرا نکاح کیا گیا تو نکاح ہوجاتا ہے؛ لیکن اگر منکوحہ سامنے نہ ہو؛ بلکہ اندر گھر کے ہو اور نام غلط لیا گیا تو نکاح نہیں ہوا۔ فقط (دوبارہ نکاح پڑھایا جاوے۔ ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱۴/۷)

دولڑکے اور دولڑکیوں کا نکاح ایک ساتھ ہوا، بوقت نکاح لڑکیوں کا نام بدل گیا:

سوال: ایک روز دولڑکے کا ایک جلسہ میں نکاح ہوا؛ مگر جس لڑکے کا نصیرن سے ہونا چاہیے، اس کا ذکیرن سے نکاح ہوا، اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ غلطی سے لڑکی کا نام بدل گیا، اب ایجاب وقبول ہونے کے بعد کہا جاتا ہے، اس میں کیا کرنا چاہیے؟ لڑکا لڑکی دونوں بالغ ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مذکورہ میں جس لڑکی کا عقد جس لڑکے سے ہوا ہے، اگر وہ لڑکی لڑکا اور لڑکی کے ولی اور گواہوں کے نزدیک متعین تھی اور اس کی ذات گویا بمنزلہ محسوس کے تھی، یا اس لڑکی کی طرف اشارہ تھا؛ لیکن عقد کے وقت نام لینے میں غلطی ہوئی ہے؛ یعنی نام بدل گیا؛ مگر مسمیٰ وہی لڑکی تھی، جس سے عقد ہونا چاہیے تھا اور جس سے عقد مقصود تھا تو اس صورت میں عقد کے وقت ناموں میں غلطی ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور نکاح ہر ایک لڑکے کا اس لڑکی سے ہوا، جس سے مقصود تھا اور اگر عقد کے وقت اس قسم کا تعین نہ تھا، عاقدین وگواہان کے نزدیک وہ لڑکی بمنزلہ محسوس اور مشار الیہ نہ تھی تو جس نام کے ساتھ عقد کیا گیا ہے اور لڑکا لڑکی کے ولی نے بھی اس لڑکے کے ساتھ نکاح پسند کرلیا، جس کے ساتھ اس کا عقد ہوگیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہوگیا، الٹ پھیر نہیں کیا جائے، مثلاً جس لڑکے سے عقد پڑھانے میں نصیرن کا نام لیا گیا ہے تو نصیرن اس کی بیوی ہوئی، اگر نصیرن کا ولی راضی ہو اور جس لڑکے سے عقد پڑھانے میں ذکیرن کا نام لیا گیا ہے تو ذکیرن اس کی بیوی ہوئی، اگر اس کا ولی راضی ہو، اسی طرح لڑکوں کے ولی بھی راضی ہوں تو الٹ پھیر نہیں کیا جائے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے اور اگر لڑکے ولڑکی کے اولیا کو یہ نکاح منظور نہیں ہے تو سرے سے نکاح درست نہیں ہوا، دوبارہ جس سے چاہیں نکاح کردیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۲۲/۱۰/۱۳۴۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۸۴/۱-۸۵)

---

(۱) (غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إِلَيْهَا فَيَصِحُّ. (الدر المختار)

(قَوْلُهُ: إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً إِلَخْ) رَاجِعٌ إِلَى الْمَسْأَلَتَيْنِ: أَيْ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مُشَارًا إِلَيْهَا وَغَلِطَ فِي اسْمِ أَبِيهَا أَوْ اسْمِهَا لَا يَضُرُّ لِأَنَّ تَعْرِيفَ الْإِشَارَةِ الْحِسِّيَّةِ أَقْوَى مِنَ التَّسْمِيَةِ. (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲۷۵/۲)

فَلَوْ زَوَّجَ الْأَبْعَدُ حَالَ قِيَامِ الْأَقْرَبِ تَوَقَّفَ عَلَى إِجَازَتِهِ. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الأولیاء: ۳۱۵/۲)

قبول میں وکیل نے لڑکی کا نام بدل دیا، کیا حکم ہے:

سوال: زید کی نسبت ساتھ ہندہ کے ہوئی اور ہندہ کی بہن مریم کے ساتھ بکر کی نسبت ہوئی، بوقت نکاح موافق نسبت کے ایجاب کرایا گیا، بعد ایجاب کے جب قاضی کے روبرو قبول کروایا، وکیل نے بھول کر زید کے ساتھ ہندہ کی بہن مریم کا نام لیا اور بکر کے ساتھ ہندہ کا نام لیا، اسی وقت ایک شخص بولا یہ خلاف نسبت نام لیتے ہو، چناں چہ دوسری مرتبہ قاضی نے موافق نسبت کے قبول صحیح کرایا۔ اس صورت میں پہلا ایجاب وقبول صحیح ہوا، یا دوسرا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار، کتاب النکاح میں ہے:

"وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى، خَانِيَةٌ".

شامی میں اس کی شرح میں ہے:

"أَيْ بِأَنْ كَانَ اسْمُ الْكُبْرَى مَثَلًا عَائِشَةَ وَالصُّغْرَى فَاطِمَةَ .فَقَالَ زَوَّجْتُك بِنْتِي الْكُبْرَى فَاطِمَةَ وَقَبِلَ صَحَّ الْعَقْدُ عَلَيْهَا". (۱)

اس عبارت سے واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں پہلا نکاح صحیح ہوا، دوسرا نکاح درست نہیں ہوا۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۲۰/۷)

عقد کے وقت جس لڑکی کا نام لیا گیا، اس سے نکاح ہوا ہے، اگر چہ غلطی سے لیا گیا ہو:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۹/جولائی ۱۹۳۸ء)

سوال: زید کی دو بیٹیاں ہیں، بڑی بالغہ ہے، چھوٹی نابالغہ ہے، بڑی کا عقد بکر سے مقرر ہوتا ہے، بکر جو زید کا ہمشیرہ زادہ ہے، مع احباب کے آتا ہے، نکاح پڑھانے کے لیے قاضی صاحب دلہن کا نام دریافت کرتے ہیں تو زید بھولے سے چھوٹی لڑکی کا نام نکاح کے رجسٹر میں لکھواتا ہے اور دو گواہوں کے روبرو بڑی لڑکی؛ یعنی دلہن سے نکاح پڑھا کر دینے کی قبول حاصل کرتا ہے، لڑکی قبول دیتی ہے، مجلس میں لڑکی کی قبول سنائی جاتی ہے، قاضی صاحب خطبہ

---

(۱) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳۷۸/۲، ظفیر

(۲) جواب میں تسامح ہے، اگر باپ نے ایسا کیا تو بلا شبہ پہلا ہی نکاح صحیح ہوتا؛ مگر یہاں وکیل نے یہ ایجاب وقبول کرایا ہے اور وکیل کو خلاف وکالت نکاح کر دینے کا قطعاً اختیار نہیں ہے، لہذا پہلا ایجاب اس کے لیے جو کرایا، وہ اس کے لیے جائز ہی نہیں تھا؛ اس لیے دوسرا نکاح درست ہوا، پہلا درست نہیں ہوا، خود مفتی علام کا جواب بھی اس سلسلہ کا آگے اسی طرح کا آ رہا ہے۔

ومن أمر رجلان يزوجه امرأة فزوجه اثنتين في عقدة لم تلزمه واحد منهما لأنه لا وجه إلى تنفيذهما للمخالفة. (الهداية، فصل في الوكالة: ۳۰۳/۳، ظفير مفتاحی)

پڑھنے کے بعد نکاح کے صیغے دلہن کے باپ اور دولہا سے تین تین دفعہ کہلواتے ہیں اور صیغے میں ہر بار چھوٹی لڑکی ہی کا نام دوہرایا جاتا ہے، نکاح ہونے کے بعد دولہا دلہن کو رخصت کرا کے لے جاتا ہے اور خلوت صحیحہ حاصل کرتا ہے۔

اب زید کہتا ہے کہ نکاح میں جو نام لیا گیا، وہی نام بڑی لڑکی کا ہے، حالاں کہ غلط کہتا ہے؛ کیوں کہ نکاح میں جو نام لیا گیا ہے، اصل میں وہ چھوٹی لڑکی کا نام ہے اور اس کو اسی نام سے داخل مدرسہ کئے ہیں، وہی نام سے ہمسایہ بلاتے ہیں، لہٰذا اس صورت میں نکاح کس سے ثابت ہوتا ہے؟ چھوٹی سے، یا بڑی سے؟ اگر چھوٹی سے ثابت ہوا تو بکر اپنی متصرفہ دلہن کو رکھنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب ______________

نکاح اسی لڑکی کا ہوا، جس کا نام عقد کے وقت لیا گیا، (۱) اور رخصتی بڑی لڑکی کی ہوئی ہے، بڑی سے خلوت ووطی واقع ہوئی تو یہ وطی وطی بالشبہ ہوئی، اب شوہر کو لازم ہے کہ چھوٹی لڑکی لے کر اس کو طلاق دے دے اور بڑی لڑکی سے جو موطوءَ ہے، نکاح کرے، نکاح ایجاب وقبول دو گواہوں کے سامنے کر لینے سے ہو جائے گا۔ (۲) چھوٹی لڑکی کی طلاق قبل الخلوۃ ہوگی؛ اس لیے کوئی عدت لازم نہ ہوگی۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۳۵۲/۵)

نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا:

سوال: کچھ ماہ پہلے میری شادی ہوئی تھی، میری بیوی کا اصلی نام کوثر حسین ہے؛ لیکن نکاح میں اقرار کے وقت قیصر جہاں کے نام سے اقرار کرایا گیا، قاضی صاحب نے قیصر جہاں ہی نام لے کر مجھ سے تین مرتبہ اقرار کیا اور رسید میں بھی قیصر جہاں نام ہے، ذہنی الجھن مبتلا ہوں کہ یہ نکاح ہوا ہے، یا اس میں کچھ خامی ہے؟ شرعی اعتبار سے مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب ______________ حامداً و مصلیاً

اگر اصلی نام قیصر جہاں تھا؛ لیکن صحیح تلفظ نہ ہونے کی وجہ سے کوثر حسین کہنے لگے، یا اصلی نام کوثر حسین تھا، اسی کو قیصر جہاں کہنے لگے، یا دونوں ہی نام ہیں، کوئی کوثر حسین کہتا ہے، کوئی قیصر جہاں تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہو گیا۔ اگر نام ایک ہی ہے اور وہی لیا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا گیا ہے، وہ نام نہیں ہے

(۱) لو كان لرجل بنتان: كبرى اسمها عائشة وصغرىٰ اسمها فاطمة وأراد ان يتزوج الكبرى وعقد باسم فاطمة، ينعقد على الصغرى. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۷۰/۱، ماجدية)

(۲) وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معًا. (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب النكاح: ۲۲/۳، سعيد)

(۳) إن فرق قبل الدخول لا تجب العدة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۵۲۶/۱، ماجدية)

اور غلطی سے نام بدل گیا تو دو گواہوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۱۳۹۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۵۰۵)

جس لڑکی سے منسوب طے تھا، بوقت ایجاب وقبول دوسرے کا نام لیا گیا تو نکاح کس کا ہوا:

سوال: امیر الدین جو سلیمہ کے ساتھ منسوب تھا، نکاح کے وقت وکیل نے اس کے چچا سے پوچھا کہ آمنہ کا نکاح امیر الدین سے پڑھا دیا جائے؟ چچا نے اجازت دے دی، حالاں کہ دونوں کو صحیح نام معلوم نہ تھا؛ کیوں کہ آمنہ نام سلیمہ کی چھوٹی بہن کا ہے، اگرچہ سلیمہ نیم بالغہ سے بھی اجازت لی گئی تھی؛ لیکن نکاح بنام آمنہ کے پڑھا دیا گیا، اس کے بعد سلیمہ سے خلوت صحیحہ وغیرہ ہوئی، اس کے چند روز کے بعد امیر الدین کو اس غلطی کا پتہ چلا؛ اس لیے یہ استفتاء کیا جاتا ہے کہ نکاح کس سے ہوا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں امیر الدین کا نکاح آمنہ ہی سے ہوگیا، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”ولو كان لرجل بنتان كبرىٰ إسمها عائشة وصغرى إسمها فاطمة وأراد أن يزوّج الكبرىٰ وعقد بإسم فاطمة ينعقد على الصغرىٰ“.(۲)

یعنی: اگر ایک مرد کی دو لڑکیاں ہوں، بڑی کا نام عائشہ اور چھوٹی کا نام فاطمہ ہو اور وہ مرد بڑی کا نکاح کرنا چاہتا ہو اور عقد کے وقت چھوٹی یعنی فاطمہ کا نام لے تو چھوٹی ہی کا نکاح ہوجائے گا۔

اس لیے صورت مسئولہ میں مناسب ہے کہ امیر الدین سے مسماۃ آمنہ کو طلاق دلوا کر فوراً سلیمہ سے نکاح کردیا جائے، طلاق کی عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ آمنہ کے ساتھ خلوت نہیں ہوئی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس غفرلہ، ۱۶/۴/۱۳۴۹ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴/۶۰-۶۱)

---

(۱) یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ گواہوں نے زوجہ کو نہ پہچانا ہو؛ لیکن اگر زوجہ کو گواہوں نے پہچان لیا ہو اور پھر نام لینے میں غلطی ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

”غلط وكيلها في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وغلط في اسم بنته، إلا اذا كانت حاضرة وأشاره اليها، فيصح“.(الدر المختار)

(قوله:إلا اذا كانت حاضرة) راجع الى المسئلتين:من التسمية،لمافى التسمية من الاشتراك العارض، فتلغوا التسمية عندها كما لوقال: اقتديت بزيد هذا فاذا هو عمرو، فإنه يصح“.(ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب فى عطف الخاص على العام:۳/۲۶، سعيد)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح:۱/۲۷۰

(۳) اس لیے کہ عدت خلوت کے بعد واجب ہوتی ہے۔(وسبب وجوبها) عقد(النكاح المتأكد بالتسليم وماجرى مجراه)من موت أو خلوت أى صحيحة.(الدرالمختار،باب العدة:۲/۵۹۹)

نام بدل کر نکاح کرنے کا حکم:

سوال: زید کی لڑکی کا منسوب عمر کے لڑکے محمد صلاح الدین سے طے تھا، کچھ روز کے بعد عمر کا منجھلا لڑکا سراج الدین آیا اور اپنا نام صلاح الدین بتا کر زید کی لڑکی سے صرف نکاح کر لیا۔ یہ نکاح شرعاً درست ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر زید کی لڑکی نابالغہ تھی اور زید نے خود سراج الدین سے نکاح پڑھایا، تب تو نکاح ہو گیا اور نکاح صحیح ہوا اور اگر زید نے خود نکاح نہیں پڑھایا؛ بلکہ دوسرے کو وکیل بالنکاح بنایا کہ وہ لڑکی کا نکاح صلاح الدین سے کر دے اور اس نے سراج الدین سے کر دیا تو نکاح نہیں ہوا، یا لڑکی بالغہ تھی اور اس نے صلاح الدین سے نکاح کی اجازت دی اور نکاح سراج الدین سے کیا گیا، تب بھی نکاح نہیں ہوا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۳۰/۱۱/۱۳۷۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۵/۴-۶۶)

بوقت ایجاب وقبول لڑکی کے نام میں غلطی ہو جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: مسماۃ دھومری کا نکاح تھا، یہ نابالغہ ہے، اس کے ولی نے غلطی سے نکاح کے وقت بجائے دھومری کے آمنہ کا نام (جو دھومری کی چھوٹی بہن ہے) لیا، وجہ یہ ہے کہ لڑکیاں برابر ننھیال میں رہیں، اس لیے ولی کو یاد نہ رہا کہ بڑی کا نام کیا ہے اور چھوٹی کا نام کیا ہے؟ اس کے بعد رخصتی بھی ہوئی اور پھر دھومری سسرال سے واپس آئی، تب شوہر کو معلوم ہوا کہ آمنہ اس کی سالی کا نام ہے۔ اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح آمنہ ہی کا ہو گیا؛(۲) اس لیے مرد سے آمنہ کو طلاق دلوا کر فوراً دھومری سے نکاح کر دیا جائے، عدت گزرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ آمنہ کے ساتھ خلوت نہیں ہوئی ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۴/۳/۱۳۴۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۱/۴)

---

(۱) اس لیے کہ وکیل کو مؤکل کے خلاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ ولو وکّل رجلاً بأن یزوّجه أمة فزوّجه حرّة لایجوز. (الفتاویٰ الخانیة، فصل فی الوکالة: ۳٤٦/۱)

(۲) ولوله بنتان أرادتزویج الکبری فغلط فسمّاها بإسم الصغریٰ صح للصغری. (الدر المختار)

(قوله ولوله بنتان، الخ) أی بأن کان اسم الکبریٰ مثلاً عائشة والصغری فاطمة فقال زوجتک بنتی فاطمة وقبل صح العقد علیها وان کانت عائشة هی المرادة. (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲۷٥/۲)

(۳) اس لیے کہ عدت خلوت کے بعد واجب ہوتی ہے۔

(وسبب وجوبها) عقد (النکاح المتأکد بالتسلیم وما جری مجراه) من موت أو خلوت أی صحیحة. (الدر المختار، باب العدة: ٥۹۹/۲)

جس لڑکی سے اجازت لی بوقت ایجاب وقبول اس کے بجائے دوسری لڑکی کا نام لیا تو نکاح کا حکم:

سوال: بکر کے پاس چار لڑکیاں ہیں، خالدہ خانم، شاکرہ خاتون، ذاکرہ خاتون، زاہدہ خاتون۔ خالدہ خانم کی شادی قبل ہوچکی ہے، دوسری لڑکی شاکرہ خاتون کی زید سے نکاح کے متعلق ساری باتیں طے ہوگئی تھیں، قاضی نکاح نے بھی شاکرہ خاتون کی زید سے نکاح پڑھانے کی اجازت لی تو شاکرہ نے اجازت دے دی؛ لیکن قاضی نکاح نے بوقت ایجاب وقبول غلطی سے شاکرہ خاتون کے بجائے اس کی چھوٹی بہن ذاکرہ خاتون کا نام لے کر زید سے نکاح پڑھادیا اور زید نے بھی قبول کرلیا، اس کے بعد شاکرہ خاتون کی رخصتی ہوگئی اور وہ زید کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے لگی ہے، زید بھی شاکرہ خاتون ہی کو چاہتا ہے؛ لیکن اب شاکرہ خاتون کے گھر والوں نے بتلایا کہ غلطی سے شاکرہ کی جگہ ذاکرہ کا نام بتلادیا گیا۔

اب یہ بتلایا جائے کہ زید سے شاکرہ خاتون کا نکاح ہوا، یا ذاکرہ خاتون کا؟ اگر ذاکرہ خاتون سے ہوا تو پھر اس سے چھٹکارے اور شاکرہ خاتون سے نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب کہ ناکح (قاضی نکاح) نے شاکرہ خاتون سے نکاح کی اجازت لی تو وہ شرعاً شاکرہ خاتون کا وکیل قرار پایا اور وکیل کو وکالت کے خلاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب قاضی نے شاکرہ خاتون کے بجائے ذاکرہ خاتون کا نام لے کر زید سے نکاح پڑھایا تو زید کا نکاح شاکرہ خاتون سے صحیح ومنعقد نہیں ہوا اور شاکرہ زید کی بیوی نہیں ہوئی۔ دونوں فوراً علاحدگی اختیار کرلیں، البتہ جب کہ قاضی نے ذاکرہ خاتون کا نام لیا تو وہ درحقیقت نکاح فضولی قرار پایا؛ کیوں کہ قاضی نہ تو ذاکرہ خاتون کا ولی ہے اور نہ ہی وکیل اور نکاح فضولی کی صحت اجازت پر موقوف رہتی ہے؛ یعنی جس سے نکاح پڑھایا گیا، بعد میں اگر وہ اجازت دے دے تو نکاح صحیح ہوگا، ورنہ نہیں۔

"وتزويج العبد والأمة بغير إذن مولاهما موقوف فإن أجاز المولىٰ جاز وإن ردّه بطل وكذلك لو زوّج رجل امرأة بغير رضاها أورجلا بغير رضاه وهذاعندنا فإن كل عقد صدرمن الفضولي وله مجيز انعقد موقوفاً على الإجازة". (الهداية، باب الأولياء والأكفاء: ۳۲۲/۲)

لہٰذا اگر ذاکرہ خاتون نے نکاح کا علم ہوجانے کے بعد اس نکاح پر خوشی کا اظہار کیا اور زید کی بیوی بننے پر راضی ہوگئی تو یہ نکاح ذاکرہ خاتون سے صحیح ہوگا اور وہ زید کی بیوی قرار پائے گی اور اگر ذاکرہ خاتون نکاح کا علم ہوجانے کے بعد زید کی بیوی بننے پر راضی نہیں ہوئی تو یہ نکاح ذاکرہ خاتون سے بھی صحیح نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں شاکرہ سے نکاح کرکے اس کو اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے۔

ذاکرہ کی رضامندی کی صورت میں اگر زید شاکرہ کو رکھنا چاہتا ہے تو ذاکرہ کو طلاق دے کر شاکرہ خاتون سے شرعی طور پر نکاح کرنا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۰/۲/۲۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۲/۴-۶۳)

بوقت نکاح لڑکی کے نام کے بجائے ''فلاں کی منجھلی لڑکی'' کہا تو نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: نکاح میں لڑکی کا نام لینے کے بجائے ''فلاں کی منجھلی لڑکی'' کہا گیا تو یہ نکاح درست ہوا، یا اعادۂ نکاح کی ضرورت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب نکاح میں یہ کہا گیا کہ ''فلاں شخص کی منجھلی لڑکی'' تو نکاح جائز و درست ہوا، اگر چہ نام لینا چاہیے، اب جب کہ اس صورت میں نکاح جائز ہوا تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۶۸/۱۰/۲۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۳/۴)

بوقت اجازت لڑکے کے نام میں غلطی ہو جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: لڑکے کا صحیح نام مظاہر علی تھا اور ان کے والد کا نام کمال الدین تھا؛ لیکن جب لڑکی سے قاضی صاحب (نکاح پڑھانے والے) اجازت لینے کے لیے لڑکی کے مکان گئے اور اس جگہ میں لڑکا موجود نہ تھا اور پھر قاضی صاحب نے لڑکے کے نام مظاہر علی کے بجائے مظاہر حسن اور ان کے والد کمال الدین کے بجائے محمد جمال الدین کہہ کر نکاح کی اجازت طلب کی اور اسی نام پر نکاح منعقد ہوا تو اب از روئے شرع بتلایا جائے کہ صورت مسئولہ میں مظاہر علی کا نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟ واضح رہے کہ لڑکی رخصت ہو کر سسرال چلی گئی اور مذکورہ لڑکے کے ساتھ رہ رہی ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب کہ قاضی نکاح نے لڑکے اور اس کے والد کا غلط نام (مظاہر حسن، محمد جمال الدین) لے کر لڑکی سے اجازت لی اور لڑکی نے اپنا نکاح مظاہر حسن ولد محمد جمال الدین سے پڑھانے کی اجازت دے دی اور قاضی نے لڑکی کا نکاح مظاہر علی ولد کمال الدین سے پڑھا دیا، جس سے اصلاً منسوب طے تھا تو قاضی نکاح کی حیثیت فضولی کی ہوئی اور فضولی کا کیا ہوا نکاح لڑکی کی اجازت و رضامندی پر موقوف رہتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کو

---

(۱) (قوله: ولا المنكوحة مجهولة)...قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عندالشهود أيضاً يصح العقد وهي واقعة الفتوىٰ لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عندالعاقدين والشهود وإن لم يصرّح باسمها. (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب: ۲۶۷/۲)

مظاہر علی ولد کمال الدین سے نکاح کا علم ہونے کے بعد اس نے رضامندی ظاہر کردی اور رخصت ہوکر سسرال چلی گئی تو یہ نکاح شرعاً صحیح ومنعقد ہوا اور دونوں میاں بیوی قرار پائے۔ میاں بیوی کی طرح ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا شرعاً جائز ودرست ہوا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۲/۵/۱۴۱۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۴/۴)

لڑکی کی بات چیت جس کی تھی، نکاح کے وقت اس کو بدل دیا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے شادی کا پیام دیا اور اس میں اظہار کیا کہ لڑکا مہرپور کا ہے، بعد نکاح ہوجانے کے وہ ہرگام کا نکلا، مزید برآں نوشہ کے تعین علم میں بھی اختلاف رہا، لڑکی تو یہ کہتی ہے کہ میرا نکاح عبدالرحمٰن ابن کلو کے ساتھ پڑھا گیا اور قاضی کا بھی یہی قول ہے؛ مگر گواہ لال محمد ابن منو بتلاتے ہیں اور وکیل لال محمد ابن کلو کا مدعی ہے اور وہ لڑکا جو نوشہ بن کر آیا تھا، وہ اصل قصبہ ہرگام کا تھا اور اس کا نام لال محمد ابن منو تھا، اس صورت میں نکاح کس کے ساتھ ہوا؟ اور لڑکی کے وارث اور اولیا عبدالرحمٰن ابن کلو کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے اور اسی کے ساتھ پیام بھی تھا؛ مگر لڑکے والوں نے فریب سے بجائے عبدالرحمٰن کے لال محمد ابن منو کے ساتھ نکاح پڑھوایا، صبح کو معلوم ہوا کہ یہ عبدالرحمٰن نہیں ہے، یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟ اور اگر ہوا تو لڑکی لال محمد کو قبول نہیں کرتی، اب تفریق کرادی جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر لال محمد ابن منو کا نام زوجہ کے سامنے نہیں لیا گیا اور ایجاب وقبول اس نام پر نہیں ہوا تو یہ نکاح لال محمد کے ساتھ منعقد نہیں ہوا، غرض یہ ہے کہ جس کے نام پر ایجاب وقبول ہوا، اس کا نکاح منعقد ہوا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱۸/۷-۱۱۹)

قاضی وکیل نے بھول سے ایجاب میں لڑکی کا نام بدل دیا، نکاح کس کا ہوا:

سوال: دو لڑکے بالغ زید وعمر دو لڑکیاں عائشہ وفاطمہ سے بایں تشریح منسوب ہوئیں کہ زید کا نکاح عائشہ سے اور عمر کا

---

(۱) وتزويج العبد والأمة بغير إذن مولاهما موقوف فإن أجاز المولىٰ جاز وإن ردّه بطل وكذلك لوزوّج رجل امرأة بغير رضاها أو رجلا بغير رضاه وهذا عند نا فإن كل عقد صدر من الفضولي وله مجيز انعقد موقوفا على الإجازة.(هدايه، فصل في الوكالة بالنكاح: ۳۲۲/۲)

(۲) وكله أن يزوجه من قبيلته، فزوجه من قبيلة أخرىٰ، لم يجز، كذافي الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب السادس: ۲۳۲/۱، ظفير)

وكله أن يزوجه امرأة من قبيلة فزوجه من قبيلة أخرى لم يجز وهذا ظاهر. (المحيط البرهاني، باب الوكالة في النكاح: ۳۳/۳، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

قَالَ: وَلَوْ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُزَوِّجَهُ امْرَأَةً مِنْ قَبِيلَةٍ أَوْ مِنْ بَلْدَةٍ فَزَوَّجَهُ امْرَأَةً مِنْ قَبِيلَةٍ أُخْرَى أَوْ مِنْ بَلْدَةٍ أُخْرَى لَمْ يَجُزْ لِتَقْيِيدِ الْوَكَالَةِ بِمَا سَمَّى وَمُبَاشَرَةُ الْوَكِيلِ بِخِلَافِ مَا سَمَّى. (مبسوط السرخسي، كتاب النكاح، باب الوكالة في النكاح: ۱۱۹/۱۹، دارالمعرفة بيروت، انيس)

نکاح فاطمہ سے ہو، چناں چہ وقت نکاح جوایک ہی وقت میں ہوا، عائشہ کے ایجاب وقبول میں زید آیا؛ لیکن قاضی صاحب نے غلطی سے زید کا نکاح فاطمہ سے عام مجمع معہ خطبہ کے پڑھادیا اور یہ غلطی عمر کے عائشہ سے نکاح پڑھانے کے وقت معلوم ہوئیں، زید کے ایجاب وقبول میں فاطمہ آئی، شرعاً نکاح مکرر ہونا چاہیے، یا زید اور فاطمہ کا عقد مستقل ہوگیا؟

الجواب ــ

اگر چہ ظاہر عبارات کتب فقہ سے اس صورت میں واضح ہوتا ہے کہ نکاح زید کا فاطمہ کے ساتھ، جس کا نام وقت ایجاب وقبول لیا گیا ہے، منعقد ہوجاوے گا؛ مگر اس میں بحث یہ ہے کہ جب کہ قاضی سے پہلے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ نکاح زید کا عائشہ سے کرے اور نکاح عمر کا فاطمہ سے کرے تو قاضی چوں کہ وکیل ہوتا ہے اور وکیل کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ خلاف وکالت کرے، لہذا اس صورت میں زید کا نکاح فاطمہ سے نہیں ہوا؛ کیوں کہ فاطمہ کا نکاح زید سے کرنے میں وکیل ہی نہیں ہے، پس نکاح زید کا پھر عائشہ سے ہونا چاہیے اور نکاح عمر کا فاطمہ سے ہونا چاہیے، البتہ اگر قاضی نے جو نکاح زید کا فاطمہ سے کردیا اور فاطمہ نے، یا اس کے ولی نے اس کو سن کر جائز رکھا تو نکاح زید کا فاطمہ سے منعقد ہوگیا۔

عبارت درمختار یہ ہے:

”(غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إلَّا إذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إلَيْهَا فَيَصِحُّ؛ وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى، خَانِيَةٌ“. (۱)

اور شامی میں ہے:

”(قَوْلُهُ: وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ، إلَخ) أَيْ بِأَنْ كَانَ اسْمُ الْكُبْرَى مَثَلًا عَائِشَةَ وَالصُّغْرَى فَاطِمَةَ. فَقَالَ زَوَّجْتُک بِنْتِي الْكُبْرَى فَاطِمَةَ وَقَبِلَ صَحَّ الْعَقْدُ عَلَيْهَا، وَإِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ هِيَ الْمُرَادَةَ، الخ“. (۲)

یہ عبارت مقتضی اس کو ہے کہ صورت مسئولہ میں نکاح زید کا فاطمہ کے ساتھ ہوجاوے؛ لیکن اس میں بحث یہی ہے کہ درمختار کی صورت میں خود باپ نے عقد نکاح کیا ہے اور صورت مسئولہ میں قاضی نے نکاح پڑھا ہے، جو کہ وکیل ہے اور وکیل اگر خلاف کرے تو وہ معتبر نہیں ہے، **كما مر تفصيله**. (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۱۲۲-۱۲۳)

نکاح کے وقت لڑکی کے ردوبدل کی صورت میں کیا حکم ہے:

سوال: ایک موضع میں ایک شخص کے یہاں دو لڑکیوں کی بارات آئی، بوقت عقد ایک ہی قاضی دونوں کے وکیل بالنکاح مقرر ہوئے، انھوں نے بڑی لڑکی کا عقد چھوٹے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی کا بڑے لڑکے سے کردیا، رخصت

(۱) الدر المحتار علی هامش رد المحتار کتاب النکاح: ۲/۳۷۸، ظفیر

(۲) رد المحتار، کتاب النکاح: ۲/۳۷۸، ظفیر

نہیں ہوئی، ایک گھنٹہ کے بعد پھر دوبارہ نکاح خواں آ کر کہنے لگے، پہلا عقد غلطی سے سہواً خلاف ترتیب ہو گیا، اب پھر عقد کیا جاوے، چناں چہ دوبارہ ردوبدل کر کے عقد کر دیا، اب چھوٹی لڑکی کا شوہر رخصت کر کے نہیں لاتا کہ آخر عقد غیر صحیح ہے اور بڑی لڑکی کا شوہر کہ وہ بھی جاہل مطلق ہے، رخصت کرا کے لے گیا، ایک لڑکا بھی پیدا ہوا، وہ لڑکا ولد الحلال ہے، یا نہ؟ آئندہ کے لیے کیا ہونا چاہیے؟

الجواب

اس صورت میں جس طرح پہلے نکاح ہو گیا؛ یعنی بڑی لڑکی کا چھوٹے دولہا سے اور چھوٹی لڑکی کا بڑے دولہا سے وہی صحیح ہو گیا،(۱) پھر اگر ردوبدل کرنا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب دونوں دولہا بالغ ہوں اور خلوت ووطی نہ ہو، اس وقت ہر ایک شوہر اپنی منکوحہ کو طلاق دے اور دوسری عقد کرے، ورنہ اسی طرح رہنے دیں، جس طرح نکاح ہو گیا ہے اور نکاح خواں نے جو بعد ایک گھنٹہ کے ردوبدل کر دیا، یہ صحیح نہیں ہوا اور بڑی لڑکی کا شوہر جو اس کو رخصت کرا لایا، یہ درست نہیں ہوا اور وہ مرتکب زنا ہے اور نسب کے ثابت ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، پس اس کو چاہیے کہ اپنی منکوحہ کو علاحدہ کر دے، یا پہلی منکوحہ کو طلاق دے کر اس عورت سے پھر نکاح کرے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۱۲۶-۱۲۸)

مغالطہ سے ناپسند لڑکی سے نکاح:

سوال: زید کی شادی ایک شخص کے یہاں طے ہوئی، اس شخص کے یہاں اس روز دو باراتیں آئی تھیں، جب نکاح ہو چکا، تب معلوم ہوا کہ زید کا نکاح اس لڑکی سے ہو گیا ہے، جس کو وہ نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی اس لڑکی سے زید کا نکاح طے ہوا تھا۔ اب زید اس غلط شادی کی وجہ سے سخت پریشان ہے اور وہ اس لڑکی کو طلاق دینا چاہتا ہے، کیا وہ طلاق دے سکتا ہے؟

---

(۱) (قَوْلُهُ: وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ إلَخْ) أَيْ بِأَنْ كَانَ اسْمُ الْكُبْرَى مَثَلًا عَائِشَةَ وَالصُّغْرَى فَاطِمَةَ. فَقَالَ زَوَّجْتُك بِنْتِي الْكُبْرَى فَاطِمَةَ وَقَبِلَ صَحَّ الْعَقْدُ عَلَيْهَا، وَإِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ هِيَ الْمُرَادَةَ وَهَذَا إذَا لَمْ يَصِفْهَا بِالْكُبْرَى.(ردالمحتار على الدر المختار، كتاب النكاح: ۳۷۸/۲)

اس عبارت سے صراحت ہے کہ خود لڑکی کے باپ نے اگر ایسا کیا ہے تو کرنے کے مطابق ہو جائے گا؛ لیکن یہاں سوال میں ہے کہ الٹ پلٹ اور ردوبدل قاضی نے کیا، جو وکیل ہے اور وکیل اس کو بنایا گیا تھا کہ بڑی کا بڑے لڑکے سے کرے اور چھوٹی کا چھوٹے سے اور یہی وجہ ہے کہ جوں ہی اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو آ کر کہا اور موافق ترتیب دوبارہ کیا اور یہ معلوم ہے کہ وکیل کو ردوبدل کا قطعاً اختیار نہیں ہے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ نافذ نہیں ہوا؛ اس لیے خاکسار کے خیال میں دوسرا نکاح موافق ترتیب صحیح ہوا، پہلا صحیح نہیں ہوا۔ فقہا کی صراحت ہے:

وكله بأن يزوجه فلانة بكذا فزاد الوكيل في المهر لم ينفذ.(الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب النكاح: ۳۷۹/۲)

معلوم ہوا کہ خلاف وکالت اگر وکیل مہر میں اضافہ کرے گا تو وہ نافذ نہیں ہوگا، اسی طرح یہاں اس کا پہلا ایجاب وقبول چوں کہ وکالت کے خلاف تھا؛ اس لیے وہ نافذ ہی نہیں ہوا، دوبارہ جو نکاح اس نے موافق اختیار وکالت کیا اور جس کو سب نے تسلیم بھی کیا، وہی نافذ ہوا۔ واللہ اعلم (ظفیر مفتاحی)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس لڑکی سے نکاح نہیں چاہتا تھا، مغالطہ میں اگر اس سے ایجاب وقبول ہوگیا تو بہتر یہ ہے کہ اس پر صبر کرے اور اس کو آباد کرے؛ لیکن اس سے نباہ دشوار ہو، یا اس سے نکاح میں دوسری مصالح مانع ہوں اور حقوق ادا نہ کر سکے تو اس کو طلاق دے دے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱۲/۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۵۲۸)

نکاح کے وقت لڑکی کا دوسرا نام لیا تو کیا نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کی دولڑکیاں ہیں، بڑی لڑکی کا نام کلثوم عرف احا، چھوٹی کا نام حواعرف حیی، بعض حیی کی جگہ حفیظہ نام سے بلایا کرتے ہیں۔ اتفاقاً بڑی لڑکی کے نکاح کے موقع پر باپ نے اس کے نام کو کسی وجہ سے نامناسب سمجھ کر بجائے کلثوم کے حافظہ نام رکھا اور باقاعدہ حاضرین مجلس کے روبرو نکاح کردیا، بروقت نکاح جدید نام حافظہ لیا گیا اور دفتر نکاح میں بھی یہی نام درج کیا گیا، یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ چھوٹی لڑکی کا نکاح ہوا؛ کیوں کہ چھوٹی لڑکی حفیظہ نام سے مشہور ہے اور حافظہ غیر مشہور نام حفیظہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور باپ کو ایک مرتبہ نام رکھنے کے بعد دوسری مرتبہ نام تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے؟

(المستفتی: ۴۹۷، پی اسماعیل، ایس کنارا، ۲۱/ربیع الاول ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۴/جون ۱۹۳۵ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

حافظہ چوں کہ پہلے سے کسی لڑکی کا نام معروف نہیں تھا؛ اس لیے دونوں میں سے کسی کا نکاح منعقد نہیں ہوا۔(۲) یہ صحیح نہیں کہ حافظہ کہنے سے حفیظہ کا نکاح ہوگیا۔

اب بڑی لڑکی کا نام صحیح لے کر دوبارہ ایجاب وقبول کرادیا جائے۔ باپ کو نام بدلنے کا حق ہے؛ لیکن تبدیل کے بعد جب تک وہ نام مشہور نہ ہوجائے، اس پر احکام جاری نہ ہوں گے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایۃ المفتی ۵/۱۰۲-۱۰۳)

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

(۲) رجل لہ ابنت واحدۃ واسمھا عائشۃ فقال الأب وقت العقد: زوجت منک ابنتی فاطمۃ لا ینعقد النکاح بینھما ... رجل لہ بنتان اسم الکبری منھما عائشۃ واسم الصغری فاطمۃ ... قال: زوجت ابنتی الکبری فاطمۃ فقال الزوج: قبلت، قالوا: لا یجوز نکاح واحدۃ منھما. (الخانیۃ علی الھندیۃ، کتاب النکاح: ۱/۳۲٤، ماجدیۃ)

(۳) کما قال الخصاف رحمۃ اللّٰہ تعالی: جاریۃ سمیت فی صغرھا باسم، فلما کبرت سمیت باسم آخر، قال: لا تزوج باسمھا الأول إذا صارت معروفۃ بالإسم الآخر. (الخانیۃ، کتاب الطلاق: ۱/۳۲۳، ماجدیۃ)

بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتا کر نکاح پڑھایا گیا تو:

سوال: سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکی تھیں، ایک کا نام خدیجہ، دوسری کا نام زینب۔ ان دونوں کے باپ نے خدیجہ جو بڑی لڑکی ہے، اس کے نکاح کے وقت بھول کر کے زینب جو چھوٹی بیٹی ہے، اس کا نام لے کر نکاح پڑھا دیا اور بڑی بیٹی کو نوشہ کے سپرد کر دیا اور دولہا اس کو اپنے گھر لے جا کر بود وباش؛ یعنی زن وشوی کر رہا ہے۔ اب مسئول یہ ہے کہ یہ نکاح از روئے شرع شریف جائز ہوگا، یا نہ؟ جواب عنایت فرماویں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

قال فی الدر المختار: "(غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إِلَيْهَا فَيَصِحُّ؛ وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى، خَانِيَةٌ". (کتاب النکاح: ۲/ ۵۰)

صورت مسئولہ میں اگر مسماۃ خدیجہ مجلس نکاح میں حاضر نہ تھی اور اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ اس کا نکاح کرتا ہوں تو مسماۃ خدیجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا؛ بلکہ اس مرد کا نکاح مسماۃ زینب سے منعقد ہو گیا ہے، پس اب مرد سے مسماۃ زینب کو طلاق دلوادی جائے اور خدیجہ سے اس کا نکاح دوبارہ کر دیا جائے، اگر ایسا نہ ہوا تو عمر بھر خدیجہ سے زنا ہوگا اور زوجین واولیائے زوجین سب گنہگار رہوں گے۔ واللہ اعلم

۲۷/ جمادی الاولی ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۳/ ۲۲۷)

لڑکی کے وکیل کو نام میں اشتباہ ہو گیا؛ مگر شوہر اور گواہ جانتے تھے کہ فلاں لڑکی سے نکاح ہوگا:

سوال: وکیل بالنکاح کچھ ناک سے بولا کرتے تھے؛ اس لیے عورت کے نام میں اشتباہ ہو گیا، مرد نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ یہ شخص جس عورت کا وکیل بن کر آیا ہے، وہ اور دوسرے ذرائع سے تو متعین ہے، نام سے کیا کام، نام کچھ بھی ہو، یہ شخص جس عورت کے وکیل بن کر آئے ہیں، وہ عورت مجھے قبول ہے اور مجمع عام میں بغیر نام کی لفظی تصحیح کئے ہوئے قبول کر لیا تو کیا نکاح ہوا، یا نہیں؟ یا نام کی تصحیح لفظی بھی ضروری ہے؟

تنقیح سوال:

کیا شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ اس کا نکاح کس لڑکی سے ہوگا، یا معلوم نہ تھا؟ اور ان کے خسر کے ایک ہی لڑکی ہے، یا دو؟ اور گواہوں کو بھی علم تھا، یا نہیں؟ اور گواہوں کو بھی نام میں اشتباہ ہوا، یا نہیں؟ سوال دوبارہ کیا جائے، جس میں اس تنقیح کا جواب بھی ہو، اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ واللہ اعلم

جواب تنقیح:

شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ میرا نکاح فلان لڑکی سے ہوگا، اس کے خسر کی لڑکیاں چار ہیں، دو شادی شدہ اور دو کنواری،

نہ گواہوں کو نام میں اشتباہ ہوا اور نہ وکیل بالنکاح کو، گواہوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں لڑکی سے نکاح ہوگا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہوگیا۔

"فإنه لو قال: زوجتک بموکلتی أوبمولیتی والرجل یعرفها صح النکاح عند الخصاف وإن لم یعرفها الشهود، ففی ظاهر الروایة: لایصح وعلها الفتوی، وأما إذا جرت المقدمات علی معینة وتمیزت عند الخاطب العاقد وعند الشهود أیضاً یصح العقد وهی واقعة الفتویٰ، لأن المقصود نفی الجهالة وذلک حاصل بتعینها عند العاقدین والشهود وان لم یصرح باسمها. ذکره فی الشامیة(۲/ ۴۳۷)(۱)وقول الخصاف فی(۲/ ۴۴۵)(۲)واللہ اعلم

۱۷/شعبان ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۳/ ۲۳۱)

نکاح کے وقت لڑکی کا نام بھول کر دوسری لڑکی کا نام بتادیا:

سوال: زید نے اپنی بڑی نواسی کے نکاح کے وقت اس لڑکی کا سہواً وہ نام بتلادیا، جو اس کی چھوٹی نواسی کا تھا، حالاں کہ اس کے اور دولہا کے اور گواہوں کے علم میں بڑی لڑکی ہی دلہن تھی۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا؟

الجواب

نکاح کے ایجاب وقبول میں جس لڑکی کا نام لیا گیا، اسی کا نکاح ہوگیا، اگر چہ دل میں نیت وارادہ دوسری کا ہو اور گواہ اور حاضرین بھی دوسری ہی کو دلہن سمجھتے ہوں بولے ہوئے الفاظ کے خلاف نیت اور ارادہ عمل نہیں کرتا۔

---

(۱)　وَلَا الْمَنْکُوحَةُ مَجْهُولَةٌ.(الدر المختار)

وفی ردالمحتار: قُلْت: وَظَاهِرُهُ أَنَّهَا لَوْ جَرَتْ الْمُقَدِّمَاتُ عَلَى مُعَيَّنَةٍ وَتَمَيَّزَتْ عِنْدَ الشُّهُودِ أَيْضًا يَصِحُّ الْعَقْدُ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ نَفْيُ الْجَهَالَةِ، وَذَلِکَ حَاصِلٌ بِتَعَيُّنِهَا عِنْدَ الْعَاقِدَيْنِ وَالشُّهُودِ، وَإِنْ لَمْ يُصَرِّحْ بِاسْمِهَا كَمَا إذَا كَانَتْ إحْدَاهُمَا مُتَزَوِّجَةً، وَيُؤَيِّدُهُ مَا سَيَأْتِي مِنْ أَنَّهَا لَوْ كَانَتْ غَائِبَةً وَزَوَّجَهَا وَكِيلُهَا فَإِنْ عَرَفَهَا الشُّهُودُ وَعَلِمُوا أَنَّهُ أَرَادَهَا كَفَى ذِكْرُ اسْمِهَا، وَإِلَّا لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ أَيْضًا.(کتاب النکاح: ۳/ ۱۵، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲)　وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْغَائِبَةَ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ اسْمِهَا وَاسْمِ أَبِيهَا وَجَدِّهَا، وَإِنْ كَانَتْ مَعْرُوفَةً عِنْدَ الشُّهُودِ عَلَى قَوْلِ ابْنِ الْفَضْلِ، وَعَلَى قَوْلِ غَيْرِهِ يَكْفِي ذِكْرُ اسْمِهَا إنْ كَانَتْ مَعْرُوفَةً عِنْدَهُمْ، وَإِلَّا فَلَا وَبِهِ جَزَمَ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ فِي التَّجْنِيسِ وَقَالَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ التَّسْمِيَةِ التَّعْرِيفُ وَقَدْ حَصَلَ وَأَقَرَّهُ فِي الْفَتْحِ وَالْبَحْرِ. وَعَلَى قَوْلِ الْخَصَّافِ يَكْفِي مُطْلَقًا، وَلَا يَخْفَى أَنَّهُ إذَا كَانَ الشُّهُودُ كَثِيرِينَ لَا يَلْزَمُ مَعْرِفَةُ الْكُلِّ بَلْ إذَا ذَكَرَ اسْمَهَا وَعَرَفَهَا اثْنَانِ مِنْهُمْ كَفَى وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمَعْرِفَةِ أَنْ يَعْرِفَهَا أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهَا هِيَ فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانٍ الْفُلَانِيُّ لَا مَعْرِفَةُ شَخْصِهَا، وَإِنَّ ذِكْرَ الِاسْمِ غَيْرُ شَرْطٍ، بَلْ الْمُرَادُ الِاسْمُ أَوْ مَا يُعَيِّنُهَا مِمَّا يَقُومُ مَقَامَهُ لِمَا فِي الْبَحْرِ: لَوْ زَوَّجَهُ بِنْتَهُ وَلَمْ يُسَمِّهَا وَلَهُ بِنْتَانِ لَمْ يَصِحَّ لِلْجَهَالَةِ بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَتْ لَهُ بِنْتٌ وَاحِدَةٌ إلَّا إذَا سَمَّاهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا وَلَمْ يُشِرْ إلَيْهَا فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ كَمَا فِي التَّجْنِيسِ، آه.(ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/ ۲۳، دار الفکر بیروت، انیس)

قال في الدرالمختار: ولوله بنتان أراد تزويح الكبرىٰ فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية وأقره الشامي (۳۷۹/۲)(۱)(واللہ تعالیٰ اعلم)(اضافہ) (امداد المفتین:۴۳۴/۲)

دھوکہ دے کر چھوٹی کے بجائے بڑی لڑکی سے نکاح کر دیا:

سوال: زید کی شادی کی تجویز اس کے بہنوئی نے غیر کفوٴ میں کی اور یہ ٹھہرا کہ چھوٹی لڑکی دیں گے؛ مگر جب زید بغرض شادی مع چند اعزا و اقارب کے لڑکی کے شہر میں پہنچے تو لڑکی کے والد اور اس کے رشتہ داروں نے چھوٹی لڑکی کو نہ بتلاتے ہوئے کہا کہ اس کے یہاں بالغ لڑکی صرف ایک ہی ہے اور قسم بھی کھائی کہ بالغ لڑکی صرف ایک ہے، حالاں کہ چھوٹی لڑکی کہ جس سے زید کہ تجویز کی گئی تھی، زید اس کے بیان سے مطمئن نہ ہوا اور ارادہ کیا کہ بغیر شادی اپنے مکان یعنی شہر کو جائے؛ مگر لڑکی کے عزیز و اقارب نے زید کے ساتھ حیلہ اور فریب کر کے انہوں نے زید سے بجائے چھوٹی لڑکی کے بڑی لڑکی کا عقد کر دیا، غرض اس طرح زید کو لڑکی کے والدین نے دھوکہ دیا، زید کا بیان ہے کہ عقد میری خواہش سے نہیں ہوا؛ بلکہ لڑکی کے والدین کے حیلوں اور فریبوں سے ہوا ہے، عقد ہونے کے بعد زید لڑکی کو اپنے مکان لے گیا اور چند روز کے بعد اس کو اس کے والدین کے یہاں واپس کر دیا، اس کے بعد لڑکی کے بھائی زید کے مکان پر چھوڑ آئے، حالاں کہ زید نے کبھی اس کو نہیں بلایا، پھر وہ ایک بغیر اجازت تنہا بھاگ گئی تو معلوم ہوا کہ اپنے والدین کے یہاں چلی گئی ہے، مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے نکاح جائز سمجھا جاوے، یا ناجائز؟ اور اگر لڑکی فارغ خطی چاہ کر مہر کا دعوی کرے تو آیا اس کا دعوی جائز ہے، یا نہیں؟ اور مذہب حنفی رکھتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح تو منعقد ہو گیا، اگر چہ عورت کے اعزاہ جھوٹی قسم کھاوے اور دھوکہ دینے کی وجہ سے سخت گناہ گار اور وعید الٰہی کے مستحق ہو گئے؛ کیوں کہ انعقاد نکاح کے لیے صرف اس قدر تعین کافی ہے کہ فلاں شخص کی لڑکی فلاں نکاح میں دی گئی، باقی اوصاف چھوٹے، یا بڑے ہونے وغیرہ کے ان کے تعین پر اعتماد ہوئی ہوگی؛ اس لیے اب اگر اس کو طلاق دے کر چھوڑے گا تو کامل مہر دینا واجب ہوگا۔ **(كذا في عامة كتب الفقه) (واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)** (امداد المفتین:۳۴/۲)

بات چھوٹے لڑکے سے طے کی اور دھوکہ دے کر نکاح بڑے لڑکے سے کر دیا کیا حکم ہے:

سوال: زید کے ایک لڑکی دس برس کی تھی اور عمر کے دو لڑکے ایک گیارہ سالہ دوسرا بیس سالہ تھا، بڑا لڑکا ایک آنکھ سے زخمی بھی ہے، زید کی دختر کی نسبت عمر کے چھوٹے پسر سے قرار پائی تھی، شادی کی تاریخ مقرر ہوئی اور لڑکی عمر کے یہاں بھیج دی گئی، عمر نے دھوکہ دے کر اپنے بڑے لڑکے کی ساتھ شادی کر دی۔ یہ نکاح جائز ہے، یا نہ؟

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲۶/۳-۲۷، دارالفكر بيروت، انيس

الجواب

اگر بڑے لڑکے کے ساتھ دختر کے باپ سے ایجاب وقبول ہوگیا تو اس سے نکاح صحیح ہوگیا، مثلاً عمر نے اپنے بڑے لڑکے کو مجلس نکاح میں لا کر اس سے قبول کرایا اور لڑکی کا باپ بھی موجود تھا، جس سے اجازت نکاح کی لی گئی تو اس حالت میں بڑے لڑکے کا نکاح ہوگیا، (۱) اور اگر یہ صورت ہوئی کہ زید نے اپنی دختر کے نکاح کی اجازت عمر کے چھوٹے لڑکے سے کر دی اور عمر نے بڑے لڑکے سے کر دی تو یہ نکاح زید کی اجازت پر موقوف ہے، اگر زید اس کو رد کر دے گا اور انکار کر دے گا تو وہ نکاح باطل ہو جاوے گا۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۱/۷-۲۹۲)

غلطی نکاح خواں در عقد بمرد دیگر وعدم صحت ایں نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی صغیرہ نابالغہ مسماۃ رقیہ کے باپ نے اپنے لڑکے مسمی داؤد کو جو کہ لڑکی مذکورہ کا سوتیلا بھائی ہے، اجازت دی کہ رقیہ کا نکاح زید سے جا کر پڑھا دو بعدہ داؤد ایک ایسے جلسہ میں نکاح پڑھانے کے واسطے گیا، جہاں دو تین لڑکوں کا نکاح تھا، ازاں بعد قاضی نے بذریعہ ولایت داؤد کی غلطی سے عمرو سے قبول کرا دیا، پھر اسی جلسہ میں داؤد نے انکار کیا کہ عمرو سے نکاح کرنے میں نہیں آیا ہوں، پھر قاضی نے اسی جلسہ میں زید سے قبول کرایا۔ اب صورت مذکورہ بالا رقیہ کا عقد عمرو سے صحیح ہوا، یا زید سے؟

الجواب

داؤد وکیل ہے اور قاضی عمرو کے ساتھ نکاح پڑھ دینے سے فضولی ہے، اس کا یہ تصرف لڑکی کے باپ کی اجازت پر موقوف تھا؛ مگر جب داؤد کی اجازت سے قاضی نے زید سے نکاح پڑھا تو بوجہ وکالت کے یہ ایسا ہوا، جیسے خود لڑکی کی کے باپ نے یہ دوسرا نکاح پڑھا اور فضولی کے تصرف موقوف کے بعد اگر اصیل، یا اس کا وکیل کہ بمنزلہ اصیل کے ہے، خلاف تصرف فضولی کے تصرف کرتا ہے تو اس سے وہ تصرف موقوف فضولی کا باطل ہو جاتا ہے؛ اس لیے عمرو سے جو نکاح پڑھا گیا، وہ باطل ہوگیا اور زید کے ساتھ جو نکاح پڑھا گیا، وہ صحیح ہوا؛ مگر یہ جواب اس صورت میں ہے کہ لڑکی کے باپ نے داؤد کو اس کا بھی اختیار دیا ہو کہ قاضی سے نکاح پڑھوا دے، ورنہ وکیل کو توکیل درست نہیں اور زید سے جو نکاح پڑھا گیا ہے، اس میں ایجاب مستقبل بھی ہوا ہو، یہ نہ کیا ہو کہ عمرو کے ساتھ جو ایجاب ہوا تھا، اس پر کفایت کی ہو، اگر ان دونون میں سے کوئی امر بھی کم ہو؛ یعنی یا تو داؤد کو اس کی اجازت نہ دی گئی ہو کہ قاضی کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے، یا عمرو کے ایجاب پر کفایت کی ہو تو یہ جواب نہیں ہے، مکرر سوال کیا جاوے۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۳۶/۲)

---

(۱) وماذكروه في المرأة يجرى مثله في الرجل ففي الخانية قال الامام ابن الفصل: إن كان الزوج حاضرا مشاراً إليه جاز ولو غائبا فلا. (الدرالمختار، كتاب النكاح: ٣٧٤/٢، ظفير)

(۲) اس لیے کہ بڑے سے اجازت نہیں دی تھی، (ولو) زوجه المامور بنكاح امرأة (امرأتين في عقد واحد لا) ينفذ للمخالفة، الخ. (الدرالمختار، كتاب النكاح: ٤٤٧/٢، ظفير)

خطبہ ووعدہ میں ایک کا نام لیا اور نکاح میں دوسری کا نام:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی دینے کا وعدہ کیا اور دوسری جانب لڑکا بھی نابالغ تھا اور دونوں کو منظور تھا؛ لیکن جب نکاح روبروئے گواہان پڑھایا گیا تو لڑکی کے والد نے بڑی نابالغہ لڑکی کا نام لیا اور لڑکے کے والد نے بھی اپنے بڑے لڑکے کے لیے منظور کیا؛ کیوں کہ وہ بھی نابالغ تھا، اس بات کی سمجھ دوسرے دن آ گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بڑی نابالغہ لڑکی کا نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: میاں اشتیاق احمد تلہ کنگ چکوال، ۲۲؍شعبان ۱۴۰۸ھ)

الجواب______________

جس لڑکی کا نام لیا گیا ہے، اس کے ساتھ نکاح منعقد ہو چکا ہے۔ (ہندیہ: ۱/۲۸۷)(۱) **وھوالموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۶۲)

نکاح میں آدھا نام صحیح لیا اور آدھا غلط نکاح کا کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کے نانا جو وکیل نکاح تھا بندھوایا، لڑکی کا اصلی نام جمال بانو ہے اور نانا صاحب واحد شخص ہے کہ اسے جمال آرا کے نام سے پکارتے ہیں اور خود لڑکی اور والدین جمال آرا کے نام سے انکار کرتے ہیں، بوقت نکاح جمال آرا ہی لکھوایا، اب یہ نکاح دوبارہ کیا جائے گا، یا نہیں؟ اور اگر پہلا نکاح شرعی منعقد نہیں ہوا تو گناہ کس کا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالاحد میاں مردان، ۱۹۷۲/۸/۲۴ء)

الجواب______________

اگر یہ لڑکی ''جمالہ'' نام سے مشہور ہو اور اختلاف تتمہ میں ہو تو جزمی طور سے فساد نکاح کا فیصلہ کرنا درست نہیں، البتہ احتیاطاً تجدید نکاح ضروری ہے اور اگر یہ لڑکی جمال بانو کے نام سے مشہور ہو اور نانا غلط فہمی میں مبتلا ہو تو نکاح اول کالعدم ہے اور عقد ثانی ضروری ہے، **لعدم رفع الجهالة**،(۲) اور لاعلمی کی وجہ سے فساد سے گناہ نہیں ہے۔ **وھوالموفق**

(فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۶۳-۲۶۴)

---

(۱) وفی الهندية: ولو كان لرجل بنتان كبرىٰ اسمها عائشة وصغرىٰ اسمهافاطمة واراد ان يزوج الكبرىٰ وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرىٰ. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۲۷۰، قبيل الباب الثانى فيما ينعقد به النكاح ومالا)

(۲) فى الهندية: جارية سميت فى صغرها باسم فلما كبرت سميت باسم آخر قال تزوج باسمها الآخر إذا صارت معروفة باسمها الآخر والأصح عندى أن يجمع بين الاسمين كذافى الظهيرية رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال لرجل زوجت منك ابنتى عائشة ولم تقع الاشارة إلىٰ شخصها ذكر فى فتاوىٰ الفضلى أنه لا ينعقد النكاح، الخ. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۲۷۰، قبيل الباب الثانى فيما ينعقد به النكاح ومالا) ==

لڑکے لڑکیوں کے نام میں تبدیلی آجانے کی وجہ سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی دولڑکیوں کا نکاح تھا، وکیل گواہ دونوں لڑکیوں سے اجازت لینے گئے، واپس آکر نکاح خواں نے غلطی سے ایک دوسرے کے نام سے ایجاب وقبول کرادیا، مثلاً زید کا ہندہ سے اور خالد کا حفصہ سے جب کہ زید کا حفصہ سے اور خالد کا ہندہ سے ہونا تھا، کیا یہ نکاح ہوگئے؟ کیا صرف نام بدل جانے سے نکاح پر اثر پڑ جاتا ہے، جب کہ دونوں طرف سے دولہن کو معلوم ہے میرا نکاح فلاں لڑکے سے ہونا ہے اور اسی کی اجازت دی ہے؛ لیکن نکاح خواں نے، یا وکیل گواہوں نے بھول سے نام بدل دیا، ایسے ہی دولہا کو معلوم ہے میرا نکاح فلاں لڑکی سے ہونا ہے، اسی لڑکی کو قبول کیا ہے، کیا بھول کر نام بدل دینے سے نکاح پر اثر پڑے گا؟ بھول چاہے لڑکی والوں کی طرف سے ہو، یا وکیل گواہوں کی طرف سے ہو، یا ناکح کی طرف سے ہو؟ شرعاً جو فیصلہ ہو۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اس صورت میں چوں کہ ہر ایک لڑکی سے متعین لڑکے کے بارے میں اِجازت لی گئی ہے اور نکاح خواں نے ہر ایک کا نکاح غیر کے ساتھ کردیا ہے؛ اس لیے یہ نکاح نکاحِ فضولی کہلائے گا اور ہر ایک لڑکی کی ازسرنو اجازت پر موقوف رہے گا، اگر لڑکی اس نکاح کو رخصتی سے قبل رد کردے تو نکاح باطل ہوجائے گا اور اگر نئی صورتِ حال معلوم ہونے کے بعد ازسرنو اجازت دے دے، یا بخوشی اُسی لڑکے کے ساتھ رخصت ہوجائے، جس سے نکاح پڑھایا گیا ہے تو یہ نکاح نافذ ہوجائے گا، لہٰذا اگر پہلے سے متعینہ رشتہ کے مطابق عقد کرنا ہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ دونوں لڑکیاں غلط نام والے نکاح کو نامنظور کردیں اور پھر ازسرنو صحیح نام کے ساتھ نکاح پڑھایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۹/۱۶، میرٹھ)

ووقف أی جعله موقوفاً تزویج فضولی من أحد الجانبین، الخ، علی الإجازة أی إجازة من له العقد بالقبول، أو الفعل، فإن أجاز ینفذ وإلا لا. (مجمع الأنهر: ۳۴۳/۱، الفتاویٰ الهندیة: ۲۹۹/۱، زکریا)

غلط وکیلها بالنکاح فی اسم أبیها بغیر حضورها، لم یصح للجهالة، وکذا لو غلط فی اسم بنته إلا إذا کانت حاضرةً وأشار إلیها فیصح.

قوله: إلا إذا کانت حاضرةً، راجع إلی المسئلتین: أی فإنها لو کانت مشاراً إلیها وغلط فی اسم أبیها أو

== وقال العلامة الآفندی: وظاهره أنها لو جرت المقدمات ای مقدمات الخطبة علی معینة وتمیزت عند الشهود أیضا یصح العقد وهی واقعة الفتویٰ لأن المقصود نفی الجهالة وذلک حاصل بتعینها عند العاقدین والشهود وإن لم یصرح باسمها کما إذا کانت احداهما متزوجة ویؤیده ماسیأتی من أنها لو کانت غائبة وزوجها وکیلها فإن عرفها الشهود علموا أنه أرادها کفی ذکر إسمها وإلا لابد من ذکر الأب والجد. (ردالمحتار: ۳۶۷/۲، کتاب النکاح، قوله: ولا المنکوحة مجهولة)

اسمها، لا یضر؛ لأن تعریف الإشارة الحسیة أقویٰ من التسمیة، لما فی التسمیة من الاشتراک العارض، فتلغو التسمیة عندها کما لو قال: اقتدیت بزید هٰذا، فإذا هو عمرو، فإنه یصح. (الدر المختار مع الشامی، کتاب النکاح، مطلب فی عطف الخاص علی العام: ۴/۹۶-۹۷، زکریا، ۳/۲۶، کراتشی، الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت، کذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق: ۳/۱۵۰، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۱۱/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

لڑکی کا نام اور پتہ غلط بتا کر نکاح کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکے سے نکاح سے پہلے لڑکی کے بارے میں بتایا گیا کہ تعلیم یافتہ ہے، خوبصورت ہے اور نام عائشہ ہے، جب کہ یہ تینوں باتیں نہیں ہیں اور نکاح کی رسید پر لڑکی نے اپنا نام شیلہ نسرین لکھا، بعد میں اس سے عائشہ لکھوالیا گیا تو کیا اس صورت میں لڑکے نے جو نکاح عائشہ سے منظور کیا ہے، وہ نکاح صحیح ہوگیا، یا نہیں؟ اور لڑکی کا پتہ مٹورہ مانی لکھا گیا، جب کہ اصل پتہ دوسرا ہے، وہ ضلع ہریدوار کی رہنے والی ہے، وہیں رہائش آج بھی ہے اور پہلے بھی وہیں رہائش تھی۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفیق

جب کہ لڑکے نے عائشہ سے نکاح منظور کیا اور واقع میں لڑکی کا نام عائشہ نہیں ہے اور دیگر معلومات بھی واقع کے خلاف ہیں تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اگر لڑکا اسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو از سر نو دوبارہ نکاح پڑھایا جائے۔

وکذا یقال فیما لو غلط فی اسمها. (شامی: ۴/۹۷، زکریا)

غلط وکیلها بالنکاح فی اسم أبیها بغیر حضورها، لم یصح للجهالة، وکذا لو غلط فی اسم بنته إلا إذا کانت حاضرةً وأشار إلیها فیصح.

قوله: إلا إذا کانت حاضرةً، راجع إلی المسئلتین: أی فإنها لو کانت مشاراً إلیها وغلط فی اسم أبیها أو اسمها، لا یضر؛ لأن تعریف الإشارة الحسیة أقویٰ من التسمیة، لما فی التسمیة من الاشتراک العارض، فتلغو التسمیة عندها کما لو قال: اقتدیت بزید هٰذا، فإذا هو عمرو، فإنه یصح. (الدر المختار مع الشامی، کتاب النکاح، مطلب فی عطف الخاص علی العام: ۴/۹۶-۹۷، زکریا، ۳/۲۶، کراتشی، الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت، کذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق: ۳/۱۵۰، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۱۱/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

سسر نے دھوکہ دے کر دوسری بیٹی کے نام سے نکاح پڑھوادیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرا رشتہ ایک جگہ گیا اور

وہاں پر رشتہ منظور ہوگیا، میرے خسر کا نام منشی سعید ہے، ان کی چار لڑکیاں ہیں، اس میں بڑی لڑکی شادی شدہ ہے اور تین لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں، اس گھر میں جب میرا رشتہ گیا تو میرے گھر والوں کو جو لڑکی دکھائی گئی تھی، وہ لڑکی بہت خوبصورت اور قرآن شریف بھی پڑھی لکھی تھی اور دین دار بھی تھی، لڑکا ان تمام باتوں سے لاعلم تھا، لڑکا اپنے بھائی بھاوج کے بھروسہ پر تھا کہ جو وہ لوگ کریں گے میرے لیے بہتر کریں گے؛ لیکن شادی والے دن میرے ساتھ لڑکی کے ماں باپ وغیرہ نے بہت بڑا دھوکہ کیا، جو لڑکی ہمارے گھر والوں کو دکھائی گئی تھی، اس لڑکی کو چھپا کر دوسری لڑکی جو کہ بالکل جاہل، اَن پڑھ اور دین سے بالکل واقف نہیں ہے، نیز قرآن شریف بھی پڑھی ہوئی نہیں ہے، چہرہ پر بھی داغ دھبہ وغیرہ ہیں، داغ دھبے والی لڑکی سے لاعلمی میں میرا رشتہ ہوگیا ہے، اپنے گھر والوں سے جس طرح میں نے اس لڑکی کی تعریف سنی تھی، ویسا بالکل نہیں پایا، ہمارے گھر پر لڑکی تقریباً ۲۵؍دن رہی، اُس سے ہم بستری بھی ہوئی، کچھ دنوں کے بعد جب لڑکی بدلنے کی حقیقت میرے علم میں آئی تو میرا دل اس لڑکی کی طرف سے پھر گیا، اب مجھے اس لڑکی اور لڑکی کے گھر والوں سے کافی نفرت ہوگئی ہے، اب میں یہ چاہتا ہوں کہ شریعت اس معاملہ میں کیا حکم دیتی ہے اور لڑکی والوں کو امام بنا کر اُن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور لڑکے والوں نے جو سامان لڑکی وغیرہ کو دیا، جیسے: زیور، ہنسلی، کپڑے وغیرہ، تو یہ سب سامان کیا لڑکے والوں کو واپس آئے گا اور لڑکی والوں نے جو سامان لڑکے کو دیا، جیسے: پہننے کے کپڑے اور گھڑی سائیکل اور پلنگ برتن وغیرہ، کیا یہ سب سامان لڑکی والوں کو واپس جائے گا۔ قانونِ شریعت سامان کے لین دین کے متعلق کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح کے وقت جس لڑکی کا نام آپ کے سامنے لیا گیا ہے اور آپ نے اس کو قبول کیا ہے، اسی لڑکی سے آپ کا نکاح صحیح طور پر منعقد ہو چکا ہے، اگر واقعی لڑکی والوں نے وعدہ کا خیال نہ کرتے ہوئے دوسری لڑکی سے نکاح کرا دیا ہے تو وہ دھوکہ دہی کی وجہ سے سخت گنہگار ہیں، انہیں اپنے اس فعل شنیع سے توبہ کرنی چاہیے، دھوکہ دینے والا شخص شرعاً فاسق ہے، جب تک وہ اپنے فعل سے توبہ نہ کرلے، اس کی امامت مکروہ ہوتی ہے۔ لڑکی والوں نے جو سامان لڑکے کے استعمال کے لیے دیا ہے وہ لڑکے کی ملک ہے اور لڑکے والوں کی طرف سے جو کپڑے وغیرہ لڑکی کو دئے گئے ہیں، ان کی لڑکی مالک ہے، علاحدگی کی صورت میں یہ سامان ایک دوسرے کو جبراً واپس نہیں کیا جائے گا، بہر حال جب کہ آپ کا نکاح منعقد ہو چکا ہے تو بہتر یہ ہے کہ آپ پچھلی باتوں کو نظر انداز کر کے آئندہ بشاشت کے ساتھ اسی اپنی منکوحہ کے ہمراہ زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں، شاید انجام کار اسی میں خیر ہو۔

ولو له بنتان أراد تزويج الكبرىٰ فغلط فسماها باسم الصغرىٰ صح للصغرىٰ، خانية. (الدر المختار مع الشامي: ۲٦/۳، كراتشي، ۹۷/٤، زكريا)

ولو كان لرجل بنتان كبرىٰ اسمها عائشة وصغرىٰ اسمها فاطمة، وأراد أن يزوج الكبرىٰ وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرىٰ. (الفتاویٰ الهندية: ۲۷۰/۱،زكريا، البحر الرائق،كتاب النكاح:۱۵۰/۳،زكريا)

ولو بعث إلى امرأته شيئاً ولم يذكر جهة عن الدفع غير جهة المهر كقوله شمع أو حناء، ثم قال إنه من المهر لم يقبل لوقوعه هدية فلا ينقلب مهراً. (الدر المختار مع الشامي:۱۵۱/۳،كراتشي)

وينبغي اعتبار العرف فيما يقصد به التفويض. (شامي:۱۵٦/۳،كراتشي)

ويكره إمامة... الفاسق. (شامي مع الدر المختار: ۵٦۰/۱،كراتشي،۲۹٤/۲،زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۱/۲/۱۱ھ۔(کتاب النوازل:۸/)

وکیل اور گواہوں نے غلط فہمی سے قاضی کو ''سلمیٰ'' کے بجائے ''صبا'' نام بتادیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ وکیل گواہ جب نکاح کی اجازت لینے دولہن سے گئے، اجازت کے بعد دولہن والوں نے لڑکی کا نام ''سلمیٰ'' بتایا، گواہوں اور وکیل کی سمجھ میں ''صبا'' آیا، وکیل گواہوں نے نکاح خواں سے ''صبا'' نام بتایا، ناکح نے اسی نام پر ایجاب وقبول کرادیا، بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی کا نام ''سلمیٰ'' ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا وکیل گواہوں کی غلطی سے ناکح سے دوسرے نام پر ایجاب وقبول کرایا، یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ——————— وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں نام کی تبدیلی کی وجہ سے ''سلمیٰ'' کا نکاح شرعاً درست نہیں ہوا؛ اس لیے کہ جب لڑکی مجلس عقد میں موجود نہ ہو، تو محض اِشارہ یا ذہنی طور پر تعیین کافی نہیں ہوتی؛ بلکہ نام پر ہی نکاح ہوتا ہے جس میں مسئولہ واقعہ میں غلطی ہوگئی؛ لہٰذا اَز سرِ نو صحیح نام کے ساتھ نکاح پڑھانا ضروری ہوگا۔

قوله: وغلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرةً وأشار إليها فيصح. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۹۷-۹۷،زكريا،۲٦/۳،كراتشي، الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳۲۲/۱،دار إحياء التراث العربي بيروت، كذا في البحر الرائق مع منحة الخالق:۱۵۰/۳،زكريا)

ومنها أن لا تكون المنكوحة مجهولة فلو زوجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة، بخلاف ما إذا كان له بنت واحدة إلا إذا سماها بغير اسمها ولم يشر إليها؛ فإنها لا يصح، كما في التجنيس. (البحر الرائق، كتاب النكاح:۱۵۰/۳،زكريا)

رجل له ابنة واحدة واسمها عائشة، فقال الأب وقت العقد: زوجت منك ابنتي فاطمة

لاینعقد النکاح بینھا. (خانیة علی الفتاویٰ الهندیة: ۳۲٤/۱)

إذا سماها بغیر اسمها ولم یشر إلیها، فإنه لایصح. (البحرالرائق، کتاب النکاح: ۱۵۰/۳، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۱۱/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا:

سوال: نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کی بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب

مجلس نکاح میں جب کوئی ممیِّز اشارہ وغیرہ نہ ہو، جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو، صورت مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اسی کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے۔

قال العلامة الحصکفی: غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح للجهالة وکذا لو غلط فی اسم ابنته الا اذا کانت حاضرة وأشار الیها فیصح ولو به بنتان أراد تزویج الکبریٰ فقط فسماها باسم الصغریٰ صح للصغریٰ، خانیة. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۴۰۵/۲، کتاب النکاح)(۱)

(فتاوی حقانیہ: ۳۰۸/۴)

غلط فہمی سے نکاح پڑھاتے وقت ''شبینہ'' کے بجائے ''ثمینہ'' نام لے لیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح کے وقت لڑکی کے وکیل نے قاضی کو لڑکی کا نام ''شبینہ'' بتایا، قاضی کو آواز آئی ''ثمینہ'' کی، چناں چہ قاضی نے ایجاب وقبول کراتے وقت ''ثمینہ'' ہی نام لیا، اسی نام سے قبولیت کرادی، رجسٹر میں بھی یہی نام لکھ دیا، رخصتی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن کا نام تو ''شبینہ'' ہے اور وکیل نے ''شبینہ'' ہی بتایا تھا، مگر قاضی نے ''ثمینہ'' نام سے قبولیت کرائی، کیا یہ نکاح صحیح ہوگا؟ اگر صحیح نہیں ہوا تو اب جب کہ رخصتی بھی ہو چکی ہے تو کیا شکل ہو؟

---

(۱) **قال العلامة قاضی خان: امرأة وکلت رجلا بان یزوّجها فزوّجها وغلط فی اسم ابیها لاینعقد النکاح اذا کانت غائبة. رجل له ابنة واحدة واسمها عائشة فقال الابّ وقت العقد زوجت منک ابنتی فاطمة لا ینعقد النکاح بینهما ولو کانت المرأة حاضرة فقال الاب زوجتک ابنتی فاطمة هٰذه واشار الٰی عائشة وغلط فی اسمها وقال الزوج قبلتُ جاز النکاح** (فتاوٰی قاضی خان علٰی هامش الهندیة: ۳٤۲/۱، کتاب النکاح) ومثلہ فی امداد الاحکام: ۲۲۶/۲، کتاب النکاح

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مسئولہ صورت میں ''شبینہ'' کے بجائے ''ثمینہ'' کے نام سے پڑھایا گیا نکاح درست نہیں ہوا، دوبارہ صحیح نام سے نکاح پڑھانا ضروری ہے اور رخصتی ہونے سے مسئلہ پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۴۲، ڈابھیل)

وغلط وكيلها بالنكاح فى اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط فى اسم بنته. (الدر المختار مع الشامی، کتاب النکاح، مطلب فی عطف الخاص علی العام: ۴/۹۶، زکریا، ۳/۲۶، کراتشی، الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت، کذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق: ۳/۱۵۰، زکریا)

والحاصل أن الغائبة لابد من ذكر اسمها واسم ابيها وجدها وإن كانت معروفة عند الشهود. (شامی، کتاب النکاح: ۴/۹۰، زکریا)

إذا كان له بنت واحدة إلا إذا سمها بغير اسمها ولم يشر إليها فإنه لا يصح، كما فى التنجيس. (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۵۰، زکریا)

وكذا يقال فيما لو غلط فى اسمها. (شامی: ۴/۷۹، زکریا)

رجل له ابنة واحدة واسمها عائشة، فقال الأب وقت العقد: زوجت منك ابنتى فاطمة لا ينعقد النكاح بينهما. (قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱/۳۲۴، الفتاویٰ الهندیة: ۱/۳۷۰، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ علم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

''صالحہ'' کے بجائے ''عالیہ'' کے نام سے نکاح پڑھادیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی لڑکی ''صالحہ'' کا نکاح راشد سے ہورہا تھا، وکیل اور گواہ ''صالحہ'' ہی سے اِجازت لے کر آئے تھے؛ مگر بھول سے قاضی کو ''عالیہ'' نام بتادیا، جب کہ ''عالیہ'' زید کی دوسری لڑکی کا نام ہے، جس کا فی الحال نکاح نہیں ہورہا ہے، قاضی نے بھی ''عالیہ'' کے نام سے ہی دولہا راشد کو قبولیت کرادی اور نکاح کی رسید میں بھی ''عالیہ'' نام ہی لکھا ہے، رخصتی کے بعد گھر جاکر نکاح کی رسید میں جب ''عالیہ'' نام دیکھا، تب اس غلطی کا علم ہوا، کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا؟ اب کیا کریں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مسئولہ صورت میں ''عالیہ'' کا نکاح بطورِ فضولی درست ہوگیا؛ لیکن ''عالیہ'' کو اسے رد کرنے کا حق حاصل ہے؛ کیوں کہ اس نے پہلے سے نکاح کی اجازت نہیں دی ہے، اب اگر راشد اس کی بہن ''صالحہ'' سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ اسی وقت درست ہوگا جب کہ ''عالیہ'' کو طلاق دے، یا ''عالیہ'' خود اپنے نکاح کو رد کردے، اس کے فوراً بعد راشد کا

نکاح ''صالحہ'' سے کردیا جائے، اس میں عدت کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ ''عالیہ'' سے خلوت نہیں ہوئی ہے اور نکاح کے بغیر ''صالحہ'' کا راشد کے ساتھ خلوت میں رہنا جائز نہیں ہوا، اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

ونفاذ عقد الفضولي بالإجازة يجعله في حكم الوكيل. (شامی: ۲۲۱/٤، زكريا)

ونكاح عبد وأمة بغير إذن السيد موقوف على الإجازة، كنكاح الفضولي. (شامی، كتاب النكاح: ٢٢٥/٤؛ زكريا)

ووقف تزويج فضولي على الإجازة، أي إجازة من له العقد بالقول أو الفعل، فإن أجاز ينفذ وإلا لا. (مجمع الانهر: ٣٤٣/١)

والأصل أن كل عقد صدر من الفضولي ولو مجيز في العقد انعقد موقوفا على الإجازة. (البحر الرائق: ١٣٧/٣، زكريا)

والجمع بين الاختين لا يجوز. (الفتاوىٰ التاتارخانية: ٦١/٤، رقم: ٥٥٣١، زكريا)

والجمع بين الاختين نكاحا ولو في عدة ... حتى يحرم الأخرىٰ. (مجمع الانهر: ٤٧٥/١، زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۶/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/) ☆

☆ بیوی کا نام بوقت نکاح شاہین سلطانہ کے بجائے شاہین پروین لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرا نکاح ۲۰۰۹ء میں ہوا، اور میں مدرسہ مدینۃ العلوم بیدر کرناٹک میں شعبہ حفظ میں مدرس ہوں، نکاح کے بعد میں مدرسہ کی خدمت میں مصروف تھا دو مہینہ کے کچھ ہی دنوں بعد حمل کی خوشی بھی نصیب ہوئی؛ مگر اہلیہ کے کچھ پیٹ کے عارضہ کی وجہ حمل گرا اور کئی مرتبہ سال میں گرا، اس کے بعد ازدواجی زندگی کے موڑ بدل گئے اور مجھے مدرسہ سے زبردستی دوسری طرف لے گئے سسرال والے اور شرط رکھی کہ مدرسہ چھوڑو ورنہ بیوی کو چھوڑو میں مدرسہ کو چھوڑ کر دوسرے طرف جو سسرال کے قریب تھا وہاں چلا گیا، ان کے ساتھ بدرجہ مجبوری وہاں سے دوسری طرف رکھا گیا مجھے، اور سسرال والے بھی ایک دینی مدرسہ کے ذمہ دار ہیں، جو میرے ماموخسر بھی لگتے ہیں، مجھے اور بیوی کو الگ کردیا گیا، مدرسہ میں تنخواہ بھی رکوائی، میری اور مدرسہ سے جبراً ہٹادیا گیا اور دوسرے کسی مدرسہ کی جگہ جاتا تو وہاں بھی منع کرتے تقریباً ایسا دو سال پریشان کر کے بیوی کو بھی نہیں بھیجا ہمارے پاس کہ تھوڑی تنخواہ میں مدرسہ کے تم پال نہیں سکو گے اور تم کچھ بیوی کا خیال نہیں کرسکو گے، دو سال سے تین سال بیوی سے الگ رکھا، والدین کو ہمارے دھمکاتے تھے، میں مدرسہ کی خدمت سے بھی دور اور بیوی سے بھی دور کردیا گیا، مجھے تقریباً تین سال تک اس کے بعد خلع کے لیے بلایا گیا، مجھے اور قاضی صاحب کے پاس بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق بائنہ وخلع دو گواہوں کے سامنے زبردستی کر کے بیوی کا نام شاہین سلطانہ ہے تو شاہین پروین کہہ کر بلوایا گیا، میری نیت بھی نہیں تھی اور نام بیوی کا بدلا ہوا تھا، شاہین سلطانہ تھا تو شاہین پروین تحریر کیا گیا، جو بعد میں غلط ثابت کر کے پریشان بھی کرسکتے ہیں، شادی کے فارم اور اسکول فہرست میں شاہین سلطانہ ہے، خلع کے وقت شاہین پروین تحریر کر کے طلاق بائنہ وخلع بلوایا گیا، بیوی کی غیر موجودگی میں اور نام بھی بدلا تھا، میری نیت بھی نہیں تھی۔

نوٹ: بعد میں قاضی کے پاس میری اہلیہ سے میری غیر موجودگی میں دستخط کرایا ہے، ماموخسر جو دینی مدرسہ کے ذمہ دار بھی ہیں، جواب چاہتا ہوں کے طلاق بائنہ وخلع بغیر نیت شوہر کے اور نام بدل کے ہوتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: حافظ معز، وجے نگر، مہاراشٹر) ==

بوقت نکاح لڑکی کے نام کی تبدیلی:

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی دولڑکیاں ہیں نازمین، یاسمین ان میں سے بڑی یعنی نازمین کی شادی کرنی تھی۔اب بوقت نکاح نکاح خواں کے نکاح پڑھاتے وقت وکیل سے نام لینے میں غلطی ہوگئی، انہوں نے بڑی لڑکی کا نام نہ لے کر چھوٹی کا لے لیا، اس وقت کسی کو اس کا احساس نہ ہوا؛ لیکن رخصتی میں وہی لڑکی سسرال گئی، جس سے شادی طے تھی، اگلے دن جب شوہر اس لڑکی سے مل چکا تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ نکاح چھوٹی لڑکی سے ہوا ہے نہ کہ بڑی سے؛ کیونکہ چھوٹی ہی کا نام لیا گیا تھا، اب ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ اس کو طلاق دے کر بڑی لڑکی کا نکاح دوبارہ پڑھواو؟، ہم نے ان کی ہدایت کے مطابق ایسا کرلیا، تو کیا یہ درست ہے، اب چھوٹی لڑکی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کی عدت میں فوراً نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(المستفتی: خالد ضمیر ایڈوکیٹ، رامپور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

سوال نامہ کی صراحت کے مطابق جو مسئلہ مولوی صاحب نے بتایا ہے، وہ درست ہے؛ کیوں کہ جب چھوٹی لڑکی کا

== **باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق**

بیوی کا نام شاہین سلطانہ کے بجائے شاہین پروین لکھنے کی وجہ سے نام کے تعین میں کوئی فرق نہیں آتا؛ اس لیے کہ صرف شاہین لکھنا بھی تعین کے لیے کافی ہے۔اب رہی خلع نامہ پر دستخط کرنے کی بات تو اگر شوہر نے خلع نامہ خود نہیں تیار کرایا ہے اور نہ ہی اس پر بخوشی دستخط کئے ہیں؛ بلکہ جبر واکراہ کی وجہ سے دستخط کئے ہیں؛ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا ہے تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور شوہر کی طرف سے خلع بھی درست نہ ہوگا اور اگر جبر واکراہ کے ساتھ دستخط نہ کرتا تو شوہر کے اوپر کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا، پھر بھی شوہر نے خلع نامہ پڑھ کر دستخط کردیئے ہیں تو خلع اور طلاق بائن صحیح ہوگئی اور اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، وقوع طلاق کے لیے نیت شرط نہیں ہے؛ بلکہ بخوشی لکھنے اور تحریر پر بلانیت دستخط کردینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

الكتابة على نوعين: إن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو. (الهندية، كتاب الطلاق، باب في ايقاع الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، زكريا: ۳۷۸/۱، جديد زكريا: ۴۴۵/۱، خانية على الهندية زكريا: ۴۷۱/۱، زكريا جديد: ۲۸۷/۱)

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأته؛ لان الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة ههنا. (الخانية على الهندية: ۴۷۲/۱، زكريا جديد: ۲۸۷/۱، الهندية زكريا: ۳۷۹/۱، زكريا جديد: ۴۴۶/۱)

وحكمه أى الخلع وقوع الطلاق البائن. (الهندية، زكريا: ۴۸۸/۱، زكريا جديد: ۸۴۵/۱، شامى، كراچى: ۴۴۴/۳، زكريا: ۹۱/۵-۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۱۶۴۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۲/۲۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳؍)

نام مجلس نکاح میں شوہر کے سامنے ذکر کیا گیا تو شوہر نے اسی کو نکاح میں قبول کیا، لہٰذا بڑی لڑکی کا نکاح اصلاً نہ ہوا اور چھوٹی کے ساتھ درست ہوگیا۔

ولو له بنتان أراد تزويج الكبرىٰ فغلط فسماها باسم الصغرىٰ صح للصغرىٰ، خانية. (الدر المختار على الشامي، زكريا: ٩٧/٤، كراتشي: ٢٦/٣)

اب بڑی کو رکھنے کے لیے چھوٹی کو طلاق دینا ضروری ہے اور چوں کہ اس چھوٹی سے خلوت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوئی تو اس پر عدت وغیرہ کچھ بھی لازم نہیں اور اس کو طلاق کے فوراً بعد بڑی سے نکاح درست ہے۔

لايجب العدة عليها لو طلقها قبل الخلوة. (الخانية على الهندية، زكريا: ٥٤٩/١، زكريا جديد: ٣٤٧/١، هكذا في الدرالمختار على الشامي، زكريا: ١٨٠/٥، كراتشي: ٥٠٤/٣)

لیکن بڑی لڑکی کے ساتھ جو رخصتی اور ہمبستری ہوئی ہے، وہ شرعاً ناجائز ہوئی ہے؛ اس لیے دونوں اس فعل میں اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور جن لوگوں نے اس غلط طریقہ پر رخصت کرایا ہے، ان کو بھی اپنی غلطی پر توبہ کرلینا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۷/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۶۵۵۲/۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۳/۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

نکاح کی رسید میں لڑکی، لڑکا کا نام بدلا ہوا ہو تو کیا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جو علی گڑھ کا رہنے والا ہے، اس نے اپنے ماں باپ کی بلا مرضی کے ایک لڑکی کے ساتھ نکاح کرلیا ہے، جبکہ لڑکی کا نام بتایا جاتا ہے کہ ثانیہ ہے اور نکاح کے کاغذ میں اس کا نام سنیلہ ہے، لڑکے کا نام فضیل ہے اور نکاح کے کاغذ میں لڑکے کا نام محمد فضل ہے، آپ سے یہ فتوی لینا چاہتے ہیں کہ یہ نکاح ہوا یا ہیں، اس کا ڈپلیکیٹ کاغذ بھی ہم اس خط کے ذریعہ بھیج رہے ہیں، آپ مہربانی کرکے فتوی کے ذریعہ خط کے ساتھ میرے پاس بھیج دیں، آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

(المستفتی: قاری محمد میاں، جان نوری)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح کی رسید بھی دیکھ لی گئی ہے، نکاح کی رسید میں بھی لڑکے کا نام فضل نہیں ہے؛ بلکہ فضیل ہے اور واقع میں بھی اس کا نام فضیل ہی ہے، البتہ لڑکی کا نام نکاح کی رسید میں سنیلہ ہے، جب کہ حقیقت میں اس کا نام ثانیہ ہے تو ایسی صورت میں جس وقت نکاح ہو رہا تھا، اس وقت لڑکی اگر بنفس نفیس موجود تھی تو نام غلط ہونے کی باوجود اس کا نکاح صحیح ہو چکا ہے اور اگر نکاح کی مجلس میں لڑکی موجود نہیں رہی ہے اور نکاح خواں نے اپنی زبان سے صحیح نام لے کر کے نکاح

پڑھایا ہے اور رسید میں غلط لکھا گیا ہے، تب بھی نکاح درست ہو چکا ہے، ہاں البتہ اگر بوقت نکاح نکاح کی مجلس میں، یا جہاں نکاح ہو رہا تھا، وہاں پر لڑکی موجود نہیں تھی اور اس کے نام ثانیہ کے بجائے اس کا سنیلہ نام لیا ہے اور لڑکی کے ماں باپ کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے تو ایسی صورت میں ثانیہ کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوا؛ اس لیے کہ اس شکل میں لڑکی متعین نہیں ہوئی اور نکاح کے اندر لڑکی کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے۔

لابد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها، وإن كانت معروفة عند الشهو على قول ابن الفضل وعلى قول غيره: يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا (وقوله) لو زوجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة، بخلاف ما إذا كانت له بنت واحدة إلا إذا سماها بغير اسمها ولم يشر إليها فإنه لا يصح. (شامي، زكريا: ٤/ ٩٠، كراتشي: ٣/ ٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳/ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ (فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۴۶۲)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۳/ ۷/ ۱۴۳۶ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

قاضی نے چھوٹی بہن کے بجائے شادی شدہ بڑی بہن کے نام سے نکاح پڑھا دیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) وکیلہ کی شادی زید کے ساتھ تقریباً چار سال پہلے ہو چکی ہے، پھر عقیلہ کی شادی جو وکیلہ کی چھوٹی بہن ہے، بکر کے ساتھ ہوئی، بکر کا پیغام نکاح عقیلہ سے طے ہوا؛ مگر قبولیت نکاح کے وقت بجائے عقیلہ کے نام کے وکیلہ کے نام سے قبولیت ہوئی اور رجسٹر نکاح پر بھی وکیلہ کا نام درج ہوا اور بعد نکاح رخصتی عقیلہ کی ہوئی، جس سے بکر کا پیغام نکاح طے تھا، لہٰذا اس نکاح کا حکم شرعی مطلوب ہے۔

(۲) کچھ عرصہ کے بعد عقیلہ کا شوہر بکر کہتا ہے کہ میرا نکاح تجھ سے نہیں ہوا؛ بلکہ وکیلہ سے ہوا ہے اور میں تجھے طلاق دے چکا اور جا تو آزاد ہے، صورت مذکورہ کا شرعی حکم کیا ہے اور اب دونوں کی باہم زندگی گزارنے کی کوئی شکل ہے؟

(المستفتی: صلاح الدین، سہسپور، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مذکورہ صورت میں بکر کا نکاح نہ وکیلہ سے ہوا ہے اور نہ ہی عقیلہ سے ہوا ہے، وکیلہ کے ساتھ تو اس لیے نہیں ہوا کہ وہ دوسرے مرد کے نکاح میں ہے، عقیلہ کے ساتھ اس لیے نہیں ہوا ہے کہ بوقت نکاح اس کا نام نہیں لیا گیا اور نہ ہی رجسٹر نکاح میں اس کا نام ہے۔

ولو له بنتان أراد تزويج الكبرىٰ، فغلط فسماها باسم الصغرىٰ صح للصغرىٰ. (الدرالمختار، كراتشي: ٣/ ٢٦، زكريا: ٤/ ٩٧)

لہٰذا اس کے بعد بکر نے جو عقیلہ کو طلاق دی ہے، وہ شرعاً واقع نہیں ہوئی اور اب اگر ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو شرعی طریقہ سے نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ:۱۳/۲۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۱/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۹۰۰)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۱/۳/۱۴۱۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

☆ **قاضی نے لڑکی کا نام بدل دیا تو نکاح ہوا، یا نہیں:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے اپنی بڑی لڑکی محمد النساء کی شادی کی، نکاح کا وقت جب آیا تو وکیل اور گواہوں نے اذن محمد النساء سے لیا اور لڑکی نے اذن دے دیا؛ لیکن وکیل اور گواہوں نے قاضی سے مہر النساء چھوٹی لڑکی کا نام بتا دیا اور قاضی صاحب نے چھوٹی لڑکی مہر النساء کے نام سے ایجاب وقبول بھی کرا دیا اور رخصتی بڑی لڑکی محمد النساء کے ساتھ ہوئی، کئی روز میں پتہ چلا کہ چھوٹی لڑکی مہر النساء کا نام سے رجسٹر میں ہے، اس حالت میں اب کیا کریں؟

(المستفتی: سراج الدین، مرادآباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب بوقت عقد نکاح قاضی نے شوہر کے سامنے بڑی لڑکی محمد النساء کا نام نہیں لیا تو محمد النساء کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوا، لہٰذا محمد النساء کو شوہر کے ساتھ بیوی بن کر رہنا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ مذکورہ عقد نکاح میں جب چھوٹی لڑکی مہر النساء کا نام لیا ہے اور شوہر نے اسی کو قبول کرلیا ہے تو اس کا نکاح صحیح ہوگیا ہے۔

اب محمد النساء کا نکاح صحیح ہونے کے لیے یہ صورت ہوسکتی ہے کہ دوبارہ محمد النساء کے ساتھ عقد نکاح کرلیا جائے، یا محمد النساء کو چھوڑ کر مہر النساء کو رخصت کرا دیں؛ اس لیے کہ شادی میں سگائی وغیرہ کے ذریعہ سے لڑکی کی اصل تعیین نہیں ہوتی؛ بلکہ بوقت نکاح صریح الفاظ سے نام ذکر کرنے سے اصل تعیین ثابت ہوتی ہے۔

إذا وقعت الخطبة على إحداهما ووقت العقد عقدا باسم الاخرىٰ خطأً، فإنه يصح على التى سمياها وذلک لان مقدمات الخطبة قرينة معينة إذا لم يعارضها صريح والتصريح بذلک الاخرىٰ صريح فلاتعمل معه القرينة،الخ. (منحة الخالق، كتاب النكاح، زكريا: ۳/۱۵۰، كراتشي: ۳/۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۳/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ (فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۷۴۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۴/۱۲/۱۴۱۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

قاضی نے دو بہنوں کے نکاح میں ایک کا نام دوسری کی جگہ لے لیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح ہوا ہندہ کا رشتہ خالد کے ساتھ اور زینب کا رشتہ بکر کے ساتھ ہوا اور وکیل نے لڑکیوں سے اجازت بھی اسی طرح لیا (ہندہ سے خالد سے نکاح کے لیے اجازت لی اور زینب سے بکر سے نکاح کے لیے) اس کے بعد بوقت نکاح نکاح خواں نے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ اور زینب کا نکاح خالد کے ساتھ کر دیا، معاملہ بالکل الٹا ہوگیا، پھر اس کے سابقہ طے شدہ رشتہ کے اعتبار سے ہندہ کی رخصتی خالد کے ساتھ اور زینب کی رخصتی بکر کے ساتھ کر دی اور ہمبستری بھی ہوگئی، اس کے بعد علماء سے مسئلہ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ اور زینب کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا ہی نہیں ہے۔ اب اس کے تحت مفتی صاحب سے دو باتیں معلوم کرنی ہیں۔ ==

== (۱) اس مسئلہ کا حل کیا ہوگا اور ہندہ کے خالد کی زوجہ بننے اور زینب کے بکر کی زوجہ بننے کی کیا شکل ہوگی؟

(۲) اس رخصتی میں جو ہمبستری ہوئی ہے، یہ ہمبستری زنا کے مرادف ہے، یا وطی بالشبہ ہے، اگر وطی بالشبہ ہوئی ہے تو اس سے علاحدگی کی صورت میں عدت گزارنا لازم ہوگی، یا نہیں؟ اگر استقرار حمل ہوگیا ہے تو ثبوت نسب کا کیا حکم ہے؟

(المستفتی: شعیب احمد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب دو بہنوں کا نکاح ایک مجلس میں ہونے لگے، تو وکیل اور نکاح خواں کو انتہائی بیداری اور سمجھ داری سے نکاح کا ایجاب و قبول کرانا چاہیے، ورنہ ادل بدل ہوکر کے ایسا ہی خطرناک واقعہ پیش آسکتا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں ہوا ہے۔

اب مذکورہ واقعہ میں خالد کا نکاح ہندہ کے ساتھ اور زینب کا نکاح بکر کے ساتھ نہیں ہوا ہے؛ بلکہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوکر ہندہ بکر کی زوجیت میں آگئی اور زینب کا نکاح خالد سے ہونے کی وجہ سے زینب خالد کی زوجیت میں آگئی، مگر رخصتی اس کے بر خلاف ہوئی ہے کہ بکر کی بیوی ہندہ خالد کے ساتھ رخصت کردی گئی اور خالد کی بیوی زینب بکر کے ساتھ رخصت کردی گئی اور دونوں کی شب باشی شرعی طور پر ناجائز ہوئی ہے؛ اس لیے فوری طور پر ہندہ کو بکر کے حوالہ کردیا جائے اور زینب کو خالد کے حوالہ کردیا جائے اور مذکورہ رخصتی میں جو ہمبستری ہوئی ہے، اس سے توبہ کرلیں اور اگر یہی چاہتے ہیں کہ سابقہ طے شدہ رشتہ کے مطابق ہندہ خالد کی زوجیت میں دی جائے تو زینب خالد کے نکاح سے فوری طور پر الگ ہوجائے اور عدت گزارنے کی ضرورت نہیں کہ وہ خالد کی مدخولہ نہیں ہے، پھر زینب کا نکاح بکر کے ساتھ کردیا جائے، اسی طرح بکر ہندہ کو طلاق دیدے اور ہندہ چونکہ بکر کی مدخولہ نہیں ہے؛ اس لیے اس پر بھی عدت گزارنا لازم نہیں، پھر ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ کردیں، اس کے بعد جیسے رخصتی کی ہے، اسی طرح رخصتی صحیح ہوجائے گی۔ اس تحریر کے ذریعہ سوال کے ہر پہلو کا جواب واضح ہوچکا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۳۹/۱۱)

اس کے جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

وكان أبو حنيفة فى وليمة فى الكوفة وفيها العلماء، والاشراف وقد زوج صاحبها ابنيه من أختين فغلطت النساء فزفت كل بنت إلى غير زوجها ودخل بها فأفتى سفيان رضى الله عنه بقضاء على رضى الله عنه على كل منهما المهر، وترجع كل زوجها فسئل الإمام فقال على رضى الله عنه بالغلامين فاتىٰ بهما، فقال: أيحب كل منكما أن يكون المصاب عنده قالا: نعم! فقال لكل منهما: طلق التى عند أخيك، ففعل، ثم أمر بتجديد النكاح فقام سفيان رضى الله عنه فقبل بين عينيه. (الإشباه والنظائر، الفن السابع الحكايات والمرسلات: ۳۲٤/۲)

حكى فى المبسوط أن رجلاً زوج ابنيه بنتين فأدخل النساء زوجة كل أخ على أخيه فأجابها العلماء بأن كل واحد يجتنب التى أصابها وتعتد لتعود إلى زوجها، وأجاب أبوحنيفة بأنه إذا رضى كل واحد بموطوءته يطلق كل واحدٍ زوجته ويعقد على موطوءته ويدخل عليها للحال؛ لانه صاحب العدة، ففعلا كذلك ورجع العلماء إلى جوابه. (شامى، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: حكاية أبى حنيفة فى الموطوئة بشبهة، كراتشى: ۵۰۷/۳، زكريا: ۱۸۳/۵-۱۸٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۸/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۱۷۶۱/۴۱) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/) ==

عرفی نام سے نکاح کا حکم:

سوال: عالم آرا عرف گل پری کا عقد فیروز احمد کے ساتھ ہوا؛ مگر نکاح کے وقت قاضی نکاح فیروز احمد کے بجائے اس کا عرفی نام پرویز احمد لیا اور نکاح اس عرفی نام پر ہوا۔ از روئے شرع بتایا جائے کہ یہ نکاح ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح میں نام ذکر کرنے کا مقصد لڑکا اور لڑکی کی تعیین ہے، جو عرفی نام ذکر کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لیے مذکورہ صورت میں جب نکاح کے وقت فیروز احمد کے عرفی نام یعنی پرویز احمد کے ساتھ نکاح ہوا تو عالم آرا عرف گل پری کا نکاح فیروز عرف پرویز کے ساتھ صحیح ہو گیا۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۶/۴)

== دو بہنوں کے نکاح میں قاضی نے نام بدل دیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی دو لڑکیاں ہیں، ایک کا نام ثاقبہ، دوسری کا نام شگوفہ، شگوفہ کا نکاح خالد سے ہونا طے تھا، بارات زید کے گھر آئی نکاح پڑھا گیا، ایجاب وقبول کراتے وقت قاضی نے خالد کے سامنے بجائے شگوفہ کا نام لینے کے ثاقبہ کا نام لیا، لوگوں کے توجہ دلانے پر بھی دوبارہ ثاقبہ ہی کا نام لیا، جب کہ شوہر خالد نے دونوں مرتبہ خاموشی اختیار کی اور زبان سے کلمہ قبول نہیں نکالا، اس کے بعد رخصتی شگوفہ کے ساتھ ہوگئی۔ اب سوال یہ ہے کہ خالد کا نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟ اگر منعقد ہوا تو شگوفہ سے ہوا، یا ثاقبہ سے، اسی واقعہ کے بعد ثاقبہ کا نکاح دوسرے شخص سے ہو چکا ہے، فی الحال شگوفہ خالد کے ساتھ رخصت ہو کر خالد ہی کے گھر پر ہے، جواب سے مشکور فرمائیں۔ (المستفتی: امداد، پنتھر فیض آباد، یوپی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مذکورہ صورت میں خالد کا نکاح شرعاً شگوفہ اور ثاقبہ میں سے کسی کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوا، شگوفہ کے ساتھ اس لیے صحیح نہیں ہوا کہ بوقت عقد نام نہیں لیا گیا، جو کہ ضروری تھا اور ثاقبہ کے ساتھ اس لیے نہیں ہوا کہ خالد نے قبول نہیں کیا اور انعقاد نکاح میں پیغام نکاح اور سگائی کا اعتبار نہیں ہوتا؛ بلکہ بوقت عقد جس کا نام آجائے، اسی کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے۔

إذا وقعت الخطبة علیٰ إحداهما ووقعت العقد عقداً باسم الأخریٰ خطأً، فإنه یصح علی التی سمیاها وذلک؛ لان مقدمات الخطبة قرینة معینة إذا لم یعارضها صریح والتصریح بذلک الاخریٰ صریح، فلاتعمل معه، الخ. (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق، کتاب النکاح، زکریا دیوبند: ۱۵۰/۳، کراتشی: ۸۴/۳)

وینعقد بإیجاب وقبول. (البحر الرائق، کوئٹہ: ۸۱/۳، زکریا: ۱۴۴/۳، الهندیة زکریا: ۲۶۷/۱، جدید زکریا: ۳۳۵/۱)

لہٰذا شگوفہ کو نکاح میں رکھنے کے لیے خالد پر ضروری ہے کہ دوبارہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے، اس کے بغیر شگوفہ کو رکھنا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ حرام ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۱۸/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۱۲۳/۲۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۱/۲/۱۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

(۱) **لأن المقصود من التسمیة التعریف وقد حصل ... أن المراد بالمعرفة أن یعرفاأن المعقود علیها هی فلانة بنت فلان الفلانی لامعرفة شخصهاوإن ذکر الإسم غیرشرط بل المراد الإسم أو مایعینّها مما یقوم مقامه.** (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۲۷۲/۲)

کیا نکاح نامہ میں حقیقی باپ کا نام لکھنا لازم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچی کو گود لی اور اس کی پرورش کی جس نے گود لی وہ اپنے نام کو باپ کے خانہ پر ڈلوا کر نکاح کر دیتا ہے تو کیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا صورت ہے؟　(المستفتی: اعجاز احمد، پیرزادہ، مراد آباد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں نکاح اس لئے صحیح ہوگیا کہ جب اس لڑکے کے سامنے نکاح کے وقت فلانی بنت فلاں کہا گیا، تو اس سے وہی گود لی گئی لڑکی مراد لی گئی ہے اور گواہ قاضی شوہر سب ہی نے اسی کو سمجھا ہے؛ لہٰذا لڑکی کے متعین ہونے کی وجہ سے نکاح تو منعقد ہوگیا، مگر حقیقی باپ کو چھوڑ کر نقلی باپ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے، اس کا بہت بڑا گناہ ہوگا۔

نیز نکاح نامہ میں حقیقی باپ کا نام منتقل کر دینا چاہئے اور اس نسبت کی وجہ سے توبہ کر لینا چاہئے۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی مذمت آئی ہے۔

عن أبی ذر رضی اللّٰہ عنہ، أنہ سمع رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: لیس من رجل ادعی لغیر أبیہ وھو یعلمہ إلا کفر، ومن ادعی مالیس لہ فلیس منا، ولیتبوأ مقعدہ من النار. (الحدیث)(صحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من رغب عن أبیہ وھو یعلم، النسخۃ الھندیۃ: ۱/۵۷، بیت الأفکار، رقم: ۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ (فتویٰ نمبر: الف ۵۰۲۸/۳۲) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

جب ولدیت اور عرفی نام درج ہے تو نکاح جائز ہے، خواہ اصلی نام میں غلطی ہوجائے:

سوال: خالد کا نکاح مسماۃ حیاۃ النساء عرف رضیہ بیگم بنت زید پردہ نشین سے قرار پایا، حسب قاعدہ گواہان واسطے اجازت واذن پاس مسماۃ مذکورہ کے گئے اور بعد حصول اجازت گواہان نے روبروئے قاضی بجلسۂ عام شہادت اس صورت سے ادا کی کہ سعادت النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید نے اپنے نکاح کا اختیار عمر وکیل کو دیا، چناں چہ قاضی نے باجازت عمر وکیل بتعادی مہر مثل خالد کے ساتھ نکاح پڑھا دیا، آیا نکاح مسماۃ مذکورہ خالد مذکور کے ساتھ صحیح ہوا، یا باطل؛ کیوں کہ گواہان نے حیاۃ النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید کی غلطی سے سعادۃ النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید شہادت میں ادا کیا، اول یہ کہ سعادۃ النساء بیگم کی ولدیت زید نہیں ہے، دوئم سعادۃ النساء کا عرف رضیہ بیگم نہیں ہے، ایسی غلطی سے نکاح منعقد ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ

نام معروف جو کہ رضیہ بیگم ہے، چوں کہ وہ صحیح لیا گیا اور نیز رضیہ بیگم کا دختر زید ہونا بھی صحیح ہے؛ اس لیے اس صورت

میں نکاح منعقد ہو گیا؛ کیوں کہ غلطی نام غیر معروف میں ہوئی ہے اور نام معروف میں غلطی نہیں ہوئی اور جب کہ عرف اس کا رضیہ بیگم ہے تو گو یا نام معروف یہی ہے اور اس کی ولدیت بھی صحیح بیان کی گئی ہے، لہذا یہ نکاح صحیح ہے؛ کیوں کہ مقصود رفع جہالت ہے اور وہ حاصل ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۱۳/۷)

تعارف کے لیے لڑکی کا نام مع ولدیت کافی ہے:

سوال: نکاح پڑھاتے وقت گواہوں اور حاضران مجلس کے سامنے زوجہ کا تعارف کرنے کے لیے نکاح خواں اس کے باپ دادا کا نام لیتا ہے، اگر ان کا نام لینے سے تعارف نہ ہو تو کون سی صورت تعارف کی ہے، عدم تعارف سے نکاح ہو سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

باپ کا نام لینا کافی ہے، تعارف ہو، یا نہ ہو، لڑکی کا نام مع ولدیت کے لینا قائم مقام تعارف کے ہے۔فقط (۲)

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۱۸/۷)

نکاح میں غلط ولدیت کا اظہار:

سوال: ایک شخص نے ایک لڑکا گود لیا، جب لڑکے کی شادی ہوئی تو اس شخص نے جس نے لڑکا گود لیا ہے، نکاح نامے پر لڑکے کی اصل ولدیت کے بجائے اپنا نام لکھوا دیا، جب کہ لڑکے کا اصل والد بھی نکاح کے وقت موجود تھا، سوال یہ ہے کہ کیا لڑکے کا نکاح ہو گیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

غلط ولدیت نہیں لکھوانی چاہیے تھی؛ تاہم اگر مجلسِ نکاح کے حاضرین کو معلوم تھا کہ فلاں لڑکے کا نکاح ہو رہا ہے تو نکاح ہو گیا۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۶/۶)

---

(۱) أو يذكر اسمها واسم أبيها وجدها ولو كان الشهود يعرفونها وهي غائبة فذكر الزوج اسمها لا غير وعرف الشهود أنه أراد به المرأة التي يعرفونها جاز النكاح.(الفتاویٰ الهندية، كشوری، كتاب النكاح: ۲۷۷/۲)قال في البحر: وإن كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها فإن كان الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها.(ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۴/۲، ظفير)

(۲) والحاصل أن الغائبة لابد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وإن كانت معروفة عندهم وإلا فلا وبه جزم صاحب الهداية، الخ، لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل.(ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۴/۲، ظفير)

(۳) ولم يذكروا إسم أبيه إن كان الزوج حاضراً وأشاروا إليه جاز.(الفتاویٰ الخانية: ۳۲۴/۱، طبع بلوچستان/أيضا: امداد الاحکام، کتاب النکاح: ۲۲۶/۲، طبع دار العلوم کراچی)

ولدیت میں غلطی سے نکاح منعقد نہ ہونا:

سوال: وقت نکاح اگر زوجین نابالغین کی ولدیت بیان کرنے میں فرق پڑ جائے تو نکاح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

فی الدر المختار: (غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إلَّا إذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إلَيْهَا فَيَصِحُّ؛ وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى، خَانِيَةٌ.

فی رد المحتار (قوله: إلا إذا كانت حاضرة، الخ) راجع الی المسألتين، الخ. (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ولدیت کی غلطی سے نکاح نہ ہوگا، البتہ اگر وہ سامنے ہوا اور اس کی طرف نام لینے کے وقت اشارہ بھی کیا ہو تو نکاح ہو جاوے گا۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۳۷)

کیا نکاح کے وقت والد کا نام لینا ضروری ہے:

سوال: کیا نکاح میں بوقتِ ایجاب وقبول دولہا دولہن کے والد کا نام لینا ضروری ہے؟ بشقِ اول اگر نام نہیں لیا، سہواً، یا عمداً تو کیا نکاح پھر سے دوبارہ پڑے گا؟ بشقِ ثانی ولد الزنا، یا لقطہ کا نکاح کس طرح پڑھا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر بغیر والد کا نام لیے قاضی اور گواہ سب پہچان لیں کوئی اشتباہ نہ رہے تو بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، مثلا: دونوں مجلس میں سامنے موجود ہوں اور گواہوں کے سامنے وہ خود ہی ایجاب وقبول کرلیں، یا ان کا ولی کہہ دے کہ اس کا نکاح اس سے کر دیا، یا خاندان کے سامنے نکاح ہو، وہ خود جانتے ہیں، والد کا نام لینے سے مقصود تعارف ہوتا ہے، وہ جس طرح بھی ہو جائے صحیح ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، دیوبند، ۳/۴/۱۳۹۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۰۴)

صرف لڑکی کا نام لے کر نکاح کیا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے ایک بالغہ عائبہ لڑکی کے نکاح کا ایجاب وقبول بذریعہ وکیل بالنکاح بدون ذکر نام پدر منکوحہ کرادیا، یہ نکاح شرعاً منعقد ہوا، یا نہیں؟ اور خطبہ نکاح میں اس طور سے درود شریف پڑھا: ''اللّٰهم صلی علیٰ

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۲۶، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ''والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها، وان كانت معروفة عند الشهود، على قول ابن الفضل. وعلى قول غيره يكفى ذكر سمها ان كانت معروفة عندهم، والا فلا، وبه جزم صاحب الهداية فى التجنيس، وقال: لأن المقصود من التسمية التعريف، وقد حصل، الخ''. (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۲۲، سعيد ۹

سیدنا ونبینا وشفیعنا ومصطفانا ومجتبانا سید عبدالقادر جیلانی". اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اقول وباللہ التوفیق: بے شک اس صورت میں بقول جمہور فقہا سوائے قول خصاف نکاح غائبہ کا صحیح نہیں ہوا؛ کیوں کہ صرف نام غائبہ کا لینا اور باپ کا نام نہ لینا صحت نکاح کے لیے کافی نہیں ہے، جب کہ وہ معروفہ ومعلومہ عند الشہود نہ ہو۔

قال فی ردالمحتار: لأن الغائبة يشترط ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط خلافاً لابن الفضل وعند الخصاف يكفي مطلقاً.(۱)

اور غیر نبی پر بالاستقلال درود شریف پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

قال فی الدرالمختار ولايصلى على غير الأنبياء و لاعلى الملائكة إلابطريق التبع.(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۱/۷)

عبدالرحمٰن کی جگہ رحمان کی لڑکی کہا تو نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: عبدالرحیم کسی کا نام ہے، یا عبدالرحمٰن اور عبداللہ، اگر تنہا رحمان، یا رحیم کہا جائے اور نکاح کے وقت یہ لفظ کہے جاویں کہ رحمان کا لڑکا، رحیم کی لڑکی اتنے مہر کے بالعوض، اس میں نکاح ہو جاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نکاح ہو جاتا ہے، (۳) اور بہتر یہ ہے کہ نام پورا لے، اگرچہ بوجہ عرف کے گنہ اس کو نہیں ہوا۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱۱/۷)

جان بوجھ کر باپ کا نام غلط بتایا جائے تو نکاح ہوگا، یا نہیں:

سوال: بوقت نکاح عمرو نے بوجہ عار حبیبہ کے والد کا نام بجائے بکر کے زید بتلایا، حبیبہ مجلس نکاح میں حاضر نہ تھی، گواہوں میں سے اکثر کو علم تھا کہ منکوحہ زید کی بیٹی نہیں، بکر کی ہے اور ناکح کو مطلقاً علم نہ تھا، کیا حکم ہے، نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟

الجواب

چوں کہ شہود کے نزدیک حبیبہ مجہولہ نہیں ہے اور عمر کا باوجود علم کے حبیبہ کو بنت زید بتلانا قرینہ مجاز کا ہے؛ اس لیے نکاح صحیح ہو گیا، جیسا کہ شامی میں ہے، "ولا المنكوحة مجهولة" کی شرح میں لکھا ہے:

---

(۱) ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۸/۲، ظفير

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، مسائل شتى: ۶۵۸/۵، ظفير

(۳) لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۴/۲، ظفير)

”فلو زوج بنته منه وله بنتان لايصح إلا إذا كانت إحداهمامتزوجة فينصرف إلى الفارغة، كما في البزازية،نهر، وفي معناه ما إذا كانت إحداهمامحرمة عليه، ... قلت:وظاهره أنها لوجرت مقدمات الخطبة على معينة وتميزت عند الشهود أيضاً يصح وهي واقعة الفتوىٰ لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينهاعند العاقدين والشهود.(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۱۶/۷)

نکاح میں لڑکی کے باپ کا نام غلط لیا گیا، کیا حکم ہے:

سوال: باپ کی طرف نسبت کی گئی ہے اور حاضرین مجلس اور نکاح خواں اور ناکح بھی مطلقاً اس کے تشخصات سے ناواقف تھے، بعد نکاح یہ امر ظاہر ہوا کہ اس کا حقیقی والد وہ نہ تھا، دوسرا تھا تو اس صورت میں یہ نکاح ہوا، یا نہ ہوا؟

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بدون حاضر ہونے لڑکی کے اس کے باپ کا نام غلط لیا جاوے تو نکاح اس کا درست نہیں ہوتا، جیسا کہ درمختار میں ہے:

”(غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ“.(۲)

پس چاہیے کہ دوبارہ تصحیح نام پدر کے ساتھ نکاح کیا جاوے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۱۶/۷-۱۱۷)

نکاح میں ولدیت غلط بتائی تو نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: ہندہ بالغہ کی طرف سے اس کی موجودگی میں؛ یعنی ہندہ مجلس نکاح سے علاحدہ مکان میں تھی، ایک شخص کو وکیل بالنکاح کیا گیا، جس کو اس کے حقیقی والد کی مطلقاً خبر نہیں تھی، نیز اہل مجلس سے بھی اس امر سے کوئی واقف نہ تھا کہ اس کا حقیقی والدین کون ہے، ہاں اس کے سوتیلے والد کو سب جانتے ہیں، اسی واسطے وکیل بالنکاح نے نسبت بنتیت اس کے سوتیلے والد کی طرف کردی، چھ ماہ تک شوہر کے گھر آباد رہنے کے بعد یہ راز فاش ہوا کہ وکیل بالنکاح نے نسبت بنتیت میں غلطی کی ہے، اس صورت میں ہندہ کا نکاح درست ہوا، یا نہ؟ بصورت عدم جواز نکاح زنا کا گناہ کس کے ذمہ ہوا؟

الجواب

عبارت درمختار اس بارے میں یہ ہے:

”(غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ“.(وهكذا حققه في الشامي)(۳)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب النكاح:۳٦٧/٢،ظفير

(۲) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح:۳٧٨/٢،ظفير

(۳) دیکھئے:الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح:۳٧٨/٢،ظفير)

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر لڑکی حاضر ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا جائے تو ایسی غلطی سے نکاح ہو جاتا ہے اور اگر حاضر نہ ہو نکاح صحیح نہیں ہوتا اور شامی میں یہ بھی تحقیق فرمائی ہے کہ اگر گواہ منکوحہ کو جانتے ہوں تو بدون باپ کے نام لیے نکاح ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر باپ کی جگہ دوسرے شخص کا نام لیا جاوے اور بنت فلاں کہا جاوے تو اس صورت میں اگر چہ گواہ اس منکوحہ کو جانتے بھی ہوں، تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوتا،(۱) البتہ حاضر ہونے کی صورت میں جب کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے کہ اس عورت کا نکاح کیا، جو کہ فلاں بنت فلاں ہے تو غلطی کی صورت میں بھی نکاح صحیح ہے،(۲) خواں اس منکوحہ کا نام غلط لیا گیا ہو، یا اس کے باپ کا، **فإنها لو كانت مشارا إليها وغلط في اسم أبيها أو اسمها لايضر، الخ.** (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۱۷/۷-۱۱۸)

لڑکی کا نکاح غلط ولدیت کے ساتھ کیا، درست ہے، یا نہیں:

سوال: ایک عورت نے بلا اجازت شوہر کے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور بوقت نکاح لڑکی کے باپ کا نام غلط بتلایا۔ ایسی صورت میں نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟

الجواب

ولدیت غلط بتلانے سے نکاح صحیح نہیں ہوتا، البتہ اگر لڑکی کے سامنے ہو اور اشارہ اس کی طرف کیا جاوے تو نکاح صحیح ہے۔ درمختار میں ہے:

(غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إِلَيْهَا فَيَصِحُّ؛ وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى، خَانِيَةٌ. (الدر المختار) (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۲۱/۷-۱۲۲)

جانی پہچانی عورتوں کے باپ کا نام بدل بھی جائے تو نکاح ہو جاتا ہے:

سوال: ایک لڑکی کا باپ مرگیا، اس کی ماں نے اپنے شوہر کے حقیقی بھائی سے نکاح کرلیا، اس لڑکی کا نکاح اس

(۱) لأن الغائبة يشترط ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط خلافا لابن الفضل، وعندالخصاف يكفي مطلقا، والظاهر أنه في مسألتنا لا يصح عند الكل، لأن ذكر الإسم وحده لا يصرفها عن المراد إلى غيره بخلاف ذكر الاسم منسوبا إلى أب آخر، فإن فا طمة بنت أحمد لاتصدق على فاطمة بنت محمد، تأمل. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲٦/۳، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة أو أشار إليها فيصح. (الدر المختار على ها مش رد المحتار، كتاب النكاح: ۳۷۸/۲، ظفير)

(۳) شامي، مجتبائي: ۲۵۷/۲) (ردالمحتار كتاب النكاح: ۳۷۸/۳، ظفير

(۴) الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۷۸/۲، ظفير

کے چچا؛ یعنی سوتیلے باپ کی اجازت سے ہوااور بوقت نکاح بجائے نام اصل باپ کے سوتیلے باپ کا لیا گیا، پس اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟

الجواب

ظاہر یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہوگیا، اگر چہ درمختار کی عبارت سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ ایسی غلطی میں نکاح صحیح نہیں ہوتا، وہ عبارت یہ ہے:

”(غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ“. (۱)

اس پر علامہ شامی نے یہ لکھا ہے:

(قوله: لم يصح) لأن الغائبة يشترط ذكر اسمها و اسم أبيها وجدها وتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط خلافا لابن الفضل، وعندالخصاف يكفي مطلقا، والظاهر أنه في مسألتنا لا يصح عند الكل، لأن ذكر الإسم وحده لا يصرفها عن المراد إلى غيره بخلاف ذكر الاسم منسوبا إلى أب آخر، فإن فاطمة بنت أحمد لاتصدق على فاطمة بنت محمد، تأمل، وكذا يقال فيما لوغلط في اسمها، الخ. (شامی) (۲)

لیکن جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو درمختار کے اس قول للجہالۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ علت عدم جواز نکاح کی غلطی مذکور میں جہالت ہے، جوصورت مسئولہ میں مفقود ہے۔ دوسرے درمختار کا مسئلہ بصورت غلطی کے فرض کیا گیا ہے کہ وکیل نے غلطی سے نام بدل دیااور صورت مسئولہ میں غلطی سے ایسا نہیں کیا گیا؛ بلکہ بر بناء علی المعروف والشہرۃ ایسا کیا گیا؛ کیوں کہ عرف میں والدہ کے شوہر ثانی کو باپ کہا جاتا ہے، غرض جو رفع جہالت ہے، وہ اس صورت میں اصل ہے؛ کیوں کہ مطلب اس نسبت کا یہ ہے کہ فلاں لڑکی جو فلاں شخص کی تربیت میں ہے اور فلاں لڑکا جو فلاں شخص کی تربیت میں ہے، ان کا عقد ہوا ہے؛ بلکہ عجب نہیں کہ اصل باپ کی طرف نسبت کرنے میں وہ تعرف نہ ہو، جو اس نسبت میں حاصل ہے اور مقصود اصلی رفع جہالت ہی ہے، جیسا کہ شامی میں درمختار کے اس قول ”ولا المنكوحة مجهولة“ کے تحت میں ہے:

قلت: وظاهره أنها لوحرت المقدمات على معينة وتميزت عندالشهود أيضاً يصح العقد وهي واقعة الفتوىٰ لأن المقصود نفي الجهالة وذلک حاصل بتعينهاعند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها، كما إذا كانت إحدٰهمامتزوجة ويؤيده ماسيأتي من أنها لوكانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلمه أنه أرادها كفى ذكراسمهاوإلالا بد من ذكر الأب والجد أيضاً، الخ. (شامی) (۳)

الحاصل صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہوگیا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۲۳-۱۲۴)

---

(۱) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/۳۷۸، ظفير

(۲) ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۲۶، دارالفكربيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/۳۶۷، ظفير

باپ کے اصل نام کے بجائے عرفی نام لے کر لڑکی کا نکاح پڑھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دو حقیقی بھائی، بڑے بھائی کی عرفیت ''بڑے'' ہے، اور چھوٹے بھائی کی عرفیت ''چھوٹے'' ہے اور یہ لوگ اپنی اس عرفیت سے اپنے اصلی ناموں سے زیادہ جانے پہچانے جاتے ہیں، گھر کے لوگوں نے بڑے بھائی ''بڑے'' کا جب اسکول میں نام لکھوایا تو محمد حسین ولد حبو لکھوایا اور چھوٹے کا نام محمد حسن ولد حبو لکھوایا، جس سے معلوم ہوا کہ گھر کے لوگوں نے بڑے کا نام محمد حسین اور چھوٹے کا نام محمد حسن رکھا تھا، بڑے نے پرائمری ہی میں تعلیم چھوڑ دی؛ لیکن چھوٹے نے پرائمری سے نکلنے کے بعد جب مڈل میں نام لکھوایا تو وہاں بھی محمد حسن ولد حبو لکھوایا، مدت دراز کے بعد ان دونوں بھائیوں کے اصلی ناموں کے درمیان اختلاف ہوا، چھوٹے جن کا اسکول کے اندراج کے مطابق محمد حسن تھا، محمد حسین اور بڑے جن کا اسکول کے مطابق محمد حسین تھا محمد حسن مشہور کر دیا گیا؛ لیکن بڑا اس تبدیلی نام پر راضی نہیں تھا، اس کا کہنا تھا کہ میرا اصلی نام محمد حسین ولد حبو ہے اور چھوٹے کا نام محمد حسن عرف چھوٹے ہے (گوکہ تاریخی اعتبار سے اُلٹا سہی) اور ثبوت میں اسکولوں کی سرٹیفکٹ پیش کرتا تھا، جس میں بڑے کی تاریخ پیدائش ۱۹۴۷ء ہے اور نام محمد حسین ولد حبو ہے اور چھوٹے کی تاریخ پیدائش ۱۹۴۸ء ہے اور دونوں اسکول، پرائمری اور مڈل سب میں نام محمد حسن ولد حبو درج ہے، بھائیوں میں آپسی بٹوارہ کے بعد ''بڑے'' نے ہر جگہ ٹاؤن ایریا کے دفتر میں بجلی کنکشن، جل نگم کنکشن ووٹر لسٹ وغیرہ میں اپنا نام محمد حسین عرف بڑے رکھا ہے۔

بڑے کا انتقال ہو چکا ہے، انتقال کے بعد اس کی دو لڑکیوں صافیہ اور صفیہ کا رشتۂ نکاح ہوا، بڑی لڑکی کا نکاح ماں (ولیہ) بھائیوں ودیگر رشتہ داروں نے مل کر طے کیا اور جہاں سے رشتہ ہوا، وہ لوگ بشمول لڑکا، لڑکی، اس کی ماں، باپ اور بھائیوں کو بخوبی جانتے ہیں، تاریخ مقررہ پر لڑکی کا نکاح صافیہ بنت محمد حسن عرف بڑے (یعنی اسکول والے نام محمد حسین کی جگہ محمد حسن عرف بڑے کے نام سے) ماں (ولیہ) بھائیوں ودیگر رشتہ داروں کی موجودگی میں ایک ہی مجلس نکاح میں قاضی نے جانبین کے گواہوں اور دیگر حاضرین مجلس نکاح کے روبرو پڑھایا، قاضی، شاہدین، نیز دولہا کو بخوبی معلوم تھا کہ فلاں لڑکی سے نکاح پڑھایا گیا ہے، ان کے نزدیک لڑکی کے بارے میں کوئی اشتباہ نہیں تھا، کچھ سالوں کے بعد چھوٹی لڑکی صفیہ کا رشتہ ؟ نکاح بھی اسی گھر میں چھوٹے بھائی سے طے ہوا، تاریخ مقررہ پر لڑکی صفیہ کا نکاح قاضی صاحب نے صفیہ بنت محمد حسین عرف بڑے (یعنی محمد حسن کے بجائے اسکول والے نام محمد حسین) کے نام سے، ماں، بھائیوں ودیگر عزیزوں کی موجودگی میں شاہدین ودیگر حاضرین مجلس نکاح کے روبرو پڑھایا، قاضی، شاہدین دولہا لڑکی سے واقف تھے کہ فلاں لڑکی سے نکاح پڑھوایا گیا اور لڑکا لڑکی دونوں نکاح کے وقت موجود تھے (لڑکا مسجد میں اور لڑکی گھر پر) دولہا اور دولہن ان کے اولیاء اور ان کے عزیز واقارب بھی اس نکاح سے مطمئن ہیں اور قاضی نکاح جو فاضل دیو بند اور مفتی ہیں، انہوں نے یہ نکاح پڑھایا، لڑکی صفیہ کے گھر والوں، ماں، بھائی وغیرہ کے کہنے کے مطابق

لڑکی کا نکاح باپ کے اسکول والے نام محمد حسین عرف بڑے سے پڑھایا گیا، اس نکاح کے بعد کچھ لوگوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا کہ صفیہ کا نکاح درست نہیں ہوا ہے؛ کیوں کہ قاضی نے محمد حسن عرف بڑے کی جگہ محمد حسین عرف بڑے پڑھایا ہے اور یہ غلطی قاضی صاحب نے دیدہ ودانستہ کی ہے۔ اب حضرت والا سے دریافت یہ کرنا ہے کہ جب:

(۱)　بڑے بھائی کی عرفیت ''بڑے'' اور چھوٹے کی عرفیت ''چھوٹے'' ہے، جو نام سے زیادہ مشہور ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے

(۲)　بڑے کا پیدائشی نام اسکول کے مطابق محمد حسین اور چھوٹے کا پیدائشی نام اسکولوں کے کاغذات کے مطابق حسن ہے۔

(۳)　ایک مدت کے بعد لوگوں نے بڑے کا محمد حسن عرف بڑے اور چھوٹے کا محمد حسین عرف چھوٹے کر دیا اور اسی نام سے لوگوں میں مشہور ہو گئے۔

(۴)　بڑے اس نام کی تبدیلی پر راضی نہیں تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے بھائیوں کے آپسی بٹوارے کے بعد ہر جگہ اپنا اصلی نام محمد حسین عرف بڑے ہی رکھا ہے۔

(۵)　بڑے کی ہر دو لڑکیوں کے نکاح میں لڑکا اور لڑکی ان کے اولیاء اور رشتہ دار قاضی اور شاہدین سب لوگ نکاح سے پہلے بھی اور نکاح کے وقت بھی ایک دوسرے سے واقف اور جانکار تھے، شاہدین اور لڑکے (دولہا) جان رہے تھے کہ فلاں لڑکی سے نکاح ہو رہا ہے، لڑکیاں نکاح کے وقت موجود تھیں۔

(۶)　موجودہ وقت میں لڑکا اور لڑکی نیز ان کے اولیاء رشتہ دار نکاح کی صحت کے بارے میں سب مطمئن ہیں، ان میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

(۷)　بڑی لڑکی صافیہ کا نکاح صاحبہ بنت محمد حسن عرف بڑے اور چھوٹی لڑکی صفیہ کا نکاح صفیہ بنت محمد حسین عرف بڑے پڑھا گیا؛ یعنی دونوں نکاحوں میں باپ کی عرفیت ایک ہی ہے۔

اس صورت حال میں حضرات مفتیان کرام شریعت کی روشنی میں فرمائیں کہ دونوں لڑکیوں کا نکاح درست ہوا، یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں، تو بڑا کرم ہوگا۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

اس مسئلہ کے بارے میں مدرسہ شاہی کے دارالافتاء میں دو سوال نامے موصول ہوئے، ایک اجمالی تھا اور دوسرا تفصیلی، اجمالی استفتاء پر مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ بھی درج تھے، جن میں زیر بحث مسئلہ میں منعقدہ نکاح کو غیر نافذ قرار دیا گیا ہے، جب کہ تفصیلی استفتاء میں مسئلہ کی جو نوعیت لکھی گئی ہے، اس سے نکاح کی صحت معلوم ہوتی ہے، اگر یہ تفصیلی سوال نامہ مفتیانِ مظاہر علوم ودارالعلوم کی نظر سے گذرا ہوتا، تو وہ بھی عدم نفاذ کا فتویٰ نہ دیتے؛ کیوں کہ:

(الف)　تفصیلی سوال نامہ کے مطابق فریقین اور حاضرین مجلس کے نزدیک لڑکی بالکل متعین تھی۔

(ب)　لڑکی کے باپ کے نام کے بارے میں تو اختلاف رہا، بعض دلائل سے اس کا نام محمد حسین ہونا معلوم ہوتا ہے، جس کے شواہد تفصیلی سوال نامہ کے ساتھ منسلک ہیں، جب کہ دوسرا قول محمد حسن ہونے کا ہے؛ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اس کا عرفی نام ''بڑے'' تھا اور یہ عرفی نام (بڑے) نکاح نامہ میں لکھا گیا ہے، لہٰذا اس عرفی نام کے اعتبار سے لڑکی کا باپ متعین ہے، اور نکاح میں کوئی اشکال نہیں، اشکال اس وقت ہوتا جب کہ یہ عرفی نام نکاح نامہ میں نہ لکھا جاتا؛ تاہم اگر کسی شخص نے دھاندلی کی غرض سے نام میں قصداً تبدیلی کی ہے تو وہ گنہگار ہوگا، اس پر توبہ واستغفار لازم ہے؛ لیکن اس سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم: ۱۳۲/۷)

غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها. (تنویر الأبصار)

قال في الشامي: لأن الغائبة يشترط ذكر اسمها واسم أبيها واسم جدها، فتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط، خلافا لابن الفضل، وعند الخصاف يكفي مطلقاً، الخ. (شامي: ۹٦/٤، زكريا، كذا في البحر الرائق: ١٥٠/٣، زكريا، فتاوىٰ قاضي خان على الهندية: ٣٢٤/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۷/۵/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

عقد نکاح کے وقت ولدیت بدل جائے تو کیا حکم ہے:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں محمد وصی خاں ولد جناب محمد شفیع خاں مرحوم کا نکاح تبسم افشاں بنت ریاض الاسلام کے ساتھ ہوا اور تبسم افشاں کی والدہ کا نکاح اولاً حکیم ضیاء الاسلام صاحب کے ساتھ ہوا تھا؛ مگر حکیم ضیاء الاسلام نے ان کو طلاق دے دیا تھا، پھر عدت کے بعد ان کے بھائی ریاض الاسلام نے نکاح کرلیا اور انہیں سے تبسم افشاں پیدا ہوئیں اور میرے نکاح کے وقت تبسم افشاں کی ولدیت بجائے ریاض الاسلام کے لکھنے کے ضیاء الاسلام لکھا گیا تو کیا اس کی وجہ سے میرے نکاح میں کوئی فرق آیا۔

(المستفتی: محمد وصی خاں ولد محمد شفیع خاں، مراد آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر بوقت نکاح لڑکی کا نام لیا گیا ہے اور لڑکی متعین تھی تو نکاح صحیح اور درست ہو چکا ہے، اس میں کوئی شک وشبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں، البتہ باپ کو چھوڑ کر کے غیر کی طرف جو ولدیت کی نسبت کی گئی ہے، اس کی وجہ سے ایسا کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ حدیث پاک میں اس طرح کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

خطبنا علي بن أبي طالب ... وفيها قال النبي صلى الله عليه وسلم... ومن ادعىٰ إلى غير أبيه أو انتمىٰ إلى غير مواليه، فعليه لعنة أ والملائكة والناس أجمعين، لايقبل أ منه يوم القيامة صرفاً، ولاعدلاً. (مسلم، كتاب العتق، النسخة الهندية: ٤٩٨/١، بيت الافكار، رقم: ١٣٧٠، سنن الترمذي، أبواب الولاء والهبة، باب ماجاء فيمن تولىٰ غير مواليه، أوادعى إلى غير أبيه، النسخة الهندية: ٣٢/٢، دارالسلام، رقم: ٢١٢٧،

مسند أحمد بن حنبل: ۸۱/۱، رقم: ٦١٥، سنن أبي داؤد،الادب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه، النسخة الهندية: ٦٩٧/٢، رقم: ٥١٣ا۵، ١٤١٥)

وقال العلامة ابن عابدين: وتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها. (شامی، کتاب النکاح، زكريا: ٩٦/٤،شامی، کراتشی: ٢٦/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ (فتویٰ نمبر: الف ۱۰۶۳/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۵/۱۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/) ☆

ولی کے خانے میں باپ کے بجائے دوسرے کا نام لکھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے ہندہ سے ۴/ مئی ۲۰۱۱ء کو نکاح کیا، نکاح خواں محمد خاں ہے؛ لیکن ولی کے خانہ میں زید کے والد کے بجائے غیر معروف شخص کا نام ہے، نکاح کا مقام جو درج ہے وہ اس طرح ہے: بر مکان ست پال تحصیل املوہ مالیر کوٹلہ مقام نکاح کا تعین نہیں ہے، اور ولی نہیں، کیا اس طرح نکاح ہوسکتا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر زید خود مجلس عقد میں موجود ہو اور ہندہ اور گواہ سب اس کی ذات سے واقف ہوں اور وہ سب عاقل بالغ ہوں تو

☆ **مجلس نکاح میں نکاح پڑھاتے وقت ولدیت کا بدل جانا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک نکاح پڑھانے والے نے نکاح کی مجلس میں اس طرح نکاح پڑھایا کہ ''مسرت جہاں بنت مشتاق حسین کا نکاح (لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ کے ساتھ کیا، آپ نے قبول کیا'' اس پر لڑکے نے قبول کرلیا؛ لیکن لڑکے کی ولدیت نکاح کے رجسٹر میں بدل گئی تھی تو کیا نکاح منعقد ہوگیا؟

(المستفتی: اقبال حسین، چکر کی ملک، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح پڑھانے والے نے ایجاب وقبول کرتے ہوئے لڑکی کا نام اور لڑکی کے باپ کا نام صحیح لیا، فلاں بنت فلاں کا نکاح یہ کہہ کر لڑکے کو مخاطب کر کے ایجاب کیا کہ میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح تمہارے ساتھ کردیا ہے، تم نے اس کو قبول کرلیا، پھر لڑکے نے قبول کرلیا تو ایسی صورت میں نکاح درست ہوگیا ہے، اگرچہ نکاح کے رجسٹر میں لڑکے کے باپ کے نام کے بجائے کسی اور کا نام لکھا گیا ہو؛ اس لیے کہ مجلس نکاح میں لڑکا خود موجود تھا، باپ کا نام لیے بغیر نکاح درست ہوجاتا ہے اور اب رجسٹر میں بعد میں نام درست کیا جاسکتا ہے۔

لو كانت مشاراً إليها وغلط في اسم أبيها، أو اسمها لايضر؛ لان تعريف الإشارة الحسية اقوىٰ من التسمية. (شامی، کتاب النكاح، زكريا ديوبند: ٩٧/٤، كراتشي: ٢٦/٣، الموسوعة الفقهية الكوتية: ١٦٢/١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ (فتویٰ نمبر: الف ۹۲۹۶/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۴/۲۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۳/)

یہ نکاح منعقد مانا جائے گا، زید کے والد کے نام میں غلطی کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اسی طرح نکاح کا مقام مبہم لکھ دینے، یا ولی کا ذکر نہ کرنے کے باوجود نکاح صحیح قرار پائے گا؛ کیوں کہ ان باتوں کی وضاحت نکاح کی صحت کے لئے شرط نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ: ۲/۲۳۷، فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۱۵۶، میرٹھ، فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۷۷)

وعلی قول غیره یکفی ذکر اسمها إن کانت معروفة عندهم. (شامی: ۴/۹۰، زکریا)

إذا ذکروا فی النکاح اسم رجل وکنیة أبیه ولم یذکروا اسم أبیه إن کان الرجل حاضراً مشار إلیه جاز. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴/۳۲، رقم: ۵۴۳۸، زکریا)

وذکر الخصاف فی حیلة: مسألة تدل علی أن مثل هٰذا التعریف یکفی لجواز النکاح. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴/۳۲، رقم: ۵۴۴۰، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۶/۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

حقیقی باپ کے بجائے گود لینے والے کا نام لکھ کر نکاح پڑھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ خالد نے اپنی لڑکی کو گود دے رکھا ہے حامد کو، حالاں کہ حامد نے لڑکی کی شروع ہی سے پرورش کی ہے اور شادی میں خرچہ بھی اٹھا رہا ہے اور نکاح کے وقت حقیقی باپ اور گود لینے والے دونوں موجود ہیں تو اب کیا نکاح میں لڑکی کے حقیقی باپ کا نام لکھا جائے گا، یا جس نے گود لے رکھی ہے اس کا نام؟ اور اگر کسی نے حقیقی باپ کے موجود ہوتے ہوئے گود لینے والے کا نام لکھا دیا تو کیا نکاح صحیح ہوگا، یا نہیں؟ اور آخرت میں حقیقی باپ کا نام چلے گا یا گود لینے والے کا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

لڑکی کو اصل باپ کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا، گود لینے والے کا نام باپ کی جگہ نہیں لکھا جائے گا اور گود لینے والا دنیا، یا آخرت کہیں بھی حقیقی باپ کی جگہ نہیں لے سکتا اور اگر نکاح کے رجسٹر میں حقیقی باپ کے بجائے گود لینے والے کا نام لکھ دیا جائے اور مجلسِ عقد میں لڑکی موجود نہ ہو (جیسا کہ ہمارے یہاں دستور ہے) تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، دوبارہ حقیقی باپ کا نام لے کر نکاح کرانا لازم ہے؟

غلط وکیلها بالنکاح فی اسم أبیها بغیر حضورها لم یصح للجهالة.

والظاهر أنه فی مسئلتنا لایصح عند الکل؛ لأن ذکر الاسم وحده لا یصرفها عن المراد إلیٰ غیره، بخلاف ذکر الاسم منسوبًا إلی أب آخر؛ فإن فاطمة بنت أحمد لا تصدق علی فاطمة بنت محمد، تأمل. (الدرالمختار مع الشامی: ۴/۹۷، زکریا، وکذا فی البحر الرائق: ۳/۱۵۰، زکریا، فتاویٰ قاضی خان علی الهندیة: ۱/۳۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۹/۱۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

بوقت نکاح باپ کی جگہ پر سوتیلے باپ کا نام لیا تو نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: ہندہ کا باپ انتقال کر چکا ہے، اس کا سوتیلا باپ زندہ ہے، ہندہ کا نکاح زید سے ہوا اور بوقت نکاح باپ کے نام کے بجائے اس کے سوتیلے باپ کا نام لیا گیا اور ہندہ سے اجازت لی گئی، وہ عاقلہ و بالغہ تھی تو یہ نکاح درست ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں بوقت نکاح سوتیلے باپ کا نام لینے سے نکاح منعقد ہو گیا۔

(قوله ولا المنكوحة مجهولة)... قلت: وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عندالشهود أيضاً يصحّ العقد وهى واقعة الفتوىٰ لأن المقصود نفى الجهالة وذٰلک حاصل بتعيّنها عندالعاقدين والشهود وإن لم يصرّح باسمها. (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ٢/٢٦٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی: ۲۹/۱۰/۱۴۰۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۶۵)

لے پالک لڑکی کے نکاح میں والد کے نام لینے کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی زیب النساء کو پیدائش کے دس دن بعد کسی نے لے لی اور اسے پالا، لڑکی کے اصل والد کا نام اسلام اور والدہ کا نام خدیجہ تھا، پالنے والے کا نام ہاشم ہے، جب لڑکی بیس سال کی ہوگئی تو نکاح کے وقت اصل والد کے بجائے پالنے والے کا نام ہاشم لیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ نکاح درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نور محمد گلبرک: ۲، پشاور، ۲۸/شعبان ۱۴۰۸ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اگر یہ لڑکی اس مجلس میں موجود نہ تھی تو یہ نکاح درست نہیں ہے۔ (۱)

كما فى فتاوىٰ قاضى خان: امرأة وكلت رجلا بأن يزوجها فزوجها وغلط فى اسم أبيها لا ينعقد النكاح إذا كانت غائبة. (هامش الهندية: ١/٣٢٤) (۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۶۴-۲۶۵)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود علموا أنه أرادها كفى ذكر اسمها وإلا لابد من ذكر الأب والجد. (ردالمحتارهامش الدرالمختار: ٢/٣٦٧، كتاب النكاح، قوله: ولا المنكوحة مجهولة)

(۲) فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الهندية: ١/٣٢٤، الفصل الأول فيما يتعلق به انعقاد　==

== فتاویٰ دارالعلوم دیو بند میں ہے:

سوال: بوقت نکاح عمرو نے بوجہ عار حبیبہ کے والد کا نام بجائے بکر کے زید بتلایا، حبیبہ مجلس نکاح میں حاضر نہ تھی، گواہوں میں سے اکثر کو علم تھا کہ منکوحہ زید کی بیٹی نہیں، بکر کی ہے اور ناکح کو مطلقا علم نہ تھا، کیا حکم ہے؟ نکاح جائز ہوا، یا نہیں؟

الجواب:

چوں کہ شہود کے نزدیک حبیبہ مجہولہ نہیں ہے اور عمرو کا باوجود علم کے حبیبہ کو بنت زید بتلانا قرینہ مجاز کا ہے؛ اس لیے نکاح صحیح ہوگیا، جیسا کہ شامی میں ہے، ولا المنکوحۃ کی شرح میں لکھا ہے:

فلوزوج بنته منه وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت أحدهما متزوجة فينصرف إلى الفارعة،الخ،وفي معناه ما إذا كانت إحداهما محرمة عليه قلت وظاهره أنها لو جرت مقدمات الخطبة علىٰ معينة وتميزت عند الشهود أيضاً يصح العقد وهي واقعة الفتوىٰ لأن المقصود نفي الجهالة وذلک حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود الخ. (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۷/۶۱۱)

نیز فتاویٰ دارالعلوم دیو بند میں ہے:

جانی پہچانی عورتوں کے باپ کے نام بدل بھی جائیں تو نکاح ہو جاتا ہے، سوال: ایک لڑکی کا باپ مرگیا اس کی ماں نے اپنے شوہر کے حقیقی بھائی سے نکاح کرلیا اس لڑکی کا نکاح اس کے چچا یعنی سوتیلی باپ کی اجازت سے ہوا اور بوقت نکاح بجائے نام اصل باپ کے سوتیلے باپ کا نام لیا گیا، پس اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟

الجواب:

ظاہر یہ ہے کہ نکاح صحیح ہوگیا، اگر چہ درمختار کی ایک عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسی غلطی میں نکاح صحیح نہیں ہوتا، وہ عبارت یہ ہے:

غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح للجهالة،الخ.

اس پر علامہ شامی نے یہ لکھا ہے:

قوله لم يصح لأن الغائبة يشترط ذكر إسمها وإسم أبيها وجدها ونقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط خلافاً لابن الفضل وعند الخصاف يكفي مطلقا والظاهر أنه في مسئلتنا لايصح عند الكل لأن ذكر الاسم وحده لايصرفها عن المراد إلىٰ غيره بخلاف ذكر الاسم منسوباً إلىٰ أب آخر فإن فاطمة بنت أحمد لا تصدق علىٰ فاطمة بنت محمد تأمل وكذا يقال فيما لو غلط في اسمها ،الخ.

لیکن جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو درمختار کے اس قول للجہالۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ علت عدم جواز نکاح کی غلطی مذکور میں جہالت ہے، جو صورت مسئولہ میں مفقود ہے، دوسرے درمختار کا مسئلہ بصورت غلطی کے فرض کیا گیا ہے کہ وکیل نے غلطی سے نام بدل دیا اور صورت مسئلہ میں غلطی سے ایسا نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ بر بناء علی المعروف والشہرۃ ایسا کیا گیا ہے؛ کیوں کہ عرف میں والدہ کے شوہر ثانی کو باپ کہا جاتا ہے، غرض جو رفع جہالت ہے، وہ اس صورت میں حاصل ہے؛ کیوں کہ مطلب اس نسبت کا یہ ہے کہ فلاں لڑکی جو فلاں شخص کی تربیت میں اور فلاں لڑکا جو فلاں شخص کی تربیت میں ہے، ان کا عقد ہوا ہے؛ بلکہ عجب نہیں کہ اصل باپ کی طرف نسبت کرنے میں وہ تعرف نہ ہو، جو اس نسبت میں حاصل ہے اور مقصود اصلی رفع جہالت ہی ہے، جیسا کہ شامی میں درمختار کے اس قول ''ولا المنکوحۃ مجہولۃ'' کے تحت میں ہے: ==

بوقت نکاح باپ کے بجائے ماں کا نام لیا تو نکاح ہوا، یا نہیں:

سوال: مسماۃ جمیلہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت سے جمیل کے ساتھ کیا گیا؛ لیکن کسی رنجش کی بنا پر عقد کے وقت اس کے باپ کے بجائے جمیلہ کی ماں کا نام لیا گیا تو یہ نکاح درست ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب گواہوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ نکاح جمیلہ بنت فلاں کا ہو رہا ہے تو یہ نکاح جائز ودرست ہوا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۱/۱۲/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۶۴-۶۵)

نکاح میں دلہن کی بجائے دلہن کی والدہ کا نام لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کے وقت دلہن کے نام کی بجائے دلہن کی والدہ کا نام لیا گیا کیا۔ نکاح صحیح ہوا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سعد اللہ جلبی صوابی، ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

== قلت: وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة الفتوىٰ لأن المقصود نفي الجهالة وذلک حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت احداهما متزوجة ويؤيده ما سيأتي من أنها لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلمه أنه أرادها كفى ذكر اسمها وإلا لابد من ذكر الأب والجد أيضاً الخ. (شامی)

الحاصل صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہوگیا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷/۳۲۱)

فتاویٰ فریدیہ اور فتاویٰ دیوبند کے ان فتاویٰ میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، مگر فی الواقع نہیں؛ کیوں کہ فتاویٰ فریدیہ کا فتویٰ محمول ہے مجہولہ پر اور فتاویٰ دیوبند کا فتویٰ محمول ہے معروفہ ومشہورہ اور جانی پہچانی پر۔ (سیف اللہ حقانی)

(۱) فإن كان الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۲/۲۷۲)

وَلَا بُدَّ مِنْ تَمْيِيزِ الْمَنْكُوحَةِ عِنْدَ الشَّاهِدَيْنِ لِتَنْتَفِي الْجَهَالَةُ فَإِنْ كَانَتْ حَاضِرَةً مُتَنَقِّبَةً كَفَى الْإِشَارَةُ إلَيْهَا وَالِاحْتِيَاطُ كَشْفُ وَجْهِهَا فَإِنْ لَمْ يَرَوْا شَخْصَهَا وَسَمِعُوا كَلَامَهَا مِنْ الْبَيْتِ إنْ كَانَتْ الْمَرْأَةُ فِي الْبَيْتِ وَحْدَهَا جَازَ النِّكَاحُ لِزَوَالِ الْجَهَالَةِ، وَإِنْ كَانَ مَعَهَا امْرَأَةٌ أُخْرَى لَا يَجُوزُ لِعَدَمِ زَوَالِهَا، وَكَذَا إذَا وَكَّلَتْ بِالتَّزْوِيجِ فَهُوَ عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ، وَإِنْ كَانَتْ غَائِبَةً، وَلَمْ يَسْمَعُوا كَلَامَهَا بِأَنْ عَقَدَ لَهَا وَكِيلُهَا فَإِنْ كَانَ الشُّهُودُ يَعْرِفُونَهَا كَفَى ذِكْرُ اسْمِهَا إذَا عَلِمُوا أَنَّهُ أَرَادَهَا، وَإِنْ لَمْ يَعْرِفُوهَا لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ اسْمِهَا وَاسْمِ أَبِيهَا وَجَدِّهَا وَجَوَّزَ الْخَصَّافُ النِّكَاحَ مُطْلَقًا حَتَّى لَوْ وَكَّلَتْه فَقَالَ: بِحَضْرَتِهِمَا زَوَّجْت نَفْسِي مِنْ مُوَكِّلَتِي أَوْ مِنْ امْرَأَةٍ جَعَلَتْ أَمْرَهَا بِيَدِي فَإِنَّهُ يَصِحُّ عِنْدَهُ قَالَ قَاضِي خَانْ وَالْخَصَّافُ كَانَ كَبِيرًا فِي الْعِلْمِ يَجُوزُ الِاقْتِدَاءُ بِهِ وَذَكَرَ الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ فِي الْمُنْتَقَى كَمَا قَالَ الْخَصَّافُ، آه. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۹۵، دار الكتاب الإسلامي بيروت، انيس)

الجواب ــ

بہ شرط صدق وثبوت اگر اس عقد سے قبل، یا بعد صحیح نام پر عقد نکاح نہیں ہوا ہو تو یہ عقد کالعدم اور واجب الاعادہ ہے۔

كمافي شرح التنوير: وكذا لوغلط في إسم بنته. (هامش ردالمحتار: ۳۷۸/۲)(۱)

قلت: والعقد علىٰ أم المخطوبة لم يصح لعدم الاصالة ولا الوكالة ولعدم الاجازة، فافهم.

(فتاویٰ فریدیہ: ۲۶۳/۴)

نکاح کے رجسٹر میں باپ کی جگہ نانا کا نام لکھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص محمد نعیم اپنے حقیقی باپ جن کا نام محمد رفیع ہے اور حیات ہے، کی جگہ اپنے نکاح وغیرہ میں اپنی ولدیت میں نہ لکھوا کر اپنے نانا محمد عمر کا نام لکھوائے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

حقیقی باپ کے بجائے اپنا باپ نانا کو قرار دینا خلافِ واقعہ اور گناہ کا کام ہے اور اس کی تصحیح کرنا لازم ہے؛ تاہم اگر لڑکا مجلس نکاح میں موجود ہو اور اس کی پہچان میں کوئی شبہ نہ ہو، تو ولدیت غلط ہونے کے باوجود نکاح منعقد اور صحیح ہو جائے گا۔

أى فإنها لو كانت مشاراً إليها وغلط فى اسم أبيها أو إسمها لايضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية. (شامي: ۹۷/٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۹/۲۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

☆ ☆ ☆

(۱) **الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار: ۲۹۸/۲، قبيل فصل فى المحرمات**

دوسری وجہ یہ ہے کہ دولہن کی ماں منکوحۃ الغیر بھی ہے، اگر والدِ دولہن زندہ ہو، اگر والد زندہ نہیں ہے تو ماں سے نکاح کا وکیل نہیں بنایا گیا ہے۔ انیس

مجلس نکاح اور رسوم ورواج

نکاح کس جگہ پڑھنا بہتر ہے:

سوال: ہمارے یہاں شادی ہوتی ہے تو شب گشت وغیرہ تمام کاروبار رات کے وقت ہوتا ہے، تب دولہا دلہن کے مکان میں جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ علی الصباح دلہن کے مکان میں نکاح پڑھا جاتا ہے اور کثیر جماعت لوگ دلہن کے گھر نکاح کا پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں، بعدہ رواج یہ ہے کہ دولہا کے گھر مولود النبی پڑھی جاتی ہے اور یہ مولود النبی رستے سے پڑھتے پڑھتے دلہن کے گھر ختم کی جاتی ہے، اس کے بعد فجر کے بعد اس کا نکاح دلہن کے گھر پڑھا جاتا ہے، ہمارے یہاں بعض لوگ دولہا کے گھر نکاح پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں اور بعض لوگ دلہن کے گھر بہتر سمجھتے ہیں۔

(المستفتی: ۶۱۸، غلام حسین، ضلع رتنا گیری، ۱۹؍جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق ۱۸؍ستمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

ترمذی شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

"واجعلوه فی المساجد". (۱) (یعنی: نکاح مسجد میں کیا کرو۔)

اس حدیث کے بموجب نکاح کے لیے مسنون اور افضل جگہ تو مسجد ہے، اگر مسجد میں نہ کیا جائے تو پھر خواہ دولہا کے مکان میں کیا جائے، یا دلہن کے مکان میں دونوں جائز ہیں۔ شب گشت کرنا اور راستہ میں مولود النبی پڑھنا یہ دونوں باتیں واجب الترک ہیں کہ خلافت سنت ہیں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۹/۵)

---

(۱) جامع الترمذی، أبواب النکاح، باب ما جاء فی إعلان النکاح: ۲۰۷/۱، سعید) (عَنِ القَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ فِي هَذَا البَابِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الْأَنْصَارِيُّ يُضَعَّفُ فِي الحَدِيثِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الَّذِي يَرْوِي، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ التَّفْسِيرَ هُوَ ثِقَةٌ. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی إعلان النکاح، رقم الحديث: ۱۰۸۹، انیس)

(۲) عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاری، کتاب الصلح باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۲۰۷/۱، سعيد)

والمراد بالحديث المنكر فيدخل فيه نحو السمر بالأساطير وبالأحاديث التی لا أصل لها والتحدث بالخرافات والمضاحک والغناء وتعلم الموسيقى وماأشبه ذلک يعنی من فضول الكلام. (مرقاة المفاتيح، باب الكسب وطلب الحلال: ۱۹۰۳/۵، دار الفكر بيروت، انیس)

نکاح کے لیے اَفضل جگہ اور اَفضل شخص کون ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکی کے نکاح کے لیے افضل جگہ اور نکاح پڑھانے والا اَفضل فرد کون ہوسکتا ہے؟ باپ زیادہ حق دار ہے، یا عالم دین، یا محلے کی مسجد کا امام؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

لڑکی کے نکاح کے لیے افضل جگہ مسجد ہے اور نکاح پڑھانے کا زیادہ حق دار سمجھ دار عالم دین ہے، خواہ وہ باپ ہو، یا محلے کا امام، یا اور کوئی شخص۔

ویندب إعلانہ، وتقدیم خطبتہ، وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ، بعاقد رشید (الدرالمختار) وتحیۃ فی الشامیۃ: ولحدیث الترمذی: أعلنوا ھٰذا النکاح، واجعلوہ فی المساجد. (الدر المختار مع الشامی، کتاب النکاح: ٤/٦٦-٦٧، زکریا، کذا فی البحر الرائق: ٣/١٤٤، زکریا) (سنن الترمذی، باب ماجاء فی إعلان النکاح، رقم الحدیث: ١٠٨٩، انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۷/۱/۱۴۳۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

مسجد میں نکاح:

سوال: ہمارے محلّہ کی ایک مسجد میں ایک صاحب کا نکاح ہوا، اس پر ایک دوسری مسجد کے سربراہ اور قبرستان کے مالک نے کہا کہ جن صاحب کا مسجد میں نکاح ہوا ہے، وہ حرام ہے اور چاہیے کہ توبہ کر کے دوسری مرتبہ نکاح کریں؟

(غازی امیر الدین، مغلپورہ)

الجوابــــــــــــــــ

مسجد میں نکاح کرنا درست قرار دینا درست نہیں؛ بلکہ مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نکاح کا اعلان کرواور اسے مسجد میں رکھا کرو۔

"أعلنوا النکاح واجعلوہ فی المساجد". (۱)

اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء نے مسجد میں عقدِ نکاح کو مستحب قرار دیا ہے.

"مباشرۃ عقد النکاح فی المساجد مستحب". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۱۶-۳۱۷)

نکاح مسجد میں مستحب ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ مسلمانوں کا نکاح مسجد میں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ قرون ثلاثہ میں نکاح مسجد ہی میں ہوتا تھا،

(۱) الجامع للترمذی، رقم الحدیث: ١٠٨٩

(۲) الفتاوی الهندیة: ٥/٣٢١

عمرو کہتا ہے کہ مسجد میں نکاح ہونا پہلے تو مشابہت بہ نصاریٰ ہے؛ اس لیے کہ ان کے مذہب میں گرجا ہی میں نکاح ہوتا ہے، اس کے علاوہ مسجد میں خاص اسی نکاح کے لیے روشنی بے حد ہمیشہ سے زیادہ کرنا اور فرش وغیرہ ہمیشہ سے زیادہ بچھانا اور ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا مسجد میں گھس پڑنا، جن میں بہت سے بے وضو اور بہت سے بے نمازی بھی ہوتے ہیں اور بعد نکاح کے اسی مسجد کے اندر لڑکے کا مبارکبادی گانا، پھر صحن مسجد میں شربت پلانا، شوروغل ہونا جس کے سبب سے کتنے ایک نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، یہ سب خلاف آداب مساجد ہیں؛ اس لیے مسجدوں میں نکاح نہیں ہونا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب

درمختار ہے:

"ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة، الخ". (۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح میں یہ امور مستحب ہیں: اعلان کرنا اور خطبہ پڑھنا اور مسجد میں ہونا اور جمعہ کے دن ہونا وغیرہ، پس حتی الوسع اگر ان امور کی رعایت رہے تو بہت اچھا ہے اور مبارک ہے اور شامی میں مسجد میں نکاح کے مستحب ہونے کی یہ وجہ لکھی ہے:

"للأمر به فی الحدیث ط. (۲)

یعنی حدیث شریف میں اس کا حکم وارد ہوا ہے کہ مسجد میں نکاح پڑھو، الفاظ اس حدیث کے جس میں یہ حکم وارد ہوا ہے، یہ ہے:

وعن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف. (رواه الترمذی) (۳)

حاصل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نکاح کا اعلان کرو اور مسجد میں کرو اور دف سے اعلان کرو۔

مرقات میں لکھا ہے:

(قوله: بالدفوف) لکن خارج المسجد. (۴)

یعنی اگر دف ہو تو خارج مسجد ہونا چاہیے، پس معلوم ہوا کہ قول زید کا صحیح ہے، البتہ مسجد کے آداب کا بھی خیال رکھنا

---

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح: ۸/۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) ردالمحتار، کتاب النکاح: ۸/۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) ردالمحتار کتاب النکاح: ۳۵۹/۱، ظفیر (سنن الترمذی، أبواب النکاح، باب ماجاء فی إعلان النکاح، رقم الحدیث: ۱۰۸۹، انیس)

(۴) مرقاة المفاتیح شرح المشکاة، باب اعلان النکاح: ۴۲۵/۳، ظفیر

چاہیے، جیسا کہ مرقاۃ کی عبارت سے واضح ہوا کہ دف خارج عن المسجد ہونا چاہیے، اس طرح مسجد میں دیگر امور خلاف شرع بھی نہ ہونے چاہئیں۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۶/۷-۱۶۷)

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ مسلمانوں کا نکاح مسجد میں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ قرون اولیٰ میں نکاح مسجد میں ہوتا تھا۔ عمرو کہتا ہے کہ مسجد میں نکاح ہونا اول تو مشابہت بہ نصاریٰ ہے؛ اس لیے کہ ان کے مذہب میں گرجا میں ہی نکاح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں خاص اسی نکاح کے لیے روشنی بے حد ہمیشہ سے زیادہ کرنی اور فرش وغیرہ ہمیشہ سے زیادہ بچھانا اور ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا مسجد میں گھس آنا (جن میں سے اکثر بے وضو اور اکثر بے نمازی ہوتے ہیں) اور بعد نکاح کے اسی مسجد میں مبارکبادی گانا، پھر صحن مسجد میں شربت پلانا، مسجد میں شور وغل ہونا، جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہے وغیرہ، یہ سب خلاف آداب مسجد ہیں؛ اس لیے مسجدوں میں نکاح نہیں ہونا چاہیے۔ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے۔

ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة. (الدر المختار)(۱)

(**قوله: فی مسجد**) **للأمر به فی الحدیث.** (رد المحتار)(۲)

اور عمرو کا یہ قول کہ اس میں مشابہت بہ نصاری ہے؛ اس لیے صحیح نہیں کہ جب کہ حدیث میں مسجد کے اندر نکاح کرنے کا حکم وارد ہے تو اب مشابہت کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ فرش زیادہ بچھانا ایک امر مستحسن ومندوب کے لیے ہے؛ اس لیے مضر نہیں۔ ہزار ڈھیر ہزار آدمیوں کا گھس آنا بھی موجب کراہت نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ کثرت جماعت اسباب کراہت میں سے نہیں ہے۔ بے وضو ہونا، یا بے نمازی ہونا بھی جواز دخول کو مانع نہیں۔

ہاں: نکاح کے بعد بلند آواز سے مبارک باد گانا، یا مسجد کے صحن کو شربت سے ملوث کرنا، یا مسجد میں شور وغل کرنا، یہ باتیں آداب مسجد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مسجد میں مکروہ ہیں۔

پس اس سنت کو کہ نکاح مسجد میں ہو، جاری کرنے کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ ان امور کو روکا جائے، جو آداب مسجد کے خلاف ہیں، نہ یہ کہ اصل سنت کو چھوڑ دیا جائے؛ لیکن اگر کوئی ممنوعات سے کسی طرح باز نہ رہیں؛ یعنی مسجد میں نکاح کرنا گویا لازمی اور ضروری طور پر ان منہیات کے وجود کو مستلزم ہو اور اس کی اصلاح نہ ہوسکے تو ایسی حالت

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح: ۸/۳، سعید

(۲) رد المحتار، کتاب النکاح: ۸/۳، سعید

میں مسجد میں نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہوگا تا کہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو؛ کیوں کہ مسجد کا احترام قائم رکھنا ضروری ہے۔(۱) زیادہ روشنی مسجد کے مال سے کرنا قطعاً جائز نہیں۔(۲) فقط واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۲۸۸/۵)

عقد نکاح مسجد میں افضل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح مسجد میں پڑھنا بہتر ہے، یا گھر پر، جب کہ بعض لوگ مسجد میں جانے سے انکار کرتے ہیں، اس بارے میں شریعت محمدی کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالرشید جہلم، ۸/ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ)

الجواب

اگر منکرات کا خطرہ نہ ہوتو مسجد میں عقد نکاح افضل ہے،(۳) لحديث رواه الترمذی: أعلنوا هٰذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف.(۴) (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۴/۴)☆

---

(۱) ﴿يـأيها الذين آمنوا لا تحلوا شعائر اللّٰه﴾ (سورة المائدة: ۲)

قال أحمد مصطفى المراغی فی تفسير هذه الآية: والمعنى يا ايها الذين آمنوا لا تحلوا شعائر دين الله حلالاً لكم تنصرفون فيها كما تشاؤون بل اعملوا بما بينه لكم ولا تهاونوا بحرمتها (تفسير المراغی: ٤٤/٦)

(۲) ولا بأس بأن يترک أكثر من ذلک إلا إذا شرط الواقف ذلک أو كان ذلک م معناداً فی ذلک الموضع. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع: ۱۱۰/۱، ماجدية)

(۳) قال الملا علی قاری: قوله (واجعلوه فی المساجد) وهو أما لأنه ادعى إلى الاعلان أو لحصول بركة المكان و ينبغی أن يراعی فيه أيضاً فضيلة الزمان ليكون نوراً علٰى نور وسروراً على سرور قال ابن الهمام يستحب مباشرة عقد النكاح فی المسجد لكونه عبادة وكونه فی يوم الجمعة وهو اما تفاؤلا للاجتماع او توقع زيادة الثواب اولانه يحصل به كمال الاعلان. (مرقاة المفاتيح: ۲۱۷/٦، باب اعلان النكاح، الفصل الثانی)

(۴) سنن الترمذی: ۱۲۹/۱، باب ماجاء فی اعلان النكاح

☆ **مسجد میں نکاح پڑھانا مستحب ہے**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بذریعہ علماء اور کتبِ دینیہ معلوم ہوتا ہے کہ مستحب یہی ہے کہ نکاح مسجد میں ہو، کیا مستحب مذکورہ پر ضد کرنا مسجد یا بیرونِ مسجد کسی دینی اجتماع میں کیا بدعت میں داخل نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰه التوفيق

مسجد میں نکاح کی مجلس منعقد کرنا مسنون ہے، اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینی چاہیے، اس طرح بہت سی رسوم خود بخود ختم ہوسکتی ہیں؛ تاہم اِس میں اتنا تشدد نہ کیا جائے کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ مسجد ہی میں نکاح ضروری ہے، کسی اور جگہ نکاح ہی نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم: ۱۶۶/۷)

ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه فی مسجد. (الدر المختار مع الشامی: ۸/۳، كراتشی، شامی: ٦٦/٤، زكريا)

وكل مباح يؤدی إليه (أی الوجوب) فمكروه. (الدر المختار مع الشامی: ۱۲۰/۲، كراتشی، ۵۹۸/۲، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۷/۱۴۱۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/۸)

مسجد میں نکاح پڑھانا درست ہے، یا نہیں:

سوال: نکاح مسجد میں پڑھانا بالاتفاق درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

درست ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۶/۷)

نکاح میں شرکت کے لیے غیرمسلموں کو مسجد میں لانا:

سوال: مسجد میں نکاح ہونے پر غیرقوم کو بھی شرکت کی دعوت دینا، مسجد کے اندر ہی لاکر نبھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

نہیں چاہیے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۹/۱۰)

مجلسِ نکاح کی زیبائش کے لیے مسجد کے صحن میں پنڈال لگاکر نقش ونگار کرنا:

سوال: مسجد کے اندر اور باہر نکاح کے وقت ہندو مسلمان مل کر بیٹھتے ہیں، اس نکاح کی زیبائش کے لیے مسجد کے صحن میں پنڈال ڈالنا، کپڑوں سے نقش ونگار کرکے اس کو سجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

نہیں چاہیے، البتہ سادہ طریقہ پر مسجد میں نکاح کرنا درست ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۹/۱۰-۶۰۰)

---

(۱) غیرمسلم چوں کہ اکثر آدابِ مسجد سے ناواقف ہونے کی بناپر آدابِ مسجد کی رعایت نہیں کرتے، جس سے بے حرمتی ہوتی ہے، اس وجہ سے مفتی صاحب نے ان کے داخل ہونے کو نامناسب لکھ دیا، اگرچہ فی نفسہ ان کے مسجد میں داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

"وقال أصحابنا: يجوز للذمي دخول سائر المساجد". (أحكام القرآن للجصاص، سورة التوبة، مطلب: هل يجوز دخو المشرك المسجد: ۱۳۱/۳، قديمی)

"قلت: فی البحر عن الحاوی: ولا بأس أن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات، ومفهومه أن فی دخوله لغير مهمة بأساً، وبه يتجه ما هنا، فاهم". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فی جلع شیء من المسجد طريقا: ٤٧٨/٤، سعيد)

(۲) **"عن عائشة رضی اللّٰه تعالىٰ عنها: قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (رواه الترمذی)(مشكاة المصابيح، باب اعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی، ص: ۲۷۲، قديمی)**

چوں کہ طریقۂ مذکورہ کو اختیار کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ==

شادی کے موقع پر مکان کی زیبائش وآرائش کرنا:

سوال: شادی کے موقع پر مکان کی زیبائش وآرائش جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مکان کی صفائی، مہمانوں کے احترام کے لیے ضروری ہے، زیبائش وآرائش حد اسراف میں داخل نہ ہو تو جائز ہے، ورنہ حرام۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۰۹/۶-۴۱۰)

شادی کے وقت مسجد کے لیے زبردستی پیسے لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک قوم نے اپنی برادری میں یہ رسم مقرر کی ہے، ہر شخص کی شادی میں خواہ وہ امیر ہو، یا غریب، یا یتیم، دولہا سے دس روپیہ اور دولہن سے چار روپیہ لیتے ہیں اور اس روپیہ کو مسجد میں صرف کرتے ہیں، سو اس طرح لینا اور لے کر مسجد میں صرف کرنا، از روئے شریعت درست ہے، یا نہیں؟ اور جب تک روپیہ نہیں لیتے، تب تک دولہا دلہن کی شادی میں شامل نہیں ہوتے اور جب لڑکا پیدا ہوتا ہے، آٹھ آنہ لیتے ہیں، وہ بھی مسجد میں صرف ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب

اگر کوئی خوشی سے روپیہ شادی میں، یا لڑکا پیدا ہونے میں دیوے تو مسجد میں لگانا اس روپیہ کا درست ہے اور جو ناخوشی سے دیوے تو وہ لینا بھی حرام ہے اور مسجد میں صرف کرنا بھی درست نہیں اور جبراً لینا دباؤ برادری ڈال کر شرع میں حرام ہے۔(۲) فقط

رشید احمد عفی عنہ (فیوض رشیدیہ،ص:۵) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ:ص۲۵۵-۲۵۶)

== "وعن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "ما أمرت بتشييد المساجد" قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى". (مشكاة لمصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثانی: ۶۹/۱، قديمی)

(۱) وفيه (فی المجتبى) أن له أن يزين بيته بالديباج ويتجمل بأوانی ذهب وفضة بلاتفاخر.

وفی الشامية: ذكر الفقيه أبوجعفر فی شرح السير: لا بأس بأن يستر حيطان البيوت باللبود المقشة وإذا كان قصد فاعله الزينة فهو مكروه...والحاصل أن كل ما كان على وجه التكبر يكره وإن فعل لحاجة وضرورة لا، هو المختار. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللباس: ۳۵۴/۶)

(۲) عَنْ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: كُنْتُ آخِذًا بِزِمَامِ نَاقَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، أَذُودُ عَنْهُ النَّاسَ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، هَلْ تَدْرُونَ فِي أَيِّ يَوْمٍ أَنْتُمْ؟ وفِي أَيِّ شَهْرٍ أَنْتُمْ؟ وَفِي أَيِّ بَلَدٍ أَنْتُمْ؟ قَالُوا: فِي يَوْمٍ حَرَامٍ، وَشَهْرٍ حَرَامٍ، وَبَلَدٍ حَرَامٍ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَهُ، ثُمَّ قَالَ: اسْمَعُوا مِنِّي تَعِيشُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا، ==

== إِنَّهُ لا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ دَمٍ، وَمَالٍ وَمَأْثَرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِي هَذِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ يُوضَعُ دَمُ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي لَيْثٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ رِبًا كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَإِنَّ اللَّهَ قَضَى أَنَّ أَوَّلَ رِبًا يُوضَعُ، رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَكُمْ رُئُوسُ أَمْوَالِكُمْ، لَا تَظْلِمُونَ، وَلَا تُظْلَمُونَ، أَلَا وَإِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، ثُمَّ قَرَأَ: }إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ{، أَلَا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ، وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَكُمْ، فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ، لَا يَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا، وَإِنَّ لَهُنَّ عَلَيْكُمْ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ حَقًّا: أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا غَيْرَكُمْ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِأَحَدٍ تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ خِفْتُمْ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، قَالَ حُمَيْدٌ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ: مَا الْمُبَرِّحُ؟ قَالَ: الْمُؤَثِّرُ، »وَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَإِنَّمَا أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللَّهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ ألا وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا إِلَى مَنِ ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا، وَبَسَطَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ ثُمَّ قَالَ: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَسْعَدُ مِنْ سَامِعٍ ، قَالَ حُمَيْدٌ: قَالَ الْحَسَنُ حِينَ بَلَّغَ هَذِهِ الْكَلِمَةَ: قَدْ وَاللَّهِ بَلَّغُوا، أَقْوَامًا كَانُوا أَسْعَدَ بِهِ.(مسند الامام احمد بن حنبل،رقم الحديث:20695،حديث عم ابى حرة الرقاشى،انيس)

(تعليق الشيخ شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد، وآخرون:صحيح لغيره مقطعاً، وهذا إسناد ضعيف لضعف على بن زيد، وهو ابن جدعان.وأخرجه الطبرانى فى الكبير (3609) من طريق عبد الأعلى بن حماد، عن حماد بن سلمة، بهذا الإسناد .ولم يسق لفظ الخطبة.وأخرجه مختصراً بوضع الربا: الدارمى (2534) عن حجاج بن منهال، وأبو يعلى (1569)، ومن طريقه ابن الأثير فى أسد الغابة:٣٦٦/٦ عن عبد الأعلى بن حماد، كلاهما عن حماد بن سلمة، به.وأخرجه مختصراً بحرمة مال المسلم: ابن أبى عاصم فى الآحاد والمثانى (1671) عن عبد الواحد بن غياث، وأبو يعلى (1570)، والدارقطنى:٢٦/٣ من طريق حجاج بن منهال، ثلاثتهم عن حماد بن سلمة، به.وأخرجه مختصراً بقوله:فإن خفتم نشوزهن فاهجروهن فى المضاجع:أبو داود (2145) عن موسى بن إسماعيل، عن حماد بن سلمة، به.وفى باب قوله:لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفس منه عن عمرو بن يثربى، سلف برقم (15488)، وعن أبى حميد الساعدى، سيأتى: ٤٢٥/٥، وعن ابن عباس عند البيهقى: ٩٧/٦ .وفى باب وضع دم ربيعة وربا العباس والوصية بالنساء عن جابر ضمن حديثه الطويل فى الحج عند مسلم (1218)، وأبى داود (1905)، وابن ماجه (3074).وعن عمرو بن الأحوص عند الترمذى (1163) و (3087)، وابن ماجه (1851)، والنسائى فى الكبرى (9169)، والطحاوى فى شرح المشكل (2524) .واقتصروا فى رواياتهم على الوصية بالنساء عدا الترمذى (3087)(مسند الإمام احمد:٣٠١/٣٤،مؤسسة الرسالة بيروت،انيس)

عَنْ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ.(السنن الكبرى للبيهقى،رقم الحديث:11545،باب من غضب لوحا فادخله فى سفينة،الخ،انيس)

قَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا تَغْنَمُ أَمْوَالَهُمْ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِنَّمَا جَعَلَ الْغَنِيمَةَ فِي أَمْوَالِ الْكَافِرِينَ،وَلَمْ يَجْعَلْهَا فِي أَمْوَالِ الْمُصَلِّينَ ,وَلَا يَحِلُّ مَالُ الْمُسْلِمِ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ،لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ.(معرفة السنن والآثار،رقم الحديث:16484،انيس)

(قوله:إلا بطيب نفس)أى:بأمر أو رضا منه.(مرقاة المفاتيح،باب الغضب والعارية:١٩٧٤/٥،دارالفكربيروت،انيس)

کیا کنیسہ میں نکاح ہو جائے گا:

سوال: **هل يصح النكاح في الكنيسه؟ وهل يجوز في المواضع المرتفعة الخاصة له مشهور بين الناس المبني على يد السياسية؟**(۱)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

النكاح ينعقد بالايجاب والقبول في أي مكانٍ حصل له،(۲)**ولا يختص بمكان دون مكان، ولكن يندب كونه في المسجد وينبغي الخطبة قبله؛ لأنه قربة"** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۴۱)

مروجہ رسوم کی محفل میں نکاح پڑھانا:

سوال: جس نکاح میں رسوماتِ بدعیہ ہوں، جیسے گانا بج رہا ہو، دولہا کے پاس راکھی (۴) ہو، ہاتھ میں کنگن ہو، سر پہ سہرا اور چہرہ پر آنچل ڈالا ہو، ایسے دولہا کا نکاح پڑھانا خاص کر ایسے شخص کو جو عالمِ دین ہو، لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتا ہو اور ایسے رسومات مروجہ سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہو اور ایسی محفلِ عقد میں شریک ہونا مسلمانوں کو از روئے شرع جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

ایسی محفل میں جانا اور نکاح پڑھانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے، خاص کر مقتدیٰ کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾(الآية)(۴)

---

(۱) خلاصہ سوال: کنیسہ، یا سرکاری شادی گھر میں نکاح درست ہے؟ انیس

(۲) **وينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)**

(۳) **"ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)**

خلاصہ جواب: نکاح کا انعقاد ایجاب وقبول پر موقوف ہے، وہ چاہے جس جگہ بھی ہو، اس کے لیے کوئی خاص جگہ یا مکان متعین نہیں ہے، البتہ مسجد میں مستحب ہے، نیز نکاح س پہلے خطبہ بھی مستحب ہے؛ کیوں کہ یہ نیکی کے کام ہیں۔ انیس

(۴) "راکھی: ہاتھ رکھشا یعنی محافظت کرنے والا ڈورا، ہندو یہ رنگین ڈورا سلونے کے تہوار میں کلائی پر باندھتے ہیں۔ رکھڑی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۹، فیروز سنز، لاہور)

(۵) **(سورة الأنعام: ٦٨)رجل اتخذ ضيافة للقرابة وليمة، واتخذ مجلسا لأهل الفساد، فدعا رجلا صالحا إلىٰ الوليمة، قالوا: إن كان بحال لو لم يذهب لا يتركون الفسق ويتركون عند حضوره، كان عليه أن يذهب؛ لأنه نهى عن المنكر: وإن الرجل بحال لولم يُجب لا يمنعهم عن الفسق، لا بأس أن يجيب ويعطم وينكر معصهتم وفسقهم؛ لأن إجابة الدعوة واجبة أو مندوبة، فلا يمتنع بمعصية اقترنت بها،أما استماع صورت الملاهي كالضرب بالقصب وغير ذلك حرام ومعصية، لقوله عليه السلام: "استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسوق. (فتاوى قاضي خان، كتاب الحظر والاباحة: ۴۰۶/۳، رشيديه)**

==

تاہم جو نکاح پڑھا جائے گا، ان قبائح کے باوجود وہ منعقد ہو جائے گا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۶۰۳/۱۰-۶۰۴)

شادی میں والدین کی خلافِ شرع خواہشات کا لحاظ نہ کیا جائے:

سوال: میرے چھوٹے بھائی کی شادی ہونے والی ہے، وہ کہتا ہے کہ براہِ راست نکاح پڑھا دیا جائے؛ لیکن والدہ بضد ہیں کہ پہلے چھوٹی منگنی اور اس کے بعد نکاح مع رُسوم کے ہوگا۔ گھر کی عمارت کو سجاوٹ اور چراغاں بھی کرنا چاہتی ہیں؛ کیوں کہ پھر ان کا کوئی بیٹا نہیں، بتایئے والدہ کی جھوٹی خواہشات کا احترام کیا جائے، یا سنتِ محمدی کی اطاعت کی جائے؟

الجواب

سنت کی پیروی لازم ہے اور والدہ کی خلافِ شریعت خواہشات کا پورا کرنا ناجائز ہے؛(۲) مگر والدہ کی بے ادبی نہ کی جائے، ان کو مؤدّبانہ لہجے میں مسئلہ سمجھایا جائے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۵/۶)

شادی میں قوالی پڑھوانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادیوں میں قوالی وغیرہ باجے کے ساتھ پڑھوانا صحیح ہے، یا نہیں؟

== "وإن علم أولا باللعب لا يحضر أصلا، سواء كان ممن يقتدى به أولا؛ لأن حق الدعوة انما يلزمه بعد الحضور لا قبله". (الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة: ٣٤٨/٦، سعيد)

(۱) "انما ينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ٩/٣، سعيد)

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ. رَوَاهُ فِي (شَرْحِ السُّنَّةِ)، وَقَالَ النَّوَوِيُّ فِي (أَرْبَعِينِهِ): هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، رَوَيْنَاهُ فِي كِتَابِ (الْحُجَّةِ). (مشكاة المصابيح، ص: 30، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، رقم الحديث: 167)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ. (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث: 15، انيس)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ". (مشكاة المصابيح، كتاب الامارة، الفصل الثانى، ص: 321، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث: 381، انيس)

(۳) كما قال الله تعالىٰ: ﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ (الإسراء: ٢٣-٢٤)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

گانا بجانا شرعاً حرام ہے، وہ کسی حالت میں جائز نہیں ہے اور دینی قصوں اور نعتوں کے ساتھ گانے کو ملا دینا مزید موجب حرمت ہے؛ اس لیے کہ اس میں گانے کی برائی کے علاوہ دین کی توہین ہے؛ اس لیے کسی بھی موقع پر گانے بجانے کے ساتھ قوالی سننا سنانا جائز نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه أنه سئل عنها؟ فقال: الغناء والذی لا إلٰه إلا هو. (المصنف لابن أبی شيبة: ۱۰۱/۱۱،رقم:۲۱۵۳۷)

قال إبراهيم: الغناء ينبت النفاق فی القلب قال: وقال مجاهد: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِیُ لَهُوَ الْحَدِيُثِ﴾ هو الغناء. (المصنف لابن أبی شيبة: ۱۰۲/۱۱،رقم: ۲۱۵٤۵)

الملاهی كلها حرام حتی التغنی بضرب القصب. (البحر الرائق، الكراهية،فصل فی اللبس:۱۸۸/۸، كوئٹه)

ودلت المسئلة أن الملاهی كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود:صوت اللهو والغناء ينبت النفاق فی القلب كما ينبت الماء النبات،وفی البزازية: استماع صوت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام. (الدرالمختار ،الحظر والإباحة:۵۰۲/۹ـ۵۰٤،زكريا)

قال رحمه اللّٰه تعالیٰ:السماع والقول والرقص الذی يفعله المتصوفة فی زماننا حرام لايجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو الغناء والمزامير سواء. (الفتاویٰ الهندية:۳۵۲/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۳/۷/۱۴۱۴ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/)

دولہا کا شریعت کے خلاف لباس پہن کر مجلس نکاح میں بیٹھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دولہا شرع کے خلاف لباس، یا سونے کی انگوٹھی وغیرہ پہن کر مجلس میں بیٹھ گیا، کیا اہل مجلس اُس کے اِس عمل سے گنہگار رہوں گے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مذکورہ خلافِ شرع حرکت کا ذمہ دار دولہا خود ہے، حاضرین مجلس گنہگار نہیں ہیں، البتہ اہل مجلس کو چاہیے کہ وہ اس پر نکیر کریں اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو کم از کم دل سے بُرا سمجھیں۔

عن أبی سعيد الخدری رضی اللّٰه عنه قال:سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول:من رآی منكم منكرًا فليغيره بيده، ومن لم يستطع فبلسانه، ومن لم يستطع فبقلبه، وذٰلك أضعف الإيمان. (سنن الترمذی:٤۰/۲)

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۲۴/۱۱/۱۴۲۴ھ۔(کتاب النوازل:۸/)

دو پلی ٹوپی اور عمامہ نکاح کے وقت:

سوال: جب بارات جاتی ہے تو سر پر دو پلی ٹوپی (۱) اور عمامہ ضرور رکھا جاتا ہے، اگر کوئی ترک کردے تو اس کو تارکِ سنت کہہ کر ملامت کرتے ہیں تو کیا قبولیت کے وقت عمامہ کا ثبوت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

عمامہ اور دو پلی ٹوپی ایک پسندیدہ لباس ہے؛ (۲) مگر اس کو مستقلا سنتِ نکاح قرار دینا درست نہیں، (۳) جیسے دیگر اوقات، یا نماز کی حالت میں یہ لباس پسندیدہ ہے، ایسے ہی وقتِ نکاح بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۵/۱۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۰۳/۱۰)

شادی کے موقع پر سفید کپڑے اور سیاہ عمامہ باندھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کی شادی ہوئی تو اس نے سفید کپڑے اور سیاہ پگڑی پہنی ہوئی تھی، لوگوں نے کہا شادی میں تو سفید پگڑی باندھی جاتی ہے، اس نے سیاہ پگڑی باندھ لی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا شادی میں کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننا مسنون ہے؟ نیز سفید رنگ کے علاوہ رنگ کے کپڑے پہننے والوں کو طعن وتشنیع کرنا صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

آپ کے دوست کا سیاہ پگڑی پہننا بالکل درست ہے، اس پر لوگوں کا تنقید کرنا جہالت ہے؛ کیوں کہ سیاہ پگڑی پہننا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، شادی کے موقع پر کسی بھی قسم کا لباس پہنا جاسکتا ہے، البتہ حدیث میں عموماً سفید کپڑے پہننے کی فضیلت آئی ہے، لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سفید کپڑے کو ترجیح دینی چاہیے، اسی طرح پگڑی باندھنے کی سنت کو شادی کے ساتھ خاص نہ کیا جائے؛ بلکہ ہر وقت اس سنت پر عمل کرنا چاہیے۔

لما في المرقاة (۲٤٨/٨): (فإنها أطهر) أي لا دنس ولا وسخ فيها، قال الطيبي: لأن البيض أكثر تأثراً من الثياب الملونة فتكون أكثر غسلا منها، فتكون أطهر، آه، والأظهر أنها أطهر لكونها حاكية عن ظهور النجاسة فيها بخلاف غيرها ويحتمل أن يكون في الصبغ نجاسة والأبيض برىء منها وأطيب أي أحسن طبعاً أو شرعاً ويمكن أن يكون تأكيداً لما قبله لكن التأسيس أولى

---

(۱) ''دو پلی: ایک قسم کی ہندوستانی وضع کی ٹوپی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۸، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) ''قال النبي صلى الله عليه وسلم: ''عليكم بالعمائم، فإنها سيماء الملائكة، وأرخواها خلف ظهوركم''. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثالث، ص: ۳۷۷، قديمي)

(۳) قال العلامة عبد الحيء اللكنوي: ''فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها''. (مجموعة رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر: ۳/۹۰٤، ادارة القرآن كراتشي)

من التأكيد في القول السديد، وقيل: أطيب لدلالته غالباً على التواضع وعدم الكبر والخيلاء والعجب وسائر الاخلاق الطيبة. (نجم الفتاویٰ:۴/۳۳۵)

دولہن کے سر کی زیب وزینت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دولہن کے سر کا سہرہ، یا چوٹی کا سہرہ دولہن کے واسطے جائز ہے، یا منع ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دلہن کے سر پر، یا چوٹی کے ساتھ زیب وزینت کے لیے پھول وغیرہ باندھنا شرعاً درست ہے، اس میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

لابأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر أو نحاس أو شبه أو حديد ونحوها للزينة. (الفتاویٰ الهندية: ۵/۳۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۱/۲۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

دولہا، دولہن کنگنا باندھے، ناریل ہاتھ میں لے کر نکاح پڑھے تو کیا حکم ہے:

سوال: ہمارے یہاں شادی کے موقع پر دلہا، دلہن، ہاتھ میں کنگنا باندھتے ہیں، اس کے ساتھ تالی اور انگوٹھی بھی ہوتی ہے، باندھتے وقت چھ ٦، سات ٧ گرہ بھی لگاتے ہیں اور اس کے لیے مدت متعین ہے، جسے درمیان میں نہ چھوڑے، ہاتھ میں ناریل ہوتا ہے، جس میں پانی ہونا ضروری ہے۔ غرض کہ نکاح کے وقت ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے اور یہ پرانی رسم ہے، بعض جگہ نہیں باندھتے۔ کسی جگہ امام صاحب چھڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دوسروں کا طریقہ ہے، کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے نکاح پڑھاتے ہیں تو کیا یہ چیزیں اسلام میں داخل ہیں؟ جو اس کو ضروری سمجھے، کیا وہ گنہگار ہے؟ امام صاحب نکاح پڑھائے تو کوئی حرج ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

شادی کے وقت دولہا، دلہن کے ہاتھ میں کنگنا باندھتے ہیں، یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، کفار اور دوسری ملت والوں کا رواج ہے۔ (مرأة الصفا۔ فتاویٰ مؤمنین) مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سے احتراز کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ اسی میں شامل ہوگیا''۔ (ابوداؤد شریف) (۱)

اگلے انبیاء میں سے کسی نبی پر وحی بھیجی گئی کہ اپنی قوم سے کہہ دو:

---

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (سنن أبی داؤد، باب فی لبس الشهرة، رقم الحديث: ۴۰۳۱، انیس)

”لا یدخل مداخل اعدائی لا یلبس ملابس اعدائی ولا یرکب مراکب اعدائی ولا یطعم مطاعم اعدائی فیکون اعدائی، کما هم اعدائی“.(کتاب الزواجر عن اقتراب الکبائر : ۱۱/۱)(۱)

(یعنی: وہ میرے دشمنوں کے داخل ہونے کی جگہ سے داخل نہ ہو، میرے دشمنوں کے لباس جیسا لباس نہ پہنے اور میرے دشمنوں کی سواریوں پر سوار نہ ہو اور میرے دشمنوں کے کھانے جیسا کھانا نہ کھائے (یعنی تمہارے اور ان کے درمیان امتیاز ضروری ہے)، ورنہ تمہاری قوم بھی اسی طرح میرے دشمنوں کے زمرے میں داخل ہوجائے گی، جیسے وہ میرے دشمن ہیں۔)

اسی لیے فقیہ، محدث، قاضی ثناء اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”مسلم راتشبه به کفار و فساق حرام است“۔(مالا بد منه، ص: ۱۳۱)

اسی طرح دولہا، دولہن کے ہاتھ میں ناریل لینا نکاح کے وقت، یہ کفار کا رواج ہے اوران کا ٹوٹکا ہے، جس میں تشبہ کے ساتھ ساتھ شرک کا بھی جزو ہے، ایسی رسوم اور ایسے عقیدوں سے مسلمان توبہ کریں، جو ایمان کو ضعیف اور تباہ کرنے والے ہیں۔ ہاتھ میں پھول ہار کی رسم بھی اسلامی نہیں، قابل ترک ہے۔ نکاح پڑھانے والے قاضی صاحب قابل مبارک باد ہیں، اگر اس طرح تنبیہ کرتے رہیں گے، نصیحت کرتے رہیں گے اور نفرت دلاتے رہیں گے تو قلیل مدت میں یہ رسم بد ختم ہوجائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ کوشش کرنے والے اور عمل کرنے والے اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۹/۸-۱۵۰)

غلط رسموں کے ساتھ نکاح:

سوال: شادی بیاہ میں کنگن پہننا، منڈوا گاڑنا، مقنعہ ڈالنا، سہرا باندھنا، ہتھیلی یا زور بند باندھنا، غرضیکہ تمام کام خلافِ شریعت ہوں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ناجائز افعال کا گناہ مستقل ہے؛(۲) لیکن نکاح پھر بھی درست ہوجاتا ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۵/۱۰)

---

(۱) وَقَالَ مَالِکُ بْنُ دِینَارٍ: أَوْحَى اللّٰهُ إِلَى نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَنْ قُلْ لِقَوْمِکَ لَا يَدْخُلُوا مَدَاخِلَ أَعْدَائِي: وَلَا يَلْبَسُوا مَلَابِسَ أَعْدَائِي، وَلَا يَرْكَبُوا مَرَاكِبَ أَعْدَائِي، وَلَا يَطْعَمُوا مَطَاعِمَ أَعْدَائِي فَيَكُونُوا أَعْدَائِي كَمَا هُمْ أَعْدَائِي.(الزواجر عن اقتراب الکبائر، خاتمة: فی التحذیر من جملة المعاصی کبیرها: ۲۳/۱، دار الفکر بیروت، انیس)

أوحی اللّٰه إلی بعض الأنبیاء....وقال بعض الحکماء: من رق ثوبه رق دینه، ونظر رافع بن خدیج إلی بشر بن مروان وهو علی منبر الکوفة یعظ فقال: انظروا إلی أمیرکم یعظ الناس وعلیه زی الفساق وکان علیه ثیاب رقاق ولهذا کانوا یتحامون مخالطة السلاطین.(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ۱۶۹/٤، تحت رقم الحدیث: ٤٧٧١، انیس)

(۲) ”منڈوانا: ایک ادنیٰ قسم کا غلی تھیٹر، تماشا گاہ، پنڈال، شامیانہ“۔(فیروز اللغات، ص: ۱۲۹۳، فیروز سنز لاہور)

مقنعہ: وہ باریک کپڑا جو دلہن کے سہرے کے نیچے باندھتے ہیں۔ باریک چادر جو عورتیں پردہ کے لیے چہرے پر ڈالتی ہیں“۔(فیروز اللغات، ص: ۱۲۷۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) ”وینعقد متبلسا بایجاب من أحدهما وقبول من الآحر“. (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

سہرا خواص ہنود کا طریقہ ہے؛ اس لیے منع ہے:

سوال: بعض اشخاص کہتے ہیں کہ شادی میں سہرا باندھنا، ہندوستان میں مسلمانوں کا دستور ہے، ہند(و) وَں کا دستور کچھ اور ہے، وہ سہرا نہیں باندھتے ہیں۔ اس صورت میں سہرا باندھنے کی حرمت پر کیا دلیل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

جو سہرا خواص کفار کا تھا، ہنود سے مسلمانوں نے لیا (ہے) تشبیہ حرام ہے۔(۱)

رشید احمد عفی عنہ (مجموعۂ فرخ آباد، ص:۳۲) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۵۵)

شادی کے موقع پر سہرا باندھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض جگہوں پر شادی کے موقع پر دولہا ودلہن کو سہرا باندھا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

یہ اصل میں ہندوؤں کی رسم ہے، جو ہندوؤں سے منتقل ہو کر مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہے اور فقہا نے ان رسومات سے تشبہ (ہندوؤں کی مشابہت) کی بنا پر منع فرمایا ہے، لہٰذا سہرا باندھنے سے اجتناب کیا جائے۔

لمافی إعلاء السنن (۱۲/۷۳۰): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم... وقد روی فی هذا الحدیث عن ابن عمر رضی الله عنهماعن النبی صلی الله علیه وسلم أنه نهی عن التشبه بالأعاجم وقال: "من تشبه بقوم فهو منهم"، ذکره القاضی أبو یعلی وبهذا احتج غیر واحد من العلماء علی کراهة أشیاء من زی غیر المسلمین. (نجم الفتاویٰ: ۴/۳۳۵)

سہرہ کنگنا باندھ کر نکاح کیا، کیا حکم ہے:

سوال: نوشہ نے نکاح کرتے وقت سہرہ، یا کنگنا باندھا، یا جلوہ کھیلا تو نکاح درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

یہ افعال درست نہیں ہیں؛ مگر نکاح ہو جاتا ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۵۱)

---

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (سنن أبی داؤد، باب فی لبس الشهرة، رقم الحدیث: ۴۰۳۱، انیس)

(۲) "إنما ینعقد متلبسا بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۹، دارالفکر بیروت، انیس)

یہ افعال بدعت ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ (ظفیر)

شادی میں سہرا باندھنا:

سوال: چند دن قبل آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ: ”سہرا باندھنا ہندوانہ اور مشرکانہ رسم ہے“ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ یہ شرک کہاں سے ہوگیا؟ شرک تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنے سے لازم آتا ہے اور وہ فتویٰ لکھا لایا جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ملکی ثقافت ہے، فتویٰ ارسالِ خدمت ہے۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ جو کام ہندو کریں، وہ اگر رسم ہوتی تو وہ سامنے رکھ کر کھانا کھاتے ہیں تو کیا سامنے رکھ کر کھانا کھانا ہندوانہ رسم ہوگئی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ”مت کھڑے ہو، جیسا کہ یہودی کھڑے ہوتے ہیں“ تو کیا کھڑے ہونا یہودیوں کی رسم ہوگئی؟ سہرا تب ہندوانہ رسم کہلاسکتا ہے، جب اسے ہندوؤں کی تقلید سمجھ کر پہنا جائے، نہ یہ کہ اپنے ملک کی ثقافت سمجھ کر۔ آپ اس بارے میں دُوسرے فریق کا فتویٰ سامنے رکھ کر جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

آپ نے مولوی صاحب کا جو فتویٰ بھیجا ہے، اس میں موصوف نے اس پر زور دیا ہے کہ ”شادی بیاہ کے رسم ورواج، سہرابندی وغیرہ مسلمانوں کا ثقافتی ورثہ ہے، جس کو قدیم زمانے سے مسلمان اپنے سینے سے لگائے چلے آتے ہیں“؛ مگر موصوف کا یہ فتویٰ اور ان کا اندازِ استدلال صحیح نہیں۔

اصل قصہ یہ ہے کہ یہ رسم ورواج ہندوؤں کے شعار تھے، جو لوگ ہندوؤں سے مسلمان ہوئے، وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے بہت سے ہندوانہ طور وطریق پر عمل پیرا رہے۔(۱) یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم کے گھروں میں ان رسوم کو اختیار نہیں کیا گیا؛ اس لیے اس کو مسلمانوں کا ثقافتی ورثہ کہنا صحیح نہیں؛ بلکہ زمانۂ قدیم سے ہندوؤں کا ثقافتی ورثہ ضرور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر قوموں کی مخصوص تہذیب وثقافت اپنانے سے ہمیں منع فرمایا ہے:

”من تشبه بقوم فهو منهم“. (مسند الإمام أحمد: ۲ / ۵۰)

(ترجمہ: جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔)

یہیں سے موصوف کی دلیل کا جواب بھی نکل آتا ہے کہ ہندو سامنے رکھ کر کھاتے ہیں تو کیا یہ بھی ہندوانہ رسم ہے؟ جواب یہ ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر تو سبھی کھاتے ہیں، پیچھے رکھ کر کون کھاتا ہے؟ اس لیے یہ ہندوؤں کا خاص رواج نہ ہوا۔ ہاں! اگر کوئی ہندو کسی مخصوص وضع سے کھاتے ہوں تو وہ وضع ضرور ہندوانہ رسم ہوگی، اور اُمتِ مسلمہ کے لئے اس کا اپنانا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح کھڑے تو سبھی ہوتے ہیں، لہٰذا کھڑا ہونا تو یہود یا نہ رسم نہ ہوئی، نہ اس کی ممانعت فرمائی گئی، البتہ یہودیوں کے کھڑے ہونے کی خاص وضع ضرور یہودیانہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی۔ فتاویٰ رشیدیہ سے جو مسئلہ نقل کیا گیا ہے، اس کو ہمارے زیرِ بحث مسئلے سے کوئی تعلق نہیں، وہ مسئلہ تو فقہ کی ساری کتابوں

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بہشتی زیور، حصہ ششم، بیان کی رسموں کا بیان، ص: ۴۲۰۔۴۲۹

میں لکھا ہے کہ چاندی کا گوٹا ٹھپّا مرد کو چار اُنگشت تک جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں۔ موصوف کا یہ کہنا کہ: ''سہرا بھی انہی چیزوں سے بنتا ہے، جب یہ جائز ہیں تو سہرا بھی جائز ہے'' یہ ایسی ہی دلیل ہے، جو ایک شخص نے پیش کی تھی کہ انگور اور منقیٰ بھی حلال، پانی بھی حلال، جب ان کے ملنے سے شراب بن جائے تو وہ بھی حلال ہونی چاہیے۔ گوٹا، ٹھپّا، کناری کے حلال ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ ہندوؤں کی رسم بھی جائز ہے؟ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶/۴۰۲-۴۰۳)

سہرا باندھنا:

سوال: سہرا باندھنا شادی کے موقعہ پر، یا غیر شادی کے (موقعہ سے) جائز ہے، یا نہیں؟ اثبات ونفی کے دونوں پہلوؤں کو مدلل فرمادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

سہرا باندھنا اصالۃً ہندوانہ رسم ہے، جو کہ ہندوستان کے بےعلم، یا بےعمل خاندانوں میں بھی ان کے اختلاط سے باقی رہ گئی، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ ہندوستان کے اکابر علماء: حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، (۱) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، (۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث: ''من تشبه بقوم فهو منهم''. (رواه أبوداؤد) (۲) کی رو سے اس کو منع فرمایا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۱۳) ☆

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب النکاح، دوسرا باب، باب مسائل متعلقات نکاح: ۷/۱۵۱، مکتبہ امدادیہ ملتان

(۲) ''سہرا ہندوانہ رسم ہے، انہیں سے لی گئی ہے، وہ تاروں کا بناتے ہیں، مسلمانوں نے پھولوں کا بنانا شروع کردیا ہے؛ مگر رسم انہیں کی ہے اور قابل ترک ہے''۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحۃ، تیسرا باب: رسوم مروجہ: ۹/۸۸، دارالإشاعت کراچی)

نیز اس رسم میں ہندوؤں سے مشابہت ہے اور غیر مسلموں کی مشابہت سے شریعت مطہرنے منع کیا ہے:

'' عن أبي عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من تشبه بقوم فهو منهم''. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، مكتبه دار الحديث ملتان)

قال العلامة المناوي تحته: أي تزياً في ظاهره بزيتهم، وفي تعرفه بعرفهم، وفي تخلقه بخلقهم، وساز بسيرتهم وهديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم ... وبأبلغ من ذلك صرح القرطبي، فقال: لوخص أهل الفسوق والمجوس بلباس، منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظان والمظنون فيه بسبب العون عليه''. (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۷۴۳، رقم الحديث: ۸۵۹۳، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۳) مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي

☆ شادی میں سہرا، گجرا وغیرہ رسمیں:

سوال: شادی کے موقعہ پر نوشہ کے سر پر سہرا باندھنا اور ہاتھوں اور گلے میں گجرے پہننا اور اس کو سواری پر لے جانا کیسا ہے؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نوشہ کے سہرے اور گجرے وغیرہ اصالۃً ہندوستان کے ہندوؤں کی رسمیں ہیں، جو کہ بےعلم اور بےعمل اور نومسلم ==

شادی سے متعلق ہدایتِ نبوی اورلڑکے کوسہرا باندھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لڑکا، یا لڑکی کی شادی میں اللہ اوراُس کے رسول کا کیا حکم ہے؟ اور کہتے ہیں کہ لڑکے کوسہرا باندھنا سنت ہے، یہ جائز ہے، یا ناجائز؟ دولہا بننے کے بعد گھوڑے پر بیٹھنا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکے اورلڑکی کی شادی میں حکم شریعت یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة. (مشكاة المصابيح: ٢٦٨/٢)

== اندانوں میں باقی رہ گئی ہیں، (قال العلامة المناوی تحته: أی تزياً فی ظاهره بزيتهم ، وفی تعرفه بعرفهم، وفی تخلقه بخلقهم، وساز بسيرتهم وهديهم فی ملبسهم وبعض أفعا لهم ... وبأبلغ من ذلک صرح القرطبی، فقال: لوخص أهل الفسوق والمجوس بلباس، منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء ،فيأثم الظان والمظنون فيه بسبب العون عليه". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ٥٧٤٣/١١، (رقم الحديث: ٨٥٩٣)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض) اوران کی صحبت سے دوسرے اس قسم کے غیر پابند اور غیر محتاط مسلمانوں میں سرایت کرگئی ہیں؛ اس لیے یہ واجب الترک ہیں، ہندوستانی علماء وفقہاء نے ان کو تشبہ کی بنا پر منع فرمایا ہے۔حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب، (''اور سہرا چونکہ کافروں کی رسم ہے؛ اس لیے اس حق کا نام ''چوٹی'' سہرے سے مقرر کرنا بے شک برا اور کافروں کی رسم کی موافقت ہے؛ اس لیے یہ بھی خلاف شرع ہوا''۔ (بہشتی زیور، چھٹا حصہ، ص: ۲۵، مکتبہ امدادیہ ملتان) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں ان کو منع کیا گیا ہے، ان سب کے استاذ الاساتذہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں بھی ان کو منع کیا گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۳/۱۱)

نکاح میں سہرا باندھنا:

سوال: نکاح میں سہرا باندھنے کا رواج عام ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نکاح میں سہرا باندھنا سنت ہے، اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمایئے اور لڑکیوں کو کیا وداعی سہرا باندھا جاسکتا ہے؟

(سیدزاہدفردین، یاقوت پورہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اسلام میں سہرا باندھنے کی کوئی اصل نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحینؒ نے کبھی اس طرح کی چیز نہیں باندھی، یہ بعض غیر مسلم قوموں کی رسم ہے، جس کو ناسمجھی اور نادانی میں ہمارے مسلمان بھائیوں نے لے لیا ہے، اس لئے نہ دولہا کو سہرا باندھنا چاہیے اور نہ دلہن کو۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۴۰-۴۴۱)

(سب سے بابرکت نکاح وہ ہے، جس میں کم سے کم مشقت ہو۔)

سہرا باندھنا اور اسی طرح لڑکے کو گھوڑے پر ریا ونمود کے لیے اور رسم ورواج کی رعایت کرتے ہوئے بٹھانا یہ دونوں ہندوانہ طریقے اور اُن کی مشابہت ہیں، جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، لہٰذا مذہبِ اسلام سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ اُن کا ترک لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۲۱۲ ڈابھیل، بہشتی زیور: ۶/۲۵)

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، رقم: ۴۰۳۱، مکتبة دار الحدیث ملتان)

قال العلامة المناوی تحته: أی تزیّا فی ظاهره بزیّهم، وفی تعرّفه بعرفهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسیرتهم وهدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم ... وبأبلغ من ذٰلک صرّح القرطبی فقال: لو خص أهل الفسوق والمُجون بلباس، منع لبسه لغیرهم، فقد یظن به من لا یعرفه أنه منهم، فیظن به ظن السوء، فیأثم الظان والمظنون فیه بسبب العون علیه. (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱۱/۵۷۴، رقم: ۸۵۹۳، مکتبة نزار مصطفیٰ الباز ریاض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۱/۲/۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہرا باندھا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سہرے باندھے ہیں، یہ سات سہرے کیا ہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰه التوفیق

سہرا باندھنا ہندوانی رسم ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی طرح ثابت نہیں، جو لوگ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سہرا باندھنے کی بات منسوب کرتے ہیں، وہ خلافِ واقعہ اور غلط ہے، مسلمانوں کو بہر حال اِس طرح کی ''ہندوانی رسم'' سے بچنا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۵۰، میرٹھ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۳/۱۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/) ☆

☆ **دولہا کے گلے میں پھول کا سہرا ڈالنا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی میں پھول وغیرہ کا سہرا گلے میں ڈالنا کیسا ہے، درست ہے، یا نہیں؟ اِس اندازہ سے تحریر فرمائیں کہ اگر شادی میں پھول کا سہرا گلے میں نہ ڈالا گیا تو جھگڑا کھڑا ہو جائے گا؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰه التوفیق

سہرا باندھنا ہندوانہ طریقہ ہے، مسلمانوں کے لیے اس سے احتراز لازم ہے، اگر جھگڑے کا اندیشہ ہو تو مسئلہ شرعی بتا کر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۷/۴۵۱ میرٹھ، فتاویٰ دار العلوم: ۷/۱۵۱، اصلاح الرسوم: ۳۱، کفایت المفتی: ۵/۱۴۰) ==

روپیوں کے ہار کی رسم ختم کرنے کے لیے دولہے کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عام طور پر مشاہدہ ہے کہ شادیوں کے اندر بہت سی رسومات ہوا کرتی ہیں، جوسب ناجائز اور حرام ہوتی ہیں، اِن تمام رسومات میں سے ایک قبیح رسم یہ بھی ہے کہ دولہے کے گلے میں روپیوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں اور یہ رسم نہایت بدتمیز رسم ہے؛ کیوں کہ خرید وفروخت کے وقت کھلم کھلا اس کے اندر سود دیا جاتا ہے، کیا اس رسم کو ختم کرنے کے لیے اور ناجائز اور حرام سے بچنے کے لیے پھولوں کے ہار کو گلے میں ڈالنا اور ان کو ایجاد کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

نوٹوں کا ہار اور پھولوں کا ہار دولہا کو پہنانا دونوں ہندوانی رسمیں ہیں؛ اس لیے ایک کے بدلہ دوسری رسم کو جاری کرنے کی اجازت بالکل نہیں دی جاسکتی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۲۵، میرٹھ)

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.
(سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، رقم: ۴۰۳۱، مکتبة دار الحدیث ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۵/۳/۱۴۱۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

نکاح کے وقت دلہا، دلہن کا کرسی پر بیٹھنا:

سوال: جزیرہ ٹرینی داد میں دولہا اور دلہن نکاح خوانی کے وقت کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ آیا شرعاً یہ جائز ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ

دولہا دلہن کو عقد نکاح کے وقت کرسیوں پر بٹھانا اسلامی رواج (وطریقہ) کے خلاف ہے؛ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔(۱)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۵/۱۵۱)

== عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، رقم: ۴۰۳۱، مکتبة دار الحدیث ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۱/۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

(۱) کیوں کہ اسلام میں مسجد میں عقد نکاح کو مسنون اور افضل قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے مسجد میں عقد نکاح فرش پر بیٹھ کر ہی ہوگا، کرسی پر نہیں۔

عَنِ القَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ فِي هَذَا البَابِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الأَنْصَارِيُّ يُضَعَّفُ فِي الحَدِيثِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الَّذِي يَرْوِي، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ التَّفْسِيرَ هُوَ ثِقَةٌ. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی إعلان النکاح، رقم الحدیث: ۱۰۸۹، انیس)

نوشہ کے ہاتھ میں چاقو:

سوال: کیا نکاح کے دن نوشہ کے ہاتھ میں چاقو دینا درست ہے؟ (شیخ افسر، تالاب کٹھ)

الجواب

نکاح ایک مذہبی عمل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امور دین میں کسی نئی بات ایجاد کرنے کو بہت ہی سختی سے منع فرمایا ہے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو امور دین میں کسی بات کا اضافہ کرے، جو اس میں ثابت نہ ہو وہ قابل رد ہے۔

”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“.(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام نکاح اور طریقہ نکاح تفصیل کے ساتھ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، جن میں چاقو وغیرہ لینے کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہ محض جاہلانہ اور بے معنی رسم ہے؛ اس لیے ایسی غیر شرعی باتوں سے پوری طرح اجتناب کرنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۴۶)

شادی میں ہندوانہ رُسوم جائز نہیں:

سوال: سالہا سال سے شادی بیاہ کے مواقع پر ایک دو نہیں؛ بلکہ سیکڑوں ہندوانہ رسمیں نبھائی جاتی ہیں، انہی رسموں میں سے ایک رسم یہ بھی ہے کہ لڑکی والے یہ جانتے ہوئے بھی کہ مرد کو سونا پہننا حرام ہے، شادی پر سونے کی انگوٹھی لڑکے کو دیتے ہیں اور دُولہا کو وہ انگوٹھی پہننا ضروری ہوتی ہے؛ کیوں کہ مرد کے ہاتھ کی اُنگلی میں صرف چاندی کی انگوٹھی اس بات کی نشانی سمجھی جاتی ہے کہ اس شخص کی منگنی ہو چکی ہے اور شادی کے بعد یہ بتانے کے لیے کہ اب شادی بھی ہو چکی ہے، دُولہا سونے کی انگوٹھی پہنے رہتا ہے، اس کے علاوہ دُولہا کے ہاتھوں میں مہندی بھی لگائی جاتی ہے۔ نصیحت کرنے پر جواب یہ ملتا ہے کہ: ”خوشی میں سب کچھ جائز ہوتا ہے!“ کیا واقعی خوشی میں سب جائز ہوتا ہے؟

الجواب

شادی کی یہ ہندوانہ رسمیں جائز نہیں؛ بلکہ بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہیں، (۲) اور ”خوشی میں سب کچھ جائز ہے“ کا نظریہ تو بہت ہی جاہلانہ ہے، قطعی حرام کو حلال اور جائز کہنے سے کفر کا اندیشہ ہے۔ (۳) گویا شیطان صرف ہماری

---

(۱) صحيح لمسلم: ۷۷/۲

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (مشكاة المصابيح، ص: ۳۷۵)

وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس منا تشبه بغيرنا، الخ. (مشكاة المصابيح، ص: ۴۰۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: بہشتی زیور، حصہ ششم، بیان کی رسموں کا بیان، ص: ۴۲۰-۴۲۹

(۳) وفي البحر: أن من اعتقد الحرام حلالاً فإن كان حراما لغيره كمال الغير لا يكفر وإن كان لعينه فإن كان دليله قطعيا كفر وإلا فلا، وقيل: التفصيل في العالم، أما الجاهل فلا يفرق بين الحرام لعينه ولغيره وإنما الفرق في حقه أن ما كان قطعيا كفر به وإلا فلا، الخ. (ردالمحتار، باب المرتد: ۲۲۳/۴)

گنہگاری پر راضی نہیں؛ بلکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان، گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھیں، دِین کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام نہ جانیں؛ تاکہ صرف گنہگار نہیں؛ بلکہ کافر ہوکر مریں۔ مرد کو سونا پہننا اور مہندی لگانا نہ خوشی میں جائز ہے، نہ غمی میں۔(۱) ہم لوگ شادی بیاہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو بڑی جرأت سے توڑتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایسی شادی آخر کارخانہ بربادی بن جاتی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۴۰۱-۴۰۲)

شادی میں جانے سے پہلے دولہا کا دو رکعت پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بارات جانے سے پہلے لڑکا شکرانے کے طور پر دو رکعت، یا چار رکعت جو نماز پڑھتا ہے، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے، آیا جائز ہے، یا نہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ اس کو ضروری سمجھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

بارات میں جانے سے پہلے شکرانے کی نماز کو ضروری سمجھنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص تبرکاً پڑھ لے اور اسے ضروری نہ سمجھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث فى أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخارى، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، رقم: ۲۶۹۷، الصحيح لمسلم، الأقضية، باب كراهية قضاء القاضى وهو غضبان رقم: ۱۷۱۸، سنن أبى داؤد، السنة، باب فى لزوم السنة رقم: ۴۶۰۶)

وفيه من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزمًا، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أومنكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رقم: ۹۴۶، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۱/۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

نکاح کے وقت تجدید ایمان اور کلمہ پڑھانے کا معمول:

سوال: کلمہ پڑھنا اور خطبہ پڑھنا بروقت نکاح، باوجود عیاں ہونے اسلام کے، کون سی حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب ــــــــــــــ

ازانبالوی:

---

(۱) عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن خاتم الذهب. (صحيح لمسلم: ۲/۱۹۵)

لأن النص حرم الذهب والحرير على ذكور الأمة بلا قيد البلوغ ... وفى البحر الزاخر: ويكره للإنسان أن يخضب بيديه ورجليه، الخ. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس: ۶/۳۶۲)

کلمہ پڑھانا اور خطبہ پڑھنا نکاح میں بہت خوب اور مرغوب ہے، کلمہ پڑھانا مستحب ہے، احتیاطاً بموجب حدیث شریف: ''جددوا إيمانكم بقول لا إلهَ إلا الله''. (۱)

(اپنے ایمان لا الہ الا اللہ کے ذریعہ تازہ کرتے رہا کرو۔)

اور خطبہ پڑھنا مناسب ہے، چناں چہ حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت نکاح حضرت فاطمہ کا خطبہ پڑھا ہے، کتب میں مسطور ہے۔ فقط (جواب انبالوی تمام شد)

الجواب

از حضرت گنگوہی، تردید جواب بالا:

خطبہ وقت نکاح لاریب مسنون ہے؛ مگر مسلمان کو کلمہ پڑھانا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوا اور نہ کچھ حاجت وضرورت مسلمانوں کو کلمہ پڑھانے کی ہے، نہ نکاح اس پر موقوف ہے۔ سو کلمہ پڑھانے کو مستحب لکھنا عجب بات ہے؛ کیوں کہ اصطلاح فقہ اور اصول فقہ میں مستحب اس امر کو کہتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو بار اس کو کیا ہو، سو چوں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نکاح گاہ، اس کا کرنا قولاً فعلاً ثابت نہیں ہوا تو پھر مستحب کے کیا معنی؟ شاید مجیب علم فقہ اور اصول فقہ سے واقف نہیں ہیں، سنے سنائے مسئلوں میں لفظ مستحب کا یاد کر لیا ہے۔

سائل یہی پوچھتا ہے کہ قبل نکاح بوجہ نکاح کلمہ پڑھانا کس کتاب سے ثابت ہے اور ''جددوا، الخ''جو مجیب نے نقل کی ہے، مجیب پر واجب ہے کہ تصحیح سند اس حدیث کی اور نقل اس کی کتب معتبرہ حدیث سے، موافق قواعد محدثین اور فقہا اور علما کے کریں، یا سند اس کی معتبر ہو کہ اس میں کلام کیا جائے، ورنہ پھر ایسے دعوی کی باتیں نہ فرماویں اور حوالہ رسائل اپنے اجداد کا نہ دیں کہ اجداد مجیب کے اقوال ان پر ہی حجت ہوں گے، علما کے نزدیک حدیث کے باب میں بہ جز محدثین معتبرین، کسی کا قول معتبر نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص: ۶۲-۶۳) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۴۹-۲۵۰)

نکاح سے قبل ایمان مجمل ومفصل سنوانا نہ مطلوب ہے، نہ ممنوع:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح سے پہلے تجدید ایمان کرانا اور ایمان مجمل ومفصل کا دہرانا وغیرہ کیا حکم رکھتا ہے؟ بدعت تو نہیں ہے؟ بینوا تو جروا۔

(المستفتی: عبد الغنی ڈوبل سنی بنگ راولپنڈی، ۲۳؍ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ)

(۱) ولفظه عند الإمام الأحمد: جددوا إيمانكم، قيل يارسول الله وكيف نجدد إيماننا؟ قال: ''أكثروا من قول: لا إله إلا الله. (مسند الإمام أحمد، مسند أبي هريرة، ص: ۳۵۹، ج: ۲ [دار الفكر بيروت: ۱۹۷۸م/۸۳۹۸ ۵۱] أيضا: ص: ۳۹۵، ج: ۸ [نسخه محمد شاكر] مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۸۶۹۵ [دار الحديث، القاهرة ۱۹۹۵م] [نور]

الجواب

نکاح سے قبل قرآن پڑھوانا، یا ایمان مجمل وغیرہ پڑھوانا نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع، لہٰذا اسے مباح کہا جائے گا، نہ کہ بدعت، یا سنت، البتہ نکاح سے قبل ایمان کی تلقین مصلحت سے خالی نہیں۔

وهو تيقن الشرط من الإيمان فافهم. (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۳۷۵-۳۷۶)

نکاح کے وقت دولہا دولہن سے شش کلمہ اور ایمان مجمل وغیرہ پڑھوانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح خوانی کے وقت نکاح خواں دولہا دولہن سے شش کلمہ اور ایمان مجمل ومفصل پڑھاتے ہیں بعض کند ذہن لوگ وہ الفاظ اچھے طریقے سے ادا نہیں کر سکتے کیا یہ نکاح شرعا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالرشید جہلم، ۳۰ رنومبر ۱۹۷۴ء)

الجواب

نکاح کا دارومدار گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول پر ہے، (۲) نہ کہ شش کلمہ وغیرہ پڑھنے پر، لہٰذا ایسا نکاح جائز ہوگا۔ وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۳۷۷)

(۱) شیخ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: شرعاً مومن اور کافر کے درمیان نکاح منعقد نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ لاعلمی سے، یا سہوا کفر کا کلمہ اکثر صادر ہو جاتا ہے اور لوگوں کو اس امر کی خبر نہیں ہوتی، اس وجہ سے علماء متاخرین جو محتاط ہیں، احتیاطا ایسا کرتے ہیں کہ ایمان مجمل اور مفصل کی صفت زوجین کے سامنے کہتے ہیں اور ان سے کہلاتے ہیں؛ تاکہ نکاح حالت اسلام میں منعقد ہو، علماء متاخرین نے جو احتیاطا یہ امر عقد نکاح میں بڑھا دیا ہے، یہ فی الواقع برکت اسلامی سے خالی نہیں، جن لوگوں کو اسلام سے بہرہ نہیں، ان لوگوں کو اس کا کیا لطف ملے، کیا یہ معلوم نہیں کہ اموات کی تلقین اکثر فرقہ خلافیہ کے نزدیک جائز ہے، اس امر کا سبب ان لوگوں کے نزدیک کیا ہے؛ کیوں کہ کل فرقۂ اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان بعد البعث درست نہیں بعث سے مراد انتقال روحانی ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، ص: ۵۴۲، مسائل نکاح)

شیخ عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ فرماتے ہیں: (صفت اسلام وایمان سے) ناواقف لوگوں کو صرف یہ تعلیم کرادی جائے کہ کہو! اللہ ایک ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اس کو دل سے سچا جانو، پس اس سے آدمی مومن اور مسلمان ہو جاتا ہے، اس اقرار لینے کے بعد اس سے نکاح درست ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بدون تصدیق قلبی کے ایمان حاصل نہیں ہوتا؛ لیکن جاہلوں اور ناواقفوں سے صرف یہ کہلا لیا جاوے، جو اوپر مذکور ہے، ان سے یہ نہ پوچھا جاوے کہ ایمان کیا ہے اور تصدیق کیا ہے اور ایمان مفصل کون سا ہے اور ایمان مجمل کون سا ہے، غرض یہ ہے کہ ایسی بات کی جاوے، جس سے اس کو مسلمان بنایا جاوے، نہ یہ کہ اس سے تحقیقات کر کے اس کو کافر بنایا جاوے، (بہرحال جب ہندہ اپنے کو مسلمان کہتی ہے اور درحقیقت ہے بھی مسلمان تو اس سے نکاح درست ہے تعلیم کی کمی ہے، لہٰذا کلمہ وغیرہ احتیاطا پڑھا دیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/ ۱۴۷، دوسرا باب، متعلقات نکاح)

(۲) قال العلامة ابو البركات عبد الله النسفي: النكاح هو عقد ... ينعقد بايجاب وقبول ...عند حرين او حر وحرتين عاقلين بالغين مسلمين. (كنز الدقائق: ۱/ ۹۷، كتاب النكاح)

مجلسِ نکاح میں کلمہ پڑھوانا اور زوجین سے ایجاب وقبول کرانا:

سوال: مشرقی یوپی کے بعض مقامات پر دولہا اور دولہن کو اکٹھا بٹھا کر نکاح پڑھواتے ہیں، دولہا سے تین مرتبہ ایجاب وقبول کرواتے ہیں اور دولہن سے بھی اسی طرح ایجاب وقبول کراتے ہیں، اگر دولہن سے ایجاب وقبول نہ کرائیں تو کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لوگ کہتے ہیں جس طرح طلاق تین دفعہ ہے، اسی طرح نکاح میں ایجاب وقبول بھی تین دفعہ ہے اور نکاح سے پہلے کلمہ پڑھانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس طریقہ کی پابندی کرنا کوئی شرعی حکم نہیں، مجلسِ عقد میں دولہن موجود نہ ہو، اس کی طرف سے اس کا کوئی ولی، یا وکیل قاضی وغیرہ ایجاب وقبول کرلے، تب بھی درست ہے، (۱) ایک دفعہ بھی ایجاب وقبول کافی ہے، (۲) طلاق کی کئی قسمیں ہیں، ایک دفعہ دینے سے بھی طلاق ہوجاتی ہے، اس کا اور حکم ہے۔ (۳) تین دفعہ دینے سے بھی ہوجاتی ہے، اس کا اَور حکم ہے۔ (۴) نکاح کی یہ قسمیں نہیں، پس طلاق پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کلمہ پڑھوانا بھی ضروری نہیں، وہ تو خود پہلے سے ہی مسلمان ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۲/۱۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۰۵/۱۰-۶۰۶)

بغیر کلمہ پڑھائے نکاح:

سوال: مورخہ ۱۵/جون ۱۹۸۶ء کو محمد محمود ولد علی کی شادی مقرر تھی، جس میں میرے والد کو نکاح خوانی کے لیے جانا تھا؛ لیکن بوجۂ بزرگی وہ نہ جاسکے، بندہ گھر پر موجود تھا، مجھے انہوں نے کہا کہ آپ جا کر نکاح کرائیں، بندہ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چلا گیا۔ وہاں ڈھول وغیرہ گانے بجانے کے لیے آئے ہوئے تھے، جو کہ مجھے دیکھ کر جانے لگے۔ میں نے دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور ۴،۵/سال کے بچے ڈانس کررہے ہیں، بڑا دکھ ہوا کہ مسلمان کا بچہ بسم اللہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وينعقد بايجاب من أحدهما وقبول منب الآخر ... كزوجت نفسي أو بنتي أو موكلتي منک". (الدر المختار) "(قوله: كزوجت نفسي) أشار الىٰ عدم الفرق بين أن يكون المؤجب أصيلا أو وليا أو وكيلا". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(۲) "وينعقد بالايجاب والقبول... فاذا قال لها: أتزوجُک بكذا فقالت: قد قبلتُ، يتم النكاح". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثانى فيما ينعقد به النكاح: ۲۷۰/۱، رشيديه)

(۳) "واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو رجعتين، فله أن يراجعها فى عدتها رضيت بذلک أو لم ترض". (الفتاوی العالمكيرية: ۴۷۰/۱، الباب السادس فى الرجعة، رشيديه)

(۴) "واذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق ولم يعلقه بالشرط، ان كانت مدخولة، طلقت ثلاثا". (الفتاوی العالمكيرية: ۳۵۵/۱، الباب الثانى فى ايقاع الطلاق، رشيديه)

پڑھتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کے ماں باپ کو بخش دیتے ہیں اور آج یہ بچے شیطان کے شیدائی ہیں۔ بندہ نے جا کر سلام کیا اور ڈھول بند کرا کر بچوں کو ڈانٹا، تمام بچوں کے والدین کو طلب کیا، جس کی شادی تھی، اسے بھی طلب کیا، مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ اسے بند کیا جائے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی تو جانتے ہیں؛ لیکن بند نہیں کریں گے۔

میں نے عرض کیا کہ میں نے خدائی حکم سنانا تھا، ہدایت اللہ دے سکتا ہے، میں نہیں؛ لیکن میں آپ کی ڈھول والی برات کے ساتھ نہیں جاؤں گا، میں یہ کہہ کر چلا آیا۔ چند آدمی جو اسلامی قدر جانتے تھے، وہ مجھے واپس بلا کر لے گئے اور کہنے لگے: اس سے قبل ۴/افراد نے اس ماہ ڈھول بجایا ہے، اگر آپ ان پر اسلامی تعزیرات لگائیں گے تو ہم ابھی ڈھول واپس کردیں گے، میں نے کہا: ان شاء اللہ، اگر آپ لوگوں کا ساتھ ہوا تو ضرور ان پر تعزیرات لگائی جائے گی۔

جب علی محمد گھر واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر صرف دو ڈھول اور ایک آدمی جائے گا؛ تب بھی ڈھول بجا کر جاؤں گا، اس پر محلّہ کے لوگوں کو جوش آیا کہ ایک طرف امام صاحب قرآن وحدیث کا ثبوت دیتے ہیں اور یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے تو اس پر لوگوں کو جوش آیا، اعلان کیا کہ جو لوگ قرآن وحدیث پر چلنے والے ہیں، وہ امام صاحب کے پیچھے اور جو لوگ شیطان کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، وہ ڈھول کے ساتھ جاؤ۔ اس پر ۴/افراد امام صاحب کے ساتھ اور ۲۲/افراد ڈھول والی بارات کے ساتھ چلے گئے، ۲۲/کے بارے میں امام صاحب نے اعلان کیا کہ اب ان کا نکاح کوئی مسلمان نہیں پڑھ سکتا ہے۔

جب لڑکی والے کے گھر بارات گئی تو عقدِ نکاح کے لیے کوئی مسلمان تیار نہ ہوا، انہوں نے کہا جب امام صاحب کا اعلان ہے، تم نہیں پڑھا سکتے، اس پر وہاں کا قاضی جو دور موجود تھا، وہاں بھی گئے، اس نے کہا کہ امام صاحب کو بلا کر لاؤ اور ڈھول بند کرو، ہم تحقیقات کریں گے، پھر نکاح پڑھا جائے گا۔ بندہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تمام واقفیت کرائی، تب تک محمد رفیق ولد فیروز الدین نکاح پڑھانے لگا، نہ ہی اس نے چھ کلمے سیکھے، صفتِ ایمان، دعائے قنوت اور نہ ہی نماز کا سبق آتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ ہی نکاح کے ارکان جانتا ہے۔ اس نے نکاح کی رسم ادا کی اور لڑکی کو لے کر لڑکی کے گھر چلے گئے۔

بندہ نے ۱۶/جون کو اپنے گاؤں کے اسلامی آدمیوں کی کمیٹی طلب کی، جس میں نوٹس جاری کی گئی کہ یہ ۲۴/افراد آکر صفائی پیش کریں، ورنہ ان لوگوں کے ساتھ اسلامی بائیکاٹ کیا جائے گا، جن پر مورخہ۔۔۔کو ان میں ۱۴/افراد حاضر ہوئے، انہوں نے آکر ۲۲/افراد کی طرف سے غلطی مان لی، اس اسلامی کمیٹی میں قاضی وچند مولوی صاحب تھے۔

ڈھول بجانے والے کو ۲۰۰/روپے جرمانہ، باقی جو لوگ بارات کے ساتھ گئے تھے ۶۰/روپیہ جرمانہ ڈال کر توبہ وغیرہ کرائی، جرمانہ ادا ہو گیا، مسکینوں کو پیسہ دیا گیا اور نکاح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو لڑکے کے باپ نے کہا: نکاح کیا تھا؟ ایسے ہی اس لڑکے نے کاپی دیکھ کر کلمہ وغیرہ پڑھائے تھے، جب کہ اسے آتے ہی نہیں تھے، ہم نے دریافت کیا

کہ لڑکا نماز کا پابند ہے، یا نہیں؟ کہا لڑکا نماز جانتا ہی نہیں، لڑکا روزے رکھتا ہے کہ نہیں؟ کہا نہیں تو اس پر علمائے کرام نے کہا: پھر اس لڑکے کا نکاح نہیں ہے، اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور یہ نکاح علی محمد کے لڑکے کا آپ جا کر کرائیں۔

بندہ نے باقاعدہ صفائی لے کر کہ اس نے ازدواجی زندگی تو اختیار نہیں کی ہے، جب حلفی شہادت مل گئی، بندہ نے نکاح پڑھا، محمد رفیق ولد فیروز الدین کو نوٹس جاری کیا کہ مورخہ ۲۲/جون کو اپنی صفائی پیش کریں؛ کیوں کہ آپ کا نکاح ٹوٹ گیا ہے؛ لیکن وہ یہ سن کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔

بندہ کے پاس محمد رفیق کا سسر آیا، بندہ نے اس سے کہا آپ محمد رفیق کو لاؤ، اس سے بیان لے کر تحقیق کی جائے گی، جب لڑکا آیا تو اس کی جگہ غلط بحث کرنے کے لیے صوفی سید محمد اور محمد رشید تیار ہوگئے کہ لڑکے کا نکاح نہیں ٹوٹا ہے۔ بندہ نے کہا: اگر نہیں ٹوٹا ہے تو عالم کو فتوی لکھو، جو حکم وہ قرآن وحدیث سے دیں، اس پر عمل کرنا ہوگا؛ لیکن پھر بھی غلط باتیں کہتے رہے۔ آخر کار بندہ نے بھری مجلس میں کہا کہ لڑکے کو لاؤ، چھ کلمے، صفت ایمان، دعائے قنوت اگر لڑکا محمد رفیق سنا دے تو پھر اس کا نکاح نہیں ٹوٹا؛ بلکہ میرا ٹوٹ گیا ہے، میرا پھر دوبارہ نکاح پڑھو؛ کیوں کہ میں نے نوٹس جاری کیا ہے کہ اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے؛ کیوں کہ جب اعلان تھا، ایک طرف اسلام اور کفر کا اور اس نے بھی کفر کا ساتھ دیا ہے، دوسرے اسلام سے واقفیت بھی نہیں ہے۔

لڑکا حاضر ہوا، پہلا کلمہ بھی نہیں سنایا، اس پر باقی مسلمانوں نے کہا کہ اب اس پر جرمانہ لگایا جائے۔ بندہ نے کہا: جرمانہ تو لگائیں گے؛ لیکن اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھنا ہے۔ اس پر بندہ نے ۵۰/روپیہ محمد رفیق پر لگائے اور صوفی سید محمد کو کہا کہ اگر آپ کو میرے نکاح پڑھنے سے شرم آتی ہے تو خود جا کر پڑھائیں اور آپ کی جو ذمہ داری ہے کہ لڑکے کو چھ کلمے اور صفت ایمان اور دعائے قنوت اور نماز کا سبق پڑھائیں، اسے الحمد کی قسم بھی دی تھی۔ سننے میں آیا کہ وہ لوگ مولود والوں کے پاس سے فتوی لائے ہیں کہ نکاح نہیں ٹوٹا ہے؛ اس لیے انہوں نے نکاح دوبارہ نہیں پڑھوایا ہے، جب توبہ جرمانہ وغیرہ ادا ہو چکا ہے، لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں قرآن پاک وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں اور صوفی سید محمد اور محمد رشید جو کہ غلط بحث کرتے ہیں، ان کے بارے میں بھی واضح فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بے علمی اور جہالت کی باتیں پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ مسلمان کلمہ اور صفتِ ایمان سے بھی واقف نہیں، پھر اور مسائل کا کیا ذکر؟ صورتِ مسئولہ میں اگر نکاح کا ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں کرا دیا گیا تو وہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا، اگرچہ ایجاب وقبول کرنے والا خود کلمے اور نماز وغیرہ سے ناواقف ہو۔ (۱)

---

(۱) ”وينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليحتقق رضاهما، وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين، الخ“. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۰/۳، ۲۱، ۲۲، سعید)

اور نکاح پڑھانے والے، یا انکار کرنے والے، یا تقریر کرنے والے سے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹا، سب کا نکاح اپنی جگہ برقرار ہے۔ مالی تعزیر شرعاً درست نہیں، جس جس پر تعزیر کی گئی، وہ غلط کی گئی۔ (کذا فی البحر الرائق)(۱) باجہ وغیرہ بھی ممنوع ہے۔(۲) نکاح کو سنت طریقہ پر انجام دیا جائے، جو کہ ایجاب وقبول سے دو گواہوں کے سامنے منعقد ہوجاتا ہے،(۳) خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور نکاح بغیر خطبہ کے بھی درست ہوجاتا ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۸/۱۰/۱۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۰-۶۰۶/۱۰)

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا:

سوال: اس طرف امام صاحب بوقتِ نکاح دولہا و دولہن کو ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ پڑھاتے ہیں، دلہن بالغہ ہو یا نابالغہ، بعض آدمی اس پر معترض ہوئے کہ بالغہ سے کلام نہ کرنا چاہیے، امام صاحب نے کہا: اس میں کیا نقصان ہے؟

دریافت طلب یہ امر ہے کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ آیا ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ دونوں کو پڑھنا چاہیے، یا صرف دولہا کو؟ اگر صرف دولہا کو تو دولہن کو پڑھانا ثواب ہے، یا گناہ؟ مع دلیل تحریر فرمائیں۔

(از: عبدالوہاب، بیاور، ضلع اجمیر)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

بوقتِ عقدِ نکاح کلمہ پڑھانا احادیث اور صحابہ اور مجتہدین سے منقول نہیں، البتہ اگر دولہا و دولہن کے متعلق علم ہو کہ ان کے عقائد اچھے نہیں، خلافِ شرع ہیں تو جس کے عقائد خلاف شرع ہوں، ان کو تجدیدِ ایمان کے لیے کلمہ پڑھانا ضروری ہے اور جس کے عقائد موافق شرع ہوں، اس کو ضروری نہیں، ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلطی ہے، خاص کر جب کہ دولہن کو کلمہ پڑھانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو کہ اس کی آواز کی وجہ سے، یا لوگوں کی بدگمانی اور اعتراض کی وجہ سے۔

اور اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم نہ ہو؛ بلکہ بظاہر اس کا عقیدہ درست معلوم ہوتا ہو تو پھر اس کو کلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں، خطبۂ مسنونہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرا دیا جائے۔

ہاں: اگر اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم ہو تو ضرور تجدید ایمان کرائی جائے، ایسی حالت میں بالغہ کو بھی زور سے اس طرح کلمہ پڑھانا چاہیے کہ آس پاس کے ایک دو آدمی کم از کم ضرور سن لیں، نابالغہ کو پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر

---

(۱) والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل فى التعزير: ٦٨/٥، رشيديه)

(۲) "وفى البزازية: استماع صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرام، لقوله عليه السلام: "استماع صوت الملاهى معصية، الخ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع: ٣٤٩/٦، سعيد)

(۳) "وينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر... وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر، ليحتقق رضاهما، وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٢٢،٢١،٢٠/٣، سعيد)

(۴) "ويندب اعلانه وتقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٨/٣، سعيد)

احتیاطاً بلا التزام وبلا مفاسد پڑھا یا جائے تو زور سے پڑھنا ضروری نہیں آہستہ کافی ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۱۳۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۰/۱۰-۶۱۱)

نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا:

سوال: اگر کسی شخص نے کلمہ نہیں پڑھا ہے اور اس کی شادی ہو رہی ہے تو کیا نکاح پر بھی کوئی اثر پڑ سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(الف) نفسِ ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق واقرار سے حاصل وثابت ہو ہی جائے گا، البتہ اس کے درجات بہت ہیں۔ ایک درجہ شش کلمات سے حاصل ہوتا ہے، ان کو نہ پڑھنا، نہ سیکھنا بڑی محرومی ہے۔

(ب) شہادتیں کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد ارکان کی ادائیگی جب صحیح طور پر ہو تو اس کو غلط، یا ناقص نہیں کہا جائے گا، البتہ ایمان کی پختگی وتجدید کے لیے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے اور یہ افضل الذکر ہے۔ (کما ورد فی الحدیث)(۲)

(ج) کلمہ پڑھائے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جائے گا؛ کیوں کہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہے، نکاح کے وقت مسلمان کو کلمہ پڑھانا شرعاً لازم نہیں، پڑھا دیا جائے تو بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۶/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۱/۱۰-۶۱۲)

---

(۱) "عن اسمٰعیل بن ابراهیم، عن رجل من بنی سلیم قال: خطبت الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أمامة بنت عبد المطلب، فانکحنی من غیر أن یتشهد". (سنن أبی دائود، باب فی خطبة النکاح: ۲۸۹/۱، امدادیه ملتان)

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کلمہ پڑھانا نکاح میں نہ داخل ہے، نہ مسنون"۔ (کفایت المفتی، الباب الثامن، کتاب النکاح عنوان: نکاح کا شرعی طریقہ: ۱۵۱/۱۵، دار الاشاعت کراچی)

(۲) وَحَدَّثَنا عمرو بن علی، حَدَّثَنا أبوداؤد، حَدَّثَنا صدقة بن موسی، عن مُحَمَّد بن واسع، عن سمیر بن نهار، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: قال تبارک وتعالیٰ: لوأن عبادی أطاعونی لسقیتهم المطر باللیل وأطلعت علیهم الشمس بالنهار ولما أسمعتهم صوت الرعد وقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إن حسن الظن باللّٰه من حسن عبادة اللّٰه، وقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: جددوا إیمانکم قالوا یا رسول الله فکیف نجدد إیماننا قال جددوا إیمانکم بقول لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ. وَهَذَا الحدیثُ لاَ نَعْلَمُهُ یُرْوَی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إلاَّ مِنْ هذا الوَجْه عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه، بهذا الإِسْنَاد، عبد الرحمن بن آدم. (مسند البزار، رقم الحدیث: ۹۵۶۹، انیس)

حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ حَبِیبِ بْنِ عَرَبِیٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَی بْنُ إِبْرَاهِیمَ بْنِ کَثِیرٍ الأَنْصَارِیُّ، قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ خِرَاشٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، یَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: أَفْضَلُ الذِّکْرِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الحَمْدُ لِلّٰهِ. هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ، لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حَدِیثِ مُوسَی بْنِ إِبْرَاهِیمَ. وَقَدْ رَوَی عَلِیُّ بْنُ المَدِینِیِّ، وَغَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُوسَی بْنِ إِبْرَاهِیمَ، هَذَا الحَدِیثَ. (سنن الترمذی، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، رقم الحدیث: 3383، انیس)

نکاح کے وقت تجدید ایمان، یا کلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں:

سوال: زوجین قبل از نکاح عرفی مسلمان تھے؛ یعنی عالم بالا یمان والسلام نہیں تھے، لیکن امارات مسلمان؛ یعنی گائے کھانا، ختنہ کرنا، ٹوپی پہننا، داڑھی رکھنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا، نماز پڑھنا وغیرہ، بہت سے ظاہری اعمال اسلامی ان سے سرزد ہوا کرتے تھے، اس حالت پر دونوں میں نکاح شرعی منعقد ہوا تھا۔ اب عندالشرع اس نکاح کا کوئی اعتبار ہے، یا نہیں؟ بہر تقدیر کیوں اور ایسے دو عرفی مسلمان زوجین میں بعد از اصلاح ایمانی واسلامی پھر تجدید نکاح کی ضرورت ہے، یا نہیں؟ بہر تقدیر کیوں؟

الجواب

مسلمان ہونے کے لیے عرفی مسلمان ہونا اور اجمالی ایمان کافی ہے، جب تک کہ خلاف ایمان کوئی بات ان سے سرزد نہ ہو؛ اس لیے یہ دونوں مرد وعورت ابتدا سے مسلمان ہیں، ان کے اسلام اور نکاح میں کسی قسم کا شبہ بغیر دلیل کفر کے کرنا جائز نہیں، حدیث میں ایک کنیز کے متعلق محض ایمان اجمالی پر مومنہ ہونے کی تصدیق وارد ہے۔ ارشاد ہے:

"اعتقها فإنها مؤمنة"۔ (۱)

---

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ، أَنَّهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عَلَيه وَسَلم، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ جَارِيَةً لِي كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا لِي، فَجِئْتُهَا فَفُقِدَتْ شَاةٌ مِنَ الْغَنَمِ، فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا، فَقَالَتْ: قتلها الذِّئْبُ فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا، وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ، فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا، وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ، أَفَأُعْتِقُهَا؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عَلَيه وَسَلم: أَيْنَ اللَّهُ؟ فَقَالَتْ: فِي السَّمَاءِ قَالَ: مَنْ أَنَا؟ قالت: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ. (موطأ الإمام مالک رواية أبی مصعب الزهری، باب ما يجوز من العتق فی الرقاب، رقم الحديث: ۲۷۳۰، انيس)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ، فَقُلْتُ: وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ، مَا شَأْنُكُمْ؟ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ، فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لَكِنِّي سَكَتُّ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ، فَوَاللّٰهِ، مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي، قَالَ: إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ، وَقَدْ جَاءَ اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ، وَإِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَأْتُونَ الْكُهَّانَ، قَالَ: فَلَا تَأْتِهِمْ قَالَ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ، قَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ فِي صُدُورِهِمْ، فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ – قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ: فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ – قَالَ قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّونَ، قَالَ: كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ، فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ قَالَ: وَكَانَتْ لِي جَارِيَةٌ تَرْعَى غَنَمًا لِي قِبَلَ أُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ، فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّيبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِهَا، وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي آدَمَ، آسَفُ كَمَا يَأْسَفُونَ، لَكِنِّي صَكَكْتُهَا صَكَّةً، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذَلِكَ عَلَيَّ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا أُعْتِقُهَا؟ قَالَ: ائْتِنِي بِهَا فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَقَالَ لَهَا: أَيْنَ اللّٰهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا، فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ. (صحيح لمسلم، باب تحريم الكلام فی الصلاة، رقم الحديث: ۵۳۷، انيس)

اگر بالفرض پہلے مسلمان بھی نہ ہوتے تو جب کہ دونوں کی اصلاح ایمان واسلام کے ساتھ ساتھ ہوں، جب ان کا نکاح بقواعد فقہیہ بدستور باقی وصحیح ہے، **كما في الهداية وسائر كتب الفقه من قولهم: "اقرا عليه"**.(۱)
بہر حال ان کے نکاح میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)
۱۳/شوال ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین: ۴۹۰/۲) ☆

---

(۱) وإذا تزوج الكافر بغير شهود أو في عدة الكافر وذلك في دينهم جاء ثم أسلما أقرا عليه. (مختصر القدوري، كتاب النكاح، ص: ۱۵۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)
(وإن تزوج الكافر بغير شهود أو في عدة كافر، وذلك في دينهم جائز، ثم أسلما أقرا عليه) قال في زاد الفقهاء: أما قوله: في عدة الكافر فهو قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد وزفر: لا يقران عليه، والصحيح قول الإمام، واعتمده المحبوبي والنسفي والموصلي وصدر الشريعة، آه، تصحيح: قيد بعدة الكافر لأنه لو كانت من مسلم فرق بينهما؛ لأن المسلم يعتقد العدة بخلاف الكافر. (اللباب في شرح الكتاب، كتاب النكاح: ۲۹/۳، المكتبة العلمية بيروت، انيس)

نکاح کے وقت نوشہ سے کلمہ پڑھانا:

سوال: میں اپنے ایک خاص دوست کی شادی میں نظام آباد گیا وہاں دیکھا کہ قاضی صاحب ایجاب وقبول سے پہلے دوم اور پنجم کلمہ پڑھاتے ہیں، اگر یاد نہ ہو تو بڑے سخت لہجے میں بھری محفل میں جھڑک دیتے ہیں، شریعت کی رو سے یہ عمل کیا ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

(محمد شاہد، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نکاح منعقد ہونے کے لیے ایجاب وقبول ضروری ہے، (**"النكاح ينعقد بالإيجاب و القبول"**. (الهداية: ۳۰۵/۲) اور خطبہ مسنون ہے، باقی اس موقع سے کلمہ وغیرہ پڑھوانا حدیث سے ثابت نہیں، خیال ہوتا ہے کہ چوں کہ مسلمان بھی بعض اوقات ناسمجھی میں کفریہ کلمات بول جاتے ہیں، مثلاً داڑھی، مسواک، تسبیح، نماز، روزہ وغیرہ کی اہانت اور لاعلمی کی وجہ سے اپنی اس غلطی کا ادراک بھی نہیں کرپاتے، ممکن ہے اس بنیاد پر بعض بزرگوں نے نکاح کے وقت تجدید ایمان کا اہتمام کرایا ہو اور اس اہتمام میں کلمہ پڑھوایا ہو؛ تاکہ نکاح کے درست ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، بہر حال جہاں اس طرح کا اندیشہ نہ ہو، وہاں اس طرح کلمہ پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۴۳/۴-۴۴۴)

کیا دولہے کے استغفار اور ایمانِ مفصل پڑھے بغیر نکاح ہوجاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا نکاح ہوا کلمہ استغفار کچھ نہیں پڑھایا، نہ ایمانِ مفصل پڑھایا، صرف ایک بار قبول کرایا تو نکاح ہوا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر ناکح پہلے سے مومن ہے تو اسے کلمہ، یا ایمانِ مفصل پڑھانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح نکاح کے انعقاد کے لیے ایک مرتبہ قبول کرنا بھی کافی ہے؛ اس لیے مذکورہ نکاح بلاشبہ درست ہوگیا۔

وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر. (الدر المختار: ۹/۳، كراتشي، ۶۹/٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۲/۱۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/) ==

مایوں کی رسم کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی وغیرہ کے موقع پر بڑی عجیب وغریب قسم کی رسمیں رائج ہیں، ایک رسم جو شاید آپ کے علم میں بھی ہو ''مایوں'' کی ہے، اس میں لڑکی کو شادی سے ایک ہفتہ قبل گھر کے تمام کام کاج سے فارغ کر کے ایک کونے میں پیلے کپڑے پہنا کر بیٹھا دیا جاتا ہے، جس دن اسے بیٹھایا جاتا ہے، اس دن ایک تقریب ہوتی ہے، جس میں اکثر خواتین شریک ہوتی ہیں اور اس لڑکی کو جس کی شادی ہونے والی ہوتی ہے، ابٹن مہندی وغیرہ لگاتی ہیں، الغرض اب یہ لڑکی اس کونے میں بیٹھی رہتی ہے اور اس کونے میں ایک پردہ لٹکا دیا جاتا ہے، اس میں صرف اس لڑکی کی سہیلیاں، یا خواتین ہی جاتی ہیں، جب خواتین سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ لوگ یہ رسم کیوں کرتی ہیں تو وہ جواباً کہتی ہیں؛ تاکہ لڑکی میں کچھ شرم وحیا اور حجاب کی عادت مزید پڑ جائے، آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ آیا دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس قسم کی رسومات ہوتی تھیں؟ اگر نہیں تو پھر موجودہ دور میں رائج ان مایوں، جیسی رسوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون میں اس طرح کی رسوم کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے؛ بلکہ یہ لوگوں کے من گھڑت رسم ورواج ہیں، اسلام نے شادی اور اس کے متعلقات کے طریقے نہایت ہی سادہ وسہل بتائے ہیں، جن میں سادگی پائی جاتی ہے، نہ کہ نمود ونمائش وریا کاری، لہٰذا یہ رسومات قابل ترک ہیں اور ان سے اجتناب ضروری ہے؛ کیوں کہ ان میں مفاسدِ کثیرہ وخرافات پائی جاتی ہیں اور رسم ''مایوں'' میں تو بسا اوقات دلہن کے لیے نماز وغیرہ عبادات ادا کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ رسم قابل ترک اور لائق ملامت ہے۔

لمافي المشكوة (ص:۲۷): وعن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبغض

== نکاح سے قبل دولہا کو کلمہ پڑھوانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جب ہمارے معاشرہ میں تقریب نکاح ہوتی ہے، بعض مقام پر قاضی اور نکاح خوان حضرات خطبہ کے بعد ایجاب وقبول سے قبل کلمہ پڑھواتے ہیں اور بعض حضرات بعد میں پڑھواتے ہیں، کیا کلمہ پڑھوانا دولہا کو ضروری ہے۔ از روئے قرآن وسنت اس کی کوئی اَصلیت موجود ہے؟

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جس شخص کا نکاح پڑھایا جارہا ہے، وہ تو پہلے ہی سے مسلمان ہے، پھر اس کو عین ایجاب وقبول سے پہلے کلمہ پڑھوا کر مسلمان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ عمل نہ تو شریعت سے ثابت ہے اور نہ اس کی کوئی اصل ہے، ویسے کلمہ ایک ذکر ہے، بلا کسی رسم کے بطور ثواب کوئی شخص کبھی بھی کلمہ پڑھ سکتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی: ۱۵۵/۵، فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۰/۱۰، ۶۱۱، ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

الناس إلى اللّٰه ثلاثة ملحد فی الحرم ومبتغ فی الإسلام سنة الجاهلية ومطلب دم امریء بغیر حق ليهريق دمه.(رواه البخاری)

(وص:٤٩):**وعن علی بن الحسين رضی الله عنهما قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه**.(رواه مالک وأحمد)(نجم الفتاویٰ:۴/۳۲۷-۳۲۸)

شادی کے موقع پر رت جگا کرنا:

سوال: ہماری برادری میں ایک رسم رت جگے کی ہے کہ شادی سے ایک دن پیشتر کل برادری کی سب عورتیں ایک مکان میں جمع ہوکر رات بھر مع ڈھولکی و دائرہ کے گیت بآواز بلند گاتی ہیں، جس کا مضمون فحشانہ ہے، اس کا نام رت جگا رکھا ہے، اس رت جگا کا کرنا اور عورتوں کا جمع ہونا اور گانا اور گوانا درست ہے، یا حرام، یا مکروہ؟ اور مسلمانوں کو ایسے رت جگا میں اپنی عورتوں کو بھیجنا، جائز ہے، یا نہیں؟ اور جو کوئی اپنی عورتوں کو ایسے رت جگے میں جانے کی اجازت دے، گنہگار رہوتا ہے، یا نہیں؟

اور ایک آدمی برادری کا اس رسم رت جگا کو منع کرتا ہے اور نہ اس میں اپنی عورت کو بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ رسم موقوف کردینے کے قابل ہے؛ کیوں کہ جب کہ عورتوں کو اذان پڑھنی جائز نہیں تو گانا کیسے درست ہے؟ یہ رت جگا قابل موقوف کردینے کے ہے، یا نہیں؟ اور برادری میں سے، جو کوئی اپنی عورت کو رت جگے میں نہیں آنے دیتا، اس کو لوگ طعن کرتے ہیں اور برادری سے خارج کرتے ہیں، ایسی برادری کو چھوڑنا مناسب ہے، یا اپنی عورت کو رت جگے میں بھیج کر شامل ہونا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ رت جگا حرام [ہے]، اولاً ڈھولک بجانا حرام ہے، پھر راگ گانا، جس میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور پھر اس رسم کو ایسا جاننا کہ اس کے منع کرنے والے کو ذات سے ڈالیں تو گویا واجب جانتے ہیں، لہٰذا اس رسم کا ترک کرنا واجب ہے اور کسی کو درست نہیں کہ اپنی عورت کو وہاں جانے دیوے، (۱) اور جو لوگ اس کو واجب جیسا جانتے ہیں، ان کو فہمائش کر کے اس کو ترک کرادے، نہ مانیں تو خود علاحدہ ہوجاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ (فیوض رشیدیہ، ص:۷، ۸)(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۵۶)

شادی کے موقع کی مختلف رسوم اور امور سے متعلق چند سوالات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل شادی بیاہ کے سلسلے میں

(۱) اصل نسخہ فیوض رشیدیہ، ص ۷۔ ناشر حاجی خدا بخش پانی پتی۔ فخر المطابع، میرٹھ، میں لکھا ہے ''وہاں نہ جانے دیوے'' اس میں لفظ نہ قطعاً غلط اور بے موقع ہے؛ اس لیے قلم زد کردیا گیا ہے۔ نور

عموماً جو امور ہمارے ہاں رائج ہوگئے ہیں، ان میں سے کچھ کا خلافِ شرع ہونا تو علم میں ہے جیسے مایوں اور مہندی کی رسومات جن میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے اور خواتین وحضرات کا بے حجابانہ اختلاط شامل ہے، علاوہ ازیں ان مواقع پر مووی (فلم) بنانا، یا دیگر طریقوں سے تصویر کشی کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے؛ لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں کہ جن کے بارے میں واضح علم نہ ہونے کے سبب ملوث ہونا پڑتا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے براہ کرم ان معاملات میں راہنمائی فرمائیں۔

(۱)　شادی/نکاح سے قبل لڑکے والوں کی طرف سے ''بری'' کے نام سے دلہن کے لیے زیور، شادی کا جوڑا، ولیمہ کا جوڑا اور دیگر زنانہ کپڑے اور میوہ جات لڑکی کے گھر پہنچائے جاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیے؟

(۲)　اسی طرح لڑکی والے دلہا کے لیے شادی اور ولیمہ کے موقع پر استعمال کرنے کے لیے جوڑے بھیجتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

(۳)　علاوہ ازیں ''جہیز'' کے نام پر لڑکی کو زیور اور گھر میں استعمال کا مختلف سامان دیا جاتا ہے، جس میں بیڈ روم سیٹ، الماری، سنگھار میز وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں، نیز دولہا کے والدین اور بہن بھائیوں کے لیے پہنائی کے نام پر جوڑے دیئے جاتے ہیں، یہ امور کہاں تک جائز ہیں اور ان اشیا کے آجانے پر لڑکے والے قبول کریں، یا انکار کردیں؟

(۴)　اگر لڑکی کے والدین خوشحال ہیں اور بغیر کسی مطالبہ/بوجھ/قرضہ کے اپنی خوشی سے یہ سب کریں، (نمبر (۲) اور نمبر (۳)) تو کہاں تک صحیح ہے، یا صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیے؟

(۵)　اگر مکان میں گنجائش نہ ہو تو شادی/ولیمہ کے انتظام کے لیے شادی ہال میں (خواتین وحضرات کے لیے پردے کے انتظام کے ساتھ) دعوت کا اہتمام کرنا غلط تو نہیں ہوگا؟

درخواست ہے کہ مندرجہ بالا امور میں رہنمائی فرمائی جائے؟

الجواب ـــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ اور قابل اتباع ہے؛ اس لیے ہمیں ہر قدم اور ہر موڑ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شادی، ولیمہ اور اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں کتنی سادگی سے کیں اور ہمیں غیر کے طریقوں، نمائش ونمود اور بے جا اسراف سے اجتناب کرنا چاہیے۔ لہٰذا (۱،۲) میں زیورات، شادی وغیرہ کا جوڑا اور دیگر تحائف وغیرہ اگر نمود ونمائش اور بے جا اسراف کے طور پر نہ دیئے گئے ہوں؛ بلکہ سادگی کے ساتھ بطیّب خاطر دیئے گئے ہوں تو اس کی گنجائش ہے، البتہ مذکورہ اشیاء بطور نمود ونمائش اور بے جا اسراف سے دی جائیں تو پھر جائز نہیں۔

(۳،۴) جہیز حسبِ استطاعت بخوشی جتنا اور جو بھی ہو جائز ہے، بشرطیکہ یہ جہیز فرمائشی اور نمود ونمائش کے لیے اور بے جا اسراف نہ ہو اور قرضہ نہ اٹھانا پڑے، جہاں پر پہنائی کے نام پر دولہا کے والدین اور بہن بھائیوں کو جوڑے دیئے جاتے ہیں، اگر بطور تحفہ ہوں تو جائز ہیں اور اگر رسم کی بنیاد پر اور برادری سے مجبور ہو کر دیئے جائیں تو جائز نہیں۔

(۵) اس صورت میں اگر خواتین کے لیے مکمل پردے کا انتظام ہو اور عورتوں اور مردوں کا باہم اختلاط نہ ہو تو ولیمہ اور دیگر دعوتوں کا اہتمام شادی ہال میں درست ہے۔

لمافی القرآن المجید(الإسراء:۲۶-۲۷): ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ٥ إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾

وفی المشكاة(ص:۳۷۵): **وعن ابن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لبس ثوب شهرة من الدنيا ألبسه اللّٰه ثوب مذلة يوم القيامة.** (رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه)

وفيه أيضاً (ص: ۳۷۵): **وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (رواه أحمد وأبوداؤد)

وفيه أيضاً(ص: ۲۷۸): **وعنه قال: أقام النبی صلى الله عليه وسلم بين خيبر والمدينة ثلاث ليال يبنى عليه بصفية فدعوت المسلمين إلى وليمته وما كان فيها من خبز ولا لحم وما كان فيها إلا أن أمر بالانطاع فبسطت فألقى عليها التمر والاقط والسمن.** (رواه البخاری) (نجم الفتاویٰ:۴/۳۴۰-۳۴۱)

دولہا کو پھولوں یا نوٹوں کا ہار اور انگوٹھی پہنانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جو شادی ہوتی ہے اس میں بعض امور کا شرعی حل پوچھنا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دولہا کے ہاتھوں میں مہندی لگائی جاتی ہے اور اس کو پیسوں والا ہار اور انگوٹھی بھی پہنائی جاتی ہے۔ ان کا کیا حکم ہے؟ نیز پھولوں والے ہار کا کیا حکم ہے؟

(۲) دلہن کے گھر دولہا کے ساتھ برات میں تقریباً ۱۰۰/۱۵۰؍ افراد جاتے ہیں اور ان کو لڑکی والے کھانا اور چائے وغیرہ لازماً دیتے ہیں اور رخصتی کے وقت دلہن کی طرف سے تقریباً ۵۰؍ افراد ساتھ چلتے ہیں، جو کہ رات میں لڑکے کے ہاں قیام کرتے ہیں اور صبح ناشتے کے بعد واپس روانہ ہو جاتے ہیں، لہٰذا ان امور کا شرعی نقطہ نظر بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب ــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح ایک شرعی حکم ہے، اسے شریعت کے مطابق مسنون طریقہ پر پورا کرنا چاہیے اور شادی بیاہ میں فضول خرچی، بدعات، غلط رسومات اور محض نمائش کے ہر کام سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۱) مردوں کے لیے مہندی لگانا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، جس کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح مردوں کو چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی بھی پہننا درست نہیں، نہ سونے کی اور نہ کسی اور چیز کی، البتہ چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے، بشرطیکہ ساڑھے چار ماشہ سے زیادہ نہ ہو اور پیسوں کا ہار بھی نہ پہنا جائے؛ کیوں کہ اس میں ریا اور تکبر کا اظہار ہوتا ہے، البتہ پھولوں والا ہار فی نفسہٖ جائز ہے اور امتیاز کے لیے پہنایا جاسکتا ہے؛ لیکن آج کل لوگ ان کاموں کو ضروری سمجھ کر انجام دیتے ہیں، لہٰذا ان کی زیادہ حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

(۲) بارات، یا رخصتی میں دولہا، یا دلہن کے گھر والے اور ان کے اعزا و اقارب کا ساتھ جانا بشرطیکہ اس میں خلاف شرع کوئی کام نہ ہو، مثلاً مرد و زن کا اختلاط، گانا بجانا اور ریا کاری وغیرہ خرافات نہ ہو تو گنجائش ہے اور جہاں تک کھانے کا تعلق ہے، اگر بطور مہمان نوازی، جانبین سے اصرار کے بغیر کھلا دیں، نہ کھلانے پر کوئی برا نہ مانے اور اس کو سنت بھی نہ سمجھیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

لما فی القرآن الکریم (الأنعام:۱۵۳): ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

وفی سنن أبی داؤد (۲۰۳/۲، کتاب اللباس) عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.

وفی المشکاة (ص: ۲۷۹، باب الولیمة، الفصل الثالث) عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامهما. قال الإمام أحمد: یعنی المتعارضین بالضیافة فخراً ورياءً.

وفیه أیضاً (ص: ۲۵۵): وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه.

وفی إعلاء السنن (۱۴/۱۱، باب جواز الزفاف): عن عائشة رضی اللّٰہ عنها أنها زفت امرأة إلی رجل من الأنصار، فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: یاعائشة! ما کان معکم لهو؟ فإن الأنصار یعجبهم اللهو. (رواہ البخاری) قال فی الدر: وهل یکره الزفاف؟ المختار: لا، إذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة، آہ، قال ابن عابدین رحمه اللّٰہ: الزفاف بالکسر ککتاب! اهداء المرأة إلی زوجها، قاموس، والمراد به هنا اجتماع النساء لذلک؛ لأنه لازم له عرفا، أفاده الرحمتی.

وفی الهندیة (۳۵۹/۵، الباب العشرون فی الزینة): ولا ینبغی أن یخضب یدی الصبی الذکر ورجله إلا عند الحاجة ویجوز ذلک للنساء، کذا فی الینابیع.

وفی الشامیة (۶۹۶/۵) کتاب الهبة: قلت والعرف فی بلادنا مشترک نعم فی بعض القری یعدونه فرضا حتی إنهم فی کل ولیمة یحضرون الخطیب یکتب لهم ما یهدی فإذا جعل المهدی ولیمة یراجع المهدی الدفتر فیهدی الأول إلی الثانی مثل ما أهدی إلیه. (نجم الفتاویٰ: ۳۳۲/۴)

زیور عاریت پر لے کر دولہن کو پہنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں دولہا والے دولہن کو بموقع نکاح شہرت کی غرض سے زیورات اپنے اعزا واقربا سے مستعار لے کر چڑھاتے ہیں، جو چند دنوں کے بعد واپس لے لیے جاتے ہیں اور تاویل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہم نے دولہن کو اس کا مالک نہیں بنایا تھا، شریعت میں اس کی کہاں تک گنجائش ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جو زیورات دیگر اعزا سے عاریت پر لے کر دلہن کو وقتی طور پر پہنائے جاتے ہیں اور بعد میں واپس لے لیے جاتے ہیں تو دولہن اس کی مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ عاریت میں داخل ہے اور ضرورت کے وقت اِس طرح عاریت کے لین دین میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار بطور عاریت پہننے کے لیے لیا تھا۔

عن عائشة رضى اللّٰه عنها أنها استعارت من أسماء رضى اللّٰه عنها قلادة. (صحيح البخارى: ٧٧٦/٢، رقم: ٤٩٧٠، سنن أبى داؤد: ٥٠٢/٢)

عن أبى أمامة رضى اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول فى خطبته عام حجة الوداع: العارية مؤداة والزعيم غارم والدَّين مقضى. (سنن الترمذى: ٣٣٩/١، سنن أبى داؤد: ٥٠٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴/۱/۱۴۳۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

نکاح سے قبل ہونے والی بہو کو جوڑا پہنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح سے قبل ہونے والی بیٹے، یا بھائی کی بہو کو جوڑا پہنانا جائز ہے، یا ناجائز؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

بطور خوشی جوڑا پہنانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اِس کو رسم نہ بنایا جائے اور نہ اِس کو ضروری سمجھا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ: ۳۲۰/۶)

عن أبى هريرة رضى اللّٰه عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تهادوا تحابوا. (السنن الكبرى للبيهقى، باب التحريض على الهبة والهدية: ٣٨٠/٦، رقم: ١١٩٤٦، دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ألا، لا

تظلموا ! ألا،لا یحل مال إمرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاۃ المصابیح،باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی: ۲۵۵، مرقاۃ المفاتیح: ۳۵۰/۳، المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، شعب الإیمان للبیهقی: ۷۶۹/۲، رقم: ۵۴۹۳)

فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروها. (مجموعة رسائل اللکنوی سباحة الفکر فی الجهر بالذکر: ۳۴/۳،دابهیل)

قال الطیبی: وفیه من أصر علی أمر مندوب وجعله عزمًا ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصرّ علی بدعة أو منکر، وجاء فی حدیث ابن مسعود رضی اللّٰه عنه أن اللّٰه عزوجل یحب أن تؤتی رخصة، کما یحب أن تؤتی عزائمه. (مرقاۃ المفاتیح، باب الدعاء فی التشهد: ۲۶/۳،رقم: ۹۴۶،دار الکتب العلمیة بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴/۷/۱۴۲۷ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/)

شادی سے پہلے لڑکے/لڑکی کومہندی لگانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بہت سے علاقے میں یہ رواج ہے کہ لڑکے اورلڑکیوں کوجن کی شادی ہورہی ہے، ہفتوں پہلے سے ہلدی ملنی شروع کردیتے ہیں، یہ عمل قرآن وحدیث کی رو سے کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب______________ وباللّٰہ التوفیق

ہلدی اوراُبٹن ملنے کی رسومات شرعاً بے اصل ہیں، اگر بدن کی صفائی مقصود ہوتو کسی بھی چیز سے کی جاسکتی ہے، اس میں ہلدی کی کوئی قید نہیں، اُسے لازم سمجھنا صحیح نہیں، اور اِن مواقع پر جوخرافات رائج ہیں وہ سب ممنوع ہیں۔(مستفاد: بہشتی زیور:۶/۲۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴/۹/۱۴۲۸ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/)

مہندی کی مروّجہ رسم، نیز رخصتی کا شرعی طریقہ کار:

سوال: مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) نکاح کا سنت طریقہ کیا ہے؟

(۲) رخصتی کا سنت طریقہ کیا ہے؟

(۳) آج کل جومہندی کی رسم چل رہی ہے اس کا اسلام میں کیا حکم ہے؟ نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خوشی کے مواقع پر ان چیزوں میں کوئی حرج نہیں، اتنا تھوڑا بہت ہونا چاہیے۔اسلام میں اتنی زیادہ سختی بھی نہیں۔آیا اس طرح کہنا درست ہے؟ اور یہ باتیں کہاں تک صحیح ہیں؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

(۱) نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب میاں بیوی، یا ان کے اولیا شادی کرنے پر راضی ہو جائیں تو عقد نکاح مسجد میں لوگوں کے سامنے کیا جائے، بایں طریقہ کے پہلے ماثور خطبہ نکاح پڑھا جائے اور پھر باقاعدہ ایجاب وقبول کیا جائے۔

(۲) رخصتی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو دلہن بنا کر شوہر کے گھر پر پہنچادیں اور شوہر حق زوجیت ادا کر کے اپنے اقربا پڑوسیوں اور اپنے دوستوں کو اپنی وسعت کے مطابق کھانے پینے کی دعوتِ ولیمہ کرے؛ تاہم یاد رہے اگر دولہا کے گھر کے کچھ افراد آ کر دلہن کو شوہر کے گھر پر لے جائیں تو اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی اس انداز سے ہوئی کہ ان کی والدہ ام رومان نے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر دلہن بنا کر پہنچایا تو وہاں موجود انصاری عورتوں نے ام رومان اور دولہن کے استقبال میں یہ دعائیہ جملے کہے "**على الخير والبركة وعلى خير طائر**" خیر اور برکت اور اچھی نصیبی پر۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی فقط اتنی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری اس بیٹی کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے گھر پر پہنچادیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور خیبر کے درمیان (راستہ میں) تین دن تک قیام فرمایا اور وہاں ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کر لی تو میں نے مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلمکے ولیمہ پر بلایا؛ لیکن اس دعوت میں روٹی اور گوشت بھی نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور اس پر کھجور، پنیر اور گھی ڈال دیا گیا اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا، لہٰذا ان واقعات کو دیکھ کر ہر مسلمان کو چاہیے کہ شادی بیاہ کے موقع پر اسی طرح سادگی سے کام لیں اور بشمول مہندی کی رسم کے تمام رسومات سے اجتناب کریں، جب کہ ان رسومات پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں، جو کہ محض اسراف ہے اور ان رسومات ہی کی نحوست سے بہت سی جوان عورتیں اور مرد کنوارے پن اور نکاح کئے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے فحاشی عام ہوتی ہے اور بطور خاص مہندی کی رسم میں تو مرد اور عورتوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے، جو دیگر کئی مفاسد کو جنم دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نکاح بہت بابرکت ہے، جس کا بار کم سے کم پڑے۔ اس حدیث میں امت کو ہدایت اور رہنمائی دی گئی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہوا کریں اور بشارت سنائی گئی ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری شادیوں کے نتیجے میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ الغرض ان رسومات کو ناجائز قرار دینا شریعت کی کوئی سختی نہیں، حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک آسانی اور یسر کا معاملہ ہے، ان رسومات پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

لما فی البخاری (۷۷۵/۲): عن عائشة رضی اللّٰه عنها: تزوجنی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، فاتتنی أمی فأدخلتنی الدار، فإذا نسوة من الأنصار فی البیت، فقلن: علی الخیر والبرکة، وعلی خیر طائر.

عن أنس رضی اللّه عنه، قال: أقام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بین خیبر والمدینة ثلاثاً یبنی علیه بصفیة بنت حیی، فدعوت المسلمین إلی ولیمته فما کان فیها من خبز ولا لحم أمر بالانطاع، فالقی فیها من التمر والأقط والسمن، فکانت ولیمته.

وفی مشکاة المصابیح (۲۶۸/۲): وعن عائشة قالت: قال النبی صلی الله علیه وسلم: إن أعظم النکاح برکة أیسره مونة.

و فی الترمذی (۲۰۷/۱): عن عائشة قالت قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أعلنوا هٰذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف.

وفی الدر المختار (۶۰۳/۳): ویمنعها من زیارة الاجانب وعیادتهم والولیمة وإن أذنت کانا عاصیین، کما مر فی باب المهر.

وفی الرد تحته: قوله (والولیمة) ظاهره ولو کانت عند المحارم لأنها تشتمل علی جمع فلا تخلو من الفساد عادة. (نجم الفتاویٰ:۳۲۸/۴-۳۲۹)

سندور و مہندی لگانا:

سوال: سندور لگانا، جو عورتیں شادی کے وقت لگاتی ہیں، (۱) یا اس کے علاوہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

سندور لگانا بھی اسی حکم میں شامل ہے؛ بلکہ کچھ بڑھ کر ہے، عورتوں کو مہندی لگانا درست ہے؛ بلکہ ان کے لیے مخصوص ہے کہ ہاتھ، پیر کو لگائیں، مردوں کو ان کی مشابہت اختیار کرنا درست نہیں۔

"لعن اللّٰه المتشبهین من الرجال بالنساء". (مشکاة(۲) فقط واللہ سبحانہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۲۱۴/۱۱)

شادی کے موقع پر ایک بے ہودہ رسم:

سوال: زید کے یہاں بعد نکاح و تکمیل بارات کچھ عورتیں اندر نوشہ کو لے جا کر کچھ گانے کے ساتھ لڑکے کی تین

(۱) سیندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف، جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں۔ (فیروز اللغات، ص:۸۳۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وعن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "لعن ...(الحدیث رواه البخاری)(مشکاة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قدیمی)

"یستحب للرجل خضاب شعره ولحیته". (الدر المختار)

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ: "لا یدیه ورجلیه، فإنه مکروه للتشبه بالنساء". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۲۲/۶، سعید)

انگلیوں سے لڑکی کی مانگ میں سیندور لگواتی ہیں اور مردوں عورتوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بغیر اس کے نکاح درست نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور یہ فعل جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

حرکت شنیعہ وعقیدہ مذکور جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والے اور عقیدہ رکھنے والے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، ان کو توبہ کرنا چاہیے۔ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری ومسلم شریف مذکور ہے:

"قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (متفق عليه) (مشكاة المصابيح: ۲۷/۱)(۱)

اعلام الموقعین میں ہے:

"ومن الكبائر:... العقائد الباطلة والآراء الفاسدة واتباع الهوى وطاعة الهوى، انتهٰى مختصرا". (۴۰۱/۴-۴۰۴)(۲) **واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب** (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱۵۸/۱)

اُبٹن اور گیت گانے کی رسم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آج کل دیکھتے ہیں کہ جب شادی ہوتی ہے تو ایک دن قبل لڑکے لڑکی دونوں کے گھر والے اُبٹن لگواتے ہیں اور مہندی بھی اور ساتھ ساتھ عورتیں گیت بھی گاتی ہیں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

---

(۱) صحيح البخارى، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، رقم الحديث: ۲۶۹۷/صحيح لمسلم، باب نقض الأحكام الباطلة، رقم الحديث: ۱۷۱۸، انيس

(۲) وَمِنَ الْكَبَائِرِ: تَرْكُ الصَّلَاةِ، وَمَنْعُ الزَّكَاةِ، وَتَرْكُ الْحَجِّ مَعَ الِاسْتِطَاعَةِ، وَالْإِفْطَارُ فِى رَمَضَانَ بِغَيْرِ عُذْرٍ، وَشُرْبُ الْخَمْرِ، وَالسَّرِقَةُ، وَالزِّنَا، وَاللِّوَاطُ، وَالْحُكْمُ بِخِلَافِ الْحَقِّ، وَأَخْذُ الرِّشَا عَلَى الْأَحْكَامِ، وَالْكَذِبُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْقَوْلُ عَلَى اللَّهِ بِلَا عِلْمٍ فِى أَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَحْكَامِهِ، وَجُحُودُ مَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ وَوَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ، وَاعْتِقَادُ أَنَّ كَلَامَهُ وَكَلَامَ رَسُولِهِ لَا يُسْتَفَادُ مِنْهُ يَقِينٌ أَصْلًا، وَأَنَّ ظَاهِرَ كَلَامِهِ وَكَلَامِ رَسُولِهِ بَاطِلٌ وَخَطَأٌ بَلْ كُفْرٌ وَتَشْبِيهٌ وَضَلَالٌ وَتَرْكُ مَا جَاءَ بِهِ لِمُجَرَّدِ قَوْلِ غَيْرِهِ، وَتَقْدِيمُ الْخَيَّالِ الْمُسَمَّى بِالْعَقْلِ وَالسِّيَاسَةِ الظَّالِمَةِ وَالْعَقَائِدِ الْبَاطِلَةِ وَالْآرَاءِ الْفَاسِدَةِ وَالْإِدْرَاكَاتِ وَالْكُشُوفَاتِ الشَّيْطَانِيَّةِ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَضْعُ الْمُكُوسِ، وَظُلْمُ الرَّعَايَا، وَالِاسْتِئْثَارُ بِالْفَيْءِ، وَالْكِبْرِ، وَالْفَخْرِ، وَالْعُجْبِ، وَالْخُيَلَاءِ، وَالرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ، وَتَقْدِيمُ خَوْفِ الْخَلْقِ عَلَى خَوْفِ الْخَالِقِ، وَمَحَبَّتِهِ عَلَى مَحَبَّةِ الْخَالِقِ، وَرَجَائِهِ عَلَى رَجَائِهِ، وَإِرَادَةُ الْعُلُوِّ فِى الْأَرْضِ وَالْفَسَادِ وَإِنْ لَمْ يَنَلْ ذَلِكَ، وَمَسَبَّةُ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ، وَقَطْعُ الطَّرِيقِ، وَإِقْرَارُ الرَّجُلِ الْفَاحِشَةَ فِى أَهْلِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ، وَالْمَشْىُ بِالنَّمِيمَةِ، وَتَرْكُ التَّنَزُّهِ مِنَ الْبَوْلِ، وَتَخَنُّثُ الرَّجُلِ وَتَرَجُّلُ الْمَرْأَةِ، وَوَصْلُ شَعْرِ الْمَرْأَةِ وَطَلَبُهَا ذَلِكَ، وَطَلَبُ الْوَصْلِ كَبِيرَةٌ، وَفِعْلُهُ كَبِيرَةٌ، وَالْوَشْمُ وَالِاسْتِيشَامُ، وَالْوَشْرُ وَالِاسْتِيشَارُ، الخ. (إعلام الموقعين عن رب العالمين، الكبائر: ۳۰۵/۴، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

اِن رسومات کی پابندی غلط ہے،انہیں چھوڑ نا لازم ہے۔(دیکھئے:بہشتی زیوراختری:۶/۲۳-۲۴)

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبى داؤد، كتاب اللباس،باب فى لبس الشهرة:۵۵۹/۲،رقم:۴۰۳۱ مكتبة دار الحديث ملتان)

قال العلامة المناوى تحته: أى تزيّا فى ظاهره بزيّهم، وفى تعرّفه بعرفهم، وفى تخلقه بخلقهم، وسار بسيرتهم وهديهم فى ملبسهم وبعض أفعالهم ... وبأبلغ من ذٰلک صرّح القرطبى فقال: لو خص أهل الفسوق والمُجون بلباس، منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظان والمظنون فيه بسبب العون عليه. (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۷۴/۱۱،رقم: ۸۵۹۳،مكتبة نزار مصطفىٰ الباز رياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۳/۱۲/۲۱ھ۔(کتاب النوازل:۸/)

دولہن کے بناؤ سنگھار کے لیے خوشبو کا استعمال:

سوال: شادی کے سلسلے مین دولہن کے بناؤ سنگھار میں خوشبودار تیل استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جائز ہے۔

حدیث”**طيب الرجال ما ظهر ريحه وخفى لونه وطيب النساء ما ظهر لونه وخفى ريحه**“،(رواه الترمذى والنسائى)(مشكاة: ۳۸۱/۲)(۱) کے تحت مرقاۃ میں مذکورہ ہے:

”**حملوا قوله ”وطيب النساء“على ما إذا أرادت أن تخرج،أما إذا كانت عند زوجها فلتيب بما شاء ت**“. (۲۶۳/۴)(۲)(فتاویٰ احیاء العلوم:۲۶۳/۱)

شادی کارڈ کا کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کارڈ کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) ترجمہ:مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک ظاہر ہو اور رنگ پوشیدہ ہو(یعنی بے رنگ ہو،یا بہت ہی ہلکا پھلکا ہو)اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو پوشیدہ ہو؛یعنی خوشبو بے حد ہلکی پھلکی ہو کہ ادھر اُدھر نہ اڑے۔

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طِيبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ. (سنن الترمذى،باب ماجاء فى طيب الرجال والنساء،رقم الحديث: ۲۷۸۷/سنن النسائى،باب الفصل بين طيب الرجال وطيب النساء،رقم الحديث:۵۱۱۷،انيس)

(۲) ترجمہ:عورت کی خوشبو اس وقت ہے،جب وہ گھر سے باہر کہیں جانا چاہے؛لیکن اگر وہ شوہر کے پاس ہو تو جو خوشبو چاہے استعمال کرے۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

آج کل جس طرح شادی کارڈ پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور محض ناموری اور دکھاوے کے لیے قیمتی کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، یہ طریقہ اسراف اور فضول خرچی کی بنا پر بلاشبہ ناجائز ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اپنے اعزا اور متعلقین کو مدعو کرنے کے لیے سادہ انداز میں تحریر بھیجے، خواہ وہ ہاتھ سے لکھی ہوئی ہو، یا مطبوعہ ہو تو اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بھی اطلاع اور اعلان کی ایک شکل ہے۔ (بہشتی زیور: ۶/۴۰)

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾
(سورة بنی إسرائيل: ۲۷)

قال القرطبی: والتبذير إنفاق المال فی غير حقه ولا تبذير فی عمل الخير. (الجامع لأحكام القرآن: ۱۰/۲۴۷)

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: أعلنوا هٰذا النكاح واجعلوه فی المساجد. (سنن الترمذی: ۱/۲۰۷)

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: حق المسلم علی المسلم خمس: ...إجابة الدعوة. (صحيح البخاری: ۱/۱۶۶، رقم: ۲۱۲۶)

عن نافع قال سمعت عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: أجيبوا هٰذه الدعوة إذا دعيتم لها، قال: وكان عبد اللّٰه يأتی الدعوة فی العرس وغير العرس وهو صائم. (صحيح البخاری: ۲/۷۷۸، رقم: ۴۹۸۵)

ويندب إعلانه أی إظهاره. (شامی: ۴/۶۶، زكريا)

قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْٓا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الأنعام: ۱۴۱)

وَلَا تُسْرِفُوْا أی لا تتجاوزوا الحد (إلی قوله) فقد أخرج ابن أبی حاتم انه قال: لو كان أبوقبيس ذهبا فأنفقه رجل فی طاعة اللّٰه تعالیٰ لم يكن مسرفا، ولو أنفق درهما فی معصية اللّٰه تعالیٰ كان مسرفا. (روح المعانی: ۵/۵۷، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۱/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی کارڈ چھپوانے اور شادی کے لیے ہال بک کرانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جس طرح زمانہ تیزی سے گزر رہا ہے اور نت نئی چیزیں سامنے آرہی ہیں، اسی طرح لوگوں کے طریقے بھی بدلتے جارہے ہیں۔ آپ سے اس کی بابت پوچھنا تھا کہ اکثر جگہ اب شادی کی دعوت وغیرہ کے لیے ''شادی کارڈ'' چل گئے ہیں، اس کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟ نیز اسی طرح اب اکثر شادی کی تقریبات ''شادی ہال'' وغیرہ میں کی جاتی ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شادی کی تقریب کو چوں کہ گھر میں انجام دینا مشکل ہوتا ہے؛ اس لیے ضرورتاً شادی ہال بک کرائے جاتے ہیں، اگر شادی ہال میں پردے کا انتظام ہو، نیز گانا بجانا، ویڈیو ریکارڈنگ اور دوسرے منکرات سے اجتناب کیا جائے تو شادی ہال بک کرانا اور ایسی تقریب میں عام آدمی کے شرکت کرنے کی گنجائش ہے۔

شادی کارڈ ہمارے زمانے میں دعوت دینے کا آسان ذریعہ ہیں اور دعوت دینے کا کوئی بھی ذریعہ استعمال کیا جائے، اس کی گنجائش ہے، البتہ شادی ہال اور شادی کارڈ جیسی چیزوں میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ بے جا اسراف نہ ہو اور نمود ونمائش مقصود نہ ہو۔

لما في احكام القرآن للجصاص (۳۳/۳): والاسراف هو مجاوزة حد الاستواء فتارة يكون بمجاوزة الحلال إلى الحرام وتارة يكون بمجاوزة الحد في الانفاق. (نجم الفتاویٰ: ۳۳۶/۴)

کیا شادی کارڈ غیروں کی تقلید ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا یہ غیروں کی تقلید تو نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی کارڈ کی حیثیت محض ایک اطلاع نامہ کی ہے، اِس میں غیروں کی تقلید کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۱۱/۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی کارڈ میں لڑکی کا نام لکھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کارڈ میں صرف لڑکے کا نام لکھا جائے اور لڑکی کا نام نہ لکھا جائے، لڑکی کا نام لکھنے میں کیا قباحت ہے؟ زید کہتا ہے کہ لڑکی کا نام بھی پردہ ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی کارڈ میں لڑکا اور لڑکی دونوں کا نام لکھا جا سکتا ہے، نکاح کے موقع پر لڑکی کے نام کے اِظہار میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لیے زید کا یہ کہنا کہ ''لڑکی کے نام میں بھی پردہ ہے'' غیر ضروری ہے۔

كما يستفاد: أن الغائبة لا بد من ذكر إسمها، واسم أبيها، وجدها، وإن كانت معروفة. (شامي: ۹۰/٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۸/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی کارڈ پر تصویر کی شکل میں ''بسم اللہ'' لکھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض کارڈوں پر بسم اللہ شریف ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس کا احترام مشکل ہے، پھر بعض پر بسم اللہ تو بصورتِ تصویر جاندار؛ یعنی بشکل بطخ لکھی ہوئی ہوتی ہے، کیا یہ تصویر سازی اور وہ بھی بسم اللہ شریف سے ممنوع نہیں ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

بسم اللہ تو جہاں بھی لکھی رہے، اُس کا احترام لازم ہے، اُس میں شادی کارڈ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، جس طرح ایک عام خط میں بسم اللہ، یا اُس جیسے کلمات لکھے جاتے ہیں، اِسی طرح شادی کارڈ میں بھی لکھے جاتے ہیں۔ اب یہ مدعوین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا احترام بجالائیں، البتہ بسم اللہ کو تصویری شکل میں لکھنا قطعاً ناجائز ہے اور اللہ کے نام کی سخت توہین ہے، اس پر سختی سے نکیر ہونی چاہیے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/۲۴، ادارالاشاعت کراچی)

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله المصورون. (صحيح البخاري: ۲/۸۸۵)

عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس إذا أتاه رجل، فقال يا ابن عباس! إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وإني أصنع هٰذه التصاوير، فقال ابن عباس: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول: من صوّر صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح، وليس بنافع أبدًا فربا الرجل ربوة شديدة وأحضر وجهه، فقال: ويحك أن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهٰذا الشجر وكل شيء ليس فيه روح. (صحيح البخاري: ۱/۲۹۶)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن يترك في بيته شيئًا فيه تصاوير إلا نقضه. (صحيح البخاري: ۲/۸۸۰)

لا يحل عمل شيء من هٰذه الصور ولا يجوز بيعها ولا التجارة لها، والواجب أن يمنعوا من ذٰلك. (بلوغ القصد والمرام: ۲۰، بحوالہ: تصویر کے شرعی اَحکام)

وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقًا؛ لأنه مضاهاة لخلق اللّٰه. (ردالمحتار مع الدر المختار: ۱/۶۵۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳/۱۱/۱۴۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

دولہا سے پیسے لینا، شادی میں فائرنگ اور روپوں کا ہار ڈالنے کا حکم:

سوال: ہمارے گاؤں میں شادی کے موقع پر دولہا کے گلے میں روپے کا ہار ڈالا جاتا ہے اور فائرنگ بھی کی جاتی ہے اور نکاح کے موقع پر ساس داماد کو کوئی کھانے کی چیز مثلاً بسکٹ، شہتوت، اخروٹ وغیرہ کسی آدمی کے ذریعے پیش

کرتی ہے (یعنی خود نہیں لاتی؛ کیوں کہ دولہا مردوں کے کمرے میں ہوتا ہے اور وہاں غیر محرم لوگ بہت ہوتے ہیں) اور دولہا ان چیزوں کو کھاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ مرد کھانے میں بھی شریک ہوتے ہیں؛ لیکن آخر میں اس پلیٹ میں دولہا خود روپے ڈالتا ہے اور ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ بھی روپے ڈالتے ہیں اور جب کوئی دولہا ساس کی پلیٹ میں روپے نہیں ڈالتا تو لوگ اسے برا سمجھتے ہیں، ساس ناراض ہوتی ہے اور لوگ اس پر طعن وتشنیع بھی کرتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ شادی کے موقع پر ان امور کا کیا حکم ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نکاح کی اطلاع واعلان کے لیے فائرنگ کرنا جائز ہے، یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دولہا کے گلے میں ہار ڈالنا جائز ہے؛ اس لیے کہ دستار بندی کے موقع پر پھولوں کا ہار ڈالا جاتا ہے، جب وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے اس قول کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

(۱) دولہا کے گلے میں روپے کا ہار ڈالنا درست نہیں؛ اس لیے ایک تو اس میں تصویریں ہوتی ہیں، جو کہ ناجائز ہیں۔ دوسرا اس میں اسراف بھی ہے۔ اگر دولہے کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ باقی دستار بندی کے موقع پر جو پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں، اس کو حجت بنانا درست نہیں؛ اس لیے کہ دستار بندی کے وقت بھی یہ عمل مناسب نہیں۔

(۲) شادی وغیرہ میں فائرنگ کرنا یہ اسراف اور غیر قانونی حرکت ہے اور دوسرے مفاسد (مثلاً کسی کی موت وغیرہ) بھی اس سے واقع ہوسکتی ہے؛ اس لیے ان وجوہ کی بنیاد پر یہ ناجائز ہے۔ باقی نکاح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نکاح مسجد میں کیا جائے، اس سے اعلان وتشہیر کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔

(۳) دولہا کے ساس کو پیسے دینے والی جو رسم ہے، چوں کہ دولہا طعن وتشنیع کے ڈر سے اسی طرح ناراضگی کے خوف سے (بغیر ولی رضامندی کے) ساس کو پیسے دیتا ہے اور جب کہ بغیر ولی رضامندی کے کسی کا مال استعمال کرنا جائز نہیں؛ اس لیے ساس کا دولہے سے اس طرح پیسے لینا درست نہیں ہے۔

لمافی التفسیر المظهری (۸۷/۲): ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ﴾ يعنى لا يأكل أحد منكم مال غيره من المسلمين ومن تبعهم من أهل الذمّة ولا بأس بأكل مال الحربى الغير المعاهد من غير عذر بِالْبَاطِلِ أى بوجه ممنوع شرعا.

وفى الصحيح لمسلم (۱۹۹/۲، ۲۰۰): عن أبى طلحة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة.

قال النووى فى شرحه: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فى الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء ما كان فى ثوب

أو بساط أودرهم أو دينار أو فلس أو اناء أو حائط أو غيرها...وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فان كان معلقا على حائط أو ثوبا ملبوسا أو عمامة ونحوذلك مما لايعد ممتهنا فهو حرام.

وفی مرقاة المفاتيح (١٣٥/٦): باب الغصب والعارية: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لايحل مال امرىء الا بطيب نفس منه.

وفی الدرالمختار (٨/٣): ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فی مسجد.

وفی الشامية (٦٥٧/١):قال فی البحر وفی الخلاصة وتكره التصاوير على الثوب صلى فيه أو لا انتهى وهذه الكراهة تحريمية وظاهر كلام النووی فی شرح مسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان وقال وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء كان فی ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها اه فينبغی أن يكون حراما لا مكروها إن ثبت الإجماع أو قطعية الدليل بتواتره اه كلام البحر ملخصاً. (نجم الفتاویٰ:۴/۳۳۵)

کیا خوشی کے وقت ہر رسم جائز ہوتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل شادی کے موقع پر فائرنگ کرتے ہیں اور پٹاخے پھاڑتے ہیں اور کہتے ہیں شادی خوشی کا موقع ہے، اس میں خوشی کا اظہار ہونا چاہیے؛ تاکہ لوگ خوشی اور غمی کے درمیان فرق کرسکیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شریعت مطہرہ نے کسی کو خوشی کے موقع پر خوش ہونے سے نہیں روکا؛ لیکن خوشی ہو، یا غم دونوں کو شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے کیا جائے، شادی کے موقع پر فائرنگ کرنا، یا پٹاخے پھاڑنا یہ تبذیر یعنی مال کا ضیاع ہے، جو کہ نص قرآنی سے ناجائز ہے، اسی طرح اس میں اور کئی مفاسد ہیں، مثلاً: بسا اوقات اس سے کسی کی موت واقع ہوجاتی ہے، نیز لوگوں کا سکون خراب ہوجاتا ہے، عبادت کرنے والوں کی عبادت میں خلل واقع ہوجانا اور یہ تمام چیزیں ایذاءِ مسلم ہیں اور ایذائے مسلم حرام ہے؛ اس لیے اس فعل سے اجتناب کرنا چاہیے، باقی خوشی اور غمی میں فرق اور بہت ساری جائز چیزوں سے ہوسکتا ہے۔

لمافی القرآن المجيد (الاسراء:٢٦-٢٧):﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾

وفی تفسير القرطبی (٢٤٧/٥،جز:١٠):الثانية قوله تعالى:(وَلَا تُبَذِّرْ) أی لا تسرف فی الإنفاق فی غير حق،قال الشافعی رضی الله عنه:والتبذير إنفاق المال فی غير حقه،ولا تبذير فی عمل الخير،وهذا قول الجمهور،وقال أشهب عن مالك:التبذير هو أخذ المال من حقه ووضعه فی غير

حقه، وهو الإسراف، وهو حرام لقوله تعالى: ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾.

وفي البخاري (٦/١): عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: قالوا يا رسول الله، أي الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه، ويده.

وفي فتح الملهم (٦٢٨/١): قوله "قال: من سلم المسلمون من لسانه" الخ: أي بالشتم واللعن والغيبة والبهتان والنميمة والسعي إلى السلطان وغير ذلك حتى قيل: أول بدعة ظهرت قول الناس الطريق الطريق، قوله: ويده الخ بالضرب، والقتل، والهدم، والدفع، والكتابة بالباطل ونحوها وخصالا أن أكثر الأذى بهما أو أريد بهما التمثيل وقدم اللسان لأن الايذاء به أكثر وأسهل ولأنه أشد نكاية. (نجم الفتاویٰ: ۳۴۰/۴)

نکاح میں چھوارے لٹانے کی روایت صحیح نہیں:

مسئلہ: خرما لٹانے کی حدیث صحیح نہیں اور اس میں اندیشہ تکلیف حاضرین کا ہے، لہٰذا نہ کرے۔

(مجموعہ فرخ آباد، ص: ۴۳) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۵۰)

نکاح کے موقع سے کھجور لٹانا:

سوال: بندہ کو ایک شادی کے موقع پر جانا ہوا تو نکاح کے بعد چھوہارہ تقسیم کرنے کے بجائے لٹایا گیا، بعض لوگ اس پر ناراض ہوئے۔ کیا شرعاً مسجد میں اس طرح لٹانا درست ہے؟

(محمد مسعود، مسجد محمدی، دبیر پورہ)

الجواب

حدیث کی مشہور کتاب ''سنن بیہقی'' میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نکاح میں شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک طشت لایا گیا، جس میں اخروٹ، بادام اور کھجور تھے، ان چیزوں کو بکھیر دیا گیا، ہم لوگ ابتداءً لینے سے رکے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھین جھپٹ کرنے سے منع فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے رکے رہنے کی بابت دریافت فرمایا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو لوٹنے سے منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اس کی اجازت مرحمت فرمائی؛ لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے''۔(۱)

اسی لیے فقہا نے اس موقع پر کھجور وغیرہ تقسیم کرنے کی اجازت دی ہے اور لٹانے کی بھی؛ لیکن تقسیم کرنے کو بہتر قرار دیا ہے:

---

(۱) دیکھئے: إعلاء السنن: ۱۲/۱۱

"ویحل نثر سکر وهو رمیه مفرقا وغیره ... ولکن ترکه أولی".(۱)
راقم الحروف کا خیال ہے کہ مساجد کے اندر اگر نکاح ہو تو کھجور لٹانے سے بہتر تقسیم کر دینا ہے کہ اس میں احترام مسجد کی زیادہ رعایت ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۴/۴۴۴-۴۴۵)

جوتا چھپائی کی رسم شریعت کی نظر میں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر دلہا کے جوتے چھپائے جاتے ہیں خصوصاً شادی میں سالیاں یہ کام کرتی ہیں اور پھر اس پر پیسے وصول کرتی ہیں، جو کہ چار و نا چار دینے پڑتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ شریعت اس سے متعلق کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شادی کے موقع پر جوتا چھپائی کے نام سے جس رسم کا سوال میں ذکر ہے، یہ بہت ہی قبیح اور قابل ترک رسم ہے، اس میں درج ذیل مفاسد واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔

اوّلاً: نامحرم (سالی) سے ہنسی مذاق ناجائز اور حرام ہے۔

ثانیاً: جبراً پیسے وصول کرنا اور کسی کی دلی رضامندی کے بغیر اس کے پیسے استعمال کرنا بنص قطعی حرام ہے۔

ثالثاً: غیروں کی رسم ہے اور غیروں سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ہر مسلمان کو ان افعال کا ارتکاب کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ وہ کس بے حیائی اور گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اس طرح کی بے ہودہ رسوم اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہیں، لہٰذا ان سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے اور اعزہ واقارب کو ان کی قباحتیں بیان کر کے انہیں ترک کرنے کی ترغیب دی جائے۔

لمافی القرآن الکریم (النور:۳۰):﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾

وفی مشکاة المصابیح (ص:۲۵۵): وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:"ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه".

وفی سنن أبی داؤد (۲/۲۰۳): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.

وفی مجموعة الفتاویٰ (۲/۲۱۶): قال فی الوسیلة الأحمدیة شرح الطریقة المحمدیة: ولعن

---

(۱) "لا بأس بنثر السکر و الدراهم في الضیافة و عقد النکاح".(الفتاوی الهندیة:۵/۳۴۵)
وقال أبو حنیفة: لا بأس بنثر السکر والجوز اللوز فی العرس والختان وأخذ ذلک إذا أذن لک أهله فیه.(المبسوط للسرخسی، کتاب الشروط: ۳۰/۱۶۷، دارالمعرفة بیروت، انیس)

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی ... ومن الرشوة ما أخذه ولی المرأة قبل النكاح إذا كان بالسوال أو كان إعطاء الزوج بناء علی عدم رضاء ه علی تقدیر عدمه، أما إذا كان بلا سوال ولا عدم رضاء ه فیكون هدیة فیجوز. (نجم الفتاویٰ:۳۲۹/۴)

ون ڈش پر پابندی اور بارہ بجے ہال بند کرانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے حکومت نے ون ڈش پر پابندی لگائی تھی۔کیا شادی میں اس طرح کی پابندی لگانا درست ہے؟ نیز رات بارہ بجے شادی ہال بند کرانے کا حکم کرنا حکومت کی طرف سے کیسا ہے؟ کیا یہ حکم ماننا واجب ہے؟ مفتی صاحب! بہت سے لوگ پولیس والوں کو پیسے وغیرہ دے کر رات بارہ بجے کے بعد بھی تقریب جاری رکھتے ہیں، کیا یہ پیسے دینا رشوت نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

اگر حکومت کسی بھی قسم کی پابندی لگائے (بشرطیکہ وہ شریعت اسلامی کے خلاف نہ ہو) تو حکومت کے قوانین کی پاسداری ہر ایک شہری کے ذمہ واجب ہے اور اس کا پابندی لگانا درست ہے۔صورت مسئولہ میں حکومت کا ون ڈش پر پابندی لگانا اور بارہ بجے ہال بند کرانا درست ہے، اس پابندی کو ماننا واجب ہے۔ نیز اس قانون کو توڑنے کے لیے پیسے دینا بلاشبہ رشوت کے زمرے میں آئے گا اور بارہ بجے کے بعد ہال کھلا رکھنے کے لیے رشوت لینا اور دینا حرام ہوگا۔

لما فی القرا ن الحكیم (النساء:۵۹) ﴿**یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اَطِیْعُوا اللهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الاَمْرِ مِنكُمْ**﴾ (الآیة)

وفی صحیح البخاری (كتاب الا حكام با ب السمع والطا عة: ۱۰۵۷/۲): **عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما، عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، قال: السمع والطاعة حق ما لم یومر بالمعصیة، فإذا أمر بمعصیة، فلا سمع ولا طاعة.**

وفی سنن أبی داؤد (كتاب القضا ء: ۱٤۸/۲): **عن عبد اللّٰه بن عمرو قال: لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الراشی والمرتشی.**

وفی تكملة فتح الملهم (كتا ب الامارة: ۳۲۳/۳): **ومن هنا صرح الفقهاء بان طاعة الامام فیما لیس بمعصیة واجبة، قال ابن عابد ین فی باب الا ستسقاء من ردالمحتار** (۲۹۷/۱): **إذا أمر الإمام بالصیام فی غیر الا یام المنهیة وجب لما قدمناه فی العیدین من أن طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة واجبة وحكی ابنه العلامة علاء الدین عن البیری: "أن الحاكم لو أ مر أهل بلدة بصیام أیام بسبب الغلاء أو الو باء وجب امتثال أمره، را جع له قر ة عیو ن الأخیار.** (انتهیٰ)

وفی الھندیة (کتاب السیر: ۱۹۲/۲): قال محمد رحمه الله تعالی وإذا أمر الأمیر العسکر بشیء کان علی العسکر أن یطیعوہ فی ذلک إلا أن یکون المأمور به معصیة بیقین.

وفی الشامیة (۲٦٤/٤، کتاب السیر، مطلب فی وجوب طاعة الإمام): (قوله: افترض علیه إجابته) والأصل قوله تعالی ﴿وأولی الامر منکم﴾ (سورة النساء) وقال صلی الله علیه وسلم: اسمعوا وأطیعوا ولو أمر علیکم عبد حبشی أجدع وروی مجدع وعن ابن عمر أنه علیه الصلاة والسلام قال: علیکم بالسمع والطاعة لکل من یؤمر علیکم، ما لم یأمرکم بمنکر، ففی المنکر لا سمع ولا طاعة.

وفی رد المحتار (کتاب أدب القاضی: ۳٦۲/٥): وفی الفتح: ثم الرشوة أربعة أقسام: منها ما ھو حرام علی الآخذ والمعطی وھو الرشوة علی تقلید القضاء والإمارة، والثانی ارتشاء القاضی لیحکم وھو کذلک ولو القضاء بحق لانه واجب علیه، والثالث أخذ المال لیسوی أمرہ عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وھو حرام علی الآخذ فقط... والرابع ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیه علی نفسه أو ماله حلال للدافع حرام علی الآخذ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب، آ ھ، ما فی الفتح ملخصاً. (نجم الفتاویٰ: ۳۳۸/۴)

لڑکے والوں سے ہی پیسے لے کران کی دعوت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی کے بعد رخصتی سے پہلے لڑکی والے اپنے یہاں لڑکے والوں کی دعوت کرتے ہیں؛ لیکن دعوت کا مکمل خرچہ لڑکے والوں سے لیتے ہیں اور لڑکے والے جب تک اس دعوت کا خرچہ نہیں دیتے، تب تک رخصتی نہیں کی جاتی، آیا لڑکی والوں کے لیے لڑکے والوں سے اس طرح پیسے لے کر اپنے یہاں دعوت کرنا صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ رواج کہ شادی کے موقع پر رخصتی سے قبل لڑکے والوں سے رقم لے کر ان کی دعوت کی جاتی ہے، یہ رسم قابلِ ترک ہے، اس کے مفاسد واضح ہیں۔ اولاً: تو لڑکے والے یہ رقم بلا رضامندی کے دیں گے اور کسی کی رضامندی کے بغیر اس کا مال کھانا حرام ہے۔ ثانیا یہ کہ کھانا لڑکی والے اپنی صوابدید پر بنائیں گے اور عین ممکن ہے کہ لڑکے والے انتہائی مہنگا کھانا بنوالیں، جو ظاہر ہے لڑکے والوں پر ایک دگنا بار ہوگا، لہٰذا اس قسم کی قبیح رسومات سے اجتناب کیا جائے، اگر چہ لڑکے والے مالدار اور مکمل دلی رضامندی سے تیار ہوں؛ تا کہ اس طرح کی رسومات کو معاشرے میں تقویت نہ ملے اور پھر غریبوں کو اپنی اولاد کی شادی کے وقت مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، البتہ اگر دعوت کرنا ضروری ہی ہو تو لڑکی والے اپنے مال سے دعوت کریں اور دعوت کا خرچہ لڑکے والوں سے وصول نہ کریں۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة: ۱۸۸): ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

وفی التفسیر المنیر (۱۶٤/۲): والأکل بالباطل یشمل کل ما أخذ بغیر وجه الحق.
وفی الدرالمختار (۱۵٦/۳):(أخذ أهل المرأة شیئا عند التسلیم فللزوج أن یسترده) لأنه رشوة.
(نجم الفتاویٰ:۳۳۷/۴)

لڑکی کے نکاح کے لیے پیسے مانگنے والے والدین کے لیے شرعی حکم:

سوال: شریعت کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے کہ والدین لڑکی کے نکاح کے لیے لڑکے سے پیسے وصول کریں؟ جیسا کہ پاکستان کے بعض حصوں میں رواج ہے۔

الجواب

اگر لڑکی کے والدین غریب ہوں اور نکاح میں اعانت کے طور پر لڑکے والے ان کی کچھ مدد کریں تو کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ نکاح میں صرف مہر لینا جائز اور دُرست ہے، اس کے علاوہ کسی قسم کی رقم لینا دُرست نہیں،(۱) اور مہر یا زیورات وغیرہ کا چڑھاوا بھی عورت کی ملکیت میں ہوتا ہے،(۲) والدین کو اس کی وصولی کا حق نہیں، جب تک کہ لڑکی والدین کو ہبہ نہ کردے۔(۳) باقی والدین کے لیے لڑکی کے عوض، یا رشوت کے طور پر کچھ رقم لینا شریعت سے ثابت نہیں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۹۷/۶-۳۹۸)

لڑکی والوں سے دُولہا کے جوڑے کے نام پر پیسے لینا:

سوال: فلاں علاقے سے جن لوگوں کا تعلق رہا ہے، ان کے ہاں شادی پر ایک رسم (شرط) یہ ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے دُولہا کے جوڑے کے نام پر دو چار یا دس بیس ہزار روپے نقد لیتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ میں نے سنا ہے کہ حرام ہے۔

الجواب

شریعت نے نکاح کی مد میں عورت کا خرچہ شوہر کے ذمہ لازم کیا ہے۔(۴) لڑکی، یا لڑکی والوں پر شوہر کے لیے کوئی چیز بھی لازم نہیں، اگر کوئی اپنی خواہش سے ہدیہ، یا تحفہ ایک دُوسرے کو دیتا ہے تو اس سے منع نہیں کیا۔آپ نے جس رقم

---

(۱) أخذ أهل المرأة شیئا عند التسلیم، فللزوج أن یسترده لأنه رشوة:أی بأن ألجا أن یسلمها أخوها أونحوه حتی یأخذ شیئا.(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب النکاح،قبیل مطلب فی دعوی الأب أن الجهازعاریة:۱۵٦/۳)

(۲) لأن المهرحقها.(الهدایة: ۳۲۵/۲)/أیضاً: المختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهازملکا لا عاریة.(رد المحتار:۱۵۷/۳،باب المهر،مطلب فی دعوی الأب أن الجهاز عاریة)

(۳) عن أبی صالح قال:کان الرجل إذا زوج ابنته أخذ صداقها فنهاهم اللّٰه عن ذلک ونزل﴿وآتو النساء صدقٰتهن نحلة﴾،رواه ابن أبی حاتم وابن جریر.(تفسیر ابن کثیر،سورة النساء:۱۹۱/۲،طبع رشیدیه کوئٹه)

(۴) نفقة الغیر تجب علی الغیر بأسباب ثلاثة:زوجیة ... فتجب للزوجة بکاح صحیح ... علی زوجها لأنها جزاء الإحتباس.(الدرالمختار مع ردالمحتار:۵۷۲/۳،باب النفقة)

کا ذکر کیا ہے، وہ ہدیہ یا تحفہ تو ہے نہیں؛ بلکہ بقول آپ کے شادی کی شرط ہے؛ اس لیے اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، (۱) ایسی غیر شرعی رسمیں مختلف معاشروں میں مختلف ہیں، مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان تمام غیر شرعی رُسوم کو ختم کردیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۶/۳۹۸)

دلہن کی منھ دکھائی لینے کا حکم:

سوال: ملک بنگال میں دستور ہے کہ جب دولہن کو اپنے گھر میں لاتے ہیں، دو چار عورتیں مثل نانی، دادی وغیرہ، ایک برتن میں شیرینی ہر دو کو قبل خلوت صحیحہ کھلاتی ہیں اور دولہا سے بعوض شیرینی دو چار روپیہ منہ دکھائی لیتی ہیں، یہ فعل جائز ہے، یا نہ؟ اور وہ دولہن مالک روپیہ ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

یہ سب رسوم اوران کا ضروری جاننا بدعت ہے، اس کا ترک کرنا ایسی حالت میں ضروری ہے۔ فقط

کتبہ: الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص:۱۷۴-۱۷۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۵۵)

شادی کے بعد غیر محرم عورتوں کو سلام:

سوال: نکاح کے بعد منکوح، منکوحہ کے گھر جاتا ہے اور آنگن میں کھڑے ہو کر گھر کی تمام خواتین کو سلام کرتا ہے اور پھر اسے تحفہ اور پیسہ دیا جاتا ہے، ظاہر ہے یہ عمل ایک نامحرم کو محرم کے سامنے لانے کا غیر اسلامی فعل ہے؛ لیکن اس سوال کا کیا جواب دیا جائے کہ یہ دولہا کو پہچاننے کے لیے کیا جاتا ہے، اسی طرح منکوحہ کے منکوح کے گھر آنے پر ایک رسم منہ دکھائی، یا رونمائی ہوتی ہے، جس میں عورتوں کے علاوہ تمام مرد بھی منکوحہ کو دیکھتے ہیں، اس کے پیچھے بھی وہی دلیل دی جاتی ہے کہ اس سے کہیں ضرورت پڑی تو پہچاننے میں دقّت نہ ہو، اس سلسلہ میں ایک سوال یہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک چہرے کا پردہ نہیں ہے، ان کے لیے یہ فعل کیسے غلط ہے؟ (خواجہ معین الدین، قبا کالونی، شاہین نگر)

الجواب

نوشہ کا غیر محرم عورتوں کو سلام کرنا، ان کے درمیان جانا، یا دولہن کو غیر محرم مردوں کا دیکھنا قطعاً جائز نہیں، جن لوگوں نے ''چہرہ'' کو پردہ سے مستثنیٰ رکھا ہے، ان کا مقصود بھی محض اتنا ہے کہ اتفاقاً چہرہ پر نظر پڑ جائے تو قباحت نہیں، عورتوں کا بناؤ سنگار اور آرائش کے ساتھ خصوصیت سے مرد کے سامنے آنا اس کے ناجائز ہونے پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ (۲)

(کتاب الفتاویٰ:۴/۳۱۴-۳۱۵)

---

(۱) ولو أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة. (الفتاویٰ الهندية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۷۱، أيضاً: ردالمحتار، باب المهر: ۳/۵۱۶)

(۲) مغني المحتاج: ۳/۱۲۹

شادیوں کی چند رسومات کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ ان مسائل کے:

سوال اول: ایک قوم نے باہم ایسا اتفاق کر رکھا ہے کہ ہماری برادری میں جب کسی کے یہاں کوئی تقریب شادی وغیرہ کی ہوا کرے تو خواہ وہ یتیم ہو، یا غریب ہو، یا مالدار ہو، کیسا ہی ہو، اس کو برادری کی چند بھاجی مقررہ پنچایت جس جس قدر جس جس چیز کی مقدار مقرر ہے، ادا کرنی ہوگی۔ اگر ان اشیاء مقررہ میں سے کسی چیز کی کمی ہو تو اس کو منظور نہیں کرتے اور نہیں لیتے، اگر اس میں مقدور نہیں ہو تو بھی بغیر ادا کیے ان رسومات کے یعنی بھاجی مقررہ کے کوئی تقریب شادی وغیرہ کی کر لیوے تو برادری سے اس کا حصہ بھاجی وغیرہ کا سب بند کر دیتے ہیں، تاوقتیکہ وہ بھاجی مقررہ کو، جو بمنزلہ فرض متصور ہے، اپنے ذمہ سے ادا نہ کر لیوے۔

اور یہ بھی دستور کر رکھا ہے، جب کوئی شخص شادی کرنے دلہن کے گھر آتا ہے تو اس سے چالیس روپیہ تو نقد برادری لیتی ہے اور چار روپیہ نقد تمام مستورات برادری کی لیتی ہیں اور اس روپیہ کا کھانا پکا کر سب برادری کے آدمی کھاتے ہیں اور اس چار روپیہ کو عورتیں باہم تقسیم کر لیتی ہیں اور جب تک یہ روپیہ دولہا کی جانب سے ادا نہ کیا جاوے، تب تک دولہن کو وداع؛ یعنی رخصت نہیں کرتے۔

ان وجوہات مرقومہ بالا کو ایک شخص برادری کا منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان رسومات کو بند کر دینا چاہیے؛ بلکہ یوں چاہیے کہ جس بھائی کو جو میسر آوے، وہ برادری کو کھلاوے، یتیم وغریب سے کچھ نہ لیا جاوے؛ بلکہ وہ قابل معافی از روئے حکم شرع شریف کے ہے، اس پر برادری کے لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ ان امورات مرقومہ بالا میں شرعاً کوئی قباحت (نہیں) ہے، یہ برادری کا دستور ہے، دینا اور لینا اس میں سب برابر ہیں، جواب مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب

(۱) یہ دستور بالضرور قابل موقوف کرنے کے ہے، جو کوئی بلا قید برادری کو دیتا ہے، وہ بوجہ فرحت وسرور کے ضیافت کرتا ہے، یہ قرض نہیں اور جو قرض جان کر دیتا ہے تو حلال نہیں؛ کیوں کہ قرض میں مماثل؛ یعنی برابری شرط ہے اور یہاں کبھی زیادہ لیا اور کبھی کم دیا، بالعکس اس کے ہو گیا اور پھر یتیم کا مال اس طرح کھانا حرام ہے، (۱) اور وہ نہ محل

---

(۱) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ (سورة النساء: ۱۰، انیس)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رأیت لیلة اسری بی قوما لهم مشافر كمشافر الإبل أحدهما قارصة على منخريه والاخرى على بطنه وخزنة جهنم يلقمونهم جمر جهنم وصخرها فقلت يا جبرئيل من هؤلاء قال الذين يأكلون اموال اليتامى ظلما رواه ابن جرير. (التفسیری المظهری، سورة النساء: ۲۱/۲، مکتبة الرشدیة باکستان، انیس)

قرض لینے کا اور نہ دینے کا، پس بے شک یہ رسم حرام ہے اور اس پر مؤکد ہونا بھی سخت نازیبا [ہے]، اس کو ترک کرنا واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم

رشید احمد

الجواب

انسداد رسوم مذکور کا جب تک نہ ہوگا، رخنہ دین شرعی میں سخت رہے گا، جلد ان رسوم کو بند کرنا چاہئے، ورنہ سب برادری قیامت میں ماخوذ ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالی: ﴿ماآتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا﴾ الخ. (۱)

واقعی ایسی رسم نامشروعہ کو مٹانا اور موقوف کرنا، بڑے ثواب کا کام ہے۔ فقط

فقیر محمد حسین دہلوی۔ حبیب احمد سہارنپوری۔ سید محمد نذیر حسین دہلوی، ۱۲۸۱ھ

رحیم بخش خاں پانی پتی۔ محمد رحمت اللہ۔ حفیظ اللہ

أصاب من أجاب:

محمد مراد عفی عنہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ مظفر نگر

یہ رسم بوجوہات مذکورۂ سابقہ قابل موقوف کرنے کے ہے، اور اگر دکھلاوے اور نام آوری کے سبب سے ہے تو بھی حرام ہے۔ واللہ اعلم

حررہ محمد راغب اللہ عفی عنہ پانی پتی، ۱۲۹۴ھ

بے شک یہ رسوم کہ جو فی زمانہ مروج ہیں اور ان کو جہال نے لازم پکڑا ہے، عام اس سے کہ شادیوں میں ہوں یا غمی میں، قابل موقوفی کے ہیں۔ خصوصاً مال یتیم کا کھانا خواہ کسی طرح ہو حرام ہے، اس کے واسطے سخت وعید ہے۔ فقط

عبد السلام پانی پتی۔ عبد الرشید رام پوری

فی الواقع ایسے امور خلاف شریعت کا چھوڑنا ضرور ہے۔ ہذا ہو الحق

محمد عبد الحق

أجاد من أفاد:

ابو جمیل عفی عنہ

وجدته صحيحةً:

العبد فیاض الدین

---

(۱) سورۃ الحشر: ۷

اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی.(۱)

اس حدیث سے صاف جاننا چاہیے کہ نکاح امورات شریعت سے اورامور شریعت میں تابعداری شریعت کی شرط ہے۔پس جوامراس میں خلاف شرع واقع ہو،خواہ بطریق زیادتی،یابطریقِ کمی وہ بدعت ہے اور جب بدعت امور شرعیہ میں آجاتی ہےتوخواہ مخواہ سنت میں فرق آجاتا ہے،پس اس بدعت کامحوکرنااورمٹانافرض ہوجاتا ہے۔

حررہ العبدالذلیل:محمداسماعیل عفی عنہ،مدرس مدرسہ فتحپوری۔العبدمحمدسعید

قال اللّٰہ تعالیٰ:﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامىٰ ظُلْماً اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِي بُطُوْنِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلُونَ سَعِيْراً﴾(۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال یتیم کاغمی شادی وغیرہ میں،کسی طرح کھانا حلال نہیں؛ بلکہ حرام ہے۔فقط

عبدالکریم واعظ سڑک،کیرانوی

الجواب صحیح،حدیث صحیح میں وارد ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوکوئی شخص کھانا،یااورکوئی کام کرے،اس نیت سے کہ میرانام ہو،یااللہ تواس کوقیامت میں ذلیل کیجئے،غرض شہرت اور نام کے لیے جوکام کوئی آدمی کرے،وہ سب حرام ہے،یہ کل رسمیں فقط واسطے دکھلاوے کے ہیں،حرام ہیں۔

راقم عبدالکریم واعظ سڑک (کیرانوی) (فیوض رشیدیہ،ص:۲-۳-۴)(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ،ص:۲۵۱-۲۵۳)

بیاہ شادی کی رسومات کوکس طرح ختم کیاجائے:

سوال: کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے شادی بیاہ کے رسم ورواج کے خلاف گاؤں کی برادری کی میٹنگ بلاکرجس میں تقریباً گیارہ دیہات مدعو تھے،اس میں یہ تجویز رکھی کہ بارات میں صرف سوآدمیوں کولے جانے کی اِجازت ہوگی اورمنگنی میں صرف ایک آدمی جایاکرے گا،اس پرعمر نے تجویز رکھی کہ

---

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"النکاح من سنتی،فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی.وتزوجوا فإنی مکاثربکم الأمم ومن کان ذاطول فلینکح ومن لم یجد فعلیه بالصیام،فإن الصوم له وجاءٌ ...ابن ماجة أبواب النکاح،باب ماجاء فی فضل النکاح ص: ۱۳٤،ج:۱.(مطبع فاروقی دهلی:) نیزابن ماجة،باب مذکور ج:۳/ص:٥٤،رقم:۱۸٤٦.تحقیق علامة شعیب الارنوط [دارالرسالة العالمیة دمشق:۱٤۳۰ھ/۲۰۰۹م]

دوسری حدیث شریف اسی مضمون کے متعلق یہ ہے:

"من أخذ بسنتی فهو منی ومن رغب عن سنتی فلیس منی". (إبن عساکرعن إبن عمر)(کنزالعمال رقم الحدیث:۹۳٤،ص:۱۸۳،ج:۱.(موسسة الرسالة،بیروت:۱۴۰۵ھ)[نور]

(۲) سورة النساء:۱۰

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:تحقیق جولوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ظلم سے،سوااس کے نہیں کہ کھاتے ہیں بیچ پیٹوں اپنے کے آگ،اورالبتہ جاویں گےوہ آگ میں۔

سو سے بڑھا کر ایک سو پچاس باراتی کردیئے جائیں، زید نے اِس تجویز کو مسترد کردیا، اِس پر تین دیہات عمر کے ساتھ ہوگئے اور اُنھوں نے زید کی تجویز ماننے سے انکار کردیا، شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد برادری میں بتاشے وغیرہ بٹتے ہیں، جس کا مقصد تاریخ کی اطلاع دینا ہوتا ہے، بکر نے اس نشانی کو لینے سے انکار کردیا، اس پر زید نے تمام برادری میں بکر کا حقہ پانی بند کردیا، نہ وہ کسی کے یہاں شریک ہوسکتا ہے، نہ کوئی اس کے یہاں، یہاں تک کہ خود اس کی اولاد بھی اس کے یہاں مرنے جینے میں شریک نہیں ہوسکے، جو بکر کو اپنے یہاں شادی بیاہ میں شریک کرے گا، اس کے یہاں برادری کا کوئی فرد شادی وغیرہ میں شرکت نہیں کرے گا، اس کا حقہ پانی بند کرنے کی واحد وجہ تاریخ نشانی نہ لینا ہے۔

برادری کی اس میٹنگ سے قبل زید کے یہاں منگنی میں سات آدمی گئے، زید نے ان کو بہت پریشان کیا؛ لیکن یہی زید جب خود منگنی کے لیے چلتا ہے تو اپنے بنائے ہوئے اصول کے خلاف منگنی میں ۷۰/آدمی لے جاتا ہے۔

اس فیصلہ اور میٹنگ کے بعد زید کے یہاں سے دو بارات باہر جاتی ہیں اور ایک بارات میں تین سو حضرات شامل ہوتے ہیں اور ان دونوں باراتوں میں وہ تمام لوگ شریک تھے، جنھوں نے عمر کو ڈیڑھ سو باراتیوں کی اجازت نہیں دی تھی؛ لیکن بارات لے جانے والوں سے ان چودھریوں نے کوئی باز پرس نہیں کی۔

عمر اپنے بھانجے کی شادی کے موقع پر بارات میں بکر کو بھی اپنے ساتھ لے گیا، جس کا حقہ پانی بند تھا، اس پاداش میں عمر کے بھانجے کی بارات کا بالکل بائیکاٹ کردیا گیا اور کوئی شریک نہ ہوا، جب بکر نے یہ دیکھا کہ میری وجہ سے کوئی بھی عمر کے یہاں بارات میں شریک نہیں ہورہا ہے تو اس نے پنچایت سے معافی مانگی؛ لیکن برادری نے اس کو معاف نہیں کیا، حالات دیکھ کر بکر بارات میں جانے سے رک گیا؛ لیکن پھر بھی برادری شادی میں شریک نہیں ہوئی۔

عمر کے بھانجے کا بہنوئی شادی میں شریک ہوا تو اس پر جرمانہ عائد کیا گیا اور کہا گیا کہ اپنی بیوی بچوں سب کو وہاں سے بلاؤ، اب اتنا ہی نہیں کہ عمر کا حقہ پانی بند ہوا؛ بلکہ اس کو راستہ چلتے پریشان بھی کیا جاتا ہے، نہ وہ کسی کے دروازہ کے آگے اپنا ٹھیلا کھڑا کرسکتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ سڑک پر ٹھیلا کھڑا کرکے تو اپنا سامان بھی نہیں لا دسکتا اور یہ دھمکی بھی دی جاتی ہے کہ اگر تو کسی کے مرنے جینے میں شریک ہوا تو ہم تجھ کو ماردیں گے۔

عمر نے اپنے یہاں مرنے والے کسی بزرگ کی موت کی اطلاع مرنے والے کے بھانجے اور داماد اور بھتیجوں وغیرہ کو دی، ان لوگوں نے شرکت کی اوروں نے اجازت چاہی تو پنچایت کرکے جنازہ میں شرکت کی اجازت تو دے دی؛ لیکن وہاں کھانے پینے پر بالکل پابندی لگادی کہ وہاں کا پانی تک نہیں پیا جائے گا، اس کے بعد پھر پنچایت کرکے یہ طے کیا کہ اب عمر کے یہاں کوئی شرکت نہیں کرے گا، اس میں خود عمر کی اولاد وغیرہ کو بھی پابند کیا گیا اور اولاد سے عہد لیا کہ وہ اپنے ماں باپ سے کوئی رشتہ داری نہیں رکھیں گے۔

جو لوگ کمزور ہوتے ہیں، ان پر جرمانہ کردیا جاتا ہے اور جو طاقتور اور صاحب ثروت ہوتے ہیں، ان کو نظر انداز

کردیا جاتا ہے، اس طرح اپنے بنائے ہوئے اصولوں کی پامالی ہوتی رہی، کمزوروں پر جرمانہ پڑتا رہا اور منہ زور اور طاقتور بری رہے، ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی، عمر کو پچیس کی اجازت نہیں اور خود کو سو کی بھی اِجازت اور کوئی جرمانہ نہیں، دوسرے کے لیے منگنی میں سات کی اجازت نہیں اور خود ساٹھ اور ستر افراد منگنی میں لیے چلے آتے ہیں، اِس رویہ سے برادری میں بڑا اختلاف اور بگاڑ ہے، یہ اُصول وقواعد اور حقہ پانی بند کرنا کہاں تک درست ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی بیاہ وغیرہ کی رسومات کے متعلق ایسے اصول وقواعد مقرر کرنا جن سے غیر شرعی رسومات کا خاتمہ ہوسکے بہت اچھی بات ہے؛ لیکن جو بھی فیصلہ شریعت کے دائرہ میں رہ کر کیا جائے، اس پر سب ہی اہل معاہدہ کو عمل کرنا چاہیے، یہ طریقہ بالکل غلط ہے کہ کمزور پر تو سارے ضابطے لاگو کئے جائیں اور بڑے لوگ اس سے مستثنیٰ رہیں، سماجی اصلاح کے قوانین سب کے لیے یکساں ہونے چاہئیں؛ تاکہ پوری طرح برائیوں کا اور غیر ضروری رسموں کا خاتمہ ہوسکے۔ بریں بنا صورتِ مسئولہ میں برتقدیر صحتِ واقعہ زید اور پنچایت کا کوئی بھی غیر منصفانہ فیصلہ نافذ اور قابلِ عمل نہیں ہے؛ بلکہ ان کا تفریق برتنا قابلِ ملامت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ: ۳۱۵/۶)

عن عبد اللّٰه بن عمر بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أو أحلّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرّم حلالاً،أو أحلّ حراماً. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام ،باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس: ۲۵۱/۱)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يتسطع فبقلبه وذٰلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم: ۴۹ ،سنن الترمذي رقم: ۲۱۷۲)

قوله: ”فبلسانه“:أي فليغيره بالقول وتلاوة ما أنزل الله من الوعيد عليه وذكر الوعظ والتخويف والنصيحة ... ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب، وشرطهما أن لا يؤدي إلى الفتنة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۸۶۱/۸-۸۶۲، رقم: ۵۱۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۸/۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

رسم ورواج دنیا وآخرت کے نقصان کا باعث ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شادی، یا نکاح کے دوران لڑکی کے گھر میں جو کھانا پکایا جاتا ہے، وہ لڑکے یعنی شوہر کے گھر والوں سے عموماً لیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ نیز اس کا کھانا

کیسا ہے؟ اس طرح بہت سے فضول خرچیوں میں پیسے ضائع کئے جاتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ تفصیلاً تحریر فرمادیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شادی کے موقع پر صرف اور صرف ولیمہ کا کھانا سنت ہے اور ولیمہ کا مستحب وقت شبِ زفاف کے بعد ہے؛ لیکن اگر کوئی پہلے دن کرلے تو بھی جائز ہے۔ ولیمہ کے لیے ضروری نہیں کہ قورمہ، بریانی اور دیگر طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام کیا جائے؛ بلکہ حسبِ استطاعت جتنا ہوسکے وہ رکھنا چاہیے، جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرکے دکھایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بکری سے ولیمہ کرنے کی استطاعت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے کھانے سے ولیمہ فرمایا؛ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بکری کے کھانے سے ولیمہ کرنے کی گنجائش نہ تھی تو اس وقت موجود اشیاء کھجور، گھی اور پنیر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ فرمایا۔

اس کے علاوہ جتنے کھانے شادی کے موقع پر بنائے اور جس طرح فضول خرچی اور بے تحاشہ اخراجات کئے جاتے ہیں، ان سب میں ضیاعِ وقت، فضول خرچی، دکھاوا اور ریاکاری جیسے بڑے بڑے گناہوں میں ابتلا ہوتا ہے، ان کے علاوہ بھی ان رسومات میں بہت سے مفاسد ہیں، ان غیر شرعی رسومات جن میں صورت مسئولہ میں (مذکورہ صورت بھی شامل ہے) سے بچنا بہر حال لازمی اور دینی تقاضا ہے۔

انہی رسومات کا نتیجہ ہے کہ آج کے دور میں شادی کرنا ایک انتہائی مشکل کام بن گیا ہے، جسے شریعت نے بہت ہی آسان بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج گھر گھر میں لڑکیاں شادی کی عمر کو پہنچنے کے باوجود کنواری ہیں، والدین ان کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ رسومات کو ادا کرنے کے لیے خرچہ کہاں سے لائیں گے اور اگر رسومات کو ادا نہیں کیا تو برادری والے برا بھلا کہیں گے، گھر گھر باتیں ہوں گی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی، یا تو گناہ کی مرتکب ہوتی ہے، یا پھر کسی کے ساتھ بھاگ کر کورٹ میرج کرلیتی ہے اور یوں گھر والوں کو برادری میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

ہاں! اگر ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہوں، علماء کرام کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں اور رسومات کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کی خاطر چھوڑ دیں تو ان شاء اللہ ہمیں دنیاوی زندگی میں راحت وسکون اور عزت حاصل ہوگی اور آخرت کی زندگی (جو کہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے) میں سرخرو ہوں گے۔ نیز ہمیں آپس کے ماحول میں ان قبیح رسومات کے خلاف ذہن بنانا چاہیے؛ تاکہ ناواقفی کی وجہ سے طعن وتشنیع کرنے والے مسلمان گناہ کے وبال سے بچ سکیں۔

لمافی القرآن الكريم (سورة البقرة:۱۸۸): ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

وفی صحيح البخاری (۷۷۷/۲): عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اعتق صفية وتزوجها، وجعل عتقها صداقها، وأولم عليها بحيس.

وفی إعلاء السنن (۱۱/۱۹): قال: ولاخلاف بین أهل العلم فی أن الولیمة سنة فی العرس مشروعة لما روی أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أمربهاوفعلها... وقال ابن عبدالبر: لاخلاف فی وجوب الاجابة إلی الولیمة لمن دعی إلیها إذا لم یکن فیها لهو، وبه یقول الشافعی وأبو حنیفة وأصحابنا والعنبری.

وفی الشامیة (۳/۱۵٦): (أخذ أهل المرأة شیئا عند التسلیم فللزوج أن یسترده) لأنه رشوة.

وفی الرد تحته: (قوله: عند التسلیم): أی بأن أبی أن یسلمها أخوها أو نحوه حتی یأخذ شیئا وکذا لو أبی أن یزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالکا لأنه رشوة، بزازیة. (نجم الفتاویٰ: ۴/۳۴۲-۳۴۳)

نکاح کے بعد مصافحہ:

سوال(۱) ہمارے اطراف میں رواج ہے کہ جب نکاح پڑھا کر ختم کرتے ہیں تو بعد میں فوراً دولہا حاضرینِ مجلس سے مصافحہ کرتا ہے۔ یہ جائز ہے، یانہیں؟ اور اگر کوئی شخص اس کو بدعت سمجھ کر نہ کرے تو اس کو بے ادب اور بُرا بھلا کہنا اور یہ کہنا کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔ یہ جائز ہے، یانہیں؟

نکاح کے وقت جھک کر چلنا:

(۲) لوگوں کے سامنے تعظیماً اوندھا ہو کر چلنا اور تکلفاً آہستہ آہستہ چلنا، خصوصاً دولہا کے لیے رسم سمجھ کر کرنا جائز ہے، یانہیں؟ اگر کوئی شخص اوندھا ہو کر نہ چلے اور اپنی روش پر چلے تو اس کو بے ادب اور بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ یہ جائز ہے، یانہیں؟

نکاح کے وقت سلام کرنا:

(۳) نکاح کے بعد فوراً کھڑا ہو کر سلام کرنا دولہا کے لیے جائز ہے، یانہیں اور اگر کوئی شخص رسم سمجھ کر نہ کرے تو اس کو برا بھلا کہنا جائز ہے، یانہیں؟

نکاح کے بعد دلہن کا منہ دکھلانا:

(۴) آج کل رواج ہے کہ نکاح کے بعد سب کو دلہن کا منہ دکھلاتے ہیں۔ یہ جائز ہے، یانہیں؟

دربانی روپیہ:

(۵) آج کل رواج ہے کہ دولہا سے دربانی روپیہ لیا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دولہا جس راستہ سے جائے گا، وہاں پر ایک شخص کھڑا ہو جاتا ہے، اگر روپیہ نہ دے تو جانے نہیں دیتا اور برا بھلا کہتا ہے۔ یہ جائز ہے، یانہیں؟

نکاح سے پہلے زیور کپڑے دکھانا:

(۶) نکاح سے پہلے وطن کے زیورات اور کپڑے حاضرین مجلس کو دکھلانا جائز ہے، یا نہیں؟

نکاح سے پہلے دلہن کا زیور وغیرہ استعمال کرنا:

(۷) ایجاب وقبول سے پہلے اس زیوارت کو دلہن کو پہنانا جائز ہے، یا نہیں؟

اہل مجلس سے قبول کرانا:

(۸) آج کل رواج ہے کہ نکاح کے بعد دولہن کے ہاتھ میں ایک کپڑا دیتا ہے اور اس کی دوسری طرف حاضرینِ مجلس (من طرف الزوج) پکڑ لیتا ہے اور دولہن کا وکیل یہ الفاظ کہتا ہے کہ اتنے دن تک میں نے اس کو کھلا پلایا، اس وقت اس کو آپ لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، پھر حاضرینِ مجلس اس کو قبول کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

بینوا بالدلائل الواضحة توجروا عند اللّٰہ بفرائد الجنة.

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس مصافحہ کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں، لہذا بے اصل اور بدعت ہے اور مصافحہ نہ کرنے والے کو بُرا کہنا کسی طرح درست نہیں، اس سے اجتناب چاہیے؛ کیونکہ یہ بدعت سیئہ ہے، بدعت حسنہ کی اصل شرع میں موجود ہوتی ہے۔ اس کی اصل شرع میں موجود نہیں، لہذا یہ بدعتِ حسنہ نہیں۔ (۱)

(۲) اس طرح چلنے اور کسی کے سامنے ادباً جھکنے کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔

"عن أنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رجل: یا رسو ل اللّٰہ! الرجل منا یلقی أخاہ أو صدیقه أینحنی له؟ قال: لا. (الحدیث) (مشکاة، ص: ٤٢) (۲)

---

(۱) "عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه، فهو رد". (مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام، باب لکتاب والسنة، ص: ٢٧، قدیمی)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحدیث: "قال القاضی: المعنی من أحدث فی الأسلام رأیاً لم یکن له من الکتاب والسنة ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود علیه، قیل: فی وصف الأمر "بهذا" إشارة إلی أن أمر الإسلام کمل وانتهیٰ، وشاع وظهر و المحسوس بحیث لا یخفی علی کل ذی بصر و بصیرة فمن حاول الزیادة فقد حاول أمراً غیر مرضی ... فإن الدین اتباع آثار الآیات والأخبار الکتاب أو السنة أو أو الأثر أو أالإجماع، فهو ضلالة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ١/٣٦٦، ٣٦٨، رقم الحدیث: ١٤٠، رشیدیه)

(۲) مشکاة المصابیح، کتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة، ص: ٤٠١، قدیمی)

قال الملا علی القاری: "أینحنی له" من الانحناء، وهو إمالة الرأس والظهر تواضعاً وخدمة قال: "لا": أی: فإنه فی معنی الرکوع، وهو کالسجود من عبادة اللّٰہ سبحانه" (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ٤٦٨٠): ٨/ ٤٦١، رشدیه)

لہٰذا ایسا نہ کرنے والے کو بُرا کہنا درست نہیں؛ بلکہ گناہ ہے۔

(۳)　اس سلام کا بھی شریعت میں ثبوت نہیں، لہٰذا رسم ہے، اس کے تارک پر ملامت ناجائز ہے۔

(۴)　یہ بھی ایک رسم بے اصل ہے، نامحرموں کو منہ دکھلانا ہرگز جائز نہیں۔(۱)

(۵)　یہ بھی رسم ہے ناجائز ہے، یہ روپیہ مانگنا اگر دولہا شرم، یا جبر سے دے دے تو اس کی واپسی ضروری ہے اور روپیہ نہ دینے پر برابر کہنا سخت گنا ہے۔(۲)

(۶)　یہ نمائش اور شہرت کی غرض سے دکھایا جاتا ہے، شرعاً ممنوع ہے۔(۳)

(۷)　اگر شوہر کا دیا ہوا زیور ہے اور اس نے تملیکاً دیا ہے تو ظاہر ہے اس نے اسی لیے دیا ہے کہ شادی کے وقت استعمال کیا جائے، لہٰذا شادی کے وقت ایجاب وقبول سے کچھ پہلے کچھ بعد اس کا استعمال درست ہے اور اس سے پہلے بلا اجازتِ شوہر منع ہے، یہی صورت عاریۃً کی بھی ہے؛ لیکن اگر دولہا کے باپ نے دیا ہے اور تملیکاً دیا ہے تو دولہن کو جب وہ چاہے استعمال درست ہے اور اگر عاریۃً دیا ہے تو اس میں باپ کی اجازت درکار ہوگی۔

(۸)　نکاح ایجاب وقبول سے ہو جاتا ہے، سوال میں جو صورت درج ہے، وہ ایک لغو اور بے اصل رسم ہے، زوج اور زوجہ، یا ان کے طرف سے وکیل ایجاب وقبول کافی ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۶/۲ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۲۰۴-۲۰۷)

---

(۱)　"وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجل ... لخوف الفتنة كمسه وإن أمن الشهوة". (الدر المختار)

"والمعنى: تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة، لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة" (رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۰۶، سعيد)

(۲)　"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا !لا تظلموا، ألا ! لا يحل مال امرای إلا بطيب نفس منه". (رواه البيهقي في شعب الإيمان والدار قطني في المجتبى) (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغضب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/ ۶۸، رشيديه)

(۳)　"عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من سمع الناس بعمله سمع الله به أسامع خلقه، وحقره وصغره". (رواه البيهقي في شعب الإيمان) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، الفصل الثاني، ص: ۴۵۴، قديمي)

(۴)　"وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "سواء كان المتقدم كلام الزوج أو كلام الزوجة". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

"والوكالة كما تثبت بالصريح تثبت بالسكوت، ولذا قال في الظهيرية: لو قال ابن العم الكبير: إني أريد أن أزوجك من نفسي، فسكتت، فزوجها من نفسه، جاز". (البحرالرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة، فصل: ۳/ ۲۴۱، رشيديه)

سلامی و رونمائی:

سوال: دولہا کو سلامی اور دولہن کو رونمائی دینا، انوار ساطعہ، ص:۲۳۲، مطبوعہ جمال پریس دہلی میں بحوالہ مولانا اسحاق صاحب قدس سرہ جائز لکھا ہے اور صاحب براہین قاطعہ نے ''تھادوا وتحابوا'' اس روایت کو پیش کر کے اصل موجود ہونے پر تسلیم کرلیا، کیا مسئلہ ایسا ہے؟ حالانکہ سلام عبادت ہے اور رونمائی فتحِ باب فحش کر مرادف ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

رونمائی کا مقصد اگر یہ ہو کہ نامحرموں کو دولہن اپنا چہرہ دکھائے تو یہ فتحِ بابِ فحش کا مرادف ہوگا؛(۱) لیکن اگر دولہن کی ساس وغیرہ اپنی لائی ہوئی دولہن کو خوش ہو کر ہدیہ دیں کہ وہ تازہ میکہ چھوڑ کر آئی ہے، اس کی دلجوئی ہوجائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ اسی طرح اگر دولہا ہدیہ دیں اور اس کا نام سلامی رکھ دیں تو کیا حرج ہے، یہ تو صرف ہدیہ دینے کا ایک عنوان ہوا؛ تاہم اگر اس عنوان میں کوئی فتنہ ومفسدہ ہو تو اس کو ترک کردیا جائے، جیسا کہ بعض جگہ کے حالات سے معلوم ہوا ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۲۱۵)

شادی بیاہ میں سہرہ پڑھنا:

سوال: ہمارے دیار میں شادی کے موقع پر سہرہ پڑھنے کا رواج ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں، بسا اوقات بارات کی روانگی کے وقت بلند آواز سے راستوں میں ایسے اشعار پڑھتے ہیں، جن کے باعث شہوت پیدا ہوتی ہے اور ایسے موقعوں پر عورتوں کا بھی ازدہام ہوجاتا ہے اور بعض مرتبہ مجلس نکاح میں پڑھتے ہیں، چاہے وہ مسجد ہو یا اور دوسری جگہ اور اکثر و بیشتر بے ساختہ لوگ شاباشی وداد دیتے ہیں، جس سے مسجد میں شوروغوغا بھی ہوجاتا ہے اور احترام مسجد باقی نہیں رہتا۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نفس سہرہ پڑھنے ہی کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وائمہ عظام سے نہیں ہے؛ بلکہ کچھ زمانہ سے اس کا رواج ہورہا ہے، پس جب کہ یہ بعد کی ایجاد ہے اور اس کے مضامین شہوت انگیز ہوتے ہیں اور عورتوں کا ہجوم بھی ہوتا ہے اور جب مسجد میں پڑھتے ہیں تو شوروشغب ہوتا ہے تو سہرہ مذکورہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

---

(۱) ''وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجل لا لأنه عورة، بل لخوف فتنة'' (الدر المختار) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ''والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها، فتقع الفتنة لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة''.(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، قبيل مطلب فى النظر إلى وجه الأمرد: ۱/۴۰۶، سعيد)

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ، فَحَصَبَنِي رَجُلٌ، فَنَظَرْتُ، فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا – أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا –؟ قَالَا: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ: لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)(۱)

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ.(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)(۲)

ہاں مسجد سے باہر سہرہ پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ اشعار شہوت انگیز نہ ہوں اور مبالغہ سے خالی ہوں۔

(فتاویٰ احیاء العلوم:۱/۲۵۳-۲۵۴)

شادی کے موقع پر عورتوں کا گیت گانا، یا نظم پڑھنا:

سوال(۱) بعض جگہ شادی بیاہ میں یہ رواج ہے کہ ورتیں جمع ہوکر گیت گاتی ہیں اور ایسے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ جن میں اکثر غیر محرم مرد ہوتے ہیں۔

(۲) بعض جگہ ایسا ہے کہ گیت وغیرہ تو نہیں گاتے؛ لیکن غیر محرم مردوں کے مجمع میں خصوصاً جب کہ بارات آتی ہے تو بارات کے سامنے مکان کے اوپر عورتیں کھڑی ہوجاتی ہیں اور نعت اور نظمیں وغیرہ خوش الحانی سے اور خوب سریلی آواز سے پڑھتی ہیں، ہر مصرع کے بعد ''لا الٰہ إلا اللّٰہ'' وغیرہ الفاظ کہتی ہیں، اس کو جائز؛ بلکہ باعث ثواب سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔

(۳) ایسے ہی مجالس میں اکثر ایسے الفاظ پڑھتی ہیں، حسن رضی اللہ عنہ کے لیے میں نے مہندی منگائی مہندی لگاؤ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے میں نے گانا بنایا، گانا گانا پہن لو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس قسم کے اشعار وغیرہ پڑھتی ہیں اور تمام مجمع کو سناتی ہیں اور گرماتی ہیں۔

دریافت ہے کہ ایسے امور جائز ہیں، یا کہ نہیں؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مہندی گانا اور گانا وغیرہ کا اس طرح انتساب اور شادی وغیرہ کے مجمع میں پڑھنا آیا یہ توہین نبوت ہے کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) ہر گانا بجانا جو محض کھیل وتماشہ کے لیے کیا جاتا ہے، شرعاً جائز نہیں ہے، **إن الملاهي كلها حرام،**(۳)

---

(۱) مشکاة المصابیح، باب المسجد ومواضع الصلاة: ۱/۷۱ (رقم الحدیث: ۷۴۴)/(صحیح البخاری، باب رفع الصوت فی المسجد، رقم الحدیث: ۴۷۰، انیس)

(۲) مشکاة المصابیح، بباب النظر: ۲/۲۶۹ (رقم الحدیث: ۳۱۰۹)(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۷۳، انیس

(۳) الدر المختار، الحظر والإباحة: ۹/۵۰۲-۵۰۴، زکریا دیوبند، انیس

اور پھر جو طریقہ آپ نے عورتوں کے گانے کا بیان کیا ہے، یہ تو بالکل حد سے گزرا ہوا ہے، یہ گیت گانا اور ان کو شوق سے سننا اور اس سے لذت حاصل کرنا سب حرام ہے۔

قال ابن مسعود: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات، وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام، لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر بالنعمة.(۱)

(۲) مذکورہ طریقہ پر غیر محرم مردوں کے مجمع کے سامنے چاہے وہ برات ہو، یا غیر برات، بلند مقام پر مع زیب وزینت کے جواب عورتوں کا بلا پردہ کامل کے کھڑا ہونا، یا گانا اور نعتیں وغیرہ، یالا إلہ إلا اللہ مذکورہ طریقہ پر خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا، غیر محرم مردوں کو سنانا اور ان کا سننا تمام قطعاً حرام ہے؛ کیوں کہ یہ خلاف شرع طریقہ ہے اور شادی میں اختیار کرنا داعی الی الفتنہ بھی ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے اور آزاد مسلمان عورتوں کو بلا ضرورت شرعیہ کے بلند آواز کرنا بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ عورت کی آواز میں بھی فتنہ ہے۔

”صوتها (المرأة عورة بلا ضرورة شرعية) تمنع المرأة الشابة عن كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورتة بل لخوف الفتنة“.(۲)

لقوله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾(۳)

ولقوله تعالىٰ: ﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ﴾(۴)

ولقوله تعالىٰ: ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾(۵)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جوان عورتوں کو بلا پردہ کامل غیر محرم کے سامنے آنا، یا غیر محرم کے مجمع میں مذکورہ طریقہ پر گانے وغیرہ کا اختیار کرنا قطعاً حرام ہے، غیر محرم عورتوں سے تو قرآن بھی غیر محرم مردوں کو سننا جائز نہیں ہے تو سریلی آواز سے نظم میں لا إلہ إلا اللہ غیر محرموں کو سنانا کیسے جائز ہوسکتا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ثواب سمجھ کر سنتے ہیں، یا سناتے ہیں، یہ غلط کہتے ہیں، یہ محض اپنے نفس کو تباہی کے گڑھے میں ڈالنا ہے، مسلمان عورتوں کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہرہ کریں، ان کو زمین پر زور سے چلنے کی بھی ممانعت ہے۔

كما قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾(۶)

قال تعالىٰ: ﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾(۷)

---

(۱) الدرالمختار، الحظر والإباحة: ۹/۵۰۲-۵۰۴، زكريا ديوبند

(۲) الدرالمختار، مطلب في ستر العورة: ۱/۴۰۶، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) سورة الأحزاب: ۳۳

(۴) سورة النور: ۶۰

(۵) سورة النور: ۳۱

(۶) سورة النور: ۳۱

(۷) سورة الأحزاب: ۵۹

وقال ابن عباس وأبوعبيدة رضى الله عنهم: ”أمرت النساء المؤمنات أن يغطين رؤوسهن ووجوههن بالجلابيب إلا عينا ليعلم أنها حرائر“.(۱)

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مذکورہ طریقہ اختیار کرنا اور مردوں کو یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے، عورتوں کو پردہ میں رہنا چاہیے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ“.(۲)

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سہرا گنگنا وغیرہ کی نسبت کرکے گانا گناہ ہے، مسلمانوں کی شان یہ نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ شعار کفار کا ہے، جو مسلمان یہ رسم ادا کرے گا، یا اس کو اچھا جانے گا، وہ رسم کفار کی تائید کرتا ہے اور پھر ان رسموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا سرا سر توہین نبوت ہے، مسلمانوں کو ایسی حرکتوں سے قطعا باز رہنا چاہیے، نیز اور لوگوں کو بھی باز رکھنا چاہیے۔

قال عليه الصلاة والسلام: ”مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ“.(۳)

کتبہ: محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۰/۱۶ھ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۸۰-۸۲)

دولہا دولہن کے لیے پالکی کی سواری:

سوال (۱) ہماری طرف دستور ہے کہ شادی میں لڑکا اور لڑکی اپنی سسرال پالکی میں بیٹھ کر جاتے ہیں، جس کو آدمی کاندھے پر لے کر چلتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے، یا ناجائز اور بہتر؟ لڑکا اور لڑکوں دونوں کا حکم ہے، یا جداگانہ؟

سہرا:

(۲) شادی میں سہرا پڑھنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو اولیٰ کیا ہے؟

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

(۱) یہ ایک غیر ثابت رسم ہے، اس کی پابندی عملی طور پر التزام مالا یلزم اور ایک رسم محض ہے، اس کو ترک کردینا چاہیے، (۴) اگر اس میں قربت کا تصور بھی ہے تو رسم سے بڑھ کر بدعت بھی ہے۔(۵)

---

(۲) تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب: ۶/۴۲۵، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) سنن الترمذى، رقم الحديث: ۱۱۷۳

(۴) سنن الترمذى، باب ماجاء فى تغيير المنكر باليد، رقم الحديث: ۲۱۷۲

(۵) ”الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف اصرار البدعة اللتى لااصل لها فى الشرع“. (السعاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فى القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكادمى لاهور)

(۶) ”عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد“. (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمى) ==

(۲) سہرا باندھنا ہندوستانی غیر مسلموں کی مذہبی رسم ہے، ان کے اثر سے بعض بے علم، یا بے عمل مسلم خاندانوں میں بھی آ گئی، یا باقی رہ گئی، (۱) پھر بعض نے اس پر سہرا پڑھنے کا اضافہ کیا اور بعض نے سہرا پڑھنے کو سہرا باندھنے کا بدل قرار دیا۔ اول (اضافہ) ضغث علی ابالہ ہے۔ ثانی (بدل) شرعاً بے اصل؛ بلکہ خلافِ اصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۲۱۲)

رُخصتی کتنے سال میں ہونی چاہیے:

سوال: لڑکی کی رُخصتی کردی جاتی ہے، جب کہ لڑکے کی عمر صرف ۱۶/سال، لڑکی عمر ۱۴، یا ۱۵/سال ہوتی ہے، اس عمر میں رُخصتی کے انتہائی تباہ کن نتائج دیکھنے میں آئے ہیں، جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ آپ مہربانی فرما کر یہ بتایئے کہ اتنی کم عمر میں رُخصتی جائز ہے؟

الجواب

شرعاً جائز ہے، (۲) اور کوئی خاص رُکاوٹ نہ ہو تو لڑکے لڑکی کے جوان ہو جانے کے بعد اسی میں مصلحت بھی ہے،

== قال الملاعلی القاری تحت هذا الحديث: "قال القاضی: المعنی من أحدث فی الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه، قيل: فی وصف الأمر "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل وانتهیٰ، وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث لا يخفی علی كل ذی بصر وبصيرة، فمن حاول الزيادة، فقد حاول أمراً غير مرضی ... فإن الدين اتباع آثار الآيات والأخبار واستنباط الأحكام منها ... (وقال بعد صفحة): قال الشافعی رحمه الله تعالیٰ: ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع، فهو ضلالة". (مرقاة المفاتيح: ۱/۳٦٦، ۳٦۸، رشيديه)

(۱) "سہرا ہندوانہ رسم ہے، انہیں سے لی گئی ہے، وہ تاروں کا بناتے ہیں، مسلمانوں نے پھولوں کا بنانا شروع کر دیا ہے، مگر رسم انہیں کی ہے، اور قابلِ ترک ہے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحۃ، تیسرا باب: رسوم مروجہ: ۹/۸۸، دار الإشاعت کراچی) نیز اس رسم میں ہندوؤں سے مشابہت ہے اور غیر مسلموں کی مشابہت سے شریعت مطہر نے منع کیا ہے: " عن أبی عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبی داؤد، كتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، مكتبه دار الحديث ملتان)

قال العلامة المناوی تحته: أی تزياً فی ظاهره بزيتهم، وفی تعرفه بعرفهم، وفی تخلقه بخلقهم، وساز بسيرتهم وهديهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم ... وبأبلغ من ذلك صرح القرطبی فقال: لو خص أهل الفسوق والمجون بلباس، منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظان والمظنون فيه بسبب العون عليه". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۷٤۳، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) عن أبی سعيد وابن عباس قالا: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما، فإنما إثمه علی أبيه. (مشكاة المصابيح، ص: ۲۷۱) (شعب الإيمان للبيهقی، حقوق الأولاد والأهلين، رقم الحديث: ۸۲۹۹، انيس) ==

ورنہ بگڑے ہوئے معاشرے میں غلط کاریوں کے نتائج اور بھی تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔حلال کے لیے ''تباہ کن نتائج'' (جو محض فرضی ہیں) پر نظر کرنا اور حرام کے ''تباہ کن نتائج'' (جو واقعی اور حقیقی ہیں) پر نظر نہ کرنا، فکر ونظر کی غلطی ہے۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۶/۱۰۷-۱۰۸)

نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کرنا:

سوال: ابھی مجھے ایک دوست کی لڑکی کی شادی میں شرکت کا اتفاق ہوا، لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہو گیا، نکاح کے بعد زوجین زنانی اسٹیج پر لائے گئے، لوگوں نے تحائف پیش کئے؛ لیکن معلوم ہوا کہ ابھی دولہا اور دلہن کو ملنے نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ لڑکا ڈیڑھ سال بعد امریکہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آئے گا، تب وداعی تقریب ہوگی تو کیا اسلامی نقطۂ نظر سے نکاح کے بعد ایک عرصہ تک زوجین کو ایک دوسرے سے ارتباط رکھنے سے روک دینا درست ہے؟

(ایم، اے مقیت عزیزی، پداپلی)

الجواب

اگر دولہا اور دلہن دونوں بالغ ہوں تو مناسب بات یہی ہے کہ نکاح کے ساتھ ہی لڑکی کی رخصتی بھی کردی جائے؛ کیوں کہ نکاح کے بعد تجرد کی زندگی پسندیدہ عمل نہیں اور نکاح کا ایک مقصد عفت وعصمت کی حفاظت بھی ہے اور یہ مقصد اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، البتہ کسی مصلحت کی وجہ سے اگر زوجین رضامند ہوں تو رخصتی میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح پہلے ہوا اور چند سال کے بعد رخصتی ہوئی۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۱۵-۳۱۶)

رخصتی میں تاخیر کا وبال کس پر ہوگا:

سوال: اگر کسی لڑکی کا نکاح کردیا جائے اور اس کو رخصتی کے انتظار میں تین سال تک گھر میں بٹھائے رکھا جائے تو شرعی قانون کے تحت کہاں تک جائز ہے؟ جب کہ شرعی طور پر اور دنیاوی قانون کے تحت کوئی مجبوری بھی نہ ہو، محض بہانہ بنایا جائے کہ ہم چوں کہ دھوم دھام سے رخصتی کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں؛ اس لیے رقم حاصل ہوگی؛ تب رخصتی کریں گے۔مزید

== عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: يَا عَلِيُّ، ثَلَاثٌ لاَ تُؤَخِّرْهَا: الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ، وَالجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، وَالأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُئًا. (سن الترمذی،باب تعجیل الصلاة: ۱/۲۰۶،رقم الحدیث: ۱۷۱)

وقد صرحوا عنه بأن الزوجة إذا كانت صغيرة لا تطيق الوطىء لا تسلم إلى الزوج حتى تطيقه،والصحيح أنه غير مقدور بالسن بل يفوض إلى القاضي بالنظر إليها من سمن أو هزال.(ردالمحتار،باب القسم: ۲/۵۴۹)/ أيضا: الفتاویٰ الهندية: ۱/۲۸۷،طبع بلوچستان)

(۱) صحيح لمسلم،رقم الحديث: ۳۴۷۹)(عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتِّ سِنِينَ، وَبَنَى بِي وَأَنَا بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ. (صحيح لمسلم،انيس)

یہ بھی بتائیے گا کہ نکاح کے بعد کتنے عرصہ میں رخصتی کروادینی چاہیے؟

الجواب

رخصتی کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا؛ لیکن نکاح کے بعد رخصتی میں بلاوجہ تاخیر نہیں ہونی چاہیے،(۱) اور شادی یا رخصتی میں دھوم دھام کرنا ناجائز ہے اور یہ بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۸/۶)

لڑکی رخصتی پر لوگوں کو کھانا کھلانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہے اور پھر رخصتی کے عنوان سے لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے تو زید کا یہ کھانا کھلانا اور لوگوں کا اس دعوت میں شرکت کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے، یا نہیں؟ اور کیا نبی کریم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے ایسی کوئی تقریب ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللہ التوفیق

شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا اہتمام ولیمہ کی طرح سنت نہیں ہے، دورِ نبوت اور دورِ صحابہ میں بھی اِس دعوت کا خاص ثبوت نہیں ملتا اور جن بعض روایات سے خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح کی دعوت کا ذکر ملتا ہے، وہ سنداً ضعیف ہے، اس سے سنت کا اثبات نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص بلا کسی جبر واکراہ کے اپنی خوشی سے اپنے اعزا اور مہمانوں کو کھانا کھلائے تو یہ ناجائز نہیں ہے؛ بلکہ دیگر دعوتوں کی طرح مباح ہے۔(مستفاد: انوار نبوت: ۶۷۵، دینی مسائل اور ان کا حل: ۲۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۵/۲/۱۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل: ۸/)

---

(۱) عن أبي سعيد وابن عباس قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما، فإنما إثمه على أبيه.(مشكاة المصابيح، ص: ۲۷۱)(شعب الإيمان للبيهقي، حقوق الأولاد والأهلين، رقم الحديث: ۸۲۹۹، انيس)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: يَا عَلِيُّ، ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا: الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ، وَالجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، وَالأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُئًا.(سن الترمذي، باب تعجيل الصلاة: ۲۰۶/۱، رقم الحديث: ۱۷۱)

وقد صرحوا عنه بأن الزوجة إذا كانت صغيرة لا تطيق الوطىء لا تسلم إلى الزوج حتى تطيقه، والصحيح أنه غير مقدور بالسن بل يفوض إلى القاضي بالنظر إليها من سمن أو هزال.(ردالمحتار، باب القسم: ۵۴۹/۲)/ أيضا: الفتاوىٰ الهندية: ۲۸۷/۱، طبع بلوچستان)

(۲) (قوله: وكره كل لهو): أي كل لعب وعبث فالثلاثة بمعنى واحد، كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار، الخ.(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۹۵/۶)

عورت پر رُخصتی کے وقت قرآن کا سایہ کرنا:

سوال: آج کل اس اسلامی معاشرے میں چند نہایت ہی غلط اور ہندوانہ رسمیں موجود ہیں، افسوس اس وقت زیادہ ہوتا ہے، جب کسی رسم کو اَجر وثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے، مثلاً: لڑکی کی رُخصتی کے وقت اس کے سر پر قرآن کا سایہ کیا جاتا ہے، حالاں کہ اس قرآن کے نیچے ہی لڑکی (دُلہن) ایسی حالت میں ہوتی ہے، جو قرآنی آیات کی کھلم کھلا خلاف ورزی اور پامالی کرتی ہے؛ یعنی بناؤ سنگھار کر کے غیر محرَموں کی نظر کی زینت بن کر کیمرے کی تصویر بن رہی ہوتی ہے، اگر لڑکی کہتی ہے کہ یوں دُرست نہیں؛ بلکہ باپردہ ہونا لازم ہے، جو کہ اسی قرآن میں تحریر ہے، جس کا سایہ کیا جاتا ہے تو اسے قدامت پسند کہا جاتا ہے اور اگر کہا جاتا ہے کہ پھر قرآن کا سایہ نہ کرو، تو اسے گمراہ کہا جاتا ہے۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر فرمائیں کہ دُلہنوں کا یوں قرآن کے سایہ میں رُخصت ہونا، غیر محرَموں کے سامنے کیسا ہے؟ قرآن کیا اسی لیے صرف نازل ہوا تھا کہ اس کا سایہ کریں، چاہے اپنے اعمال سے ان آیات کو اپنے قدموں تلے روندیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

دُلہن پر قرآنِ کریم کا سایہ کرنا محض ایک رسم ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور دُلہن کو سجا کر نامحرَموں کو دِکھانا حرام ہے، (۱) اور نامحرَموں کی محفل میں اس پر قرآنِ کریم کا سایہ کرنا قرآنِ کریم کے اَحکام کو پامال کرنا ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶/۴۰۵-۴۰۶)

رخصتی کے وقت لڑکی پر قرآن کا سایہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر جب لڑکی کو رخصت کیا جارہا ہوتا ہے تو اسے قرآن کے سائے میں لے کر جایا جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟ ازراہ کرم ذرا جلدی جواب عنایت فرمائیں؛ تاکہ میں اپنے بڑوں کو بھی آپ کی تحریر دکھا سکوں۔

الجوابـــــــــــ بعون الملك الوهاب

دلہن کو رخصت کرتے وقت اس پر قرآن شریف کا سایہ کرنا، اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ محض ایک رسم ہے، جس کو اگر دین سمجھ کر، یا باعث اجر وبرکت سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے۔

لما في سنن ابن ماجة (ص:٦، باب اجتناب البدع والجدل): عن جابر بن عبد الله، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب احمرت عيناه، وعلا صوته، واشتد غضبه، كأنه منذر جيش، يقول: صبحكم مساكم، ويقول: بعثت أنا والساعة كهاتين، ويقرن بين إصبعيه

---

(۱) ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: ٥٩)

السبابة والوسطى، ثم يقول: أما بعد، فإن خير الأمور كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة.

وفى الدرالمختار (۵٦٠/١): (ومبتدع) أى صاحب بدعة وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة. (نجم الفتاویٰ:۳۴۴/۴)

دولہا اور دولہن کے اوپر پیالہ گھما کر پینا جاہلانہ رسم ہے:

سوال: شادی کے مقع پر جب دولہن، دولہا کے گھر پہونچتی ہے تو دولہا کی ماں برتن یعنی پیالے کو ڈولی کے اوپر تین بار گھماتی ہے اور اپنے منہ کے قریب جب لاتی ہے تو دولہا اپنی ماں سے پیالے کو جھٹک دیتا ہے اور وہ پانی پینے کی کوشش میں ناکام ہوجاتی ہے۔ آپ فرمائیے کہ یہ بیٹے کی گستاخی نہیں، جو ماں خود تربیت دے رہی ہے، وہ بیٹا پھر کیا وفا کرے گا؟ قصوروار کون، ماں، یا بیٹا؟

الجواب

تین بار گھما کر پانی پینا بھی جاہلانہ رسم ہے؛ اس لیے ماں پہلے قصوروار ہے اور بیٹے کا مقصد اس رسم سے منع کرنا ہے تو قصوروار نہیں اور اس کا جھٹکنا بھی ایک رسم ہے تو جیسی ماں، ویسا بیٹا۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴۱۹)

شادی کے موقع پر ویڈیوگرافی:

سوال: شادی بیاہ کے موقع پر سہرا باندھنا، ویڈیوگرافی اور فوٹوگرافی جائز ہے؟ واضح ہو کہ دلہن کے کمرہ میں نوجوان خواتین اور لڑکیوں کے ساتھ اجنبی مرد، یا رشتہ دار فوٹو اور ویڈیو لیتے ہیں، کھانا کھاتے وقت بھی فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی کی جاتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ (محمد عبدالستار نانا، وقارآباد)

الجواب

شادی کے موقع پر سہرا باندھنے کی کوئی اصل نہیں اور ویڈیوگرافی اور فوٹوگرافی بھی ناجائز ہے، عورتوں کے ویڈیو، یا فوٹو لینا تو اور بھی سخت گناہ ہے، نکاح کے مبارک موقع پر ایسی حرکتوں کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

(کتاب الفتاویٰ:۴۴۲/۴-۴۴۳)

جس شادی میں فوٹوگرافی اور ویڈیو بنایا جائے اس میں شرکت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شریعتِ اسلامیہ میں نکاح ایک عبادت ہے، اس کو بطریقِ سنت ادا کرنے کے بجائے غیرشرعی چیزیں اور آلاتِ جدیدہ سے اس مبارک مجلس کو خراب وناجائز بنایا جاتا ہے، اس کے متعلق چند سوالات قابلِ دریافت ہیں، اس کے احکام بدلیل قرآن وحدیث وفقہ بیان کرکے اُمت کو راہِ راست دکھائیں؟

مجلسِ نکاح میں فوٹو اور ویڈیو اٹھایا جاتا ہے، اس میں شرکت کرنا حرام ہے، یا مکروہ؟ اور خصوصاً اس میں علماء کرام اور ائمہ مساجد کا شریک ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادیوں میں فوٹو گرافی اور ویڈیو کے ذریعہ فلم بندی جائز نہیں ہے، یہ ایک عظیم سنت؛ یعنی نکاح کی سخت توہین ہے، ایسی مجالس میں مسلمانوں خاص کر علماء اور ائمہ مساجد کا شریک ہونا بھی درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ ان کی شرکت سے معاصی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور منکرات پر لوگوں کو جسارت ہوتی ہے۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند اللّٰه المصورون. (صحيح البخاري: ۸۸۵/۲)

هٰذا إذا لم يكن مقتدى به أما إذا كان لم يقدر على منعهم فإنهم يخرج ولا يقعد. (الفتاویٰ الهندية: ۳۴۳/۵)

قال النووي رحمه اللّٰه تعالىٰ: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهٰذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فليس أو إناء أو حائط أو غيرها. (شرح النووي على مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ۱۹۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۵/۱۴۱۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

شادی کی فحش ویڈیو بنا کر TV پر دیکھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اس مجلس میں عورتیں بناؤ سنگار کر کے اور بغیر برقع وپردہ کے آتی ہیں اور اُن کا بھی ویڈیو اُٹھایا جاتا ہے اور بعض وقت دولہا اور دلہن کے سر، چہرے اور سینہ کے کپڑے ہٹا کر فوٹو اور ویڈیو اٹھایا جاتا ہے اور بعض وقت دولہا دولہن کے میل ملاقات کا ویڈیو لیا جاتا ہے اور یہ ویڈیو اور فوٹو گراف کرنے والے اکثر اَجنبی ہوتے ہیں اور کافر مرد ہوتے ہیں، اس طرح اس کی فلم بنا کر اس کو ٹی وی میں سب مرد عورتیں دیکھتی ہیں، اِس طرح دیکھنا زنا ہے، یا اس سے بھی زیادہ گناہ ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

سوال میں جو صورت لکھی گئی ہے، وہ سب حرام ہیں اور اعلیٰ درجہ کی بے حیائیوں میں شامل ہیں، اِس طرح کی فلموں کا ٹیلی ویژن پر وغیرہ دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے اور بالکل ناجائز ہے اور طرح طرح کے فتنوں کو اُبھارنے کا ذریعہ ہے۔

عن جابر قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع. (رواه البيهقي في شعب الإيمان) (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۱)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه اللّٰه تعالیٰ: (الغناء) بکسر الغین ممدودًا: أی التغنی (ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع) یعنی الغناء سبب النفاق ومؤدٍ إلیه، فأصله وشعبته، کما قال: ...وفی شرح السنة: قیل: الغناء رقیة الزنا... وقال النووی فی الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مکروہ، وسماعه مکروہ، وإن کان سماعه من الأجنبیة کان أشد کراهة، والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربی الخمر کالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وکذا سماعه حرام ... وأطنب فی دلائل تحریمه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب البیان والشعر، الفصل الثالث: ۵۵۷/۸-۵۵۸، رقم: ۴۸۱۰)

أما التلفزیون والفدیو، فلا شکّ فی حرمة استعمالها بالنظر إلی ما یشتملان علیه من المنکرات الکثیرة، من الخلاعة والمجون، والکشف عن النساء المتبرجات أو العاریات، وما إلی ذٰلک من أسباب الفسوق. (تکملة فتح الملهم: ۱۶۴/۴، مکتبة دار العلوم کراتشی)

فی الحدیث: والعینان تزنیان وزناهما النظر. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۴۲/۲)

ویحتمل أن تکون العلة کون ذٰلک استمتاعاً بما لا یحل بلا ضرورة ولینظر هل یحرم النظر بشهوة إلی الصورة المنقوسة محل تردد؟ ولم أره فلیراجع. (شامی، کتاب الحظر والإباحة: ۳۷۲/۶، کراتشی، ۵۳۵/۹، زکریا)

وقیل: الغناء رقیة الزنا، وقال قتادة: هو کل لهو ولعب﴿لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾یعنی یفعله عن جهل. (تفسیر البغوی المسمی معالم التنزیل، سورة لقمان: ۴۹۰/۳، تالیفات أشرفیة ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۵/۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

منکرات والی شادی میں شرکت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہماچل پردیش بھارت کا ایک دور اُفتادہ اور پہاڑی علاقہ ہے، اس میں مسلمانوں کی کل تعداد تقریباً ۲/ فیصد ہے، برصغیر ہندو پاک کی تقسیم کے وقت یہاں کے مسلمانوں کی غالب تعداد جب کہ تقسیم ملک سے قبل خاصی تعداد میں تھے یا تو پاکستان منتقل ہوگئے، یا پھر حالات کا شکار ہوگئے، جو تھوڑے بہت مسلم یہاں رہ گئے تھے، ان میں سے اکثر وبیشتر نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا، اکثر لوگوں نے اپنے نام تبدیل کرالیے اور عملاً تمام مشرکانہ اعمال، رسومات اور غیر اسلامی روایات ان میں سرایت کرگئیں، جب ملکی حالات کچھ معمول پر آئے تو اللہ کے کچھ بندوں اور بہی خواہانِ قوم نے ہماچل پردیش میں بنام خدا اِصلاح وتربیت، دعوت وتبلیغ کا کام ان مشکل ترین حالات میں شروع کیا، جوکہ بحمد اللہ جاری ہے، دینی مکاتب اور غیر آباد مساجد کی آبادی کا کام شروع کیا، اس سب کے باوجود فاسد العقیدہ اور مرتد شدہ قوم کو راہِ مستقیم پر لانا کوئی

آسان کام نہ تھا، اگر چہ دعوت وتبلیغ تعلیم وتعلم اور اصلاح معاشرت کی جدوجہد اور محنت جاری ہے۔

تاہم یہاں کے بیشتر مسلمان سماجی تقریبات بالخصوص بیاہ شادی میں افعالِ کبیرہ مثلاً شراب نوشی، فحاشی، ناچ گانا بجانا، شادی کی اول تا آخر ویڈیو فلم تیار کرنا وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہین، تمام تر جدوجہد اور محنت کے باوجود تا حال افعالِ مذمومہ سے خلاصی نہ مل سکی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کے غیر شرعی اور غیر اسلامی ماحول اور فضا میں جن بچوں کے والدین مذکورہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، ان مسلم لڑکے لڑکیوں کا نکاح پڑھنا پڑھانا اور ایسی تقریبات میں شریک ہونا جائز ہے، یانہیں؟ اور چوں کہ ان مذموم حرکات سے روک سکنا بھی دینی تنظیم، یا خادمانِ قوم کے لیے اس وقت ممکن نہیں ہے؛ اس لیے ایسے بچوں کا نکاح کیا جائے، یا پھر بغیر نکاح کے لڑکیاں رخصت کی جائیں؟

نیز مذکورہ حالات میں جو علماء ائمہ مساجد، اساتذہ دینی مکاتب اس طرح کے بیاہ شادیوں میں نکاح پڑھانے کے لئے جائیں یا مجبوراً کھانا کھائیں، ایسے مسلم رہنماؤں کی اقتدا میں نماز جائز ہے، یانہیں؟

باسمه سبحانه و تعالىٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

حکمتِ عملی کے ساتھ اِصلاحی کوششیں جاری رکھی جائیں اور تقریبات میں بھی اِصلاح کی نیت سے شرکت کی جائے، نکاح ضرور پڑھائیں اور امکانی حد تک منکرات سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں، اگر ان لوگوں سے بالکل قطع تعلق کرلیا جائے گا تو اس سے زیادہ خطرات کا اندیشہ ہے؛ اس لیے اہون البلیتین کو اختیار کیا جائے۔

عن أبي بكر الصديق رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الناس إذا رأوا منكراً فلم يغيروه، يوشك أن يعمهم الله بعقابه. (مشكاة المصابيح ،باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، ص: ٤٣٦)

إذا تعارض مفسدتان روعى أعظمها ضرراً بارتكاب أخفهما. (الأشباه والنظائر: ١/ ١٥٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۷/۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

جس مجلس میں ناچ گانا ہو، اس کے شرکا اور اس نکاح کا حکم:

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند

سوال: جس مجلس میں ناچ وغیرہ فسق کے امور ہوں، اس کے سب شریک فاسق وگنہ گار ہوتے ہیں اور نکاح اس جلسہ کا درست ہوتا ہے، اگر چہ وہ لوگ فاسق ہیں۔ پس اس نکاح سے قربت حرام نہیں ہوئی؛ بلکہ حلال ہے، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، اگر احتیاطاً دوبارہ نکاح کرلیوے، بہتر ہے، ورنہ ضرورت نہیں اور سب اولاد حلال ہوئی ہے اور اوپر لکھا گیا کہ ایسی مجلس کے شرکاء سب فاسق ہوتے ہیں۔ فقط والسلام

(مہر) از بندہ رشید احمد گنگوہی (مجموعۂ کلاں ص ۲۰۶) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۵۴)

جس شادی میں خلاف شرع کام ہوں، اس میں شریک ہونا:

سوال: جس شادی میں محفل رقص وغیرہ ہووے، یا نقارہ وغیرہ بجتے ہوں، علاوہ اس محفل کے اس کی شادی میں، جیسے: طعام، یا نیوتہ وغیرہ دینے میں شریک ہونا جائز ہے، یا نہیں؟ اور کھانا اس کی شادی کا تناول کرنا درست ہے، یا غیر درست؟ اور کچھالیوں میں میوہ وغیرہ لے جانا کیسا ہے، آیا جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب

جس شادی میں خلاف شرع (۱) (امور) ہوویں، اس میں شریک ہونا منع ہے، اگر مجلس خاص میں نہ ہو کہ فساق سے بمداہنت ملنا اور ان کا معاون ہونا خود حرام ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعۂ کلاں، ص: ۱۰۰-۱۰۱) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۵۵)

جس مجلس نکاح میں ناچ رنگ ہو، اس میں شرکت:

سوال (الف) ناچ رنگ کی محفل میں ناچ رنگ بند کرا کر، نکاح خوانی کے واسطے جانا درست ہے، یا نہیں؟ فتویٰ کیا ہے اور تقویٰ کیا ہے؟ جس شادی میں ڈھول وغیرہ ممنوعات شرعیہ ہوں، اس میں عورتوں کو شریک ہونا، اور دوسرے مکان میں رہنا کہ وہاں سے ڈھول وغیرہ کی آواز کرتی ہو، جائز ہے، یا نہیں؟

(ب) بعض دیار میں بعد نکاح زوج کے، زوجہ کا دوبارہ نکاح پڑھاتے ہیں، درست ہے، یا نہیں؟ اجرت نکاح خواہ بطلب، یا بغیر طلب درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

محفل فسق وفجور میں جانا حرام ہے، اگر اس وقت وہ معصیت موجود ہو، اور ایسی صورت میں کہ اس کے جانے سے بند ہو جاوے، بایں حیلہ جانا کہ میرے رہنے تک بد کام سے بچیں گے، مباح ہو تو عجب نہیں، ورنہ یہ بھی کراہت سے خالی نہیں، اگر مناہی کی جگہ جاوے تو واجب ہے کہ منع کرے، جو نہ مانے، آپ اُن سے جدا ہو جاوے۔

﴿فَلاتَقْعُد بَعدَ الذِّكرىٰ مَعَ القَوْمِ الظّٰلِمِين﴾ (۲)

تقویٰ کا کیا محل ہے، فتویٰ سے بھی مجلس فساق میں جانا درست نہیں؛ مگر بحیلۂ مذکورہ بالا، عورتوں کو بھی مجلس مناہی میں جانا حرام ہے، اگرچہ دوسرا مکان ہو۔

ایجاب وقبول زوجین میں ہوتا ہے، پھر مکرر عورتوں میں اس کی نقل کرنی بے ہودہ حرکت ہے اور غیر مشروع امر

---

(۱) اصل میں سہو قلم سے مشروع لکھا ہوا ہے، جو بے معنیٰ و بے محل ہے؛ اس لیے درست کر دیا۔ (نور)

(۲) سورۃ الأنعام: ۸

(تو مت بیٹھ یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔ (الانعام: ۸) (ترجمہ شیخ الہند)

ہے۔قاضی کو برضا نکاح خوانی لینی درست ہے اور اتحاد کے موقع پر برضا زیادہ مانگنا بھی درست ہے۔(۱)

(مجموعہ چند یانوی،ص:۲،۳)(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ،ص:۲۵۴)

ڈانس کے ساتھ ناچ گانے والی تقریب میں شرکت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی لڑکے یا لڑکی کی شادی میں جس میں ڈانس ناچ گانے فلمیں اور ڈی جے وغیرہ کا پروگرام ہو، خاص طور پر دعوتِ ولیمہ میں جب کہ بارات سے پہلے، یا ولیمہ کی رات میں ڈانس وغیرہ کا پروگرام ہو، خاص کر مساجد کے اماموں مدارسِ اسلامیہ کے مدرسین وطلبہ اور دیگر علماء وحفاظ کا شرکت کرنا کیسا ہے؟ اور عوام کا شرکت کرنا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جس تقریب میں گانا بجانا اور ڈانس وغیرہ ہو، اس میں شرکت کرنا کسی بھی مسلمان بالخصوص علماء اور طلبہ اور ائمہ مساجد کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے، ایسی تقریبات میں شرکت سے احتراز لازم ہے؛ تاکہ منکرات پر نکیر ہو سکے۔

قال اللّٰه تعالیٰ:﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا، اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾(لقمان:٦)

قال العلامة البغوى فى المعالم: عن عبد اللّٰه بن مسعود وابن عباس رضى اللّٰه عنهم، والحسن وعكرمة وسعيد بن جبير رحمهم اللّٰه تعالىٰ، قالوا:﴿لَهْوَ الْحَدِيْث﴾هو الغناء، والآية نزلت فيه، ومعنى قوله:﴿يَشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْث﴾:أى يستبدل ويختار الغناء والمزامير المعازف على القرآن. قال أبو الصباء الكبرىٰ: سألت ابن مسعود رضى اللّٰه عنه عن هٰذه الآية، فقال: هو الغناء، واللّٰه الذى لا إلٰه إلا هو – يرددها ثلاث مرات – وقال إبراهيم النخعي: الغناء ينبت النفاق فى القلب، وكان أصحابنا يأخذون بأفواه السكك يخرقون الدفوف. وقيل: الغناء رقية الزنا، وقال قتادة:هو كل لهو ولعب﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾يعنى يفعله عن جهل. (تفسير البغوى المسمى مصالح التنزيل (لقمان:٦):٤٩٠/٣،إدارة تاليفاتِ أشرفية ملتان)

وقال اللّٰه تعالىٰ:﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾(الإسراء:٦٤)

واستماع صوت الملاهى حرام كالضرب بالقصب وغيره، قال عليه الصلاة والسلام: ”استماع الملاهى معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر“. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل فى الأكل والشرب: ٢٤٦/٨،زكريا، وكذا فى المحيط البرهانى، كتاب الاستحسان والكراهية،الفصل الثامن عشر فى الغناء واللهو وسائر المعاصى والأمر بالمعروف:١١٢/٦،زكريا)

---

(۱) اصل میں اسی طرح ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اصل میں سوال کا کچھ حصہ نقل ہونے سے رہ گیا۔(نور)

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ صوت الغناء والمزامير. (تفسر المدارک المسمی بمدارک التنزيل وحقائق التاويل. (الاسراء: ٦٤): ٧٢١/١)

عن نافع رحمه الله تعالىٰ قال: كنت مع ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما فى طريق، فسمع مزمارًا فوضع أصبعيه فى أذنيه، وناعن الطريق إلى الجانب الآخر، ثم قال لى بعد أن بَعُد: يا نافع! هل تسمع شيئًا؟ قلت: لا، فرفع أصبعيه من أذنيه، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسمع صوت يَراع، فصنع مثل ما صنعت. قال نافع: فكنت إذ ذاك صغيرًا. (رواه أحمد وأبوداؤد)(مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ٤١١)

حدثنى أبوعامر أو أبو مالك الأشعرى – والله ما كذبنى – سمع النبى صلى الله عليه وسلم يقول: ليكوننّ من أمتى يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف ... فيبيتهم الله، ويضع العلم، ويمسح آخرين قردةً وخنازير إلى يوم القيامة. (صحيح البخارى، كتاب الفتن، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه: ٨٣٧/٢)

فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد؛ لأن فيه شين الدين، وإن علم أولاً باللعب لايحضر أصلاً، سواء كان ممن يقتدى به أولاً. (شامى: ٥٠٢/٩، زكريا، الفتاوىٰ الهندية: ٣٤٣/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۵/۵ھ - الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

باجہ بھانگڑا اور منکرات والی شادی میں توجہ دلانے کے باوجود شرکت کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جماعت اصلاح قوم مسلم ساری برائیوں میں سے ایک برائی روکنے میں مصروف ہے اور ارادہ ہے کہ ساری برائیوں کو ایک ایک کر کے روکا جائے گا، جس برائی کے روکنے کا اعلان ہو جائے گا، اس کے اندر شریک نہیں ہوگا، اگر باوجود اعلان کے شریک رہے تو ان کا یہ عمل بھی نہیں مانا جائے گا، جماعت اصلاح قوم مسلم نے علماء کرام سے مل کر اعلان کر دیا کہ ایسے دولہا کا نکاح جس کی بارات میں باجہ بھانگڑا شراب نوشی ہو، ایسے دولہا کا نکاح ہرگز نہ پڑھایا جائے، جماعت اصلاح قوم مسلم اور علماء کرام کا تو صرف اعلان کرنا ہے، بات اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، جماعت اصلاح قوم مسلم کی اتنی محنت کے باوجود لوگوں کا باراتوں میں باجہ بھانگڑا لانا اور قاضی صاحب کا نکاح پڑھانا اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو فراموش کرنا مانا جائے گا، یا حکم بجالانا مانا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو لوگ باجہ بھانگڑا لاتے ہیں اور بجواتے ہیں، کیا ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا درست ہے، یا غلط ہے؟ جو لوگ باجہ لاتے ہیں اور جو لوگ منع کرتے ہیں، ایسی صورت میں دونوں کا شریک ہونا ایک مانا جائے گا؟ یا الگ الگ مانا جائے گا؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شادی یا کسی بھی موقع پر باجہ بھانگڑا وغیرہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اور اگر پہلے سے نکاح خواں کو معلوم ہو کہ اس تقریب میں ناچ گانا ہوگا تو ایسی تقریب میں نکاح خواں کو ہرگز شرکت نہ کرنی چاہیے، علم کے باوجود ایسی جگہوں پر علماء کا شریک ہونا اور ان باتوں پر برملا نکیر نہ کرنا شریعتِ اسلامی کی توہین اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پامالی ہے، جس کا کوئی مسلمان تصور نہیں کرسکتا اور جو شخص ناچ گانے والی تقریبات میں بلا تکلف شریک ہو اور باوجود توجہ دلائے جانے کے اس سے احتراز نہ کرے تو ایسا شخص امامت کے لائق نہیں، اس پر اپنے عمل سے باز آنا اور توبہ کرنا ضروری ہے، اس کے بعد ہی اس کی امامت بلا کراہت جائز ہوگی۔

وهٰذا إذا لم يكن مقتدى، فإن كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد؛ لأن في ذٰلک شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين، والمحكي عن أبي حنيفة في الكتاب كان قبل أن يصير مقتدى. (الهداية: ٤/٤٥٥، أشرفي)

وفي المعراج: الملاهي نوعان: محرم، وهو الآلات المطربة من غير الغناء كالمزمار، سواء كان من عود أو قصب كالشبابة أو غيره: كالعود والطنبور، لما روى أبو أمامة أنه عليه السلام قال: "إن اللّٰه بعثني رحمةً للعالمين، وأمرني بمحق المعازف والمزامير". ولأنه مطرب مصدّ عن ذكر اللّٰه تعالىٰ. (البحر الرائق، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل: ٧/١٤٩، زكريا)

ويكره استماع صوت اللهو والضرب به، والواجب على الإنسان أن يجتهد ما أمكن حتى لا يسمع. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ٨/٣٨٠، زكريا، وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل باب ما يفسد الصلاة: ٣١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

جس شادی میں ڈھول بجتا ہو، اس میں شرکت کرنا:

سوال: ایک جگہ شادی ہے، اس میں ڈھول بجائے جاتے ہیں اور شادی والے کھانے کھلانے کا انتظام بھی کرتے ہیں، جس کو "خیرات" کا نام دیتے ہیں، کیا ڈھول کی وجہ سے یہ کھانا حرام ہوا؟ یا کھانا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جس دعوت میں گناہ کا کام ہو رہا ہو، اگر جانے سے پہلے اس کا علم ہو جائے تو ایسی دعوت میں شریک ہونا جائز نہیں، جو کھانا حلال ہو وہ تو ڈھول سے حرام نہیں ہوتا؛ لیکن اس کھانے کے لیے جانا اور اس کھانے کا وہاں بیٹھ کر کھانا ضرور ناجائز ہوگا۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۴۰۴)

---

(۱) مَنْ دُعِيَ إِلَى وَلِيمَةٍ فَوَجَدَ ثَمَّةَ لَعِبًا أَوْ غِنَاءً فَلَا بَأْسَ أَنْ يَقْعُدَ وَيَأْكُلَ، فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْمَنْعِ يَمْنَعُهُمْ، ==

برسرِ عام منکرات والی شادی میں شرکت کرنا اور نکاح خوانی کی اُجرت لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آج کل شادی بیاہ وغیرہ میں چند کام عام ہوگئے ہیں اور تقریباً ہر تقریب میں مندرجہ ذیل کاموں میں سے کوئی نہ کوئی ہوتا ہے، کوئی ضروری نہیں کہ سارے ہی کام مجتمع ہوں؛ بلکہ ایک بھی ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ (۱) ڈھول بجانا، (۲) بینڈ باجہ، (۳) گانا بجانا، (۴) فوٹو اور ویڈیو فلم، (۵) آتش بازی، جس میں ہزاروں روپئے تک خرچ کی نوبت بھی آجاتی ہے، ان سب کے علاوہ ایک آدمی کے یہاں مذکورہ بالا خرافات نہیں ہوتی ہے؛ لیکن اس کے گھر میں ٹی وی ہے، اس کے یہاں شرکت کا کیا حکم ہے؟ اب اگر شرکت نہ کی جائے تو جواب میں وہ یہ کہتا ہے کہ ہم بھی تمہارے یہاں نہیں آئیں گے تو اب قطع تعلق کی شکل بن جاتی ہے، جو کہ ناجائز ہے تو ایسی حالت میں شرکت جائز ہے؟ یا ناجائز ہے؟ اور مذکورہ بالا خرافات میں سے جس کے یہاں ایک بھی ہوتی ہو تو وہاں شرکت جائز ہے، یا ناجائز؟ مزید برآں محلّہ کے امام صاحب عالم صاحب ایسی شادی بیاہ میں نکاح بھی پڑھاتے ہیں، کہ ویڈیو فلم بن رہی ہے، اور امام صاحب نکاح پڑھانے میں مصروف ہیں، ماتھے پر شکن بھی نہیں آتی تو کیا ان کا نکاح پڑھانا جائز ہے، یا ناجائز؟ تو ایسے نکاح کی اجرات کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

جس تقریب میں برسر عام منکرات کئے جارہے ہوں، اُس میں شرکت سے احتراز لازم ہے، بالخصوص علماء ائمہ اور مقتدیانِ دین کو ایسی مجلسوں میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے؛ تاکہ برائی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہوسکے؛ تاہم اگر کوئی شخص اس میں شریک ہوگیا اور اُس نے ایسی تقریب میں نکاح پڑھا کر اُجرت لے لی تو چوں کہ نفسِ نکاح کا عمل جائز ہے؛ اس لیے اُس پر اُجرت کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۲۷۱، ۲۷۲، کفایت المفتی: ۱۵۳/۵)

فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يعقد؛ لان فيه شين الدين، وإن علم أولاً باللعب لايحضر أصلاً، سواء كان ممن يقتدى به أولاً، الخ. (شامی: ۵۰۲/۹، زکریا، الفتاویٰ الهندية: ۳۴۳/۵، زکریا)

وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه، كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (الفتاویٰ الهندية: ۳۴۵/۳، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

== وَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ يَصْبِرْ وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ مُقْتَدَى بِهِ أَمَّا إِذَا كَانَ، وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى مَنْعِهِمْ، فَإِنَّهُ يَخْرُجُ، وَلَا يَقْعُدُ، وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ عَلَى الْمَائِدَةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَقْعُدَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُقْتَدًى بِهِ وَهَذَا كُلُّهُ بَعْدَ الْحُضُورِ، وَأَمَّا إِذَا عَلِمَ قَبْلَ الْحُضُورِ فَلَا يَحْضُرُ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ حَقُّ الدَّعْوَةِ بِخِلَافِ مَا إِذَا هَجَمَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ قَدْ لَزِمَهُ، كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ وَإِنْ عَلِمَ الْمُقْتَدَى بِهِ بِذَلِكَ قَبْلَ الدُّخُولِ، وَهُوَ مُحْتَرَمٌ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَوْ دَخَلَ يَتْرُكُونَ ذَلِكَ فَعَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ وَإِلَّا لَمْ يَدْخُلْ، كَذَا فِي التُّمُرْتَاشِيِّ. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثامن عشر فی الهدايا والضيافات: ۳۴۳/۵)

بے پردگی والی شادی میں بیوی کو جانے پر مجبور کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادیوں اور تقریبات میں آج کل عام طور سے بے پردگی ہوتی ہے، اگر شرکت نہ کریں تو اعزاء سے قطع رحمی ہے اور اگر شرکت کریں تو بہت بے پردگی ہوتی ہے، کیا یہ بے پردگی معاف ہے؟ نیز میرے شوہر کہتے ہیں کہ تمہاری بے پردگی کا گناہ میرے اوپر ہے تم چلو، اگر شوہر کا حکم نہ مانوں تب بھی گھر میں رہنا دوبھر کر دیتے ہیں، کیا کریں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جہاں بے پردگی یقینی ہو، وہاں عورت کو جانے پر مجبور کرنا شوہر کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے اور یہ کہنا کہ تمہارا گناہ میرے سر ہوگا تو بڑی جسارت اور خطرہ کی بات ہے، اس جملہ پر توبہ اور استغفار لازم ہے اور تقریبات میں جانا جب ناگزیر ہو تو مکمل پردہ کے ساتھ جانا چاہیے اور شادی کے مقام پر بھی پردہ کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیے، مثلاً مردوں سے آڑ میں بیٹھیں، یا زیادہ بے پردگی ہو، تو وہاں بھی برقع اوڑھے رہیں، اس طرح شرکت بھی ہو جائے گی اور بے پردگی کا گناہ بھی نہ ہوگا، اور شوہر کا منشاء بھی پورا ہو جائے گا۔ (درمختار: ۵۳۲/۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة:۲)

ودل قوله تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ على وجوب التعاون بين الناس على البر والتقوىٰ، والانتهاء عما نهى اللّٰه عنه، وحرمة التعاون على المعاصي والذنوب، ويؤكده حديث: "الدال على الخير كفاعله". (التفسير المنير: ٧٤/٦، دار الفكر بيروت)

وقال الإمام ابن الكثير: يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات وهو التقوىٰ، وينهاه عن التناصر على الباطل، والتعاون على المآثم.

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ...ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من أتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذٰلك من آثامهم شيئًا. (تفسير ابن كثير: ٦/٢، لاهور)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم – في حديث طويل – لا طاعة في معصية اللّٰه إنما الطاعة في المعروف. (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية: ١٢٥/٢، صحيح البخاري: ١٠٥٨/٢، رقم: ٤٥٧١)

لا طاعة لأحد من المخلوقين كائنًا من كان، ولو أبا أو أما أو زوجًا في معصية اللّٰه. (فيض القدير: ٦٤٥٨/١٢، مكتبة الباز مكة المكرمة، مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء: ٢٤٦/٧، زكريا)

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت

استشرفها الشيطان. (سنن الترمذی،رقم: ۱۱۷۳،مسند البزار–البحر الذخار،رقم: ۲۰۶۱، صحيح ابن خزيمة /باب اختيار صلاة المرأة فی بيتها،رقم:۱۶۸۵،صحيح ابن حبان،ذكر الأخبار عما يجب على المرأة،رقم:۵۵۹۸)

وإن كان هناك لعب وغناء قبل أن يحضر فلا يحضر؛ لأنه لا يلزمه الإجابة إذا كان هناك منكر. (البحر الرائق، الكراهية،قبيل فصل فی اللبس:۱۸۸/۸،كوئٹه، شامی:۵۰۱/۹، زكريا)

عن الأحوص قال: قال عبد اللّٰه: احبسوا النساء فی البيوت؛ فإن النساء عورة،الخ. (المصنف لابن أبی شيبة:۵٤/٤،رقم:۱۷۷۰٤، دار الكتب العلمية بيروت)

فأمر اللّٰه سبحانه وتعالیٰ المؤمنين والمؤمنات بغضّ الأبصار عما لا يحل فلا يحل للرجل أن ينظر إلى المرأة ولا المرأة إلى الرجل. (تفسير القرطبی:۱۵۱/۱۲)

النظر إلى وجه المرأة الأجنبية الحرة ليس بحرام ولكنه يكره بغير حاجة. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۹۵/۱۸، رقم:۲۸۱٤۵، وكذا فی الدر المختار مع الشامی،الحظر والإباحة:۵۳۲/۹،زكريا)

واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصی واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولايجوز تاخيرها سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة. (روح المعانی:۱۰۹/۲۸،بيروت، شرح النووی على مسلم: ۳۵٤/۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۲/۴/۱۴۲۱ھ۔الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۸/)

شادی میں کن چیزوں کے لیے قرض لیا جاسکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس شادی کے لیے رقم نہ ہوتو اسے قرض لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔شادی میں مہر،نفقہ، ولیمہ،شادی ہال اورشادی کے کپڑے آج کل ان کے بغیر شادی کرنا ناممکن ہے،اب ان سب چیزوں میں سے کس کس کے لیے قرضہ لے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

شریعت نے تمام خوشیوں کو منانے کی اجازت دی ہے، چاہے وہ کسی بھی قسم کی خوشی ہو؛ لیکن ہر معاملے کو شریعت اپنی حدود میں رکھنے کی تلقین کرتی ہے، حدود اللہ سے تجاوز ایک مسنون عمل کو بھی بے برکت اور تباہی کا سبب بنا دیتا ہے۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسا نازک اور اہم معاملہ ہے، جو ہر شخص سے متعلق ہے ہر انسان کا فطری تقاضہ ہے، سرورِ دوجہاں آقا نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے، اس میں حدود سے تجاوز اور خطرناک ہے۔ شادی جتنی سادگی سے ہو، اتنی بابرکت ہے۔ ایک حدیث صحیح میں آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے، جس میں خرچہ کم ہو؛ لیکن آج کل رسم ورواج کے پیچھے چلتے ہوئے ہم نے شادی کے اتنے خرچے بنا دیئے ہیں کہ متوسط آمدنی والا انسان بھی اس معاملے کو انجام دینے سے گھبراتا ہے۔

شادی کے معاملے میں بالخصوص غیر شرعی رسوم مایوں، مہندی، فنکشنز وغیرہ منعقد کرنے سے تو بالکلیہ اجتناب ضروری ہے، ان کا تو شرعاً انجام دینا ہی گناہ ہے، البتہ جو اخراجات شرعاً گنجائش رکھتے ہیں، ان میں بھی اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو ملحوظ رکھا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ ولیمہ حضرت زینب سے ہوا جس میں ایک بکری ذبح کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کرنا دورِ نبوی میں کتنا آسان تھا۔

الغرض امیر ہو، یا غریب اعتدال کی راہ سے تجاوز نہ کرے۔ شرعاً نکاح میں لڑکے پر صرف دو چیزیں واجب ہیں:

(۱) مہر

(۲) نفقہ (کھانا، پینا، رہائش اور کپڑے)

اس کے علاوہ دعوتِ ولیمہ مسنون ہے، اگر بوجہ عذر ولیمہ نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، باقی مہر کے لیے قرضہ لینے کی گنجائش ہے اور ولیمہ کے لیے بھی اگر سادگی سے انجام دینے کی نیت سے قرضہ لے لے، (بشرطیکہ ادائیگی کا ظن غالب ہو) تو لے سکتا ہے، نفقہ کے لیے قرضہ لینے کی گنجائش نہیں؛ کیوں کہ نفقہ تو ہر مہینے کی ضرورت ہے، اس کے لیے ملازمت، یا کاروبار کا ہونا ضروری ہے، البتہ اگر ملازمت کے باوجود بھی نفقے میں کچھ تنگی رہ جاتی ہو تو اس کے لیے قرضہ لیا جا سکتا ہے۔ الغرض بے روزگار شخص کے لیے قرضوں پر شادی کرنے کی گنجائش شرعاً نہیں۔ برسر روزگار شخص مہر، نفقہ وغیرہ کے لیے حسب ضرورت قرضہ لے سکتا ہے، بشرطیکہ واپسی کا ظن غالب ہو، اس کے علاوہ رسومات اور فضول خرچیاں باوجود وسعت کے قابلِ ترک ہیں تو ایسا شخص جوان کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کے لیے ان اشیا کی مد میں قرضہ لینے کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے؟ بہرحال شادی کے معاملے کو سادہ بنانا ہم سب کی ذمہ داری ہے، بالخصوص صاحبِ وسعت حضرات کو چاہیے کہ ان فضول خرچیوں کا بائیکاٹ کریں؛ تاکہ معاشرے میں جڑ پکڑے ہوئے یہ ناسور ختم ہوں اور غریب لوگوں کے لیے بھی شادی کرنا آسان ہو امید ہے، اس پر اللہ تعالیٰ انہیں بے انتہا ثواب دے گا اور معاشرے میں سے بے راہ روی اور فحاشی کا خاتمہ ہوگا۔

لما في الشامية (۸/۳) قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلک علی اللّٰه تعالی فقد روی الترمذی والنسائی وابن ماجه ثلاث حق علی الله تعالی عونهم المکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف والمجاهد فی سبیل لله تعالی ذکره بعض المحشین.

وفیه أیضاً(۶/۳): قلت ومقتضاه الکراهة أیضا عند عدم ملک المهر والنفقة لانهما حق العبد أیضا وإن خاف الزنا لکن یأتی أنه یندب الاستدانة له... إلا أن یقال الشرط ملک کل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة أو یقال هذا فی العاجز عن الکسب ومن لیس له جهة وفاء.

وفی الموسوعة الفقهیة (۱۱۳/۳۳): أما فی حق المقترض، فالاصل فیه الإباحة، وذلک لمن علم من نفسه الوفاء،بان کان له مال مرتجی،وعزم علی الوفاء منه، وإلا لم یجز، ما لم یکن مضطرا. (نجم الفتاویٰ:۳۳۹/۴)

دولہا کا دُلہن کے آنچل پر نماز پڑھنا اور ایک دُوسرے کا جھوٹا کھانا:

سوال: میری شادی کو تقریباً تین سال ہونے کو ہیں، شادی کی پہلی رات مجھ سے دو ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں، جس کی چبھن میں آج تک دِل میں محسوس کرتا ہوں۔

پہلی غلطی یہ ہوئی کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ دو رکعت نماز شکرانہ جو کہ بیوی کا آنچل بچھا کر ادا کی جاتی ہے، نہ پڑھ سکا۔ یہ ہماری لاعلمی تھی اور نہ ہی میرے دوستوں اور عزیزوں نے بتایا تھا۔ بہرحال تقریباً شادی کے دو سال بعد مجھے اس بات کا علم ہوا تو ہم دونوں میاں بیوی نے اس نماز کی ادائیگی بالکل اسی طرح سے کی، نماز کے بعد اپنے رَبّ العزّت سے خوب گڑگڑا کر معافی مانگی؛ مگر دِل کی خلش دُور نہ ہوسکی۔

دوسری غلطی بھی لاعلمی کے باعث ہوئی، ہماری ایک دُور کی ممانی ہیں، جنھوں نے ہمیں اس کا مشورہ دیا تھا کہ تم دونوں ایک دُوسرے کا جھوٹا دُودھ ضرور پینا، ہم (میاں بیوی) نے ایک دُوسرے کا جھوٹا دُودھ بھی پیا؛ مگر جب میں نے اپنے ایک دوست سے اس بات کا ذکر کیا تو پتا چلا کہ جو لوگ ایک دُوسرے کا جھوٹا دُودھ پیتے ہیں بھائی بھائی، یا بھائی بہن کہلاتے ہیں۔

جب سے یہ بات معلوم ہوئی ہے دِل میں عجیب عجیب خیالات آتے ہیں، للہ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ ہمارے ان افعال کا کفارہ کس طرح ادا ہو سکے گا؟ جناب کی مہربانی ہوگی۔

الجواب

آپ سے دو غلطیاں نہیں ہوئیں؛ بلکہ آپ کو دو غلط فہمیاں ہوئی ہیں، پہلی رات بیوی کا آنچل بچھا کر نماز پڑھنا نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب، یہ محض لوگوں کی اپنی بنائی ہوئی بات ہے، لہٰذا آپ کی پریشانی بے وجہ ہے۔ آپ کے دوست کا یہ کہنا بھی غلط فہمی؛ بلکہ جہالت ہے کہ میاں بیوی ایک دُوسرے کا جھوٹا کھا پی لینے سے بھائی بہن بن جاتے ہیں، (۱) یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں، لہٰذا آپ پر کوئی کفارہ نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۴۱۷-۴۱۸)

شادی میں تحفہ دینا شرعاً کیسا ہے:

سوال: شادی بیاہ کی تقاریب میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں، وہ تحائف، یا پیسے دیتے ہیں، اس لین دین میں جو باتیں عام پائی جاتی ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جو لوگ ان تقاریب میں تحائف، یا پیسے نہیں دیتے، ان کو لوگ بُرا سمجھتے ہیں۔

---

(۱) کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جھوٹا پینا ثابت ہے۔

عن عائشة قالت: كنت أشرب وأنا حائض ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه موضع فيَّ فيشرب، الخ. (مشكاة المصابيح، ص: ٥٦)

(۲) اگر لوگوں کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی قرض لے کر دیتے ہیں، یا نہیں جاتے اور اپنی انا کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔

(۳) میرے دفتر میں ایک شخص گالی دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اس مہینے میں تین شادیاں ہیں اور تینوں میں ۱۰۱/روپے دینے ہیں۔

(۴) یہ بات بھی بہت عام ہے کہ جس گھر کی شادی ہوتی ہے تو اس موقع پر جو لوگ پیسے یا تحائف دیتے ہیں، ان کی ایک لسٹ بنائی جاتی ہے کہ کس نے کیا دیا ہے؛ تاکہ اگلی دفعہ ان کو بھی اتنے ہی پیسے دیئے جائیں؟

(۵) یہ بات بھی بہت عام ہے کہ کچھ لوگ اپنی حیثیت کی وجہ سے اگر ۵۰۰/سو روپے دیتے ہیں تو جب ان کے ہاں کوئی تقریب ہوتی ہے تو لوگ ان کو بھی اتنے ہی پیسے دیتے ہیں، جب کہ دینے والے کی حیثیت نہیں ہے۔

(۶) خاندان کی شادیوں کے موقع پر تحفوں کی لین دین میں اس بات کا اعتراض عام ہے کہ فلاں کی شادی میں تو آپ نے اتنا قیمتی تحفہ دیا؛ لیکن ہمارے گھر کی شادی میں آپ نے معمولی تحفہ دیا۔

(۷) میرے دفتر میں جب کسی کے بچے کی شادی ہوتی ہے تو دفتر والے آپس میں پیسے ملا کر ایک تحفہ دیتے ہیں اور دینے والوں کے نام ایک لسٹ بنتی ہے، جس میں ہر ایک کے نام کے آگے ان کی دی وہئی رقم بھی لکھی جاتی ہے، میں نے لسٹ بنانے سے منع کیا تو سب کا جواب یہ ملا کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس نے کتنے پیسے دیئے ہیں اور ایک صاحب نے تو یہ بھی کہا کہ یہ تو قرض ہوتا ہے۔

(۸) لوگ اس حدیث کی طرف اشادہ کرتے ہیں کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''آپس میں تحفہ تحائف دینے سے محبت بڑھتی ہے''۔ مندرجہ بالا باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف رسمی لین دین ہے اور اس میں اخلاص نہیں ہے۔ کیا مندرجہ بالا باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تقاریب میں تحفہ تحائف کا لین دین شرعاً جائز ہے؟

الجواب

تحفہ تحائف کے لینے دینے سے واقعی محبت بڑھتی ہے اور حدیث شریف میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔(۱) لیک شادی بیاہ کے موقعوں پر جس طرح لین دین کیا جاتا ہے، اس کو تحفہ کے بجائے تاوان یا زبردستی غصب کہنا صحیح ہوگا؛ اس لیے یہ لین دین جائز نہیں، میں کسی عزیز کی شادی بیاہ پر اس کو ہدیہ ضرور پیش کرتا ہوں؛ لیکن نہ اس سے واپس لینے کی نیت ہوتی ہے اور نہ یہ یاد رکھتا ہوں کہ کس کو کتنا دیا، جو توفیق ہوا اظہار محبت کے لیے پیش کر دیتا ہوں اور دے کر بھول جاتا ہوں، اگر طرح دیا جائے تو جائز ہے، ورنہ تاوان ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۹۸/۶۔۳۹۹)

(۱) عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:تهادو فإن الهدية تذهب الضغائن.وعن أبی هريرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:تهادوا فإن الهدية تذهب وحر الصدور.(مشكاة المصابيح،ص: ۲۶۱)

شادی کے بعد ہنی مون منانے کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا شادی کے بعد ہنی مون کی اسلام اجازت دیتا ہے اور یہ عمل صحیح ہے؟

الجواب

لغویات ہے، شریعت بامقصد چیزوں کی اجازت دیتی ہے، بے مقصد کاموں کی اجازت نہیں دیتی؛ کیوں کہ یہ تضیع اوقات ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۶/۴۰۳)

(۱) اسلام میں اوقات کی بڑی اہمیت ہے، اسے ضائع نہ کیا جائے اور صحیح و بامقصد کاموں میں صرف کیا جائے۔

قال اللّٰہ تعالی:﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ o وَإِلَىٰ رَبِّکَ فَارْغَب﴾(سورة الشرح:۷-۸)

قال الإمام الطبری رحمه اللّٰه تعالی: اختلف أهل التأویل فی تأویل ذلک، وأولی الأقوال فی ذلک بالصواب، قول من قال: إن اللّٰه تعالی ذکره، أمر نبیه (صلی اللّٰه علیه وسلم) أن یجعل فراغه من کلّ ما کان به مشتغلا من أمر دنیاه وآخرته، مما أدّی له الشغل به، وأمره بالشغل به إلی النصب فی عبادته، والاشتغال فیما قرّبه إلیه، ومسألته حاجاته، ولم یخصص بذلک حالا من أحوال فراغه دون حال، فسواء کلّ أحوال فراغه، من صلاة کان فراغه، أو جهاد، أو أمر دنیا کان به مشتغلا لعموم الشرط فی ذلک، من غیر خصوص حال فراغ دون حال أخری.(تفسیر الطبری،سورة الشرح:٤٩٩/٢٤،دار هجر للطباعة،انیس)

قال اللّٰه تعالی:﴿وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاکُم مِّن قَبْلِ أَن یَأْتِیَ أَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِی إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِیبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَکُن مِّنَ الصَّالِحِینَ o وَلَن یُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِیرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾(سورة المنافقون:١٠-١١)

عن عبد اللّٰه بن عباس رضی اللّٰه تعالی عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:نِعمتان مغبونٌ فیهما کثیرٌ من النَّاسِ: الصِّحَّةُ والفراغُ.(صحیح البخاری،رقم الحدیث:٦٤١٢)

عن عبد اللّٰه بن عباس رضی اللّٰه تعالی عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:اغتنِمْ خمسًا قبلَ خمسٍ: حَیاتَکَ قبلَ موتِکَ، و صِحَّتَکَ قبلَ سَقَمِکَ، و فراغَکَ قبلَ شُغْلِکَ، و شبابَکَ قبلَ هَرَمِکَ، و غِناکَ قبلَ فقرِکَ.(صححه الألبانی فی صحیح الجمع،رقم:١٠٧٧)

عن جریر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالی عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:تصدَّقوا قبل أن لا تَصَدَّقوا، تصدَّق رجلٌ من دِیناره، تصدَّق رجلٌ من درهمِه، تصدَّق رجلٌ من بُرِّه، تصدَّق رجلٌ من تمرِه، من شعیرِه، لا تحقِرنَّ شیئًا من الصدقةِ، ولو بشِقِّ تمرةٍ.(صححه الألبانی فی صحیح الجامع،رقم:١٣٥٤)

عن أبی موسی الأشعری رضی اللّٰه تعالی عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:لیأتینَّ علی الناسِ زمانٌ یطوفُ الرجلُ فیه بالصدقةِ من الذهبِ ثم لا یجدُ أحدًا یأخذُها منه ویُری الرجلُ الواحدُ یتبعُه أربعون امرأةً یَلُذْنَ به من قِلَّةِ الرجالِ وکثرةِ النساءِ.(صحیح لمسلم،رقم:١٠١٢)

عن نفیع بن حارث الثقفی رضی اللّٰه تعالی عنه قال:إنَّ رجلًا قال یا رسولَ اللّٰهِ أیُّ الناسِ خیرٌ؟ قال:من طالَ عمُرهُ وحسُن عملُه .قال: فأیُّ الناسِ شر؟ قال: من طال عمُرهُ وساء عملُه.(سنن الترمذی،رقم:٢٣٣٠) ==

☆ ☆ ☆

== عن سلمان الفارسی رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا یردُّ القضاءَ إلّا الدُّعاءُ، ولا یزیدُ فی العمُرِ إلّا البرُّ. (سنن الترمذی، رقم: ۲۱۳۹، حسنہ الألبانی فی السلسلۃ الصحیحۃ، رقم: ۱۵٤)

عَنِ الضَّحَّاکِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَاتَ الْخَلَائِقُ عَلَی ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ وَکَذٰلِکَ هُمْ فِی الْمَوْقِفِ عَلَی ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ: وَأَصْبَحَتِ الْخَلَائِقُ عَلَی ثَلَاثَةٍ، وَالنَّاسُ ثَلَاثَةٌ وَالْعَبِیدُ ثَلَاثَةٌ.

وَإِنَّمَا الدُّنْیَا ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ، فَأَمَّا الْأَصْنَافُ الَّذِینَ بَاتُوا: فَصِنْفٌ بَاتُوا نِیَامًا، وَصِنْفٌ بَاتُوا قِیَامًا یُصَلُّونَ، وَصِنْفٌ السَّبِیلَ یَقْطَعُونَ لَیْسَ لَهُمْ هِمَّةٌ إِلَّا شَیْءٌ بِهِ یُسْتَرُونَ، فَأَمَّا إِنْ لَمْ تَکُنْ مِنَ الْمُصَلِّینَ فَإِیَّاکَ أَنْ تَکُونَ مِنَ السَّارِقِینَ، وَأَصْبَحُوا عَلَی ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ: صِنْفٌ مِنَ الذَّنْبِ تَائِبٌ مُوَطِّنٌ نَفْسَهُ عَلَی هِجْرَانِ ذَنْبِهِ لَا یَرْجِعُ إِلَی سَیِّئَةٍ، فَهٰذَا التَّائِبُ الْمُبَرِّزُ، وَصِنْفٌ یُذْنِبُ وَیَنْدَمُ وَیُذْنِبُ وَیَحْزَنُ وَیَبْکِی، وَهُوَ یَشْتَهِی أَنْ یَکُونَ تَائِبًا فَهٰذَا یُرْجَی لَهُ وَیُخَافُ عَلَیْهِ، وَصِنْفٌ یُذْنِبُ وَلَا یَنْدَمُ وَیُذْنِبُ وَلَا یَتُوبُ وَلَا یَبْکِی فَهُوَ الْخَائِنُ الْبَائِرُ، وَکَذٰلِکَ هُمْ فِی الْمَوْقِفِ عَلَی ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ: صِنْفٌ أُخِذَ بِهِمْ إِلَی الْجَنَّةِ رُکْبَانًا، وَهُمُ الْوَفْدُ الَّذِینَ ذَکَرُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَصِنْفٌ أُخِذَ بِهِمْ إِلَی الْجَنَّةِ مُشَاةً، وَصِنْفٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أُخِذَ بِهِمْ إِلَی النَّارِ عَلَی وُجُوهِهِمْ صُمًّا وَبُکْمًا، وَالنَّاسُ ثَلَاثَةٌ زَاهِدٌ وَصَابِرٌ وَرَاغِبٌ: فَأَمَّا الزَّاهِدُ فَقَدْ خَرَجَتِ الْأَحْزَانُ وَالْأَفْرَاحُ مِنْ صَدْرِهِ عَلَی مَتَاعِ هٰذِهِ الْغُرُورِ، فَهٰذَا لَا یَحْزَنُ عَلَی شَیْءٍ مِنْ هٰذِهِ الدُّنْیَا فَاتَهُ، وَلَا یُبَالِی عَلَی یُسْرٍ أَصْبَحَ أَمْ عَلَی عُسْرٍ وَلَا یَفْرَحُ عَلَی شَیْءٍ مِنَ الدُّنْیَا أَتَاهُ، فَهٰذَا الْمُبَرِّزُ عَلَی هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَأَمَّا الصَّابِرُ: فَهُوَ رَجُلٌ یَشْتَهِی الدُّنْیَا بِقَلْبِهِ وَیَتَمَنَّاهَا لِنَفْسِهِ، فَإِذَا ظَفِرَ بِشَیْءٍ مِنْهَا أَلْجَمَ نَفْسَهُ مِنْهَا کَرَاهِیَةَ شَأْنِهَا وَسُوءَ عَاقِبَتِهَا، فَلَوْ تَطَّلِعُ عَلَی مَا فِی نَفْسِهِ لَعَجِبْتَ مِنْ نَزَاهَتِهِ وَعِفَّتِهِ وَصَبْرِهِ وَکَرَمِهِ. وَأَمَّا الرَّاغِبُ: فَإِنَّهُ لَا یُبَالِی مِنْ أَیْنَ جَائَتْهُ الدُّنْیَا مِنْ مُحَرَّمِهَا لَا یُبَالِی مَا دَنَّسَ مِنْهَا عِرْضَهُ أَوْ ذَهَابَ مُرُوئَتِهِ، أَوْ جُرْحَ دِینِهِ، أَوْ وَضْعَ حَسَبِهِ، فَهُمْ فِی غِرَّةٍ یَضْطَرِبُونَ وَهُمْ أَنْتَنُ مِنْ أَنْ یُذْکَرُوا لَا یَصْلُحُ إِلَّا أَنْ یُسَکَّنَ بِهِمُ الْأُسُودَ.

وَأَمَّا الْعَبِیدُ فَثَلَاثَةٌ: فَعَبْدٌ طَمِعٌ یَتَعَبَّدُ لِأَهْلِ الدُّنْیَا یَطَأُ أَعْقَابَهُمْ یَحْلِفُ بِحَیَاتِهِمْ، وَیَلْتَمِسُ فَضْلَ مَا فِی أَیْدِیهِمْ لِیُصِیبَ شَیْئًا مِنْ دُنْیَاهُمْ، اسْتَوْجَبَ الذُّلَّ فِی الدُّنْیَا وَالْعَذَابَ فِی الْآخِرَةِ، وَعَبْدٌ أَذْنَبَ ذَنْبًا لَا یَدْرِی مَا اللّٰهُ صَانِعٌ بِهِ فِیهِ، فَمَا أَعْظَمَ خَطَرَهُ، وَعَبْدٌ رَقَّ یَنْتَظِرُ الْفَرَجَ.

وَأَمَّا الدُّنْیَا فَثَلَاثَةُ أَیَّامٍ: مَضَی أَمْسُ بِمَا فِیهِ فَلَا یَرْجُوهُ، وَصَارَ الْیَوْمَ فِی یَدَیْکَ یَنْبَغِی أَنْ تَغْتَنِمَهُ، وَغَدٌ لَا تَدْرِی مِنْ أَهْلِهِ تَکُونُ أَمْ لَا، أَمَّا أَمْسُ الْمَاضِی فَحَکِیمٌ مُؤَدِّبٌ، وَأَمَّا الْیَوْمُ الْقَادِمُ عَلَیْکَ فَصَدِیقٌ مُوَدِّعٌ، وَأَمَّا غَدٌ فَلَیْسَ فِی یَدِکَ مِنْهُ شَیْءٌ إِلَّا أَهْلُهُ، فَإِنْ کَانَ أَمْسُ الْمَاضِی فَجَعَکَ بِنَفْسِکَ فَقَدْ أَبْقَی الْیَوْمُ فِی یَدِکَ حُکْمَهُ یَنْبَغِی لَکَ أَنْ تَعْمَلَ بِهِ، فَقَدْ کَانَ طَوِیلَ الْغَیْبَةِ عَنْکَ الْیَوْمَ وَهُوَ سَرِیعُ الرِّحْلَةِ عَنْکَ الْیَوْمَ، وَأَمَّا غَدٌ فَلَیْسَ فِی یَدِکَ مِنْهُ إِلَّا أَمَلُهُ فَخُذِ الثِّقَةَ بِالْعِلْمِ وَدَعِ الْغُرُورَ بِالْأَمَلِ. (ترتیب الامالی الخمیسیة للشجری، فی التوبة وما یتصل بذلک، رقم الحدیث: 907، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

خطبۂ نکاح، نکاح خواہ اور اجرت نکاح

خطبہ نکاح کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نکاح خواں نکاح کا خطبہ نہیں پڑھتا؛ بلکہ ویسے ہی ایجاب وقبول کروالیتا ہے گواہوں کی موجودگی میں تو کیا نکاح منعقد ہو جائے گا، یا خطبہ نکاح پڑھنا ضروری ہے؟ اور نکاح کے خطبہ کی کیا حیثیت ہے، اگر کوئی چھوڑ دیتا ہے تو گنہگار ہوگا، یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے، البتہ مجلس نکاح میں خطبہ پڑھنا مستحب ہے، اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کل خطبة لیس فیها تشهد فهی کالید الجذماء". (مشکاۃ:۲/۲۷۲)(۱)

یعنی: بغیر خطبہ کے شادی نامکمل اور ادھوری شادی ہے؛ لیکن اگر کسی نے مجلس نکاح میں خطبہ نہیں پڑھا تو نکاح بہرحال منعقد ہو جائے گا۔

لمافی المصنف لابن أبی شیبة (۴۳۹/۹): عن عبد اللّٰه قال: علمنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: خطبة الصلاة و خطبة الحاجة.

وفی إعلاء السنن (۸/۱۱): عن رجل من بنی سلیم، قال: خطبت إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أمامة بنت عبد المطلب فأنکحنی من غیر أن یتشهد... فدل ذلک علی جواز النکاح بغیر خطبة مع عدم الکراهة، فالخطبة له مستحبة.

وفی الشامیة (۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة، قبل اجراء العقد من الحمد و التشهد.

وفی الفقه الاسلامی وأدلته (۶۶۱۷/۹): والمستحب خطبة واحدة لما تقدم لا خطبتان اثنتان: إحداهما من العاقد، والأخری من الزوج قبل قبوله لأن المنقول عنه صلی اللّٰه علیه وسلم وعن السلف خطبة واحدة، وهوأولٰی ما اتبع. (نجم الفتاویٰ:۴/۶)

---

(۱) عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: کُلُّ خُطْبَةٍ لَیْسَ فِیهَا تَشَهُّدٌ، فَهِیَ کَالْیَدِ الْجَذْمَاءِ. (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4841، سنن الترمذی، رقم الحدیث: 1106، وقال: هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ، انیس)

خطبہ نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جیسا کہ نکاح کے لیے ولی اور گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو آپ ہی بتایئے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو اس وقت خطبہ کس نے پڑھایا تھا؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے علاوہ کسی نکاح میں گواہ اور ولی کا کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا ہے، اور نہ اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خطبہ کون پڑھا تو کیا نکاح بغیر خطبہ گواہ اور ولی کے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی بتایئے کہ بلوغ سے پہلے کسی لڑکی کا نکاح کرانا صحیح ہے، یا نہیں؟ نکاح ہوگا، یا نہیں؟ اگر نہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نابالغی کی حالت میں کیسے ہوا تھا؟

(المستفتی: محمد فاروق اسماعیل محمد جعفر بلڈنگ، ممبئی)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ———————— وباللّٰه التوفيق

خطبہ نکاح فرض، یا واجب نہیں اور نہ ہی صحت نکاح کے لیے خطبہ شرط ہے؛ بلکہ بغیر خطبہ کے بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، خطبہ کا پڑھنا صرف اور صرف سنت ہے۔

ويندب إعلانه وتقديم خطبة، الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، كراتشی: ۸/۳، زكريا: ٦٦/٤)

عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہے کہ کسی بھی ام المومنین کا نکاح بغیر خطبہ کے ہونا صراحت سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ خطبہ کے ساتھ ہونا ملتا ہے، مثلاً ام حبیبہ کا نکاح حضرت نجاشی نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں خطبہ کے ساتھ پڑھایا۔ (البداية والنهاية، دار الفكر: ١٤٤/٤)(۱)

---

(۱) وَقَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ حَدَّثَنِى مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ زُهَيْرٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِى سُفْيَانَ قَالَتْ: مَا شَعَرْتُ وَأَنَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ إِلَّا بِرَسُولِ النَّجَاشِيِّ جارِيَةٍ يُقَالُ لها أبرهة كانت تقوم على ثيابه ووهنه فَاسْتَأْذَنَتْ عَلَيَّ فَأَذِنْتُ لَهَا فَقَالَتْ: إِنَّ الْمَلِكَ يَقُولُ لَكِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَكِهِ فَقُلْتُ بَشَّرَكِ اللَّهُ بِالْخَيْرِ وَقَالَتْ يَقُولُ لَكِ الْمَلِكُ وَكِّلِي مَنْ يُزَوِّجُكِ، قَالَتْ: فَأَرْسَلْتُ إِلَى خَالِدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ فَوَكَّلْتُهُ وَأَعْطَيْتُ أبرهة سوارين من فضة وخدمتين مِنْ فِضَّةٍ كَانَتَا عَلَيَّ وَخَوَاتِيمَ مِنْ فِضَّةٍ فِى كُلِّ أَصَابِعِ رِجْلَيَّ سُرُورًا بِمَا بَشَّرَتْنِى بِهِ، فَلَمَّا أَنْ كَانَ مِنَ الْعَشِيِّ أَمَرَ النَّجَاشِيُّ جَعْفَرَ بْنَ أَبِى طَالِبٍ وَمَنْ كَانَ هُنَاكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَحْضُرُوا وَخَطَبَ النَّجَاشِيُّ وقال: الحمد للّٰه الملك القدوس المؤمن الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّهُ الَّذِى بَشَّرَ بِهِ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبَ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِى سُفْيَانَ فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أصدقها أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ ثُمَّ سَكَبَ الدَّنَانِيرَ بَيْنَ يَدَىِ الْقَوْمِ. فَتَكَلَّمَ خَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَغْفِرُهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ. أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَوَّجْتُهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِى سُفْيَانَ فَبَارَكَ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَفَعَ النَّجَاشِيُّ الدَّنَانِيرَ إِلَى خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ فَقَبَضَهَا، ==

بالغہ عورت کا نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ بغیر ولی کے بھی درست ہو جاتا ہے۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولى (إلى قوله) ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كراتشى: ۳/ ۵۵-۵۸، زكريا ديوبند: ۴/ ۱۵۵-۱۵۹)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے حقیقی ولی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کرایا ہے، بغیر ولی کے نہیں ہوا ہے۔ (البداية والنهاية، دارالفكر: ۳/ ۱۳۲)(۱)

البتہ نکاح صحیح ہونے کے لئے کم ازکم دو گواہ کا ہونا شرط ہے، نیز دو آدمیوں کو گواہ متعین کئے بغیر مجمع کے اندر نکاح کرنے سے بھی شرعاً نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

عن ابن عباس رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: البغايا اللاتى ينكحن أنفسهن بغير بينة. (سنن الترمذى، النكاح، باب ماجاء لا نكاح إلا ببينة، النسخة الهندية: ۱/ ۲۱۰، دارالسلام، رقم: ۱۱۰۳، السنن الكبرى للبيهقى، دارالفكر: ۱۰/ ۳۲۹، رقم: ۱۴۰۲۲، المعجم الكبير للطبرانى، دار إحياء التراث العربى: ۱۲/ ۱۸۲، رقم: ۱۲۸۲۷)

وشرط حضور شاهدين حرين أوحر وحرتين. (شامى، كراتشى: ۳/ ۲۸، زكريا: ۴/ ۸۷-۹۱)

== ثُمَّ أَرَادُوا أَنْ يَقُومُوا فَقَالَ: اجْلِسُوا فَإِنَّ مِنْ سُنَّةِ الْأَنْبِيَاءِ إِذَا تَزَوَّجُوا أَنْ يُؤْكَلَ طَعَامٌ عَلَى التَّزْوِيجِ، فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأَكَلُوا، ثُمَّ تَفَرَّقُوا. (البداية والنهاية، فصل فى تزويج النبى صلى الله عليه وسلم بأم حبيبة رضى الله تعالىٰ عنها: ۳/ ۱۴۳-۱۴۴، دارالفكر بيروت، انيس)

(۱) وَقَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ فِى مُسْنَدِ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ حدثنا محمد بن بشر حدثنا محمد بن عمرو أَبُو سَلَمَةَ وَيَحْيَى قَالَا: لَمَّا هَلَكَتْ خَدِيجَةُ جَائَتْ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ امْرَأَةُ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَزَوَّجُ؟ قَالَ مَنْ؟ قَالَتْ إِنْ شِئْتَ بِكْرًا، وَإِنْ شئت ثيبا، قال فمن البكر؟ قالت أَحَبِّ خَلْقِ اللَّهِ إِلَيْكَ عَائِشَةُ ابْنَةُ أَبِى بَكْرٍ، قَالَ وَمَنِ الثَّيِّبُ؟ قَالَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زمعة، قد آمنت بك واتبعتك، قَالَ فَاذْهَبِى فَاذْكُرِيهِمَا عَلَىَّ، فَدَخَلَتْ بَيْتَ أَبِى بَكْرٍ فَقَالَتْ يَا أُمَّ رُومَانَ مَاذَا أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيْكِ مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ؟ قَالَتْ وَمَا ذَاكَ؟ قَالَتْ أَرْسَلَنِى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أخطب عليه عائشة، قالت انظرى أَبَا بَكْرٍ حَتَّى يَأْتِيَ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فقلت يَا أَبَا بَكْرٍ مَاذَا أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ، قَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قَالَتْ أَرْسَلَنِى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْطُبُ عَلَيْهِ عَائِشَةَ قَالَ وَهَلْ تَصْلُحُ لَهُ إِنَّمَا هِىَ ابْنَةُ أَخِيهِ، فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ قَالَ: ارْجِعِى إِلَيْهِ فَقُولِى لَهُ أَنَا أَخُوكَ وَأَنْتَ أَخِى فِى الْإِسْلَامِ، وَابْنَتُكَ تَصْلُحُ لِى فَرَجَعْتُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ قَالَ انْتَظِرِى، وَخَرَجَ، قَالَتْ أُمُّ رُومَانَ إِنَّ مُطْعِمَ بْنَ عدى قد ذكرها على ابنه، والله ما وعد أبو بكر وعدا قط فاخلفه، فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى مُطْعِمِ بْنِ عَدِيٍّ وعنده امرأته أم الصبى، فقالت: يا ابن أبى قحافة لعلك مصبى صاحبنا تدخله فِى دِينِكَ الَّذِى أَنْتَ عَلَيْهِ إِنْ تَزَوَّجَ إليك؟ فقال أبو بكر للمطعم ابن عدى أقول هذه؟ يقول إِنَّهَا تَقُولُ ذَلِكَ، فَخَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ وَقَدْ أَذْهَبَ اللَّهُ مَا كَانَ فِى نَفْسِهِ مِنْ عِدَتِهِ التِى وَعَدَهُ، فَرَجَعَ فَقَالَ لِخَوْلَةَ ادْعِى لِى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْهُ فَزَوَّجَهَا إِيَّاهُ وَعَائِشَةُ يَوْمَئِذٍ بَنْتُ سِتِّ سِنِينَ، الخ. (البداية والنهاية، فصل فى تزويجه عليه السلام بعد خديجة رضى الله عنها بعائشة وسودة بنت زمعة رضى الله عنها: ۳/ ۱۳۱-۱۳۲، دارالفكر بيروت، انيس

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مجمع میں ہی ہوا کرتا تھا؛ البتہ حضرت زینب کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، جس کی تفصیل سورہ احزاب، آیت: ۳۷، میں موجود ہے۔(البداية والنهاية، دار الفكر: ١٤٦/٤)(۱)

مثلاً: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خیبر کے راستہ میں صحابہ کی جماعت میں ہوا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت نجاشی نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں کرایا ہے۔(البدایۃ والنھایۃ، دار الفکر: ۱۴۴/۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۲/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۸/۲۵)(فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح میں خطبہ کی حیثیت اور مروجہ طریقہ پر نکاح پڑھانے کا ثبوت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) نکاح میں خطبہ کی کیا حیثیت ہے: واجب، سنت، مستحب؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

(۲) جس طرح ہمارے زمانہ میں نکاح پڑھایا جاتا ہے اور امام یا قاضی خطبہ پڑھتا ہے، کیا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نکاح پڑھایا گیا؟ اگر پڑھایا گیا ہے تو کون سا نکاح کس نے پڑھایا بالتفصیل وضاحت فرمائیں۔

(۳) اس مروجہ طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن صحابی کا نکاح پڑھایا ہے؟ کسی ایک کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔

(المستفتی: محمد سرتاج مظفر نگر، متعلم دار العلوم دیوبند، سہارنپور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) نکاح میں خطبہ سنت ہے، واجب نہیں، نفس نکاح بغیر خطبہ کے بھی صحیح ہوجاتا ہے، البتہ سنت خطبہ کا ثواب نہیں ملے گا، جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا، وہ درست نہیں۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۱۵۵/۵، زکریا: ۱۵۱/۵، جدید زکریا مطول: ۴۹۲/۶)

وفي الترمذي: قال بعض أهل العلم: إن النكاح جائز بغير خطبة، الخ. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، النسخة الهندية: ٢١٠/١، تحت رقم الحديث: ١١٠٥)

(۱) قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنها وَطَراً زَوَّجناكها﴾ ذلك أَنَّ زَيْدًا طَلَّقَهَا فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا بَعَثَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُهَا إِلَى نَفْسِهَا ثُمَّ تزَوَّجَهَا وَكَانَ الَّذِي زَوَّجَهَا مِنْهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى كَمَا ثَبَتَ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ كَانَتْ تَفْخَرُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَقُولُ: زوجكن أهليكن وَزَوَّجَنِيَ اللّٰهُ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ. (البداية والنهاية، تزويجه عليه السلام بزينب بنت جحش رضي الله عنها: ١٤٦/٤، دار الفكر بيروت، انيس)

ويندب إعلانه وتقديم خطبة. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كراتشي: ۸/۳، زكريا: ٦٦/٤)

وفي المجتبى: يستحب أن يكون النكاح ظاهراً، وأن يكون قبله خطبة. (البحرالرائق، كوئٹه: ۸۱/۳، زكريا: ١٤٤/٣)

(۲) موجودہ زمانہ میں جس طرح نکاح پڑھایا جاتا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان کے ساتھ ہوا اور شاہ نجاشی نے نکاح کا خطبہ پڑھایا، نیز مروجہ خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ (حياة الصحابة، عربي: ۳۱٤/۳، دلائل النبوة، بيروت: ٤٦١/۳، أبوداؤد، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح، النسخة الهندية: ۲۸۹/۱، دارالسلام، رقم: ۲۱۱۸، ابن ماجة، أبواب النكاح، باب خطبة النكاح، النسخة الهندية: ۱۳٦/۱، دارالسلام، رقم: ۱۸۹۲)

(۳) اس مروجہ طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کا خطبہ پڑھا اور یہ اعلان کیا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے چار سو مثقال چاندی کے بدلے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

وروى أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب حين النكاح هذه الخطبة الحمد المعبود بنعمته الخ. (تاريخ الخميس: ۱/ ۳٦۱، بحوالہ بہشتی زیور: ۴۲/۶، البدایۃ والنہایۃ، دارالفکر بیروت: ۳۴۲/۷، اسوہ رسول اکرم ص: ۴۹۷، دہلی)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۷۲۳۸/۳۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح میں خطبہ کی حیثیت:

سوال: خطبۂ نکاح دو ہیں: اول، دوئم، جو شخص نکاح میں صرف خطبہ ثانی پڑھے، نکاح درست ہے، یا نہیں؟ مع حوالہ حدیث شریف تحریر فرمائیے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

خطبہ ایک ہی کافی ہے اور خطبہ مستحب ہے، لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح ہوسکتا ہے، نکاح نام ہے، ایجاب وقبول کا اور بس، لہٰذا خطبہ کے فرض کے درجہ میں نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳٦٦ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۰/۱۰)

---

(۱) "ويندب اعلانه وتقديم خطبة". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

خطبۂ نکاح سنت ہے، فرض نہیں:

سوال (۱) خطبۂ نکاح فرض ہے، یا سنت؟ یہ بیٹھ کر پڑھنے سے بھی درست ہوجاتا ہے، یا نہیں؟

خطبۂ نکاح میں نفقہ وغیرہ کا ذکر:

(۲) ایجاب وقبول کے درمیان نان ونفقہ کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اور بغیر اس کے نکاح ہوگا، یا نہیں؟

ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح:

(۳) خطبۂ نکاح کس وقت پڑھا جائے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) خطبہ سنت ہے، واجب یا فرض نہیں ہے، بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے۔(۱) خطبہ نکاح بیٹھ کر پڑھنے سے بھی نکاح بلاشبہ ہوجاتا ہے۔

(۲) ان چیزوں کا تذکرہ نکاح میں ضروری نہیں، بغیر ان کے ذکر کے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے،(۲) یہ چیزیں تو بغیر ذکر کئے بھی لازم ہوجاتی ہیں۔(۳)

(۳) خطبۂ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ جواب صحیح ہے: سعید مہدی حسن غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۹۰-۵۹۱)

نکاح کا خطبہ مسنون ہے:

سوال: ایک شخص نے خطبہ مسنونہ کے بغیر نکاح پڑھا دیا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) "ویندب اعلانه وتقدیم خطبة". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعید)

"فان عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالحظبة مستحبة غیر واجبة". (الفقه الاسلامی وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما یستحب له: ۹/۶۶۱۸، رشیدیه)

(۲) "النکاح ینعقد متلبسا بایجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(۳) "تجب علی الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمیة والفقیرة والغنیة، دخل بها أو لم یدخل". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الأول: ۱/۵٤٤، رشیدیه)

(۴) "ویندب إعلانه وتقدیم خطبة". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعید)

"فإن عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالحظبة مستحبة غیر واجبة". (الفقه الاسلامی وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما یستحب له: ۹/۶۶۱۸، رشیدیه)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے خطبہ مسنونہ پڑھا جائے، اس کے بعد ایجاب وقبول کرایا جائے، اگر خطبہ مسنونہ کے بغیر دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرالیا جائے، تب بھی نکاح تو ہوجائے گا؛ مگر یہ طریقہ خلاف سنت ہے، (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۵۵/۸)

(۱) حضرت نجاشی نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں ام المومنین ام حبیبہ کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کے ساتھ پڑھایا۔

وَقَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ زُهَيْرٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ قَالَتْ: مَا شَعَرْتُ وَأَنَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ إِلَّا بِرَسُولِ النَّجَاشِيِّ جَارِيَةٍ يُقَالُ لها أبرهة كانت تقوم على ثيابه ووهنه فَاسْتَأْذَنَتْ عَلَيَّ فَأَذِنْتُ لَهَا فَقَالَتْ: إِنَّ الْمَلِكَ يَقُولُ لَكِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَكِهِ فَقُلْتُ بَشَّرَكِ اللَّهُ بِالْخَيْرِ وَقَالَتْ يَقُولُ لَكِ الْمَلِكُ وَكِّلِي مَنْ يُزَوِّجُكِ، قَالَتْ: فَأَرْسَلْتُ إِلَى خَالِدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ فَوَكَّلْتُهُ وَأَعْطَيْتُ أبرهة سوارين من فضة وخدمتين مِنْ فِضَّةٍ كَانَتَا عَلَيَّ وَخَوَاتِيمَ مِنْ فِضَّةٍ فِي كُلِّ أَصَابِعِ رِجْلَيَّ سُرُورًا بِمَا بَشَّرَتْنِي بِهِ، فَلَمَّا أَنْ كَانَ مِنَ الْعَشِيِّ أَمَرَ النَّجَاشِيُّ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَمَنْ كَانَ هُنَاكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَحْضُرُوا وَخَطَبَ النَّجَاشِيُّ وقال: الحمد لله الملك القدوس المؤمن الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّهُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبَ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أصدقها أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ ثُمَّ سَكَبَ الدَّنَانِيرَ بَيْنَ يَدَيِ الْقَوْمِ. فَتَكَلَّمَ خَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَغْفِرُهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ. أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَوَّجْتُهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَبَارَكَ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَفَعَ النَّجَاشِيُّ الدَّنَانِيرَ إِلَى خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ فَقَبَضَهَا ثُمَّ أَرَادُوا أَنْ يَقُومُوا فَقَالَ: اجْلِسُوا فَإِنَّ مِنْ سُنَّةِ الْأَنْبِيَاءِ إِذَا تَزَوَّجُوا أَنْ يُؤْكَلَ طَعَامٌ عَلَى التَّزْوِيجِ. فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأَكَلُوا ثُمَّ تفرَّقُوا. (البداية والنهاية، فصل فی تزویج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بأم حبیبة رضی اللّٰه عنها: ۱۴۳/۳-۱۴۴، دارالفکر بیروت، انیس)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْثَرُ بْنُ القَاسِمِ، عَنْ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ، وَالتَّشَهُّدَ فِي الحَاجَةِ قَالَ: التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ: »التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ، وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَالتَّشَهُّدُ فِي الحَاجَةِ: إِنَّ الحَمْدَ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، فَمَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ قَالَ عَبْثَرٌ: فَفَسَّرَهُ لَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ: اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۱۰۲)، وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (النساء: ۱) اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (الأحزاب: ۷۰). وَفِي البَابِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ. :حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ، رَوَاهُ الأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكِلَا الحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ لِأَنَّ إِسْرَائِيلَ جَمَعَهُمَا، فَقَالَ: عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ، وَأَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی خطبة النکاح، رقم الحدیث: ۱۱۰۵، انیس)

بغیر خطبہ نکاح ہوجاتا ہے، یا نہیں:

سوال: بغیر خطبہ نکاح درست است، یا نہ؟

الجواب

خطبہ اگر نباشد نکاح منعقد شود، ارکان نکاح ایجاب وقبول است خطبہ شرط نیست؛ بلکہ سنت است۔(۱) فقط (یعنی بغیر خطبہ نکاح جائز ہے۔)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۹/۷) ☆

---

(۱) ویندب إعلانه وتقدیم خطبة.(الدرالختار علی هامش ردالمحتار، کتاب النکاح:۳۵۹/۲)

اس سوال وجواب کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کوئی خطبہ نہ پڑھے اور ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے ہوجائے تو بھی نکاح ہوجائے گا، خطبہ رکن یا شرط نکاح نہیں ہے کہ اس پر نکاح موقوف ہو۔(ظفیر)

☆ **خطبہ کے بغیر بھی نکاح ہوجائے گا:**

سوال: ایک نابالغ لڑکی ہے اور ایک نابالغ لڑکا ہے، ان دونوں کا لڑکی کے باپ نے نکاح کردیا ہے، گواہوں کی موجودگی میں اس کا ایجاب وقبول بھی کرایا گیا ہے اور مہر بھی مقرر کیا گیا ہے اور اس پر خطبہ نہیں پڑھا گیا ہے۔اس بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں، دین کی روشنی میں؟

(محمد ادریس)

الجواب

خطبہ نکاح کا جُزء نہیں ہے، اصل نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے، لہٰذا اگر گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ شرعی قواعد کے مطابق ایجاب وقبول ہوا ہے تو وہ نکاح ہوگیا ہے۔

"وینعقد:أی النکاح:أی یثبت ویحصل انعقاده بالإیجاب والقبول،آه.(شامیة:۲۸۵/۲)

وفی الدرالمختار:ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة بعاقدٍ رشید وشهودٍ عدول،آه.(شامیة:۲۷۴/۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،۱۴۱۰/۷/۱۴ھ۔الجواب صحیح:بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۲۷/۴)

نکاح پڑھانے کا حق دار کون ہے:

سوال: لڑکی کے نکاح کے لیے افضل جگہ اور نکاح پڑھانے والا افضل فرد کون ہوسکتا ہے؟ باپ زیادہ حق دار ہے، یا عالم یا محلے کی مسجد کا امام؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

لڑکی کے نکاح کے لیے افضل جگہ مسجد ہے اور نکاح پڑھانے کا زیادہ حق دار سمجھ دار عالم دین ہے، خواہ وہ باپ ہو، یا محلے کا امام، یا اور کوئی شخص۔

ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة بعاقد رشید.(تحته فی الشامیة:)لحدیث الترمذی،أعلنوا النکاح واجعلوه فی المساجد. (الحدیث)الدرالمختار مع الشامی،زکریا:۶۶/۴-۶۷، کراتشی:۸/۳، البحرالرائق:۸۱/۳،النهر الفائق:۱۷۶/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دینی مسائل اوران کا حل:۲۰۸-۲۰۹)

نکاح میں خطبہ نہ پڑھے تو کیا حکم ہے:

سوال: نکاح سے پہلے، یا بعد میں خطبہ پڑھا ہی نہ جائے تو نکاح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ________________

اگر خطبہ نہ پڑھا گیا تو نکاح ہو جائے گا؛ مگر خلاف سنت ہوگا، برکات سے محروم رہے گا۔(۱) (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۸/۸)

خطبہ نکاح نہ پڑھنے سے فساد نکاح نہیں آتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک نکاح میں ایجاب وقبول ہوگیا اور سب تقاضے پورے کئے، البتہ خطبہ نکاح نہیں پڑھا گیا، کیا یہ نکاح فاسد ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی نور الحسن موہڑہ بیروت ہزارہ)

الجواب ________________

نکاح سے قبل خطبہ پڑھنا مندوب ہے؛(۲) اس لیے اس کے عدم سے فساد نکاح لازم نہیں آتا۔ وھوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۳/۴-۲۴۴)

خطبہ نکاح کا سننا واجب ہے، یا مسنون:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے میں کہ خطبہ جمعہ کا سننا تو واجب ہے لیکن خطبہ نکاح کے سننے کا کیا حکم ہے؟ عموماً خطبہ نکاح کو توجہ سے نہیں سنا جاتا، لوگ موبائل اور دیگر اُمور میں مصروف نظر آتے ہیں۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب ________________ بعون الملك الوهاب

خطبہ نکاح کا سننا بھی واجب ہے اور خطبہ نکاح کے دوران دیگر مشاغل میں مصروف ہونا جائز نہیں۔

لمافي الدرالمختار (۱۵۹/۲): وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد. وفي الرّدّ تحته: قوله (وختم) أي ختم القرآن كقولهم الحمد لله رب العالمين حمد الصابرين، الخ. (نجم الفتاویٰ: ۴/)

---

(۱) وفي المجتبى: يستحب أن يكون النكاح ظاهراً وأن يكون قبله خطبة وأن يكون عقده عقده في يوم الجمعة وأن يتولى عقده ولي رشيد وأن يكون بشهود عدول منها. (البحر الرائق، كتاب النكاح، قبيل قوله وينعقد بإيجاب وقبول وضعاللمضى، الخ: ۸۷/۳، دارالكتاب الإسلامي بيروت، انيس)

(۲) قال العلامة الحصكفي: ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲٤۸/۲، كتاب النكاح)

خطبہ نکاح کے سننے کا وجوب کہاں سے ثابت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ نکاح کا سننا واجب ہے، یا مستحب؟ ہر خطبہ کا سننا واجب ہے، یا مستحب؟ عید کے خطبے کا سننا مسنون ہے، یا مستحب؟ قرآن وحدیث سے ذکر فرمادیں۔فقہانے تمام خطبوں کے سننے کا وجوب کہاں سے ذکر کیا ہے؟ آیت سورہ جمعہ عام ہے تو کس مفسر نے عام کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے آثار کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، جن میں جمعہ کے خطبہ کے علاوہ کے نہ سننے پر وعید منقول ہو؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

تمام خطبوں کا سننا واجب ہے؛ کیوں کہ جتنے خطبے بھی ہیں، وہ سب قرآن پاک کی آیات پر مشتمل ہوتے ہیں اور سورہ اعراف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''جب قرآن پاک پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگادیا کرو اور خاموش رہا کرو'' یہ آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے اور یہ آیت قرأت فی الصلوۃ کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی، خطبہ چاہے جمعہ کا ہو، یا عید اور نکاح کا، وہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا ہے، جب یہ آیت نماز اور خطبہ دونوں سے متعلق ہے تو قرآن پاک کے نص قطعی سے خطبہ کا استماع اور اس کے لیے خاموش رہنا واجب ہوا اور فقہانے تمام خطبوں کے سننے کے وجوب کی صراحت کی ہے۔

لمافي عمدة القاری (باب الاستماع الى الخطبة : ۲۲۹/۶)**:ذكر ما يستفاد منه فيه الإنصات إلى الخطبة وهو مطلوب بالاتفاق... وروى عن مجاهد أنه قال لا يجب الإنصات للقرآن إلا فی موضعين فی الصلاة والخطبة، ثم نقل عن أكثر العلماء أن الإنصات واجب على من سمعها ومن لم يسمعها... وكان عروة لا يرى بأسا بالكلام إذا لم يسمع الخطبة، وقال أحمد: لا بأس أن يذكر اللّٰه ويقرأ من لم يسمع الخطبة... فروى عن الشعبى وسعيد بن جبير والنخعى وابن بردة أنهم كانوا لا يتكلمون والإمام يخطب إلا فی قراءة القرآن فی الخطبة خاصة، لقوله تعالى: ﴿فاستمعوا له وأنصتوا﴾... وقال أصحابنا:إذا اشتغل الإمام بالخطبة ينبغی للمستمع أن يجتنب ما يجتنبه فی الصلاة لقوله عزوجل:﴿فاستمعوا إليه وأنصتوا﴾...وقوله:إذا قلت لصاحبك أنصت** (الحديث) **... قيل:وجوب الاستماع مخصوص بزمن الوحی، وقيل:فی الخطبة الأولى دون الثانية.**

وفی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح (كتاب الصلاة،ص: ۵۱۹،قديمی)**:وفی السيد: استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب وإن كان فيها ذكر الولاة وهو الأصح، نهر وكذا استماع سائر الخطب كخطبة النكاح والختم.**

وفی الدرالمختار باب الجمعة (۱۵۹/۲)**:وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد.** (نجم الفتاویٰ:۴/۳)

خطبہ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے:

سوال: اگر قاضی نکاح کا خطبہ پڑھ رہا ہو اور لوگ آپس میں باتوں میں مشغول ہو تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب

ہر خطبہ (چاہے وہ نکاح کا ہو، یا عیدین وجمعہ کا) سننا واجب ہے اور جو شخص وجوب کو قصداً ترک کرے تو گنہگار ہوگا، اسی طرح خطبہ نکاح کے دوران باتیں کرنے والے لوگ بھی گنہگار ہیں۔

قال العلامة الحصكفي: وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وضم على المعتمد. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۷٦٩/۲، كتاب النكاح)

قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: وهٰذه فروع تتعلق بالمحل وقد منا هافي باب صفة الصلاة ويتعين ان لايخلى عنهامظنتها يحرم فى الخطبة الكلام وان كان امرًا بمعروف أوتسبيحاً والأكل والشرب والكتابة. (فتح القدير: ۳۷/۲، كتاب النكاح) (فتاویٰ حقانیہ: ۳۰۳/۴)

ایک مجلس میں چند لڑکوں لڑکیوں کے ایجاب قبول کے لیے ایک خطبہ کافی ہے:

سوال: اگر ایک ہی مجلس میں دو چار نوشاہ مجتمع ہوں تو صرف ایک مرتبہ خطبہ نکاح پڑھ کر سب سے ایجاب وقبول کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

درست ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۸/۷)

کئی نکاح اکٹھے پڑھے جائیں تو کیا ان سب کے لیے ایک خطبہ کافی ہے:

سوال: کئی نکاح ایک ہی جگہ پر ہوں تو ان کے لیے خطبہ مسنونہ ایک ہی کافی ہے، یا ہر نکاح کے لیے علاحدہ علاحدہ؟

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

ہر ایک نکاح کے لیے خطبہ مسنونہ پڑھنا مسنون ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایۃ المفتی: ۱۵۰/۵)

---

(۱) ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهودعدول. (الدرالمختار) واطلق الخطبة فأفاد أنهالاتتعين بألفاظ مخصوصة وإن خطب بما ورد وهو أحسن. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۰۹/۲)
جب پہلے ایک دفعہ خطبہ پڑھ دیا تو وہ سب کے لیے کافی ہوگا۔ ظفیر

(۲) ويندب إعلانه وتقديم خطبته وكونه فى مسجد. (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد) ==

نکاح کا خطبہ کب پڑھنا چاہیے:

سوال: خطبہ نکاح، نکاح سے پہلے پڑھے، یا بعد میں پڑھنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مجلس نکاح میں اولاً خطبہ پڑھا جائے، بعدہٗ ایجاب وقبول کیا جائے۔(۱)

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۸/۸)

خطبہ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہو یا بعد میں:

سوال: بوقت نکاح خطبہ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے پڑھنا سنت ہے، یا ایجاب وقبول کے بعد پڑھنا سنت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

خطبہ نکاح کا ایجاب وقبول سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ، ۱۴۰۱/۱۱/۲۴ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/)

خطبہ نکاح پہلے پڑھا جائے یا ایجاب وقبول:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت خطبہ نہیں پڑھتے اور بعض ایجاب وقبول سے پہلے پڑھتے ہیں اور بعض بعد میں تو ان میں سے کون صحیح ہے نکاح پڑھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح میں خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ کو ایجاب اور قبول سے پہلے پڑھا جائے۔ مسنون طریقہ نکاح

== حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، وَمُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ الْعَسْقَلَانِيُّ، قَالُوا: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ قُرَّةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ، لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ، أَقْطَعُ. (تعليق محمد فؤاد عبد الباقي: قال السندى الحديث قد حسنه ابن الصلاح والنووى وأخرجه ابن حبان فى صحيحه والحاكم فى المستدرک، سنن ابن ماجة، باب خطبة النكاح: ۶۱۰/۱، رقم الحديث: ۱۸۹۴، دار إحياء الكتب العربية بيروت، انيس)

(۱) (قوله: وتقديم خطبة): بضم الخا وما يذكر قبل أجراء العقد من الحمد والتشهد. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۵۹/۲)

(۲) فى الدر المختار: ۲۶۸/۳: ويندب اعلانه وتقديم خطبة. وفى الشامية (وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل اجراء العقد من الحمد والتشهد، الخ. وفى البحر الرائق كتاب النكاح: ۸۱/۳ (طبع: مكتبة رشيدية كوئٹه) يستحب أن يكون النكاح ظاهراً وأن يكون قبله خطبة.

کا یہی ہے کہ پہلے خطبہ پڑھا جائے اور پھر بعد میں ایجاب وقبول کیا جائے۔

لما فی إعلاء السنن (۸۲/۱۱): عن رجل من بنی سلیم قال: خطبت الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أمامة بنت عبدالمطلب، فانکحنی من غیر أن یتشھد فدل ذلک علی جواز النکاح بغیر خطبة مع عدم الکراھة فالخطبة له مستحبة.

وفی الدرالمختار (۳۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشھود عدول.

وفی الفقه الاسلامی وأدلته (۶۶۱۶/۹): یستحب للزواج ما یأتی: أن یخطب الزوج قبل العقد عند التماس التزویج خُطبة مبدوئة بالحمد للّٰه والشھادتین، والصلاة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، مشتملة علی آیة فیھا أمر بالتقوی وذکر المقصود، عملاً بخطبة ابن مسعود... فإن عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غیر واجبة. (نجم الفتاویٰ: ۴/ ۸)

نکاح کا خطبہ پہلے پڑھا جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں نکاح اور ایجاب وقبول کے بعد خطبہ نکاح پڑھا جاتا ہے، جب کہ بعض علماء پہلے خطبہ پڑھ کر بعد میں ایجاب وقبول کرتے ہیں، اس میں کون سا عمل صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔　　(المستفتی: گوہر رحمٰن کاٹیلی سوات، ۱۹۷۴/۱۰/۳ء)

الجواب

خطبہ نکاح عقد سے پہلے پڑھنا مستحب ہے، **لما رواہ الدارمی،** (۱) **وفی الدرالمختار: ویندب أعلا نه وتقدیم خطبة،** (۲) **فتاخیرھا عن العقد مخالفة الحدیث والفقه. وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۲۴۴)

خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیے:

سوال: بعض علاقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ نکاح (ایجاب وقبول) کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے، کیا

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوْ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ، فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ يَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ، وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران: 102)، يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَائَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ، وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ، وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ، وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الأحزاب: 71) ثُمَّ يَتَكَلَّمُ بِحَاجَتِهِ. (سنن الدارمی: ۱۹۱/۲، باب فی خطبة النکاح، رقم الحدیث: ۲۲۴۸)

(۲) (الدرالمختار علی ھامش ردالمحتار: ۴۸۲/۲، کتاب النکاح

ایجاب وقبول سے پڑھنا چاہیے، یا بعد میں؟

الجواب

نکاح باہمی رضا مندی سے ایجاب وقبول کا نام ہے، البتہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ایک استحبابی عمل ہے؛ اس لیے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے، بعد میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال الحصکفی: ویندب اعلانه وتقدیم خطبة. (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار: ۸/۳، کتاب النکاح)(۱) (فتاوی حقانیہ: ۲۹۳/۴)

دو نکاح کے لیے ایک خطبہ:

سوال (۱) اگر ایک ہی مجلس میں دو شخص کا نکاح پڑھانا ہو تو اس کے لیے الگ الگ دو خطبے پڑھنا چاہیے یا ایک ہی خطبہ کافی ہے؟

خطبہ نکاح بیٹھ کر پڑھنا:

(۲) خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھنا چاہیے، یا کھڑے ہو کر؟

الجواب ــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) ایک خطبہ بھی کافی ہے۔(۲)

(۲) اس خطبہ کا کھڑا ہو کر پڑھنا کسی کتاب میں نہیں دیکھا، بیٹھ کر پڑھنے کا معمول ہے۔(۳) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۱/۱۰-۵۹۲)

خطبہ نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے:

سوال: عقد نکاح کے وقت خطبہ کھڑے کھڑے پڑھنا سنت ہے، یا بیٹھے بیٹھے؟

---

(۱) قال ابن نجیم رحمه اللّٰه: وفی المجتبیٰ یستحبّ ان یکون النکاح ظاهرًا وأن یکون قبله خطبة. (البحر الرائق: ۸۱/۳، کتاب النکاح)

ومثله فی الفقه الاسلامی وأدلتُهٗ: ۱۲۲/۷: المبحث الخامس، مندوبات عقد النکاح

(۲) "ویندب إعلانه وتقدیم خطبة، وکونه فی مسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشهود عدل". (الدرالمختار)

"وأطلق الخطبة فأفاد أنها لا تتعین بألفاظ مخصوصة، وإن خطب بما ورد، فهو أحسن، الخ". (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۸/۳، سعید)

(۳) خیر الفتاوی میں ہے: "ہمارے اکابر علمائے کرام کا طرز دونوں طرح رہا ہے؛ لیکن کھڑے رہ کر خطبہ پڑھنا بہتر ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کھڑے ہو کر خطبات پڑھنے کی تھی"۔ (کتاب النکاح، متفرقات نکاح: ۵۹۱/۴، ملتان پاکستان)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اصل خطبوں میں کھڑے ہوکر ہی پڑھنا ہے؛ مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے، عرب میں بھی اب یہی رواج ہوگیا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام، نمبر:۹۴، ص:۳۰۵) (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۸/۸)

نکاح کا خطبہ کیسے پڑھا جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے، یا بیٹھ کر؟ برائے کرم مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے، یا بیٹھ کر؟ اس کے بارے میں فقہاء کرام کی عبارات سے صراحت تو نہیں مل سکی، البتہ اکابرین کا معمول بیٹھ کر پڑھنے کا ہے۔

لمافی جامع الترمذی (۲۱۰/۱): عن عبد الله قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد فى الصلاة، والتشهد فى الحاجة، قال: التشهد فى الصلاة: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليک، الخ.

وفى الدر المختار (کتاب النکاح: ۸/۳): ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم الجمعة بعاقد رشيد وشهود عدول. (نجم الفتاویٰ: ۴/)

خطبۂ نکاح بیٹھ کر ہے، یا کھڑے ہوکر:

سوال: شادی کے اندر خطبہ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا بغیر خطبہ کے شادی نہیں ہوسکتی؟ اگر خطبہ ضروری ہے تو بیٹھ کر پڑھیں، یا کھڑے ہوکر؟ جب کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں تو اس کو بھی کھڑے ہوکر پڑھنا چاہیے؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

نکاح کا خطبہ پڑھنا شرط، یا رکن نہیں؛ بلکہ مندوب ہے۔

"ويندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه فى مسجد يوم جمعة". (الدر المختار: ۴۰۲/۲) (۱)

بعضے حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں، بعضے بیٹھ کر، کھڑے ہوکر پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے، جو کہ مندوب ہے۔ عقدِ بیع وغیرہ میں بھی پڑھتے ہیں اور عامۃً یہ چیزیں بیٹھ کر ہوتی ہیں، ان کے لیے مستقل قیام نہیں ہوتا، یہی حال خطبہ نکاح بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۲/۱۰-۵۹۳)

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح: ۸/۳، سعید

خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر:

سوال: ہمارے شہر میں ایک امام صاحب تشریف لائے ہیں، اور خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پڑھنا مسنون ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جتنے بھی خطبہ دیے ہیں وہ سب کھڑے ہوکر دیئے ہیں، جب کہ خطبۂ نکاح حدیث میں کہیں بھی بیٹھ کر دینا ثابت نہیں ہے۔ تو کیا کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا جواز ملتا ہے؟ کیا خطبۂ نکاح خطبۂ جمعہ واستسقاء کے مشابہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جائز تو کھڑے ہوکر بھی پڑھنا ہے، بیٹھ کر پڑھنا بھی ہے، جو شخص کھڑے ہوکر خطبۂ نکاح کو پڑھنا مسنون کہے، دلیل اس کے ذمہ ہے، وہ حدیث وفقہ سے ثبوت پیش کرے۔ متعدد مواقع پر حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے، مسلم شریف، الادب المفرد میں حدیثیں موجود ہیں۔(۱) شراح نے اس جگہ لکھا ہے کہ یہ خطبۂ جمعہ نہیں تھا، اس کا کھڑے ہوکر پڑھنا بھی منقول ہے۔(۲) خطبۂ نکاح کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۸/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۳/۱۰)

---

(۱) "عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: جلس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی المنبر وجلسنا حوله فقال: "إن مما أخاف علیکم بعدی، الخ". (الصحیح لمسلم، کتاب الزکاة، باب تحذیر من الاغترار بزینة الدنیا وما یبسط منها: ۳۳۶/۱، قدیمی)

(۲) "أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم جلس ذات یوم علی المنبر، وجلسنا حوله". فان الجلوس فی حدیث أبی سعید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه لیس خطبة الجمعة ولا لخطبة معروفة غیرها، وإنما هوا لموعظة وتذکیر، ولم یثبت عنه صلی اللّٰہ علیه وسلم الجلوس للخطبة، وإنما خطب قائما، ولذا ذهب بعضهم الی اشتراط القیام لها، وإن کان الاشتراط علی خلاف رأی الجمهور". (معارف السنن، باب فی الرکعتین إذاجاء الرجل والإمام یخطب: ۳۶۶/٤، سعید)

☆ خطبہ نکاح کس طرح پڑھا جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خطبہ نکاح؛ یعنی نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے، یا بیٹھ کر اور دولہا دولہن کو کلمہ وغیرہ پڑھانا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اصل خطبہ میں کھڑے ہوکر پڑھنا ہے، نیز کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے، جو کہ مندوب ہے، لہٰذا کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا افضل ہے؛ مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے، ہندوستان اور عرب میں اب یہی معمول ہے کہ بیٹھ کر نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۱۵۲/۱۱، ڈابھیل: ۵۹۲/۱۰)

دولہا اور دولہن کو کلمہ پڑھانا قرآن وحدیث وفقہ اور ائمہ مجتہدین وسلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ جو لوگ کلمہ ==

نکاح کا خطبہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، خواہ وہ خطبہ جمعہ، استسقا، نکاح کا ہو، یا کسی اور موقع کا، لہٰذا جو رواج آج کل ہمارے یہاں اور بعض دیگر ممالک میں ہو گیا ہے کہ نکاح پڑھانے والا خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھتا ہے، یہ خلاف سنت اور قابل ترک ہے،

== پڑھنا بھی نہیں جانتے ہیں، تو ان کو کلمہ پڑھا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جو لوگ پہلے سے کلمہ جانتے ہیں ان کو کلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۳۹۴/۲، جدید میرٹھ: ۱۴۹/۱۶، امداد المفتیین کراچی، ص: ۵۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۷ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ (الف فتویٰ نمبر: ۷۵۳۹/۳۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۲/۲۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

خطبہ نکاح بیٹھ کر پڑھنا مسنون ہے، یا کھڑے ہو کر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، یا بیٹھ کر؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

فقہی عبارات میں اس بات کی صراحت نہیں ملی کہ خطبہ نکاح بیٹھ کر دیا جائے، یا کھڑے ہو کر؟ ہم نے اپنے اکثر اکابر کو بیٹھ کر خطبہ نکاح پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور بعض اکابر کا معمول کھڑے ہو کر بھی رہا ہے، اُردو فتاویٰ میں بھی دونوں طرح کی باتیں لکھی ہیں؛ اس لیے اس معاملہ میں بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں، جو جیسا مناسب سمجھے، اس پر عمل کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۲/۱۰، ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۶/۲ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

خطبہ نکاح کھڑے ہو کر پڑھا جائے، یا بیٹھ کر:

سوال: خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے، یا بیٹھ کر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اثر منقول ہو تو ذکر فرما دیں؟ نیز صحابہ وتابعین کا عمل نقل فرما دیں۔ جمعہ کا خطبہ تو کھڑے ہو کر ہوتا ہے اور عیدین کا بھی پھر نکاح کا بھی کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے، اسے بیٹھ کر کیوں پڑھا جاتا ہے؟

الجوابــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا صراحۃً نظر سے نہیں گزرا، عام تعامل بیٹھ کر پڑھنے کا ہے اور عام طور پر عقد نکاح بیٹھ کر ہوتا ہے تو بیٹھ کر خطبہ نکاح پڑھنا بہتر معلوم ہوتا ہے، خطبہ نکاح کو خطبہ عیدین اور جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

لما في الصحيح لمسلم (٣٣٦/١): عن أبي سعيد الخدري قال جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وجلسنا حوله، فقال: إن مما أخاف عليكم بعدي ما يفتح عليكم من زهرة الدنيا وزينتها.

وفي البحر الرائق (١٨/٣): يستحب أن يكون النكاح ظاهرا وأن يكون قبله خطبة وأن يكون عقده في يوم الجمعة.

وفي الدر المختار (٨/٣): ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة. (نجم الفتاویٰ: ۴/)

آج اس سنت کو زندہ کرنے کی سخت ضرورت ہے، اس حدیث کی بنا پر جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو میری ایسی سنت کو زندہ کرے گا جو مردہ ہو چکی ہے، اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھیں۔ بکر کہتا ہے کہ زید کا قول لغو ہے، اب تعامل بیٹھ کر پڑھنے کا ہے، علماء ہندوستان و علماء عرب میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، چناں چہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی فرماتے ہیں:

''اصل خطبوں میں کھڑے ہو کر ہی پڑھنا ہے؛ مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے، ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے، عرب میں بھی اب یہی رواج ہو گیا ہے''۔ (فتاوی رحیمیہ: ۲/۳۷۵)

لہٰذا بیٹھ کر خطبہ نکاح سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زید اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ جب اصل کھڑا ہونا ہے تو اصل چھوڑنے سے ترک سنت لازم آتا ہے؛ بلکہ اب ذہنوں میں یہ بات جم گئی ہے کہ بیٹھ کر پڑھنا ہی سنت ہے، آج اگر کوئی نکاح خواں مولوی صاحب کھڑے ہو کر نکاح کا خطبہ پڑھنے لگے تو کھلبلی مچ جائے گی، مولوی صاحب پر بدعت کا الزام ٹھہرایا جائے گا، جب صورت حال یہ ہے کہ سنت کو بدعت سمجھا جا رہا ہے اور بدعت کو سنت تو لامحالہ اس رواج کا ترک کرنا اور صحیح مسئلہ ظاہر کرنا علماء کا فریضہ ہوگا، چناں چہ دعاء ثانیہ کو علماء دیوبند کس شد و مد سے رد کرتے ہیں کہ یہ طریقہ سنت نہیں ہے تو ''ما نحن فیہ'' میں بھی علماء کو اس غیر سنت رواج کے انسداد میں سرگرمی سے کام لینا چاہیے، رہی یہ بات کہ بقول حضرت مولانا مدنیؒ کے عرب میں بھی اب یہی رواج ہو گیا ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ عرب میں جو رواج ہوتا ہے، وہ دلیل شرعی نہیں ہے، خاص طور سے اس زمانہ میں جو رواج عرب میں پایا جاتا ہے، لہٰذا اصل و سنت چھوڑنے والوں کے پاس اس ایجاد میں کوئی قابل قبول دلیل و حجت نہیں، نکاح کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا ہی اصل و سنت ہے اور اسی کی اشاعت و تبلیغ ہونی چاہیے، لہٰذا جواب دیں کہ زید کا قول حق ہے یا بکر کا؟

(المستفتی: محمد شعیب پوسٹ بکس: ۶۳۱، ڈیڈور، ساؤتھ افریقہ)

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

نکاح کا خطبہ بیٹھ کر دینا بھی جائز ہے اور کھڑے ہو کر دینا بھی جائز ہے، نہ تو بیٹھ کر دینے کو خلاف سنت کہنا درست ہے اور نہ ہی بدعت کہنا درست ہے اور نہ ہی نکاح کے خطبہ کی مسنونیت کو کھڑے ہو کر دینے میں متعین کرنا درست ہے۔ مستفتی نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہو کر ہی دینا مسنون ہے اور آگے مزید شدت سے یہ بات پیش کی ہے کہ نکاح کا خطبہ چوں کہ کھڑے ہو کر ہی دینا مسنون ہے اور یہی اصل ہے اور اس سنت کو مٹا دیا گیا ہے، لہٰذا اس کو زندہ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید مستفتی کو ایسی کوئی حدیث ملی ہوگی، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نکاح کھڑے ہو کر دینا ثابت ہو، یا مستفتی نے یہ سمجھا ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ اور خطبہ استسقاء وغیرہ کھڑے ہوکر دیا ہے؛ اس لیے نکاح کا خطبہ بھی کھڑے ہوکر دیا ہوگا، ہم نے دونوں چیزوں کے بارے میں حدیث وفقہ کی کتابوں کو حسب استطاعت دیکھا ہے، نہ ہم کو کوئی حدیث ملی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا، یا خلفائے راشدین میں سے کسی کا کھڑے ہوکر خطبۂ نکاح دینا ثابت ہو اور نہ ہی دیگر صحابہ اور تابعین کا کوئی اثر، یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا کوئی عمل خطبہ نکاح کو کھڑے ہوکر دینے سے متعلق ملا ہے، لہٰذا اگر مستفتی کو اس سلسلہ میں کوئی حدیث اثر، یا فقہ کا کوئی جزئیہ ملا ہو تو پیش کرے، ہم بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہے کہ چوں کہ آپ نے خطبہ جمعہ، خطبہ استسقاء وغیرہ کو کھڑے ہوکر دیا ہے؛ اس لیے خطبہ نکاح بھی کھڑے ہوکر دیا ہوگا، یہ ایک قیاسی بات ہے اور اس قیاس کا مدار اس بات پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خطبہ کھڑے ہوکر دیا ہوگا تو نکاح کا بھی خطبہ کھڑے ہوکر دیا ہوگا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت سے خطبے بیٹھ کر دینا صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر خطبہ دینا ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلس ذات یوم علی المنبر وجلسنا حوله، فقال: إن ما أخاف علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من زهرة الدنیا وزینتها. (صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب الصدقة علی الیتامی، النسخة الهندیة: ۱/۱۹۷، رقم: ۱۴۴۴، ف: ۱۴۶۵، الصحیح لمسلم، الزکاة، باب تخوف ما یخرج من زهرة الدنیا، النسخة الهندیة: ۱/۳۳۶، بیت الافکار، رقم: ۱۰۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۰۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶/۴/۱۴۳۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

خطبہ نکاح میں آیات کی ترتیب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مشکوٰۃ شریف میں خطبہ نکاح اس طرح مرقوم ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ جب کہ یہ آیت حصنِ حصین میں ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ﴾ کے بعد مرقوم ہے۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ———— وباللہ التوفیق

مشکوۃ شریف میں خطبہ نکاح میں جو آیات نقل ہوئی ہیں، اُن کی ترتیب تو نظم قرآنی کے مطابق اور درست ہے، البتہ بظاہر اُن میں دوسری آیت نقل کرنے میں حضرت سفیان ثوری کو سہو ہوگیا ہے، انہوں نے ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا﴾ کے بجائے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ﴾ الخ، نقل فرمادیا ہے، جب کہ یہ الفاظ قرآنی آیات کے

نہیں ہیں اور حصین حصین میں یہ آیت ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ﴾ الخ کے الفاظ کے ساتھ صحیح طور پر نقل ہوئی ہے۔

وفی جامع الترمذی: فسر الآيات الثلاث سفيان الثوری، أقول: فيمكن الغلط سهوًا منه، فالاولى أن تقرأ الآية على القراء ة المتواترة كما فی نسخة من الحصن وهو ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَنِسَآءً، وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ الآية، فهو فی غاية المناسبة لحال النكاح وغيره من كل حاجة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة: ٢٨٤/٦، بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶/۶/۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

خطبہ نکاح میں ﴿رَبُّكُمُ الَّذِیْ﴾ ب کے پیش کے ساتھ پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر خطبہ نکاح میں ﴿رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ کی جگہ ﴿رَبُّكُمُ الَّذِیْ﴾ ''ب'' کے پیش کے ساتھ پڑھے (ترکیبی اعتبار سے کیا خرابی آتی ہے؟) تو اس نکاح کا کیا حکم ہوگا؟ اور اگر اس کو نماز میں پڑھ لیا تو کیا حکم ہوگا؟ بہر دونوں صورت تحریر فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

خطبہ نکاح میں ﴿رَبَّكُمْ﴾ کی جگہ ﴿رَبُّكُمْ﴾ پڑھنے سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آتی، اسی طرح اگر نماز میں بھی یہ غلطی ہوجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی؛ کیوں کہ معنی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا۔

وأما المتأخرون فاتفقوا علىٰ أن الخطأ فی الإعراب لايفسد مطلقا، ولواعتقاده كفراً؛ لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب. (شامی: ۳۹۳/۲، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۲/۱/۱۴۳۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

خطبہ نکاح میں وارد احادیث میں اختلاف آیات سے متعلق مفصل تحقیق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ خطبہ نکاح سے متعلق روایات میں آیت کے الفاظ مضطرب ہیں، ابوداؤد میں روایت ہے:

"عن عبد اللّٰه قال علّمنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خطبة الحاجة إن الحمد للّٰه نستعينه ونستغفره ونعوذ به من شرور أنفسنا من يهد اللّٰه فلا مضل له ومن يضلل فلا هادی له وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا اللّٰه الذی تسائلون به والارحام إن اللّٰه كان عليكم رقيبا﴾، ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا اللّٰه حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾، ﴿ياأيها الذين آمنوا اتقوا اللّٰه وقولوا قولا سديدا يصلح لكم

أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً﴾ (سنن أبی داؤد: ۲۸۹/۱، باب فی خطبة النكاح)

اس روایت میں سورۃ آل عمران کی آیت پر سورۃ النساء کی آیت مقدم ہے، نیز سورۃ النساء کی آیت مصحف کے خلاف لکھی ہے، مصحف میں آیت یوں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَائَلُوْنَ بِهٖ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورة النساء: ۱)

جب کہ روایت میں آیت میں موجود فرق آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں نیز یہ فرق صرف ابوداؤد میں نہیں، مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ دونوں فرق اسی طرح ہیں۔ ترمذی کی روایت میں تو تینوں آیات تبدیل ہیں اور ان میں حذف پایا جاتا ہے، جب کہ ابن ماجہ میں سورۃ النساء کی آیت ناتمام اور سورۃ احزاب کی آیت میں ﴿یا ایها الذین آمنوا﴾ نہیں۔ الغرض ان مستند ترین کتب میں موجود روایات میں اتنا شدید تعارض؛ بلکہ آیات میں فرق اور ابوداؤد کی روایت میں موجود تقدیم وتاخیر کس بنا پر ہے؟

درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) خطبہ نکاح میں سورۃ النساء کی آیت کو سورۃ آل عمران کی آیت پر مقدم کر کے پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

(۲) سورۃ النساء کی آیت کو ﴿یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله الذی تسائلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا﴾ روایت کے مطابق پڑھنا درست ہے؟ جب کہ قرآن کریم میں یہ آیت اس طرح نہیں۔

(۳) خطبہ نکاح کے سلسلے میں کون سی روایت درست ہے؟ احناف کی مستدل روایت کون سی اور کس کتاب میں ہے؟ کون سا خطبہ پڑھنا بوقت نکاح مسنون ہے؟ دیگر کتب میں کہیں صحیح الفاظ نقل نہیں؟ ان سوالوں کے مدلل جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

خطبہ نکاح سے متعلق احادیث ان کتب میں منقول ہیں:

(۱) ابو داؤد: ۲۸۸/۱ (۲) نسائی، ص: ۲۰۸ (۳) ترمذی: ۲۱۰/۱ (۴) ابن ماجہ، ص: ۱۳۶ (۵) مشکوٰۃ: ۲۷۲/۱ (۶) مستدرک حاکم: ۱۹۹/۲ (۷) مسند احمد بن حنبل: ۶۴۸/۱ (۸) مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۸/۹ (۹) مصنف عبد الرزاق: ۱۸۷/۶ (۱۰) دارمی: ۱۹۱/۲ (۱۱) بیہقی: ۲۱۴/۳۔ ان میں سے نسائی، مستدرک حاکم، مسند احمد اور سنن دارمی میں حدیثِ خطبہ نکاح میں آیات کی ترتیب وغیرہ درست ہے۔

خطبہ نکاح سے متعلق مستدرک حاکم کی حدیث کا متن:

مستدرک حاکم کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه علمنا خطبة الحاجة: الحمد للّٰہ نحمده ونستعینه ونستغفره ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا من یهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلل فلا هادی له وأشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم یقرأ ثلاث آیات: ﴿یاأیهاالذین آمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾، ﴿یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللّٰہ الذی تسائلون به والأرحام إن اللّٰہ کان علیکم رقیبا﴾، ﴿یا أیها الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللّٰہ ورسوله فقد فاز فوزاً عظیما﴾، ثم یذکر حاجته". (المستدرک: ۱۹۹/۲،)

مستدرک حاکم کی طرح سنن نسائی، مسند احمد اور دارمی میں بھی یہ آیات مکمل اور ترتیب وار ذکر ہیں، نیز بیہقی میں یہ روایت مختلف طرق سے نقل ہے، ان میں سے ایک طریق میں آیات کے الفاظ اور ترتیب درست ہے۔ گویا پانچ کتب میں یہ روایت صحیح ترتیب اور الفاظ کے ساتھ نقل ہے، لہٰذا یہی مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت اصل ہے۔ خطبہ انہی کے مطابق دیا جائے گا۔ حصن حصین میں بھی سنن نسائی اور مستدرک حاکم کی بنا پر آیات اور الفاظ صحیح ترتیب پر درج ہیں، البتہ حصن حصین میں سورۃ النساء کی آیت فقط مقدم ہے۔

ابو داؤد، ترمذی اور دیگر کتبِ احادیث جن میں آیت کے الفاظ میں تغیر ہے، ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں آیات کی ترتیب اور الفاظ میں کچھ تغیر ہے۔ ابو داؤد میں تو ترتیب میں بھی خلل ہے، سورۃ النساء کی آیت سورۃ آل عمران سے مقدم ہے اور سورۃ النساء کی آیت میں کچھ تغیر بھی ہے نیز ترمذی میں تینوں آیات میں ﴿یاأیها الذین آمنوا﴾ خطاب حذف ہے، سنن ابن ماجہ کی روایت میں بھی تقدیم وتغیر ہے۔ ان روایات کا جواب اور اس تغیّر وتقدیم کی تنقیح بھی لازمی امر ہے۔

بندہ نے اس کے متعلق کافی تحقیق کی اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان تمام روایات کے رواۃ پر تو کوئی کلام نہیں، سب ثقہ ہیں اور یہ روایات صحاح ہیں، البتہ ان میں ترمذی کی روایت کو اصل بنایا جا سکتا ہے۔ ترمذی میں صرف ﴿یا ایها الذین آمنوا﴾ الفاظ خطاب حذف ہیں اور یہ تصریح ہے کہ یہ آیات مرفوع نہیں اور نا صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی ہیں؛ بلکہ حضرت سفیان ثوری نے ان آیات کو تفسیراً ذکر فرمایا ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث کا متن:

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبد اللّٰہ قال: علمنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم التشهد فی الصلاة والتشهد فی الحاجة، قال: التشهد فی الصلاة التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات السلام علیک أیها النبی

ورحمة اللّٰه وبركاته السلام علينا وعلى عباد اللّٰه الصالحين أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أن محمدا عبده ورسوله والتشهد فى الحاجة إن الحمد للّٰه نستعينه ونستغفره ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا فمن يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أن محمدا عبده ورسوله قال ويقرأ ثلاث آيات،قال عبثر:ففسره لنا سفيان الثورى﴿اتقوا اللّٰه حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾،﴿اتقوا اللّٰه الذى تسائلون به والارحام إن اللّٰه كان عليكم رقيبا﴾،﴿اتقوا اللّٰه وقولوا قولا سديدا﴾(الآية)وفى الباب عن عدى بن حاتم.

قال أبو عيسى:حديث عبد اللّٰه حديث حسن رواه الأعمش عن أبى إسحق عن أبى الأحوص عن عبد اللّٰه عن النبى صلى اللّٰه عليه و سلم ورواه شعبة عن أبى إسحق عن أبى عبيدة عن عبد اللّٰه عن النبى صلى اللّٰه عليه و سلم وكلا الحديثين صحيح لأن إسرائيل جمعهما، فقال:عن أبى إسحق عن أبى الاحوص وأبى عبيدة عن عبد اللّٰه بن مسعود عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم".(جامع الترمذی: ۱۰/۱ ۲)

خطبہ نکاح سے متعلق روایات میں بعض ضروری تنبیہات:

خطبہ نکاح سے متعلق روایت تمام کتب میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے اور کسی صحابی سے نقل نہیں۔ ترمذی شریف کی اس روایت میں "قال ويقرأ ثلاث آيات" میں قال کا قائل حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں؛ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اور پھر تین آیتیں پڑھے۔ (از تحفۃ الاحوذی: ۱۷۸/۲)

اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے خود آیات تلاوت نہیں فرمائیں؛ بلکہ حضرت سفیان ثوری نے ان تین آیتوں کو بیان فرمایا کہ ایک سورۃ آل عمران کی، ایک سورۃ النساء کی اور ایک سورۃ الاحزاب کی ہے اور ان تینوں کو اختصاراً ﴿اتقوا اللّٰه﴾ سے تلاوت فرمادیا، تینوں آیات کی ابتدا میں موجود ﴿يا ايها الذين آمنوا﴾ (الآية) خطاب کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے، نیز سورۃ الاحزاب کی آیت چوں کہ طویل تھی، لہٰذا ﴿قولوا قولا سديدا﴾ کے بعد الآیۃ فرمادیا، پوری آیت ﴿يصلح لكم﴾ الخ تلاوت نہیں فرمائی، گویا کہ یہ اختصار حضرت سفیان ثوری نے فرمایا تھا اور ان کی مراد مکمل آیات کی تلاوت ہی تھی۔

آیت کو بالمعنی تلاوت کرنا اور اس سے متعلق حضرت سفیان ثوری کا مذہب:

بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے بھی جواز کے قائل تھے، مثلاً ان سے آیت ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ کا ﴿فان لم تجدوا﴾ پڑھنا ثابت ہے، جس پر فتح الباری میں یہ ذکر ہے کہ حضرت سفیان ثوری آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کے قائل تھے۔

لما فى البخارى:باب الماء الذى يغسل به شعر الإنسان...وقال سفيان:"هذا الفقه بعينه، يقول اللّٰه تعالى:﴿فلم تجدوا ماء فتيمموا﴾وهذا ماء، وفى النفس منه شىء، يتوضأ به ويتيمم".

وفی فتح الباری تحت هذا الحدیث (۲۱۹/۱): (باب الماء) أی حکم الماء الذی یغسل به شعر الإنسان ... تنبیه: وقع فی روایة أبی الحسن القابسی عن أبی زید المروزی فی حکایة قول سفیان یقول اللّٰه تعالی: ﴿فإن لم تجدوا ماء﴾ وکذا حکاه أبو نعیم فی المستخرج علی البخاری وفی باقی الروایات ﴿فلم تجدوا﴾ وهو الموافق للتلاوة، وقال القابسی: وقد ثبت ذلک فی الاحکام لإسماعیل القاضی؛ یعنی بإسناده إلی سفیان قال: وما أعرف من قرأ بذلک قلت لعل الثوری حکاه بالمعنی وکان یری جواز ذلک وکأن هذا هو الذی جر المصنف أن یأتی بمثل هذه العبارة فی کتاب التیمم، کما سیأتی إن شاء اللّٰه تعالی.

لہذا یہاں خطبہ نکاح سے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری نے آیات کو بالمعنی تلاوت کر دیا ہوگا، جیسا کہ ان کا مذہب تھا۔ (قلت: لعل الثوری حکاه بالمعنی وکان یری جواز ذلک.)

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ آیت کو بالمعنی تلاوت کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ حدیث میں بھی روایت بالمعنی سے متعلق طویل ابحاث ہیں؛ لیکن قرآن کریم کو بالمعنی تلاوت کرنا کسی طور پر جائز نہیں۔ قرآن کریم کا نظم محکم ہے، اگر سفیان ثوری کا یہ مذہب ہو بھی، جیسا کہ فتح الباری میں "وکان یری جواز ذلک" کے الفاظ ہیں تو یہ ان کا تفرد ہوگا، کسی کے لیے اس طرح تغیر، یا حذف کرنا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے صحیح بخاری کی جس حدیث کے تحت فتح الباری میں یہ مذہب ذکر ہے، اسی حدیث کے تحت صحیح البخاری کے عظیم شارح علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں اس پر سخت ردّ فرمایا ہے۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے:

"(باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان): وقال سفیان: هذا الفقه بعینه یقول اللّٰه تعالی ﴿فلم تجدوا ماء فتیمموا﴾ وهذا ماء وفی النفس منه شیء یتوضأ به ویتیمم ... ﴿فلم تجدوا ماء﴾ هذا نص القرآن ووقع فی روایة أبی الحسن القابسی عن أبی زید المروزی فی حکایة قول سفیان یقول اللّٰه تعالی ﴿فان لم تجدوا ماء﴾ (النساء: ۴۳، المائدة: ۶) وکذا حکاه أبو نعیم فی المستخرج علی البخاری وقال القابسی: قد ثبت ذلک فی الاحکام لإسماعیل القاضی؛ یعنی باسناده إلی سفیان قال: وما أعرف من قرأ بذلک، وقال بعضهم: لعل الثوری رواه بالمعنی، قلت: لایصح هذا أصلا ؛لأنه قلب کلام اللّٰه تعالی والظاهر أنه سهو أو وقع غلطاً، الخ" (عمدة القاری: ۳۶/۳)

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فقط تین آیتیں پڑھنے کا ارشاد فرمایا تھا، لہذا مقصد پوری آیات ہی ہیں، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں اس اختصار سے مکمل آیات ہی مراد لی گئی ہیں۔

احادیثِ خطبہ نکاح پر وارد اشکال کے بعض اور جوابات اور ان کے سقم کا بیان:

بعض حضرات نے اس اغلاق کے دیگر جوابات بھی دینے کی کوشش کی ہے، مثلاً مرقاۃ میں ہے:

"قال الطیبی رحمه اللّٰه: ولعله هکذا فی مصحف ابن مسعود رضی اللّٰه تعالی عنه فإن المثبت

فی أول سورة النساء واتقوا الله الذی بدون ﴿یأیها الذین آمنوا﴾.(مرقاة المفاتیح:۲۸۳/۶)

یعنی یہ احتمال ہے کہ شاید مصحف ابن مسعود میں آیت اسی طرح ہو؛ لیکن بندہ عرض کرتا ہے کہ کافی تتبع اور قرأت متواترہ اور شاذہ سے متعلق کتب کے مطالعے کے بعد بھی احقر کو کہیں اتنے بڑے تغیر کا مصحف ابن مسعود میں ہونا معلوم نہ ہوسکا؛ بلکہ اسی آیت کے آخر میں موجود لفظ ﴿الارحام﴾ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت ﴿وبالأرحام﴾ باء کی زیادتی کے ساتھ ہے، اس باء کی زیادتی کا ذکر متعدد جگہ موجود ہے اور جزماً ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہاں باء زیادہ ہے۔(دیکھئے:عون المعبود شرح سنن أبی داؤد:۲۲۲/٤، ابراز المعانی من حرز الأمانی،ص:۲۸٤،بذل المجهود شرح سنن أبی داؤد:۲٤٥/۳)

جب اتنا معمولی باء کا فرق تمام کتب میں موجود ہے، نیز دیگر قرأت میں پائے جانے والے معمولی فروق بھی قرّاء ذکر فرماتے ہیں تو اتنا بڑا فرق جہاں آدھی سے زیادہ آیت حذف ہے اور تقدیم وتغیر پایا جاتا ہو، وہاں یہ کہنا ’’شاید مصحف ابن مسعود میں ایسا ہو‘‘ درست معلوم نہیں ہوتا۔

اس تغیر سے متعلق ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت سفیان ثوری سے ایسا سہواً غلطی کی بنا پر ہو گیا ہو اور انہوں نے یہ تقدیم وتغیر کر دیا ہو۔ مرقاۃ میں ہے:

’’وفی جامع الترمذی فسّر الآیات الثلاث سفیان الثوری،أقول:فیمکن الغلط سهواً منه فالأولٰی أن تقرء الآیة علی القراءة المتواترة کما فی نسخة من الحصن‘‘.(مرقاةالمفاتیح:۲۸٤/٦)

بندہ عرض کرتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ مسئلہ سہو سے متعلق ہو۔ حضرت سفیان ثوری نے سہواً آیات کو متغیر تلاوت فرمادیا ہو، جیسا کہ آیت ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ سے متعلق ابھی گزرا کہ سفیان ثوری نیا سے ﴿فإن لم تجدوا﴾ بھی پڑھا ہے اور علامہ عینی نے اسے سہو قرار دیا تھا:

’’قول سفیان:یقول الله تعالٰی ﴿فان لم تجدوا ماء﴾ (سورةالنساء:٤۳،والمائدة:٦) **... وقال بعضهم:لعل الثوری رواه بالمعنی، قلت:لایصح هذا أصلا لأنه قلب کلام الله تعالی والظاهر أنه سهو أو وقع غلطاً،الخ‘‘**.(عمدة القاری:۳٦/۳)

نیز حماد بن سلمہ سے بھی ایسا سہو ہوا ہے کہ انہوں نے آیت کو ﴿فإن لم تجدوا﴾ پڑھ دیا، عمدۃ القاری میں اسے بھی حماد کا وہم قرار دیا گیا ہے۔

لما فی المصنف ابن أبی شیبة:من قال: لا یتیمم حتی یجد الماء:عن شقیق، قال: کنت جالسا مع عبد الله، وأبی موسٰی، فقال أبو موسی:یا أبا عبد الرحمن، أرأیت لو أن رجلا أجنب فلم یجد الماء شهراً، کیف یصنع بالصلاة؟ فقال عبد الله: لا یتیمم وإن لم یجد الماء شهراً، فقال أبو موسٰی: فکیف بهذه الآیة فی سورة المائدة:﴿فإن لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا﴾فقال

عبداللّٰہ: لو رخص لهم فی هذا لاوشكوا إذا برد عليهم الماء أن يتيمموا بالصعيد.

وفی عمدة القاری. كتاب التيمم (۲/٤)"قوله:فلم تجدوا ماء" القرآن هكذا فی سورة النساء والمائدة ورواية الأكثرين على هذا وهو الصواب، وفی رواية النسفی وعبدوس والحموی والمستملی، فإن لم تجدوا ووقع التصريح به فی رواية حماد بن سلمة عن هشام عن أبيه عن عائشة رضی اللّٰه تعالى عنها فی قصتها المذكورة، قال: فأنزل اللّٰه آية التيمم ﴿فإن لم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا﴾(النساء: ٣٤،والمائدة:٦)الحديث والظاهر أن هذا وهم من حماد أوغيره أو قراءة شاذة لحماد.

وفی عمدة القاری أيضا. باب التيمم ضربة (٣٦/٤):(قوله: فی سورة المائدة) وفی رواية الكشميهنی:فكيف تصنعون بهذه الآية فی سورة المائدة وليس فی رواية الأصيلی لفظ الآية وقوله:فلم تجدوا:هو بيان للمراد من الآية ووقع فی رواية الأصيلی فإن لم تجدوا وهو مغاير للتلاوة وقيل: إنه كان كذلك فی رواية أبی ذر، ثم أصلحها على وفق الآية.

لہذا یہاں خطبہ نکاح میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری سے وہم ہوگیا ہواور یہ کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے آیات کوسہواً متغیر تلاوت فرمادیا ہو، باقی امام شعبہ کا طریق بالکل سالم ہے۔ مستدرک حاکم، نسائی، بیہقی، مسند احمد اور دارمی میں ان ہی کے طریق سے مکمل آیات مع الترتیب ذکر ہیں۔ "حصن حصین" میں اور حصن سے نقل کر کے "طحطاوی علی الدر المختار" میں جو خطبہ نقل ہے، اس میں آیات میں تو کوئی تغیر نہیں، البتہ سورۃ النساء کی آیت سورۃ آل عمران کی آیت پر مقدم ہے۔

خلاصہ کلام:

بہرحال زیادہ واضح بات یہ ہے کہ آیت میں تغیر صرف اختصاراً کیا گیا تھا، جب کہ اس سے مراد مکمل آیات تھیں، جیسا کہ شرّاح حدیث نے وضاحت فرمائی ہے، لہذا مختصر، یا حذف شدہ آیات کا پڑھنا جائز نہیں، البتہ جن روایات اور حصن حصین وغیرہ میں آیات مقدم وموخر ہیں، ان کا پڑھنا درست تو ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ آیات کو ترتیب وار صحیح اور مکمل حالت میں پڑھا جائے۔ پہلے سورۃ آل عمران پھر سورۃ النساء اور پھر سورۃ احزاب کی آیت پڑھے۔ مستدرک حاکم کی حدیث کا متن لفظ بلفظ ذکر کیا جارہا ہے، اسی کو بطور خطبہ پڑھا جائے۔

عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه عن النبی صلى اللّٰه عليه وسلم أنه علمنا خطبة الحاجة:الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلل فلا هادی له وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم يقرأ ثلاث آيات:﴿ياأيها الذين آمنوا اتقوا اللّٰه حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾،﴿ياأيها الناس اتقوا ربكم الذی خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا اللّٰه الذی تسائلون به والارحام إن اللّٰه كان عليكم رقيبا﴾،﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا اللّٰه وقولوا قولا

سديدا يصلح لكم أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما﴾ثم يذكر حاجته. (المستدرک للحاکم: ۱۹۹/۲)

کتب حدیث میں موجود روایت خطبہ نکاح میں بندے کے نزدیک مستدرک حاکم اور سنن نسائی وغیرہ کی صحیح روایت ہی اصل ہیں، بقیہ مختصر اور مقدم ومؤخر روایات میں اولاً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً آیات نقل ہی نہیں، بعد میں انہیں بیان کیا گیا ہے، ان میں جامع ترمذی کی روایت اصل ہے، حضرت سفیان ثوری نے اختصاراً بیان فرمایا تھا اور ان کا مذہب آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کا تھا۔ ان کے شاگردوں نے مزید اختصار اور خلاصہ بیان فرمادیا، مراد مکمل اور معہود آیات ہی تھیں، جب کہ امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ کے طریق میں ایسا کوئی اختصار، یا تقدیم وتاخیر نہیں، لہٰذا خطبہ نکاح میں حمد وصلوٰۃ کے بعد سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ احزاب کی آیات کو علی الترتیب مکمل پڑھا جائے، جیسا کہ مستدرک حاکم سے نقل کردی گئی ہیں۔ یہی خطبہ نکاح کے وقت سے ہم آہنگ اور قریب تر ہے۔

لما في جامع الترمذي (باب ما جاء في خطبة النكاح: ۲۱۰/۱، قديمي): **عن عبد الله قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد في الصلاة والتشهد في الحاجة قال: التشهد في الصلاة التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله والتشهد في الحاجة إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا فمن يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ويقرأ ثلاث آيات، قال عبثر: ففسره لنا سفيان الثوري ﴿اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾، ﴿واتقوا الله الذي تسائلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا﴾، ﴿اتقوا الله وقولوا قولا سديدا﴾، قال: وفي الباب عن عدي بن حاتم، قال أبو عيسى: حديث عبد الله حديث حسن رواه الاعمش عن أبي إسحاق عن أبي الأحوص عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم، ورواه شعبة عن أبي إسحاق عن أبي عبيدة عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم.**

و في سنن النسائي (أبواب الجمعة، باب كيفية الخطبة: ۲۰۸/۱): **أخبرنا محمد بن المثنى ومحمد بن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحاق يحدث عن أبي عبيدة عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: علمنا خطبة الحاجة الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم يقرأ ثلاث آيات ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾، ﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا**

الله الذى تسائلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا﴾،﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا﴾قال أبوعبدالرحمن أبوعبيدة لم يسمع من أبيه شيئا ولا عبدالرحمن بن عبد الله بن مسعود ولا عبد الجبار بن وائل بن حجر.

وفى مرقاة المفاتيح (٢٨٣/٦،رشيدية): ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله الذى﴾هكذا فى نسخ المشكاة والأذكار وتيسيرالوصول إلى جامع الاصول وبعض نسخ الحصن قال الطيبى رحمه الله: ولعله هكذا فى مصحف ابن مسعود رضى الله تعالى عنه فإن المثبت فى أول سورة النساء ﴿واتقوا الله الذى﴾بدون ﴿ياأيها الذين آمنوا﴾قيل: يحتمل أن يكون تأويلا لما فى الإمام فيكون إشارة إلى أن اللام فى﴿ياأيها الناس﴾للعهد والمراد المومنون،قلت:لا يصح هذا الاحتمال لأنه لوكان كذلک لقال:يا أيها الذين آمنوا اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة الآية مع أن الموصولين لا يلائمان التخصيص.

وفى بذل المجهود كتا ب النكاح (٢٤٤/٣ـ٢٤٥):ويقرء النبى صلى الله عليه وسلم ثلاث آيات﴿يا ايها الذين آمنو اتقو ا الله الذى تسائلون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبا﴾ قال القارى:هٰكذا فى نسخ المشكاة والأذكار وتيسيرالوصول إلى جامع الأصول وبعض نسخ الحصن،قال الطيبى رحمه الله: ولعله هكذا فى مصحف ابن مسعو درضى الله عنه فإن المثبت فى أول سورة النساء ﴿واتقو الله الذى﴾بدون﴿ياايها الذين آمنوا﴾قيل يحتمل أن يكون تاويلا لما فى الإمام فيكون إشارة إلى أن اللام فى ﴿يا ايها الناس﴾ للعهد والمراد المومنون،قلت: لا يصح هذا الاحتمال لأنه لو كان كذلک لقال:يايها الذين آمنوا اتقو ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة" الآية مع أن الموصولين لايلا ئمان التخصيص وتسائلون بحذف أحد التائين وبتشديد السين قرائتان متوا ترتان والأرحام بالنصب عند عامة القراء أى واتقو الأرحام أن تقطعوها وقراءة همزة بالخفض أى به والأرحام كما فى قراءة شاذة عن ابن مسعود رضى الله عنه، قال الترمذى فى جامعه: ففسرها أى ثلاث آيات سفيان الثورى،أقول:فيمكن الغلط فى الآية الأولى سهوًا منه فالأولى أن تقرء الآ ية على القراءة المتواترة كما فى نسخة من الحصن وهو ﴿ياايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقواالله﴾الآية، وهو فى غاية المناسبة لحال النكاح وغيرها من كل حاجة. (نجم الفتاویٰ:۴/)

خطبہ نکاح دیکھ کر پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ خطبہ نکاح زبانی یاد نہ ہوتو کتاب دیکھ کر خطبہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

عقدِ نکاح میں اصل مقصود زبان سے کلماتِ خطبہ ادا کرنا ہے، اس کی بہتر شکل اگر چہ یہی ہے کہ زبانی ادا کیا جائے، جیسا کہ عام معمول ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص لکھے ہوئے خطبہ کو بھی پڑھ دے، تب بھی مقصود حاصل ہو جائے گا، جیسا کہ جمعہ کے خطبہ کو پڑھنے کا رواج ہے۔

(يندب تقديم خطبة) (الدر المختار) فأفاد أنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة، وإن خطب بما ورد فهو أحسن. (الدر المختار مع الشامی: ٤/٦٦، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۱/۶/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

اردو میں خطبۂ نکاح:

سوال: خطبۂ نکاح اگر صرف اردو میں دیا جائے، یا عربی کے ساتھ ساتھ اردو میں ترجمہ بھی بیان کر دیا جائے تو کیسا ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ــــــــــــــ

نکاح کا خطبہ محض مستحب ہے، یہ جمعہ کے خطبہ کی طرح نہیں، جمعہ کا خطبہ شرائط جمعہ میں سے ہے اور گویا نماز جمعہ ہی کا ایک حصہ ہے، ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی جاتی ہے اور جمعہ کی نماز میں دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے اور دو رکعت کی جگہ خطبہ دیا جاتا ہے؛ اس لیے جیسے نماز میں قرأت، اذکار اور دعاؤں کا عربی زبان میں ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح خطبہ جمعہ میں بھی اکثر علماء نے عربی زبان کو ضروری قرار دیا ہے، (۱) خطبۂ نکاح کی نوعیت یہ نہیں ہے؛ اس لیے صرف اردو میں خطبہ دیا جائے، پھر بھی درست ہے۔ اردو، عربی ملا کر دیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں۔ بہتر ہے کہ پہلے اردو میں خطبۂ نکاح کا مطلب بیان کر دیا جائے، پھر عربی زبان میں خطبہ پڑھ دیا جائے۔ اس سے ایک طرف لوگ اپنی زبان میں احکام نکاح کو سمجھ لیں گے اور خطبہ کا اصل مقصد حاصل ہوگا اور عربی میں خطبہ دینے سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ میں خطبہ کی ادائیگی ہوگی اور اس کا افضل واولی ہونا ظاہر ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۰۰)

اردو میں نکاح کا خطبہ پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلے کے بارے میں کہ خطبہ نکاح اردو میں دینا کیسا ہے؟ ہمارے علاقے میں ایک قاضی صاحب اردو میں دس منٹ کا بیان کرتے ہیں، پھر مختصر عربی خطبہ پڑھ کر ایجاب کر دیتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ اگر صرف اردو میں ہی خطبہ دے دیا جائے تو درست ہے؟ ازراہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۱۶۱

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

خطبہ نکاح مستحب ہے نکاح کی شرائط یا واجبات میں سے نہیں، نکاح خطبہ کے بغیر بھی منعقد ہوسکتا ہے، البتہ خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے لیے شرط ہے اور خطبہ جمعہ کا عربی میں پڑھنا علی التحقیق واجب ہے، البتہ خطبہ نکاح چوں کہ مستحب ہے؛ اس لیے غیر عربی میں بھی یہ خطبہ دینا جائز ہے؛ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اولاً اردو زبان میں خطبہ نکاح کا ترجمہ اور کچھ تشریح ہوجائے اور پھر عربی خطبہ بھی پڑھ لیا جائے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے علاقے کے قاضی صاحب کا عمل درست ہے۔ (نجم الفتاویٰ: ۴/)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات سے نکاح میں خطبہ وغیرہ کی تفصیلات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور بنات کا نکاح کن کن اشخاص نے پڑھایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح فرمائے، ان نکاح کے پڑھانے والوں کے کیا نام ہیں؟ نیز بنات طیبات اور دیگر صحابیات میں سے تمام کے نہیں؛ لیکن خاص خاص صحابیات کے نکاح اور ان کی کیفیت کو ذکر کردیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

صحیح اور مشہور مذہب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے نہ تو کسی ولی کی ضرورت تھی اور نہ گواہوں کی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، البتہ تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے بعض ازواج مطہرات کے نکاح پڑھانے والوں کے بارے میں صراحت ملتی ہے۔

(۱) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوطالب نے پڑھایا تھا۔

(۲) مستدرک حاکم اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت نجاشی نے پڑھایا تھا۔

(۳) زرقانی میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے پڑھایا تھا۔

(۴) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

(۵) تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں پڑھایا تھا۔

باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نکاح پڑھانے والوں کے بارے میں صراحت نہیں ملی، البتہ ولی نکاح کی صراحت ملتی ہے۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات کے نکاح کی بات ہے تو تاریخ کی کتابوں میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بنات کا نکاح خود ہی کرایا تھا۔ حضرت زینب بنت عثمان رضی اللہ عنہا صحابیہ کا نکاح ان کے چچا حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کرایا تھا اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

لمافی السیرة النبویة لابن هشام (۳۰۰/٤-۳۰۲،ط:دارإحیاء التراث): ''زواجه بخدیجة'': خدیجة بنت خویلد وهی أول من تزوج زوجه إیاها أبو ها خویلد بن أسد،الخ،''زواجه بعائشة'': وتزوج رسول اللّٰه عائشة بنت أبی بکر الصدیق بمکة... زوجه إیاها أبوهاأبو بکر،الخ،''زواجه بسودة'':وتزوج رسول اللّٰه سودة بنت زمعة ... زوجه إیاها سلیط بن عمر،''زواجه بزینب بنت جحش'': زوجه إیاها أخوها أبوأحمد،''زواجه بأم سلمة'': زوجه إیاها سلمة بن أبی سلمة ابنها،''زواجه بحفصة'': زوجه إیاها أبوها عمر بن الخطاب،''زواجه بأم حبیبة'': زوجه إیاها خالد بن سعید بن العاص،''زواجه بجویریة'': وخطبها رسول اللّٰه إلی أبیها فزوجه إیاها،''زواجه بصفیة'': وتزوج رسول اللّٰه صفیة بنت حی بن أخطب سباها من خیبر فاصطفاها لنفسه،''زواجه بمیمونة'': زوجه إیاها العباس بن عبدالمطلب،''زواجه زینب بنت خزیمة'': زوجه إیاها قبیصة بن عمرو.

وفی البدایة والنهایة (١٤٥/٤،دارالفکر): فصل فی تزوج النبی بأم حبیبه:أمر النجاشی جعفر بن أبی طالب ومن کان هناک من المسلمین أن یحضروا وخطب النجاشی،الخ.

وفی الإصابة (١٥٠/٨،ط:دارالکتب العلمیة) :زینب بنت سید ولد آدم ... هی أکبر بناته وأول من تزوج منهن.

وفی أسد الغابة (٤٢١/٧،ط:داراحیاء التراث) : فزوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم رقیة عن عثمان فلما توفیت زوجه أم کلثوم.

وفیه أیضاً(۲۳۹/۷): فاطمة بنت رسول اللّٰه سیدة نساء العالمین ... وکانت أحب الناس إلی رسول اللّٰه وزوجها عن علی بعد أحد.

وفی الإصابة (١٦١/٨،ط:دارالکتب العلمیة) :زینب بنت عثمان بن مظعون:قال: تزوج ابن عمر زینب بنت عثمان بعد وفاة أبیها زوجه ایاها عمها قدامة.

وفی أسد الغابة (٢٥/٧،ط:داراحیاء التراث) :''أمامة بنت ابی العاص'' أمها زینب بنت رسول اللّٰه وکانت فاطمة وصت علیا أن یتزوجها فلما توفیت فاطمة تزوجها زوجها منه الزبیر بن العوام لأن أباها قد أوصاه بها. (نجم الفتاویٰ:۴/)

نکاح پڑھانے کا مسنون طریقہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کس نے پڑھایا:

سوال: نکاح پڑھانے کا جو مروجہ طریقہ ہے کہ ایک شخص لڑکی کی جانب سے وکیل ہوتا ہے، جو ہر دو گواہوں کو اپنے ہمراہ لے کر لڑکی کے پاس جاتا ہے اور اس سے اس کے نفس کی بابت رضا مندی اور مہر کی مقدار معلوم کرکے نکاح خواں کے پاس آتا ہے اور نکاح خواں دونوں گواہوں کی موجودگی میں وکیل سے برضا اجازتِ نفس اور مقدار مہر کا سوال کرتا ہے، جسے وکیل دو گواہوں کی شہادت کے ساتھ بیان کرتا ہے، پھر نکاح خواں پڑھا جاتا ہے۔

سارے ہندوستان میں یہی طریقہ جاری ہے؛ مگر ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے؛ بلکہ خلافِ سنت ہے اور سنت طریقہ یہ بتلاتے ہیں کہ لڑکی خواہ بالغ ہو، یا نابالغ، باپ خود اپنی وکالت سے پورے حاضرین کو گواہ بنا کر نکاح خواں کو اجازت دے، حالانکہ اس صورت میں نہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی رضامند ہے، یا نہیں، نہ ہی اس کی رضامندی پر کوئی شاہد ہوتا ہے، حالاں کہ شریعت میں یہ بھی ہے کہ لڑکی سے معلوم کروا، اگر وہ ہنس پڑے، یا خاموش رہے تو اجازت سمجھے، اگر رونے لگے تو اس کی ناراضگی تصور کرے اور فقہ کا یہ مقولہ مشہور ہے: **السكوت يدل الإيجاب**".

اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اسی طرح ہوا تھا کہ کوئی گواہ نہ تھا اور سنت طریقہ یہی ہے، ایسا ہی کرنا چاہیے۔ تو جواب طلب امر یہ ہے کہ نکاح خوانی کا صحیح طریقہ مسنون کیا ہے اور طریقہ مروجہ مطابقِ شرع ہے، یا نہیں؟ اور یہ شخص جو طریقہ نکاح خوانی کا بتلا رہا ہے، وہ کس حد تک ٹھیک ہے؟ اگر اس شخص کے بتلائے ہوئے طریقہ پر نکاح ہوا، جس میں نہ تو لڑکی کی طرف سے کوئی وکیل اور نہ اس کی رضامندی پر کوئی شاہد ہے تو یہ نکاح ہوا، یا نہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کس طرح ہوا تھا؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کس نے پڑھایا اور کیسے پڑھایا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

اگر لڑکی بالغہ ہو تو ولی اس سے کہہ دے کہ فلاں لڑکے سے تمہارا نکاح اتنے مہر پر کرتا ہوں، کیا تم کو منظور ہے، انکار تو نہیں ہے؟ (۱) پھر گواہوں کے سامنے خود لڑکے سے ایجاب وقبول کرادے، (۲) یا نکاح خوان کے ذریعہ ایجاب وقبول کرادے، بس اس سے نکاح درست ہوجاتا ہے، جو طریقہ مروجہ ہے، یہ رجسٹر میں اندارج کی مصلحت سے ہے کہ اگر عدالت میں معاملہ جائے تو متعینہ گواہوں کے ذریعہ ثبوت آسان رہے، لڑکی اگر انکار کردے صراحۃً، یا دلالۃً تو وہاں نکاح نہ کیا جائے، (۳) اگر لڑکی نابالغ ہو تو اس کی منظوری کی بھی ضرورت نہیں، (۴) وکیل یا گواہ نامحرم ہوں تو ان کے سامنے لڑکی کا بے پردہ ہونا منع ہے۔ (۵)

---

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم :" ولا تنكح البكر حتى تستأذن " قالوا يارسول الله ! وكيف إذنها ؟ قال: "أن تسكت". (مشكاة المصابيح ، كتاب النكاح ، الفصل الأول: ۲۷۰، قديمي)

(۲) "(كزوجت نفسي أو بنتي أو مؤكلتي منك (و) يقول الآخر: (تزوجت)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۹/۳-۱۰، سعيد)

(۳) "ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء : ۳۱۴/۲، شركة علمية)

(۴) "(وللولي إنكاح الصغير والصغيرة) جبراً (ولو ثيباً، ولزم النكاح". (الدرالمختار، كتاب النكاح ، باب الولي : ۶۵/۳-۶۶، سعيد)

(۵) قال الله تعالىٰ : (وقل للمؤمنٰت يغضضن من أبصارهن) (سورة النور: ۳۱) وقال (يأيها النبي قل لأزواجك وبنٰتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن) (سورة الأحزاب: ۵۹)

==

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھایا، جتنے حاضرین مجمع میں تھے، سب گواہ تھے۔ (کذا فی الخمیس)(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵۳۲/۱۱)

نکاح سب پڑھا سکتے ہیں:

سوال: مجسٹریٹ کا یہ فرمانا کہ نکاح پڑھنا ہر خاص وعام کا کام ہے، قاضی کی کوئی ضرورت نہیں، صحیح ہے، یا نہیں؟

قاضی شہر کے ہوتے ہوئے فقیر نکاح پڑھا سکتا ہے:

سوال: موجودگی قاضی شہر بلا اجازت قاضی، فقیر جو وکالت کرتا ہے، نکاح پڑھا سکتا ہے، یا نہیں؟

نکاح خوانی کسی خاندان سے مخصوص نہیں ہوتی:

سوال: جو قاضی عرصہ سے نکاح خوانی پر قابض ہے اور اس کے پاس سند بایں مضمون ہو کہ قضا پر انہیں کا خاندان رہے، یا پشتہا پشت سے قبضہ چلا آتا ہو تو قابل لحاظ ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) صحیح ہے۔ فقط

(۲) پڑھ سکتا ہے۔ فقط

(۳) نکاح خوانی کسی خاندان، یا کسی خاص شخص کا حق شرعاً نہیں ہے، جس سے نکاح پڑھوالیا جائے، نکاح منعقد ہو جاتا ہے، انتظامی قضیہ جداگانہ ہے، جیسا حکام مصلحت سمجھیں انتظام کریں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۱۶۳/۷)

نکاح کس سے پڑھوایا جائے:

سوال: ایک شخص ریش بُریدہ جو صوم وصلوۃ کا بھی پابند نہیں؛ مگر موروثی نکاح خوانی کی وجہ سے خود کو نکاح خوانی

== ”وعن أم سلمة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها أنها كان عند رسول صلی اللّٰه علیه وسلم ومیمونة؛إذ اقبل ابن ام مكتوم ، فدخل علیه، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : ”أحتجبا منه“ .فقلت : یارسول اللّٰه ! ألیس هوأعمی ، لا یبصرنا؟فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ”أفعمینا وأن انتهما ،ألستما تبصرانه؟(مشكاة المصابیح،كتاب النكاح ،باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی: ٦٢٩ ،قدیمی)(سنن أبی داؤد،باب فی قوله تعالیٰ:قل للمؤمنین،الخ،رقم الحدیث: ٤١١٢ ،سنن الترمذی،باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال،رقم الحدیث:٢٧٧٨ ،انیس)

(۱) ”وروی أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خطب حین النكاح هذه الخطبة ... آه ....زوج علی بفاطمة رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما“.(تاریخ الخمیس: ٣٦٢/١ ،بیروت)

کا مستحق سمجھتا ہے، اس سے نکاح پڑھایا جائے، یا جو شخص عالم دین صوم وصلوۃ کا پابند ہے، جامع مسجد کا امام ہے، اس سے پڑھوانا بہتر ہے؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

شرعاً پورا اختیار ہے، جس کے ذریعہ دل چاہے نکاح پڑھوالیا جائے، کسی خاص نکاح خواں کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا جو شخص دیندار اور مسائلِ نکاح سے واقف ہو، اس سے پڑھوایا جائے۔(۱) واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۲۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۴/۱۰)

نکاح کس سے پڑھوایا جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ موقع نکاح میں عقد خوانی کا حق لڑکے والوں کو ہے، یا لڑکی والوں کو؟ لڑکے کے اہل خانہ میں اگر خود عالم دین موجود ہو تو کیا لڑکی کے گاؤں کے امام پر ایسے شخص کو فوقیت نہیں ہے۔

(المستفتی: عمران ارریاوی)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

لڑکا اور لڑکی والوں میں سے ہر ایک کو نکاح پڑھوانے کا حق ہے، دونوں لوگ جس شخص پر راضی ہوجائیں، اس سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں اور اگر دونوں میں سے کسی کے خاندان میں کوئی عالم دین ونیک صالح شخص موجود ہو تو اس سے بھی نکاح پڑھوا سکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی تحدید نہیں ہے، حتی کہ لڑکا اور لڑکی اگر بالغ ہوں اور وہ دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر لڑکے کے خاندان میں عالم دین نیک صالح موجود ہے تو طرفین آپس کی رضا ومشورہ سے اس سے بھی نکاح پڑھوا سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم: ۲۰۸/۱۳)

لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراتشی: ۲۲۰/۲، زكريا: ۱۲۰/۳، حاشية الطحطاوی علی المراقی، دار الكتاب ديوبند، ص: ۵۸۹)

الولی فی النكاح العصبة بنفسه. (شامی، كراتشی: ۶۵/۳، زكريا: ۱۶۹/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۷۵۹/۳۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۲/۴/۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

---

(۱) "وكونه فی مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد) "وينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

دولہے کا خود اپنا نکاح پڑھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض ہے کہ ایک صاحب نے اپنا نکاح خود پڑھ لیا، نکاح کی صورت حال یہ تھی کہ لڑکے نے لڑکی کے والد کو مسجد میں بلا کر کہا کہ آپ نے اپنی لڑکی کا نکاح دو ہزار روپئے مہر کے ساتھ کیا لڑکی کے والد نے کہا کہ میں نے قبول کیا، مسجد میں پچاس ساٹھ آدمی موجود تھے، اس کے بعد لڑکے نے خطبہ پڑھا، پھر دعا ہوئی، پھر چھوہارے تقسیم ہوئے، گھر میں بھی مسجد سے ایک آدمی نے آکر لڑکی کو چھوہارے دئے، چھوہارے لڑکی نے لیے اور خاموش رہی اور لڑکی کے والد کو سب لوگ جانتے ہیں اور لڑکی کو بھی جانتے ہیں کہ اس کا نکاح ہوا ہے اور نکاح کی شہرت بھی ہوگئی اور خوب شہرت ہوئی اور اس کے بعد لڑکی لڑکے کے گھر بھی گئی اور کچھ دن رہ کر واپس آگئی، اور کوئی ناراضگی اور کوئی بات نہیں پائی گئی، لوگ اس نکاح پر اعتراض کرتے ہیں کہ نکاح ہوا، یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: نکاح کے دو دن بعد لڑکی سے چھ سات آدمیوں کی موجودگی میں؛ یعنی ان کی حاضری میں لڑکی کے گھر پر لڑکی سے تحریری اجازت لی، وہ ساتھ لگی ہوئی ہے اور واضح رہے کہ جب چھوہارے تقسیم کرنے کے لیے گھر میں آئے تو ایک مرد اور بہت سی عورتیں موجود تھیں، اب براہ کرم تحریر فرمائیں کہ امام اعظمؒ کے نزدیک نکاح ہوا کہ نہیں؟ اور متعین گواہ کوئی نہیں کیا گیا اور لڑکی بالغہ عاقلہ ہے۔

(المستفتی: طاہر علی خان ولد ننے خان، قصبہ ککرالہ نگلہ، ضلع بدایوں)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مذکورہ میں بلاشبہ نکاح صحیح ہو چکا ہے، دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز إن كانت ابنته حاضرة؛ لأنها تجعل عاقدة، الخ. (الدر المختار، کتاب النکاح، کراتشی: ۳/۲۵، زکریا: ۴/۹۵)

إذا زوج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد إن كانت حاضرة جاز. (الهداية، أشرفی دیوبند: ۲/۳۰۷)

جب پورے مجمع میں نکاح کیا ہے، تو ان میں سے دو گواہ شمار کئے جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۰/محرم الحرام ۱۴۰۵ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۲۳) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

☆ **نکاح پڑھانے کا حقدار کون ہے:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاؤں میں امام وقاضی مقرر ہو، کیا اس امام کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرا آدمی نکاح پڑھا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد یعقوب آزاد کشمیر، ۶/۷/۱۹۷۴ء) ==

نکاح پڑھانے کا حق دار کون ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) موجودہ زمانہ میں وقف بورڈ کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کا کیا مقام ہے؟ بعض مقامات میں کچھ ایسے حضرات ہیں، جو اپنے علاقہ کو اپنے نام سے نکاح پڑھانے کے واسطے وقف بورڈ سے رجسٹری کرا لیتے ہیں اور علاقہ کے گاؤں میں سے کچھ گاؤں میں مسجد کمیٹی کی جانب سے مسجد کمیٹی کے صدر، یا مسجد معلم اور امام مسجد نکاح پڑھا رہے ہیں، اس صورت میں اپنے نام سے رجسٹرڈ کرانے والے قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ نکاح میں ہی پڑھاؤں گا، مسجد کے صدر صاحب و امام صاحب چاہے وہ حافظ ہوں، یا عالم کوئی بھی نکاح نہ پڑھائیں اور مذکورہ قاضی صاحب نکاح پڑھانے کی صورت میں مسجد کے صدر اور امام پر کیس اور مقدمہ کر دیتے ہیں، مسجد کمیٹی کی غرض نکاح پڑھانے سے یہ ہے کہ نکاح سے ملنے والی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف ہو اور امام صاحب کو بطور ہدیہ اور بطور تنخواہ دی جائے اور مسجد کو ذریعہ آمدنی کچھ بھی نہیں ہے، بایں صورت مذکورہ قاضی صاحب نے جو وقف بورڈ سے منظوری کرا لی ہے اور وقف بورڈ نے ان کے نام سے رجسٹرڈ کر دیا ہے تو کیا وقف بورڈ سے طے شدہ مذکورہ قاضی صاحب کو چھوڑ کر صدر مسجد کمیٹی اور امام مسجد کے لیے نکاح پڑھانا جائز ہوگا، یا نہیں؟ شرعاً و قانوناً اس بارے میں جو محقق و مدلل مسئلہ ہو، اس کی صراحت مطلوب ہے۔ (المستفتی: محمد ہاشم گونڈہ)

== الجواب ________________

طرفین کی اجازت سے ہر شخص نکاح پڑھا سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، البتہ امام کی اجازت کے بغیر نکاح پڑھانے میں بے انتظامی کا خطرہ موجود ہے۔ (حضرت مولانا عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ: نکاح خوانی کسی خاص خاندان یا کسی خاص شخص کا حق شرعاً نہیں ہے جس سے نکاح پڑھوالیا جائے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، انتظامی قضیہ جداگانہ ہے جیسا حکام مصلحت سمجھیں انتظام کریں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۷:۱۶۳، مسائل متعلقات نکاح) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۴۵)

نکاح پڑھانے کا حق دار کون ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح پڑھانے کا حق کن کن لوگوں کو ہے؟ یا نکاح پڑھانے والا کیسا ہو؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ________ وباللّٰہ التوفیق

نکاح پڑھانا کسی متعین شخص کا حق نہیں ہے؛ بلکہ آدمی کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح پڑھوالے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۴۹، ڈابھیل)

ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد. (الدر المختار: ۸/۳ كراتشي، ٤/٦٦-٦٧، زكريا، كذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ٢/٤٤٧، دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق: ٣/١٤٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۱/۱۸ھ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح پڑھانے کا حق ولی کو ہے، ولی جس سے چاہے نکاح پڑھوا سکتا ہے، کسی دوسرے کے لیے (خواہ مذکورہ قاضی صاحب ہوں، یا مسجد کمیٹی کے صدر وامام صاحبان) درست نہیں ہے کہ اس حق کو سرکاری طور پر اپنے نام رجسٹرڈ کرالیں، البتہ ولی کی مرضی ہے، چاہے وہ اس قاضی سے پڑھوائے، یا امام صاحب سے پڑھوائے، نیز جب امام نکاح پڑھائے گا، پھر اس کو کچھ نذرانہ مل جائے، وہ اسی کا حق ہوگا، مسجد کا نہیں۔

قال ابن عابدين، قال في شرح المنية: الاصل أن الحق في الصلاة للولي، ولذا قدم على الجميع في قول أبي يوسف إلى قوله: لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، كراتشي: ۲/ ۲۲۰، زكريا: ۳/ ۱۲۰)

قال أبو يوسف: ولي الميت أولىٰ؛ لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (حاشية الطحطاوي على المراقي، دار الكتاب ديوبند، ص: ۵۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۴۲۰/۲/۲۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۲۰۱۱/۴۰)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۰/۲/۲۸ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

☆ **نکاح پڑھانے کا حق کس کو ہے:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص غیر عالم غیر رشتہ دار ہے، مگر مسجد کا امام ہے۔ اور ایک شخص عالم ہے، رشتہ دار ہے، مگر مسجد کا امام نہیں ہے، تو نکاح پڑھانے میں یہ حق دار وافضل ہے یا وہ جو کہ عالم ہے اور رشتہ دار ہے، چاہے مسجد کا امام نہ ہو؟

(المستفتی: فخر الاسلام، سنبھل)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح پڑھانے کا حق ولی کو ہے، پھر وہ جس کو ولی اجازت دے دے، خواہ وہ امام ہو، یا غیر امام، عالم ہو، یا غیر عالم، رشتہ دار ہو، یا غیر رشتہ دار۔

الأصل أن الحق في الصلاة للولي، وكذا قدم على الجميع؛أن هذا حكم يتعلق بالولاية، كالإنكاح. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراتشي: ۲/ ۲۲۰، زكريا: ۳/ ۱۲۰)

قال أبو يوسف: ولي الميت أولي؛ لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند، ص: ۵۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ (الف فتویٰ نمبر: ۵۹۸۶/۳۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح پڑھانا کس کا حق ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح پڑھانا کس کا حق ہے، جہاں نکاح ہو، اسی گاؤں یا محلے کے امام کا، یا کوئی دوسرا بھی پڑھا سکتا ہے؟ جب کہ ہمارے یہاں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ لڑکے والے جس امام سے نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں، لڑکی والے اس سے نہیں پڑھوانا چاہتے تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (المستفتی: جمیل احمد، ایم پی) ==

نکاح خوانی کسی شخص واحد کی جاگیر نہیں ہے:

سوال: نکاح خوانی کے متعلق کیا حکم ہے اور یہ کام حکماً کسی خاص شخص، یا اشخاص کے لیے مخصوص کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی شخص جو سرکار سے اس کام کے لیے مقرر نہ کیا گیا ہو، نکاح پڑھا دے تو وہ جائز ہوگا، یا نہ؟ یا مناکحین کو کسی ایسے حکم کی پابندی پر مجبور کیا جانا شرعاً درست ہے، یا نہ؟ اس زمانہ میں کوئی باقاعدہ نکاح کا رجسٹر رکھا جانا بہت خرابیوں سے محفوظ رکھا سکتا ہے اور حقوق زن وشوہر کی حفاظت کی لیے ایک نہایت مستحکم اور مضبوط ذریعہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ نکاح خوانی کی خدمت کی غرض سے خاص شخص، یا اشخاص کو حکماً مقرر نہ کیا جاوے، کسی رجسٹر یا کتاب ناکح کا باقاعدہ رکھنا ناممکن ہے، قاضیوں کی درخواست میں جو نذرانہ سرکاری نسبت لکھا گیا ہے، یہ درحقیقت ایک فضول امر ہے، کسی سرکاری نذرانہ، یا محصول کا مقرر کیا جانا کس قدر نامناسب ہے اور اگر ریاست ہذا میں پرانا قانون نکاح ثانی کی نسبت کسی زمانہ سابق سے جب کہ قانون کا رواج یہاں ایسا نہ تھا، جیسا آج کل ہے، چلا جاتا ہے؛ مگر عدالتہائے سرکار نے سرکاری نذرانہ کو عمداً نکاح ثانی کے لیے لازمی وضروری خیال نہیں کیا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

شرعاً نکاح ثانی کے لیے کوئی قید اور پابندی نہیں ہے، خود زوجین بالغین روبرو دو گواہوں کے اپنا عقد کرسکتے ہیں اور ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، اگر وہ خود نہ کریں تو ہر ایک ان میں سے جس کو وکیل نکاح بنادیوے، صحیح ہے اور وکیل کا نکاح کیا ہوا معتبر ہے اور ولی شرع میں اسی لیے مقرر ہے کہ وہ اس کام کو کرے، پس مخصوص کرنا عقد نکاح کا ساتھ خاص اشخاص کے کہ وہی عقد نکاح کریں تو معتبر ہو، ورنہ نہیں، مقید کرنا امر مطلق شارع کا ہے، جو ناجائز ہے، پس ایسا حکم کرنا کہ سوائے خاص لوگوں کے اور کوئی نکاح خوانی نہ کر سکے اور کرے تو وہ معتبر نہ ہو اور گویا وہ نکاح نہ سمجھا جاوے، بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے اور احکام شرعیہ کا مطلب ہے: مناسب؛ بلکہ بقاعدہ شرعیہ لازم ہے کہ اس حکم کو عام ہی

==

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجوابــــــــــــ وباللہ التوفیق

لڑکی سے لڑکی کا ولی، یا اس کا محرم ایجاب کراتا ہے اور اجازت حاصل کرتا ہے، اب لڑکے کی طرف سے صرف قبول کی بات باقی رہ جاتی ہے، اس کے لیے قاضی مقرر کرنے کا حق لڑکے والوں کو حاصل ہونا چاہیے، وہ جس سے چاہیں نکاح پڑھوائیں تو اس بارے میں لڑکی والوں کو اس بات پر راضی ہوجانا چاہیے کہ لڑکے والے جس شخص کو چاہیں نکاح خواں مقرر کریں۔ ہاں البتہ اگر لڑکے والے بخوشی لڑکی والوں کو اجازت اور اختیار دے دیں تو لڑکی والے بھی نکاح خواں مقرر کر سکتے ہیں؛ مگر یہ لڑکی والوں کا حق نہیں ہے؛ بلکہ لڑکے والوں کا حق ہے اور بہتر یہی ہے کہ نکاح خواں دیندار، متقی پرہیزگار ہو اور مسائل شرعیہ سے واقف ہو۔

وكونه في مسجد يوم الجمعة بعاقد رشيد. (شامی، زکریا دیوبند: ٤/٦٧، کراتشی: ٣/٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، یکم رجب ۱۴۲۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۸۵)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۷/۴ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

رکھا جاوے اور کسی کی رعایت سے مخلوق کو اپنے حوائج ضروریہ کے پورا کرنے میں مجبور نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۶۳-۱۶۴)

سرکار کے مقرر کردہ آدمی کے واسطہ سے نکاح نہ ہو تو بھی جائز ہے:

سوال: یہاں کی سرکار نے ایک قانون یہ بھی جاری کیا ہے کہ جو شخص نکاح کرنا چاہے، وہ ایک خاص شخص کی معرفت جو اس کام کے لیے مقرر ہے، کرسکتا ہے، وہی عورت جائز سمجھی جاتی ہے؟

الجواب

جب کہ سرکار نے یہ قانون مقرر کر رکھا ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کوئی ناکح بدون وساطت اس شخص کے جس کو اس کام کے لیے سرکار نے مقرر کیا ہے، کوئی نکاح نہ کریں؛ تاکہ ایسا نہ ہو کہ منکوحہ غیر منکوحہ اور اولاد صحیح النسب غیر صحیح النسب سمجھی جاوے۔ فقط (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۱۶۴-۱۶۵)

قاضی کو جب معلوم ہو کہ لڑکی راضی نہیں تو وہ کیا کرے:

سوال: اگر قاضی کو معلوم ہو جائے کہ جہاں لڑکی بالغہ کے اولیا نکاح کرنا چاہتے ہیں، لڑکی وہاں نکاح کرنے پر رضامند نہیں ہے تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اس صورت میں قاضی کو احتیاط کرنی چاہیے اور ولی دختر سے صاف کہہ دے کہ بدون اجازت بالغہ کے ان کا نکاح صحیح نہیں ہوتا، تم اس کا خیال رکھو، البتہ سکوت بالغہ کا ولی کے نکاح کر دینے پر اگرچہ ولی اس کا راضی نہ ہو، جواز نکاح کے لیے کافی ہے۔ (وتفصیلہ فی کتب الفقہ) (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۱۳۶-۱۳۷)

نکاح پڑھانے کے لیے قاضی ہونا ضروری ہے، یا نہیں:

سوال کیا نکاح صرف قاضی ہی پڑھا سکتا ہے اور کوئی علم دان شخص نہیں پڑھا سکتا؟

---

(۱) لیکن یہ بغرض سہولت مشورہ دیا گیا ہے، اس قانون کا ماننا لازم نہیں ہے اور اب یہ قانون کہیں لازمی درجہ کا نافذ بھی نہیں ہے اور جیسا کہ پہلے گذرا اس پر پابندی عاید کرنا مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔ واللہ اعلم (ظفیر)

(۲) أوزوجها وليها وأخبرها رسوله أوفضولي عدل فسكتت عن رده مختاره الخ فهو إذن. (الدرالمختار) (قوله: عن رده) قيد به إذ ليس المراد مطلق السكوت لأنها لوبلغها الخبر فتكلمت باجنبى فهوسكوت هنا فيكون إجازة، فلو قالت: الحمد لله اخترت نفسي أوقالت هو دباغ لا أريده، فهذا كلام واحد فهو رد (قوله: مختارة) أما لوأخذها عطاس أوسعال حين اخبرت فلما ذهب قالت لا أرضىٰ أو أخذ فمها ثم ترک فقالت ذلک صح ردها لأن سكوتها كان عن اضطرار. (ردالمحتار، باب الولي: ۲/۴۱۰-۴۱۱)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نکاح ہر شخص پڑھا سکتا ہے، قاضی کی تخصیص نہیں؛ بلکہ عورتوں اور مرد خود بھی گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کر سکتے ہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۹/۱۰)

صحت نکاح کے لیے قاضی، یا وکیل ہونا شرط نہیں:

سوال: زید نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس وقت صرف دو حضرات حاضر مجلس تھے، ہر دو صاحب کو گواہ گردانا گیا، گواہوں نے عورت سے دریافت کیا کہ بعوض زر مہر مقررہ زید کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے راضی ہو، عورت نے قبول کیا اور طرفین سے بھی ایجاب وقبول ہوا، زید نے خطبہ نکاح پڑھا، کیا یہ نکاح درست ہے؛ کیوں کہ نہ وکیل تھا، نہ قاضی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

جب کہ زوجین نے دو شخصوں کے سامنے ایجاب وقبول کیا تو نکاح درست ہو گیا۔(۲) وکیل، یا قاضی کا ہونا صحت نکاح کی شرط نہیں ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۰۸/۵)

نکاح ہر شخص پڑھا سکتا ہے، قاضی صاحب سے پڑھوانا ضروری نہیں:

سوال: ہمارے شہر ناگپور میں قاضی صاحب نکاح خوانی میں اپنے حق کا دعویٰ کرتے ہیں، کیا کوئی دوسرا مسلمان جو مسائل سے واقف ہو نکاح خوانی کر سکتا ہے یا نہیں، کیا قاضی صاحب کا کوئی حق فقہ حنفی کی رو سے ہے؟

(راقم: محمد اسماعیل، محلّہ ہنسا پوری، ناگپور)

الجواب ـــــــــــــــــــ

نکاح ہر شخص کے پڑھانے سے صحیح ہو جاتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ قاضی صاحب سے ہی نکاح پڑھوایا جائے۔(۳)

محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ (کفایۃ المفتی: ۱۴۸/۵)

---

(۱) ”وينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر“. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)
”وأما ركنه، فالايجاب والقبول، كذا في الكافي“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲٦۷/۱، رشيديه)

(۲) ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضرة شاهدين حرين مسلمين بالغين عاقلين ويشترط حضورهما عند العقد لا عند الاجازة. (الجوهرة النيرة، كتاب النكاح: ۲/۲، امداديه)

(۳) وينعقد أى النكاح أى يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

نکاح پڑھانے کے لیے قاضی، یا نائب قاضی کا ہونا ضروری نہیں:

سوال: نکاح پڑھانے کے لیے قاضی یا نائب قاضی کا ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

هو المصوب: نکاح میں ایجاب وقبول رکن ہے اور اسی سے نکاح منعقد ہوتا ہے اور گواہ کا ہونا از قبیل شرط ہے، بغیر گواہوں کے نکاح جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

النكاح ينعقد بالايجاب والقبول، انتهىٰ. (۱)

اور عالمگیریہ میں ہے:

وأماركنه فالايجابُ والقبول، كذا في الكافي، انتهىٰ. (۲)

اور اسی میں ہے:

وأما شرطه فمنها الشهادة قال عامة العلماء: إنها شرط جواز النكاح، هكذا في البدائع، انتهىٰ. (۳)

اور قاضی، یا نائب قاضی نہ ارکانِ نکاح میں سے ہیں اور نہ اس کے شرائط میں سے۔ پس خود عورت اور مرد گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کرلیں گے تو بھی نکاح ہو جائے گا۔ اسی طرح نکاح کا اعلان کرنا اور ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح پڑھنا بھی ارکان وشرائط میں سے نہیں ہے، البتہ سنت ومستحبات میں سے ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

ويندب إعلانه وتقديم خطبة، انتهىٰ. (۴)

سلطان اسلام کی طرف سے قاضی جو مقرر کیا جاتا ہے، وہ نابالغہ یتیمہ لڑکیوں کا نکاح کرنے اور دفتر نکاح کی نگہداشت کرنے کے لیے ہے؛ تاکہ مہر وغیرہ تنازع پر فیصلہ کے وقت کام آئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہٗ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۳۲-۱۳۳)

نکاح کے لیے قاضی کا لانا ضروری نہیں:

سوال: کیا نکاح پڑھانے کے لیے قاضی، یا نکاح رجسٹرار وغیرہ کو مجلس نکاح میں لانا ضروری ہے کہ وہ نکاح پڑھائیں، یا یہ کہ مرد وعورت کو باہم ایجاب وقبول سے گواہوں کے سامنے نکاح باندھنے کی اجازت ہے؟

الجواب

جب عاقدین باہم گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ انعقاد نکاح

---

(۱) الهداية، كتاب النكاح: ۱/۱۸۵، دارإحياء التراث العربي بيروت، انيس

(۲،۳) الفتاویٰ الهندية، الباب الأول في تفسير النكاح، الخ: ۱/۲۶۷، دارالفكر بيروت، انيس

(۴) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، دارالفكر بيروت، انيس

کے لیے رجسٹرار، یا قاضی پڑھانے کے لیے بلانا ضروری نہیں اور نہ مروجہ نکاح نامے کو پُر کرنا لازم ہے؛ تاہم فسادِ زمانہ اور قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے نکاح نامہ پر کرنا مستحسن ہے۔

قال العلامة المرغيناني: النكاح ينعقد بالايجاب والقبول بلفظين يعبربهما عن الماضي....ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مُسلمين رجلين أورجل وامرأتين، الخ. (الهداية: ۲/۲۸۵-۲۸۶، كتاب النكاح)

قال داماد آفندی رحمه اللّٰه: وينعقد بايجاب عن الزوج أوعن الزوجة وقبولٍ من الآخر كلاهما بلفظ الماضي ... وشرط سماع كل واحدٍ من العاقدين ... وحضور شاهدين حرين أوحرٍ وحرتين عاقلين بالغين مسلمين سامعين معاً لفظهما. (دررالمنتقیٰ علیٰ هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۱۷-۳۲۰، كتاب النكاح) (فتاویٰ حقانیہ: ۴/۳۱۴)

انعقاد نکاح کے لیے نہ قاضی کی ضرورت ہے، نہ وکیل کی، نہ رجسٹر میں درج کرنے کی:

سوال: کیا مذہب حنفی میں نکاح کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایجاب وقبول، وکیل اور گواہ کے علاوہ قاضی اس نکاح کی تفصیلات کو رجسٹر میں درج کر رکھے؟ بغیر درج رجسٹر کے نکاح جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

هو الموفق للصواب: نکاح میں ایجاب وقبول رکن ہے اور دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں جو عاقل وبالغ ہوں، ان کا گواہ رہنا اور گواہوں کا اکٹھے عاقدین کے ایجاب وقبول کو سننا شرط ہے، چناں چہ فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے:

"وأما ركنه فالايجاب والقبول، كذا في الكافي ... أما شروطه ... فمنها الشهادة ... ويشترط العدد فلاينعقد النكاح بشاهد واحد، هكذا في البدائع ولا يشترط وصف الذكورة حتى ينعقد بحضور رجل وامرأتين، هكذا في الهداية ... ومنها سماع الشاهدين كلامهما، انتهىٰ ملخصا". (۱)

وکیل اور قاضی کا ہونا اور رجسٹر میں درج کرنا نہ ارکان نکاح میں سے ہے، نہ شرائط نکاح میں سے ہے۔ اگر عاقدین عاقل بالغ ہوں اور وہ گواہوں کے روبرو خود ایجاب وقبول کرلیں تو بھی نکاح درست ہے۔ پس نکاح کے جائز ہونے کے لیے نہ قاضی کی ضرورت ہے، نہ رجسٹر میں تحریر کی۔ ہاں وقت ضرورت مہر وغیرہ میں نزاع نہ ہونے کی خاطر لکھ رکھنا مناسب ہے؛ بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ قاضی بیضاوی نے آیت مداینہ میں ﴿فاكتبوه﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے:

"فاكتبوه لأنه أوثق وادفع للنزاع والجمهورعلى أنه استحباب، انتهىٰ. (۲)

ضیاء الدین محمد کان اللہ لہ۔ الجواب صحیح: شیخ آدم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: عبدالرحیم عفی عنہ۔ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۸۱-۱۸۲)

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب الأول في تفسير النكاح شرعا: ۱/۲۶۷، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) تفسير البيضاوی، سورة البقرة: ۱/۱۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت، انيس

سوائے قاضی شہر دوسرا نکاح پڑھا دے تو وہ بھی جائز ہے:

سوال: سوائے قاضی شہر کے اور کوئی دوسرا شخص نکاح پڑھ دے اور وہ نکاح رجسٹر قاضی میں درج نہ ہو تو نکاح جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

سوائے قاضی شہر کے اگر دوسرا شخص برضا طرفین نکاح پڑھ دے تو یہ صحیح ہے، نکاح ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۷/۷)

نکاح پڑھانے کے لیے عالم، یا قاضی کا ہونا ضروری نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں، میرے ۵/ بچے تھے، جس میں دو لڑکوں کا انتقال ہو گیا، دو لڑکیاں ایک لڑکا ہے، میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، تقریباً گیارہ مہینے ہو گئے ہیں، اَب میں نکاح کرنا چاہتی ہوں؛ مگر آپ یہ بتائے کہ کیسے کرنا ہے؛ کیوں کہ جس آدمی سے نکاح کرنا ہے، وہ بھی بچے والا ہے، میں یہ چاہتی ہوں چپکے سے نکاح ہو جائے؛ اس لیے کہ جوان بچے ہیں، لڑکی کی منگنی ہوگئی ہے، کوئی مسئلہ ہو تو بتائیں، کیا نکاح کے لیے نکاح پڑھانے کے لیے مولانا کا ہونا، یا گواہ ہونا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نکاح کے انعقاد کے لیے کسی مولوی اور قاضی کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اگر دو شرعی گواہوں کے سامنے مرد وعورت خود ہی ایجاب وقبول کرلیں تو بھی نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے۔

النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول ...ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين. الهداية: ٣٠٥/٢، البحر الرائق: ١٥٥/٣، رشيدية، سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ٣٢٠/١، دار إحياء التراث العربي

وينعقد متلبسًا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر. (الدر المختار، كتاب النكاح: ٩/٣، كراتشي)

وأما ركنه فالإيجاب والقبول، كذا في الكافي. (الفتاویٰ الهندية: ٢٦٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۴/۱/۱۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

غیر قاضی سے نکاح پڑھوانے کا حکم اور خطبۂ نکاح پڑھنے پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: باوجود قاضیٔ شہر موجود ہونے کے کوئی شخص اپنا، یا اپنی اولاد نکاح کسی عالم، یا بزرگ سے پڑھوا سکتا ہے، یا نہیں؟ نیز اجرت نکاح لینا بخوشی نہ دینے کی صورت میں بجبر وصول کرنا نکاح پڑھنے والے کے لیے جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ھو المصوب: پڑھوا سکتا ہے؛ کیوں کہ قاضی نکاح پڑھنا شرائطِ نکاح، یا ارکان نکاح میں سے نہیں ہے، جیسا کہ

کتبِ فقہ سے ظاہر ہے۔ ہدایہ ورد المحتار میں دیکھ لیں،(۱) نکاح پڑھنے کے لیے اجرت مقرر کریں تو دینا ہوگا، ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

"المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس".(۲)

پس مقرر ہونے کی صورت میں جبر کرسکتا ہے؛ کیوں کہ اس قاضی نے اسی وعدہ پر نکاح پڑھا ہے۔ نیز اس کو دفتر نکاح کی بھی نگہداشت رکھنی ہے۔ (فتاویٰ باقیات صالحات،ص:۱۳۵-۱۳۶)

مقرر امام نے نکاح دوسرے کے ذریعہ پڑھوایا:

سوال: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پیش امام صاحب نکاح وجنازہ کی نماز پڑھاتے ہیں، چناں چہ ایک آدمی دوپہر کے بعد آیا اور کہا کہ شام ۴/ بجے تشریف لائیں، نکاح ہوا۔ امام صاحب احتیاطاً ایک آدمی کو ساتھ لے کر چلے: کیوں کہ رات کو واپس آنا تھا، اندھیری رات ہے، وہ لوگ بھی سواری لیے منتظر تھے، دونوں آدمی سواری میں بیٹھ کر وہاں مغرب میں پہونچے، پھر وہ لوگ اپنے گھر لے گئے،معلوم ہوا یہاں مسجد بھی ہے،امام بھی موجود ہیں، ہمارے امام کو شک ہوا کہ یہ نکاح کیسا ہے؟ ان لوگوں نے اطمینان دلایا کہ طلاق شدہ ہے اور کاغذ لائے تو دیکھا کہ فتوی دیو بند موجود تھا، جس کا نمبر وغیرہ ہمیں یاد نہیں، ان لوگوں کے پاس مستند با مہر فتوی تھا، پھر بھی امام صاحب نے نکاح نہیں پڑھا اور دوسرا آدمی جو ساتھ گیا تھا نکاح پڑھوادیا۔ ان لوگوں نے نکاح خوانی گھر پہنچادی، جس کو امام نے نصفا نصف کردیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے خود کیوں نہیں پڑھا؟ اور شک تھا تو نکاح خوانی کیوں لی؟ اس وجہ سے امام

(۱) ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين عدولا كانوا أو غير عدول أو محدودين في القذف.(الهداية،كتاب النكاح:۱۸۵/۱،دار احياء التراث العربي بيروت،انيس)

(وَيَنْعَقِدُ) مُتَلَبِّسًا (بِإِيجَابٍ) مِنْ أَحَدِهِمَا (وَقَبُولٍ) مِنْ الْآخَرِ (وَضْعًا لِلْمُضِيِّ) ...(وَإِذَا وَصَلَ الْإِيجَابَ بِالتَّسْمِيَةِ) لِلْمَهْرِ (كَانَ مِنْ تَمَامِهِ) أَيْ الْإِيجَابِ ...وَمِنْ شَرَائِطِ الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ: اتِّحَادُ الْمَجْلِسِ لَوْ حَاضِرَيْنِ، وَإِنْ طَالَ كَمُخَيَّرَةٍ، وَأَنْ لَا يُخَالِفَ الْإِيجَابُ الْقَبُولَ كَقَبِلْتُ النِّكَاحَ لَا الْمَهْرَ نَعَمْ يَصِحُّ الْحَطُّ كَزِيَادَةٍ قَبِلَتْهَا فِي الْمَجْلِسِ، وَأَنْ لَا يَكُونَ مُضَافًا وَلَا مُعَلَّقًا كَمَا سَيَجِيءُ، وَلَا الْمَنْكُوحَةُ مَجْهُولَةً، وَلَا يُشْتَرَطُ الْعِلْمُ بِمَعْنَى الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ فِيمَا يَسْتَوِي فِيهِ الْجِدُّ وَالْهَزْلُ إذْ لَمْ يَحْتَجْ لِنِيَّةٍ بِهِ يُفْتَى، ... (وَشُرِطَ سَمَاعُ كُلٍّ مِنْ الْعَاقِدَيْنِ لَفْظَ الْآخَرِ) لِيَتَحَقَّقَ رِضَاهُمَا،(وَ) شُرِطَ (حُضُورُ) شَاهِدَيْنِ،(حُرَّيْنِ) أَوْ حُرٌّ وَحُرَّتَيْنِ (مُكَلَّفَيْنِ سَامِعَيْنِ قَوْلَهُمَا مَعًا)،عَلَى الْأَصَحِّ (فَاهِمَيْنِ) أَنَّهُ نِكَاحٌ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ (مُسْلِمَيْنِ لِنِكَاحِ مُسْلِمَةٍ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ أَوْ مَحْدُودَيْنِ فِي قَذْفٍ،وَ أَعْمَيَيْنِ أَوْ ابْنَيْ الزَّوْجَيْنِ أَوْ ابْنَيْ أَحَدِهِمَا، وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ النِّكَاحُ بِهِمَا) بِالِابْنَيْنِ (إنْ ادَّعَى الْقَرِيبُ، كَمَا صَحَّ نِكَاحُ مُسْلِمٍ ذِمِّيَّةً عِنْدَ ذِمِّيَّيْنِ) وَلَوْ مُخَالِفَيْنِ لِدِينِهَا (وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ) النِّكَاحُ (بِهِمَا مَعَ إنْكَارِهِ) وَالْأَصْلُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ مَلَكَ قَبُولَ النِّكَاحِ بِوِلَايَةِ نَفْسِهِ انْعَقَدَ بِحَضْرَتِهِ.(الدر المختار،كتاب النكاح:۹/۳-۲۴،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) الدر المختار،مطلب:مسائل في المقاصد:۲۷۷/۵،دار الفكر بيروت،انيس

صاحب نے وہ پیسہ ایک بیوہ عورت کو دے دیا، پھر بھی کچھ آدمی خلاف ہیں، اس پر ہمارے امام پر کیا ہونا چاہیے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ______________ حامداً و مصلیاً

اگر امام صاحب نے تحقیق کر لی اور فتوی دیکھ لیا کہ یہ نکاح صحیح ہے، پھر اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ تم نکاح پڑھا دو، ساتھی نے پڑھ دیا، تب بھی امام صاحب پر اعتراض کرنا بے جا ہے اور غلط ہے۔ (۱) کسی مصلحت سے آدمی خود نکاح نہ پڑھے، دوسرے سے پڑھوا دے تو یہ بھی درست ہے، کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۳/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۳/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۹۷-۵۹۸)

متولی نے بلاوجہ قاضی کو معزول کر کے نیا قاضی مقرر کر دیا، کس قاضی کا ساتھ دیا جائے:

سوال: متولی جامع مسجد اپنے ساتھیوں کی مدد سے بغیر کسی سبب شرعی کے قاضی کو معزول قرار دے اور نئے قاضی کا تقرر کرے تو اہل شہر کو کس قاضی کا ساتھ دینا چاہیے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ پہلا قاضی تمام اہل شہر سے منتخب کیا گیا ہے اور بیس سال سے قضاۃ کر رہا ہے؟

(المستفتی: ۵۱۲، ۴/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ۔)

الجواب ______________

متولی جامع مسجد کے اختیار میں معزول کرنا داخل ہو تو عزل صحیح ہوا؛ لیکن اگر اس نے بلاسبب معزول کر دیا تو وہ مؤاخذہ دار ہوگا اور اگر اس کے اختیارات میں داخل ہی نہیں تو قاضی معزول نہیں ہوا اور اس صورت میں لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ (کفایۃ المفتی: ۵/۱۴۹)

قاضی کا خود وکیل بن کر نکاح پڑھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک نکاح میں امام صاحب

---

(۱) وکیلِ نکاح اگر کسی اور کو نکاح کا وکیل بنائے اور خود بھی حاضر ہو تو اس دوسرے شخص کا نکاح کرانا جائز ہے، لہٰذا نکاح کے خطبہ وغیرہ میں بھی توکیلِ وکیل جائز ہے۔

"الوكيل بالتزويج ليس له أن يوكل غيره، فان فعل فزوج الثاني بحضرة الأول، جاز". (الفتاوى العالمكيرية: كتاب النكاح، الباب السادس فى الوكالة بالنكاح وغيره: ۱/۲۹۸، رشيديه)

(۲) ولا يملك نصب القضاة وعزلهم الا السلطان ومن إذن له السلطان إذا هو صاحب الولاية العظمىٰ فلا يستفادان إلا منه. (شرح الاشباه حموى كتاب القضاء: ۲/۳۹۰، إدارة القرآن)

خود قاضی بھی تھے اور بغیر کسی کی اجازت کے خود ہی وکیل بن کر نکاح پڑھا دیا، جب کہ وہاں (یعنی مجلس نکاح میں) دیگر بہت سارے لوگ بھی موجود تھے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ——— وباللّٰه التوفیق

یہ نکاح اولاً فضولی کے طور پر ہوا، پھر بعد میں جب فریقین راضی ہو گئے تو نکاح درست اور نافذ ہو گیا؛ تاہم بہتر بات یہی ہے کہ باقاعدہ موکلہ، یا اُس کے وکیل سے اِجازت لے کر نکاح پڑھا جائے۔

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ؛ فإن استأذنها هو أى الولى وهو السنة أو وكيله أو رسوله أو زوجها وليها فسكتت أو ضحكت فهو إذن.

(قوله: **وهو السنة) بأن يقول لها قبل النكاح: فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت، وإن زوجها بغير استئمار فقط أخطأ السنة وتوقف على رضاها، واستحسن الرحمتى ما ذكره الشافعية من أن السنة فى الاستئذان أن يرسل إليها نسوة ثقات ينظرن ما فى نفسها، والأم بذلك أولىٰ؛ لأنها تطلع على ما لا يطلع عليه غيرها.** (الدر المختار مع الشامی، باب الولی: ۱۵۹/٤، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۰/۴/۱۴۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

نکاح خواں کے لیے علم ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: نکاح پڑھانے والے کو کچھ علم نکاح وطلاق وغیرہ کی ضرورت ہے، یا نہیں؟ یا ہر جاہل شخص ایجاب وقبول کرا سکتا ہے؟

(المستفتی: فقیر بلدار خاں الملقب بہ نبی بخش چشتی عفی عنہ، مالیگاؤں)

الجواب ———

بہتر ہے کہ نکاح پڑھانے والا متعلقات نکاح کے مسائل جانتا ہو، (۱) اور اگر ایجاب وقبول جاہل بھی کرا دے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، سنہری مسجد دہلی۔

الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند، ۲۷/ شعبان ۱۳۳۳ھ۔ (کفایۃ المفتی: ۱۵۰/۵)

قاضی کے اقسام اور ناواقف آدمی کے قاضی بننے کا حکم:

سوال: قاضی کا کام کرنے والا شخص علم والا ہونا چاہیے، یا بے علم بھی قاضی بن سکتا ہے؟ اگر علم والا چاہیے تو کس

---

(۱) **وما المجتهد فى حكم فعليه معرفة ما يتعلق بذلك الحكم مثلاً، كالاجتهاد فى حكم متعلق بالصلوٰة لا يتوقف على معرفة جميع ما يتعلق بالنكاح** (رد المحتار، كتاب القضاء: ۳٦٥/٥، سعيد)

(۲) **وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر.** (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

قدر علم چاہیے اور جو قاضی محض بے علم ہو، وہ علم والے کو اس شرط پر نائب مقرر کرے کہ وہ بے علم قاضی جو کچھ کہے، نائب مذکور اس پر چلے، ورنہ وہ برطرف کردیا جائے گا اور اجرت بھی نہیں پائے گا۔ پس ایسا قاضی شرع شریف میں معتبر ہوگا، یا نہیں؟ اور مذکور نائب پر اس کی اطاعت لازم ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

ھو المصوب: قاضی دو قسم پر ہے: ایک قاضی نافذ الاحکام، اس قاضی میں جب تک شرائط شہادت واجتہاد نہ ہوں، اس کی قضا نہیں، اگر چہ کہ مذہب میں اجتہاد شرط اولیت رکھتا ہو، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے، (۱) یہ قاضی سلطانِ اسلام سے مقرر ہوتا ہے، وہ تو یہاں متحقق نہیں ہے۔ دوسرا قاضی محلّہ جو نکاح میں ایجاب وقبول کرانے اور عاقدین اور گواہوں کے نام اور مہر کی مقدار وغیرہ دفتر میں لکھ رکھنے کے لیے ہوتا ہے؛ تاکہ وقت ضرورت کام آئے اور یہ اہل جماعت سے مقرر کیا جاتا ہے، جس کا رکھنا اور برطرف کرنا جماعت کے اختیار میں ہے، جو قاضی گورنمنٹ سے مقرر کیا جاتا ہے، وہ بھی اسی قسم کا ہے، جیسا کہ قاضی ایکٹ سے ظاہر ہوتا ہے (جسے ہم آخر میں لکھیں گے)، پس اس قاضی کا مبلغ علم اگر اتنا ہے کہ نکاح کے ارکان (یعنی ایجاب وقبول کا سننا) اور مہر کیا ہے؟ جانتا ہو، نیز محرمات کون کون ہیں؟ کن کن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے؟ اور کن کن سے جائز نہیں وغیرہ یہ امور جانتا ہو، خواہ پہلے ہی سے جانتا ہو، یا بروقت کسی عالم سے پوچھ لیتا ہو تو بس اتنا کافی ہے، بے علم قاضی کا علم والے کو نائب مقرر کرنا مضائقہ نہیں اور منیب کے حکم کو نیابت کے بارے میں سننا نائب کے لیے لازم ہے، بشرطیکہ معصیت نہ ہو؛ کیوں کہ معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

”لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق“. (۲)

۱۸۸۰ء میں جاری شدہ قاضی کے متعلق ۱۲/ویں ایکٹ کے چوتھے دفعہ میں لکھا ہے کہ اس ایکٹ کے مطابق مقرر شدہ قاضی کو:

---

(۱) ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة ويكون من أهل الاجتهاد. (الهداية، كتاب أدب القاضي: ۱۰۱/۳، داراحياء الكتب العربي بيروت، انيس)

(۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ عَلَيْهِ وَلاَ طَاعَةَ. وَفِي البَاب عَنْ عَلِيٍّ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَالحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الغِفَارِيِّ. (سنن الترمذی، رقم الحديث: 1707، قال: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، انيس)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الصَّائِغُ الْمَكِّيُّ، ثنا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدٍ، ثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ. (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث: 381، انيس)

(ا) حقوق کی دریافت؛ یعنی سول منصف کی حکومت اور حدود وتعزیرات کی دریافت؛ یعنی سیشن کی حکومت نہیں دی جائے گی۔

(ب) وقت نکاح، یا کسی رسم میں اس میں قاضی، یا نائب قاضی حاضر رہنا چاہیے، ان میں اس قاضی کا حاضر رہنا ضروری نہیں۔

(ج) قاضی کا کام دوسرے کسی نے کیا تو ممنوع نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہٗ عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات،ص:۱۴۰-۱۴۱)

کیا نکاح خواں کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بروز ہفتہ ۲۷/جولائی ۱۹۹۱ء کو رات دس بجے نسیم احمد عمر ۲۲/سال ولد آفتاب احمد کا نکاح مسنون ہمراہ نسرین عمر ۲۱/سال دختر مجید حسین کی لڑکی سے ہوا، جس میں وکیل اور گواہ صاحبان کے نام حسب ذیل ہیں، لڑکی کے باپ اپنے آپ کو صدیقی کہتے ہیں؛ لیکن وہ صدیقی نہیں ہیں، بقول قوم کے دھوبی ہیں۔

اسمائے گرامی وکیل وگواہان ونکاح خواں:

نام وکیل: انور جاوید ولد عبدالحفیظ قوم خان عمر ۲۴/سال، محلّہ لال مسجد مرادآباد

نام گواہ اول: علیم خان ولد عبدالعزیز خان قوم خان، عمر ۲۴/سال، ساکن پکا باغ مرادآباد

نام گواہ ثانی: ریاض خان ولد سہراب خان، قوم خان، عمر ۲۵/سال، ساکن پکا باغ، مرادآباد

نام نکاح خواں: صغیر احمد قاسمی ولد مجیب الرحمٰن، قوم شیخ، عمر ۲۳/سال، ساکن رتوا کشن گنج

مقام نکاح: ابراہیم مارکیٹ بر مکان انور سردار صاحب، مرادآباد

چوں کہ نکاح لڑکے اور لڑکی کے والدین کی رضا مندی کے بغیر لڑکے اور لڑکی نے اپنی مرضی سے کیا ہے؛ اس لیے اب اس کے اندر اختلاف ہوگیا ہے کہ نکاح پڑھانے والے کی عمر کم ہے؛ اس لیے نکاح درست نہیں ہوا، حالاں کہ مفتی صاحب سے معلوم کرنے کے بعد اختلاف کرنے والوں سے کہہ بھی دیا گیا ہے، مفتی صاحب کے فتوی کے مطابق نکاح پڑھانے والے کا بالغ ہونا شرط ہے، عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہیں کہ ہم کو تو مفتی صاحب کا فتوی مہر لگا ہوا دکھلاؤ، جب ہم مانیں گے۔

لہٰذا آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی۔

(المستفتی: آفتاب احمد مشتاق بلڈنگ اسٹیشن روڈ، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح خواں کا صرف عاقل بالغ ہونا شرط ہے اور ۲۳/سال کا آدمی اور عالم وفاضل شخص کا نکاح پڑھانا بالکل صحیح اور درست ہے اور جو لوگ اشکال کر رہے ہیں، ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے، ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہاں البتہ نکاح خواں کا پڑھا لکھا ہونا زیادہ بہتر ہوتا ہے اور مذکورہ نکاح خواں بھی پڑھا لکھا اور عالم ہے۔

ويندب إعلانه وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد،الخ. (الدر المختار، كتاب النكاح، كراتشي: ۸/۳،زكريا: ٦٦/٤)

اور اگر لڑکا خان ہے اور لڑکی دھوبی ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے تو عرف میں لڑکے کا خاندان لڑکی کے خاندان سے اونچا نہیں ہے، تو کم از کم نیچا بھی نہیں ہے اور ایسی صورت میں عاقل بالغ لڑکی اگر والدین کی رضا مندی کے بغیر نکاح کر لیتی ہے تو شرعاً معتبر ہوا کرتا ہے۔

كون المرأة أدنى الكفاءة معتبرة من جانبه –إلى قوله– ولذا لا تعتبر من جانبها؛ لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش، وهذا عند الكل في الصحيح،الخ. (الدر المختار، باب الكفاءة، كراتشي: ۸۵/۳، زكريا: ٢٠٦/٤)

فلا بد من اعتبارها بخلاف جانبها؛ لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش. (الهداية، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء، أشرفي ديوبند: ٣٢٠/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۳/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۲۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۲/۴/۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

کیا بوقت عقد دماغ کا حاضر ہونا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ یہاں ایک طالب علم کا نکاح طریقہ مسنونہ کے مطابق ایجاب وقبول کے ساتھ ہوا، دو تین روز کے بعد اسی طالب علم نے یہ کہا کہ جب میرا نکاح خطبہ کے ساتھ شروع ہوا تو فوراً پورے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی، جس کی وجہ سے میرا ذہن موقع پر حاضر نہ رہا اور جب وکیل نے لڑکی اور اس کا مہر اور اس کے باپ کا نام لیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں جب وکیل نے کہا کہ قبول کیا؟ تو میں نے بحضور دماغ کہا: میں نے قبول کیا تو کیا اس صورت میں جب کہ لڑکی اور اس کے باپ کا نام پہلے سے معہود فی الذہن ہے، نکاح ہوا، یا نہیں؟ جواب وافی شافی دے کر مشکور فرمائیں کرم ہوگا۔ والسلام

(المستفتی: احمد حسن نگ پور، ضلع فیض آباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر شوہر کو لڑکی اور باپ کا علم پہلے ہی سے تھا اور قبول کیا، کہتے وقت بھی دماغ حاضر تھا تو بلا شبہ نکاح منعقد ہو چکا

ہے، اگر چہ قاضی، یا وکیل کے نام لیتے وقت ہیبت کی وجہ سے دماغ حاضر نہ رہا ہو۔

وأما ركنه فالإيجاب والقبول والإيجاب ما يتلفظ به أولا من أى جانب كان والقبول جوابه (إلى قوله) لو عقد النكاح بلفظ لا يفهمان كونه نكاحا ينعقد هو المختار،الخ. (فتاوى عالمگيرى، زكريا: ۲٦٧/۱، جديد: ۳۳۲/۱)

إنما قلنا:هذا لأن الشرع يعتبر الإيجاب والقبول أركان عقد النكاح لا أمورا خارجية. (شامى، كتاب النكاح، كراتشى: ۹/۳، زكريا: ٦٨/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۷/شعبان ۱۴۰۹ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۳۷۹/۲۵) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نابالغ بچہ اگر ممیّز ہو تو اس کا پڑھایا ہوا عقد نکاح درست وصحیح ہے:

سوال: اگر کوئی لڑکا جس کی عمر ۱۳/سال ہو، نکاح پڑھا دے (کیوں کہ وہ نکاح کے عقد ایجاب وقبول پڑھانے سے واقف ہے، اس نے رٹ لیے ہیں) تو نکاح صحیح ہوجائے گا، یا نہیں؟

الجواب

نکاح پڑھانے والا عموماً ہمارے عرف میں محض ترجمان اور معبر کی حیثیت رکھتا ہے اور صبی ممیز یعنی جو عقد نکاح وبیع وغیرہ کو سمجھتا ہو وہ ترجمان بن سکتا ہے اور اگر اس کو وکیل ہی قرار دیں، جب بھی صبی ممیّز کی وکالت صحیح ہے۔

لما فى الأشباه:ويصح توكيله إذا كان يعقد العقد ويقصده ولو محجوراً. (أحكام الصبيان من الأشباه، ص: ١٤٥، مصرى)(۱)

الغرض اس لڑکے کا نکاح پڑھنا جائز ومعتبر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۴۹۱/۲)

کیا نابینا بھی نکاح پڑھا سکتا ہے:

سوال: اندھا آدمی اگر خطبہ پڑھا دے یاد کر کے تو نکاح درست ہوگا، یا نہیں؟ جب کہ اس نے نہ وکیل کو دیکھا نہ دولہا کو اور نہ گواہان کو؟

الجواب ــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر ایجاب وقبول کے گواہ آنکھ والے موجود ہیں تو نکاح درست ہوجائے گا، اگر چہ خطبہ پڑھانے والا اندھا ہو۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۶/۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۴/۱۰-۵۹۵)

---

(۱) الأشباه والنظائر،أحكام الصبيان،ص: ٢٦٥،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۲) "وينعقد: أى النكاح: أى يثبت ويحصل انعقاده بالايجاب والقبول".(رد المحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

"ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولا كانوا أو غير عدول، الخ".(الهداية، كتاب النكاح: ۳۰٦/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

فاسق کا پڑھایا ہوا نکاح ہو جاتا ہے:

سوال: جو شخص چرس گانجہ پئے، تعزیہ دراری کرے، شیخ مسدد کو مانے، اس کی نذر کھاوے، صدقہ کھاوے، مردہ نہلاوے، خالی جھوٹ سچ بول کر پیسہ ٹھگے، غیبت کرے، عورتوں کو بہکا کر دوسروں کی کرادے، اس کا پڑھا ہوا نکاح معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب

نکاح پڑھا ہوا اس کا صحیح ہے اور نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اگر چہ وہ شخص بوجہ ارتکاب افعال محرمہ کے فاسق وعاصی ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۷/۱۴۷-۱۴۸)

جو نکاح فاسق نے پڑھایا درست ہے:

سوال: ایک موجودہ قاضی شراب خوار اور زنا کار اور ہر قسم کی بے احتیاطی اور جھوٹی گواہی، تغلب بے جاستانی کا مرتکب ہے، اس نے جھوٹے نکاح پڑھنے اور دوسرے معاملات میں سزائیں بھی پائی ہیں اور ڈگریوں میں گرفتار بھی ہوا ہے، اس کے اظہار بھی بار بار عدالت میں غلط ثابت ہوئے ہیں۔ اس کا پڑھا ہوا نکاح جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدرالمختار، کتاب النکاح: ویندب إعلانه تقدیم خطبة و کونه فی مسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشهود عدول، الخ.

وفی الشامی: فلا ینبغی أن یعقد مع المرأة بلا أحد من عصابتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غیر عدول، الخ.(۲)

اس عبارت سے واضح ہے کہ فاسق کا نکاح پڑھا ہوا اگر چہ منعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن فاسق سے نکاح پڑھانا اچھا نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۷/۱۴۸-۱۴۹)

---

(۱) جس طرح نماز فاسق وفاجر کے پیچھے درست ہے۔

صلوا خلف کل بر وفاجر. (الحدیث) (وَحَدَّثَنَا أَبُو رَوْقٍ الْهِزَّانِيُّ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بَكْرٍ بِالْبَصْرَةِ ثنا بَحْرُ بْنُ نَصْرٍ ثنا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ. مَكْحُولٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَمَنْ دُونَهُ ثِقَاتٌ. (سنن الدارقطنی، رقم الحدیث: 1768، انیس)

اسی طرح اس کا پڑھا ہوا نکاح بھی درست ہے، گو بہتر یہ ہے کہ کسی عالم صالح سے یہ کام لیا جائے؛ تاکہ سنت کے مطابق سارے کام انجام پائیں اور بابرکت ہو۔ واللہ اعلم (ظفیر مفتاحی)

(۲) دیکھئے: ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳۵۹/۲-۳۶۰، ظفیر

غیر قانونی دھندا کرنے والے قاضی سے نکاح پڑھوانے پر کمپنی والوں کا مجبور کرنا:

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح خواں قاضی شہر گیس کی ٹنکیوں کو بلیک میں خرید وفروخت کرتا ہے، جب کہ ٹنکیوں کا بلیک کرنا حکومت کی طرف سے ممنوع اور غیر قانونی ہے، ایسے غیر قانونی دھندا کرنے والے قاضی سے نکاح پڑھوایا جاسکتا ہے، اس میں شرعاً قباحت تو نہیں ہے؟

(۲) زید اپنے بچوں کا نکاح ایسے غیر قانونی دھندا کرنے والے قاضی سے نہ پڑھوانے پر بضد ہے، اس کا کہنا ہے کہ نکاح ایک پاک رشتہ کے منعقد ہونے کا ذریعہ ہے؛ لہٰذا ایسے قاضی سے نکاح پڑھوانا قطعاً درست نہیں ہے، زید از روئے شرع حق بجانب ہے؟

زید کو ایسے غیر قانونی دھندا کرنے والے قاضی سے اپنے بچوں کا نکاح پڑھوانے میں اطمینان قلب نہیں ہے تو کیا اجتماعی شادی کمیٹی اپنے طے کئے ہوئے ایسے قاضی سے نکاح پڑھوانے کے لیے زید کو مجبور کرسکتی ہے، دباؤ ڈال سکتی ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح دین دار عالم سے پڑھوانا مستحب اور افضل ہے، فاسق سے نکاح نہیں پڑھوانا چاہیے، البتہ اگر کسی نے فاسق سے نکاح پڑھوالیا تو نکاح درست ہوجائے گا، زید کو اگر مذکورہ قاضی سے نکاح پڑھوانے میں قلبی اطمینان نہیں ہے، اس لیے وہ اس سے نکاح نہیں پڑھوارہا ہے تو اس کے اوپر دوباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے، اس کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا ضروری ہے، وہ جس سے چاہے اپنے بچوں کا نکاح پڑھوائے۔

ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول. (الدر المختار: ۸/۳، كراتشي: ٦٦/٤-٦٧، زكريا، كذا فى حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ٤٤٧/٢ دارالكتب العلمية بيروت، البحر الرائق: ١٤٤/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۶/۱/۱۴۳۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے عالم کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام نے بے خبری میں زانیہ اور مزنیہ کا نکاح پڑھایا، بعد میں اسے معلوم ہوا، اب بعض لوگ اس سے ناراض ہیں کہ اس نے زانیہ مزنیہ کا نکاح پڑھایا ہے، جب کہ امام صاحب کہتا ہے کہ مجھے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کیا اس نکاح خوان پر کوئی عتاب ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید رحیم خان ہزار مری، ۳۱/۱۲/۱۹۸۴ء)

الجواب ـــــــــــــــــــ

زانی اور مزنیہ کا جب آپس میں نکاح کرنا صحیح ہے تو پڑھانے والے پر عتاب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

فی الدر المختار: وصح نکاح حبلی من زنا ... ولو نکحها الزانی حل له. ((الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۳۱۷/۲، قبیل مطلب فیما لو زوج المولٰی أمته)) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۵/۴-۲۴۶)

زانی ومزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں:

سوال: اگر بے خبری میں نکاح خوان زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھا دے تو کیا نکاح خوان پر کوئی عتاب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفی: وصح نکاح حُبلٰی من زنا (إلٰی قوله) وإن حرم وطؤها ودواعیه حتٰی تضع (إلٰی قوله) لونکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقًا. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار: ۳۱۶/۲، فصل فی المحرمات، مطلب مهم فی وطء السراری. الخ)(۱)

لہٰذا جب زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے تو پھر نکاح پڑھانے والے (نکاح خواں) پر بھی کوئی عتاب نہیں ہوگا۔ (فتاوی حقانیہ: ۳۱۷/۴)

کیا حاملہ کا نکاح پڑھانے والا اپنے نکاح کی تجدید کرے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے حاملہ عورت کا نکاح بھولے سے پڑھا دیا، ایک کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ ایسا نکاح پڑھانے والا شخص اپنے نکاح کی تجدید کرے، اس کا کیا مطلب ہے؟

(المستفتی: محمد اعلم، مدرسہ تعلیم القرآن، کندرکی مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالٰی، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفیق

عورت کے حاملہ ہونے کے دو مطلب ہیں:

(۱) شوہر سے حاملہ ہے اور حالت حمل میں شوہر نے طلاق دے دی، یا شوہر کا انتقال ہوگیا تو ایسی صورت میں حاملہ عورت کا نکاح ولادت سے فراغت سے پہلے دوسرے مرد کے ساتھ کرنا جائز نہیں ہے، اس درمیان جو نکاح کیا جائے گا، وہ منعقد نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ یہ عورت عدت کے اندر ہے، ولادت سے فراغت کے بعد اس کی عدت ختم ہوگی اور عدت کے اندر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا، عدت گزرنے کا انتظار کرنا واجب ہے؛ اس لیے ایسی حاملہ عورت کا نکاح جان بوجھ کر پڑھایا ہے تو جان بوجھ کر نکاح پڑھانے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس پر توبہ

---

(۱) قال العلامة المرغینانی: وإن تزوّج حُبلٰی من زنا جاز النکاح ولا یطاء ها حتٰی تضع حملها، الخ. (الهدایة: ۲۹۱/۲-۲۹۲، فصل فی بیان المحرمات) ومثله فی البحر الرائق: ۱۰۶/۳، فصل فی المحرمات

کرنا لازم ہے؛ مگر اس گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے نکاح پڑھانے والے کا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس کا نکاح بدستور باقی رہے گا، البتہ توبہ کرنا لازم ہے، اسی طرح کسی نے ایسی حاملہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس نے بھی گناہ عظیم کا ارتکاب کیا، اس پر بھی توبہ کرنا لازم ہے اور اس نکاح کی وجہ سے اس حاملہ عورت کو بیوی بنا کر رکھنا بدکاری اور زنا کاری ہوگی؛ بلکہ عدت گزرنے کے بعد نکاح کر کے رکھی جاسکتی ہے۔

(۲) حاملہ عورت سے ایسی حاملہ عورت مراد ہے کہ اس کا کوئی شوہر نہیں ہے، بدکاری سے حاملہ ہوئی ہے تو ایسی عورت کا نکاح کسی بھی مرد کے ساتھ صحیح اور درست ہوجاتا ہے، نہ نکاح پڑھانے والے پر کوئی الزام اور نہ ہی نکاح کرنے والے پر، ہاں البتہ جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے، وہ اس کی بدکاری کی وجہ سے حاملہ نہیں ہوئی ہے تو ولادت سے فارغ ہونے تک ہمبستری جائز نہیں اور اگر جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے، اسی کی بدکاری سے حاملہ ہوئی ہے تو ہمبستری بھی جائز ہے۔

وصح نكاح حبلى من زنا (قال الشامي: أى عند هما، ثم قال: والفتوى على قولهما) لاحبلى من غيره، وإن حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقا. (الدرالمختار مع الشامي، زكريا: ٤/١٤١-١٤٢، كراتشي: ٣/٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۸۰۱۴/۳۶)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۴/۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

محلوق اللحیہ کا اپنی لڑکی کا نکاح پڑھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید محلوق اللحیہ نے اپنی دختر زینب کا نکاح خالد کے ساتھ بایں طور کہ اولاً اپنی دختر بالغہ سے اجازت نکاح لے کر اور مقدار مہر معلوم کر کے دس بارہ اشخاص کی موجودگی میں خالد سے کہا کہ میں اپنی دختر زینب کو بعوض اتنے مہر کے آپ کے نکاح میں دیتا ہوں، کیا آپ نے اس کو قبول کیا؟ خالد نے کہا: جی ہاں قبول کیا، میں نے اس کو ''کر دیا''، بعض لوگوں میں اس نکاح کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ نکاح ہوا، یا نہیں؟ اور سلسلہ چہ میگوئیاں کافی دیر تک جاری رہا، بکر جو ایک عالم دین ہے، وہ اس طرح کی افواہوں اور فضولیات سے متاثر ہوکر خالد سے کہتا ہے کہ آپ کو عوام کا منہ بند کرنے کے لیے رسمی طور پر امام حی، یا ماسوا زید کے کسی سے بھی نکاح پڑھوا لینا چاہیے تھا؛ تاہم بکر وقوع نکاح مذکور کا معترف ہے اور خالد سے جو ایک مسجد کا امام ہے، بتشدد یہ کہتا ہے کہ آپ اپنی لڑکی کا نکاح خود پڑھائیں، میں نہیں پڑھاؤں گا، پھر دیکھتے ہیں کہ عوام الناس علماء کے سر پر بال چھوڑتی ہے، یا نہیں؟ لہٰذا ہمیں زمانہ کی رفتار اور دور حاضر کی تعلیم کے مطابق چلنا پڑے گا، نکاح کے اندر جتنی رسومات ہیں ان کو بھی اپنانا پڑے گا، لہٰذا دریافت طلب مذکورہ بالا تفصیل سے چند امور ہیں:

(۱) زید محلوق اللحیہ نے بطریق مذکورہ بالا جو نکاح پڑھایا، وہ ہوا، یا نہیں؟ اور ہوا تو کیسا ہوا، موافق سنت، یا خلاف سنت؟

(۲)　نیز حلق اللحیہ نکاح خوانی میں مخل واثر انداز ہوتا ہے، یا نہیں؟

(۳)　بکر کے جو خیالات مرقوم ہیں، وہ درست ہیں، یا غلط؟ اگر غلط ہیں تو شرعاً ایسے عالم کا کیا حکم ہے اور عوام الناس میں سے جس جس نے اس میں حصہ لیا، وہ کس درجہ کے گنہگار ہیں، صغیرہ کے یا کبیرہ کے؟

(۴)　خالد کو اپنی مسجد کے محلّہ میں حسب معمول وسابق نکاح خوانی جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: رحمت علی مظاہری، امام مسجد صدیقیان، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

مذکورہ صورت میں زینب کا نکاح خالد کے ساتھ جو زینب کے والد محلوق اللحیہ نے پڑھایا ہے، بلاشبہ صحیح اور درست ہو چکا ہے، بکر کا یہ کہنا کہ امام حی، یا ماسوا زید کسی اور سے پڑھانا چاہیے، درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ نکاح جب دو گواہوں کے سامنے ہوا تو نکاح اپنے شرائط کے ساتھ صحیح ہو چکا ہے، دوبارہ نکاح کی بات کرنا محض جہالت ہے اور نکاح کے لیے نئی رسومات کو اپنانے کو لازم کہنا بھی محض جہالت اور دینی مسائل سے بے تعلقی کی بات ہے، زینب کا نکاح خالد کے ساتھ محلوق اللحیہ نے جو پڑھایا ہے، وہ صرف اس درجہ میں ہے کہ کسی کا نکاح مسجد میں نہ پڑھا کر گھر میں کسی کی بیٹھک وغیرہ میں پڑھایا گیا ہے تو جس طرح مسجد میں نہ پڑھانے میں ملامت نہیں کی جاتی ہے، اسی طرح باشرع آدمی کے نہ پڑھانے میں بھی ملامت کی ضرورت نہیں ہے، بس صرف گواہوں کا ہونا لازم ہے۔

"إن كان بمحضر من الشهود صح، الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح، کراتشی: ۱۳/۳)

(۲)　محلوق اللحیہ کا نکاح بھی بلاشبہ صحیح اور منعقد ہو جاتا ہے۔ ہاں! اگر کوئی باشرع متبع سنت عالم پڑھا دے تو بہتر ہے۔

"ويندب إعلانه وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة، بعاقد رشيد". (شامی، کراتشی: ۸/۳، زکریا: ٦٦/٤)

(۳)　بکر کو مذکورہ نکاح میں چہ میگوئیاں کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اس قسم کی باتوں سے باز آجائے۔

(۴)　جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۵ر رمضان ۱۴۱۴ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۵۸۴/۳۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۴/۹/۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

دیوبندی کا نکاح بدعتی نے پڑھا دیا تو کیا حکم ہے:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی دیوبندی کا نکاح کسی

بدعتی نے پڑھا دیا اور اس نے ایجاب وقبول کے بعد خطبہ نکاح پڑھا ہے تو کیا نکاح میں کوئی خرابی آئے گی، یا نہیں؟

(المستفتی: مشرف علی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ایجاب وقبول کا ہونا شرط ہے اور جب گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو گیا تو خطبہ نکاح خواہ کوئی بھی پڑھے، نکاح بالکل درست ہے۔

ومن شرائطها: الإيجاب والقبول. (الدرالمختار، كتاب النكاح، كراتشي: ۱٤/۳، زكريا: ۷٦/٤)

وشرط حضور شاهدين مكلفين، حرين، سامعين قولهما معا. (الدرالمختار، كتاب النكاح، كراتشي: ۲۱/۳-۲۲، زكريا: ۸۷/٤-۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۷۶) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

شیعہ وغیرہ سے نکاح پڑھوانا:

سوال: اگر اہل سنت والجماعت کا نکاح کوئی شیعہ، یا غیر مسلم پڑھ دے؛ یعنی خطبہ وایجاب وقبول کوئی شیعہ، یا غیر مسلم کرائے تو یہ نکاح جائز ہے، یا نہیں؟ مثلاً زید کا نکاح اس طرح پر ہوتا ہے کہ زاہد شیعہ نکاح خواں ہے، عمرو بکر لڑکی کی طرف سے گواہ ہیں، زاہد عمرو بکر سے دریافت کرتا ہے کہ ان کا کیا بیان ہے، وہ (عمرو بکر) بیان کرتے ہیں کہ فلاں لڑکی اور فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر زید کے نکاح میں دی۔ زاہد (نکاح خواں) زید سے دریافت کرتا ہے کہ آپ کو قبول ہے، یہ اقرار کرتا ہے، اس اقرار کے بعد زاہد خطبہ پڑھتا ہے۔ زید اور لڑکی بالغ ہیں، اہل سنت والجماعت ہیں، گواہ بھی اہل سنت والجماعت ہیں؛ لیکن زاہد شیعہ ہے تو کیا یہ نکاح عقائد احناف کے مطابق درست ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اصل ایجاب وقبول شوہر وار بیوی نے کوئی شیعہ، یا غیر مسلم محض خطبہ پڑھے، یا اس ایجاب وقبول کی تصدیق زوجین سے کرے تو اس سے نفسِ نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی۔ (۱) تاہم مستحب اور بہتر یہی ہے کہ کسی دیندار صالح آدمی سے خطبہ پڑھوایا جائے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۹۶-۵۹۷)

---

(۱) نکاح خوان کی حیثیت محض ترجمان اور معبر کی ہوتی ہے، لہٰذا غیر مسلم کی نکاح خوانی نفسِ نکاح کی صحت پر اثر انداز نہ ہوگی۔

"النكاح ينعقد بالايجاب والقبول". (الهداية: ۳۰٥/۲، شركة علميه ملتان)

"النكاح ينعقد متلبسا بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(۲) "ويندب اعلانه وتقديم خطبة ... بعاقد رشيده". (الدرالمختار)

"فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غير عدول". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيرا ما يتساهل فى اطلاق المستحب على السنة: ۸/۳، سعيد)

شیعہ کا نکاح خواں ہونا اور بعد میں تجدید نکاح کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنے بیٹے کے نکاح کے لیے جب بکر کے گاؤں ساتھیوں سمیت گئے تو بوقت نکاح معلوم ہوا کہ نکاح خواں مولوی شیعہ تھا، دولہا نے جب اعتراض کیا تو لڑکی والوں نے کہا کہ تم اپنے گھر جا کر اہل سنت مولوی صاحب سے نکاح کی تجدید کرالیں؛ کیوں کہ یہاں یہ مسئلہ اٹھانا مصلحت کے خلاف ہے؛ اس لیے زید جب واپس آیا تو اپنی مسجد کا امام جو اہل سنت ہیں کو بلا کر تجدید نکاح کرالیا، تجدید میں حق مہر وغیرہ سب کچھ سابقہ رکھا گیا، اب اگر کوئی شخص اس تجدید نکاح کرنے والے نکاح خواں پر اعتراض کرے کہ یہ نکاح کیوں کیا گیا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور یہ تجدید نکاح کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حافظ بشیر احمد نعمانی گوجرانوالہ، ۹؍رمضان ۱۴۰۲ھ)

الجواب ــ

نکاح خواں کی حیثیت صرف معلم کی ہے نہ کہ شاہد کی، لہٰذا یہ نکاح اول درحقیقت نکاح ہے اور نکاح دوم افضل اور مستحب ہے منکر نہیں ہے۔

کما فی الدر المختار (۳/ ٦٠): ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف. (۱) وبمعناہ فی الھندیة فلیراجع. (۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۴۶)

فرقہ مہدویہ کے ماننے والے کا پڑھایا ہوا نکاح:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ فرقہ مہدویہ کے ماننے والے کا پڑھایا ہوا نکاح درست ہے، یا نہیں؟ اس فرقہ کے میاں بیوی تھے، جو بعد میں تائب ہو کر مسلمان ہو گئے تو کیا اب ان کے نکاح کی تجدید ضروری ہے، یا وہی نکاح بدستور قائم رہے گا؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

افضل اور مستحب یہی ہے کہ نکاح مسلمان دین دار نیک صالح آدمی سے پڑھوایا جائے اور کافر سے ہرگز نہ پڑھوایا جائے، البتہ اگر غیر مسلم سے نکاح پڑھوالیا تو نکاح حقیقۃً منعقد ہو جائے گا؛ کیوں کہ نکاح پڑھانے والا صرف ایجاب وقبول کی تعبیر کرتا ہے، ورنہ اصل عاقدین میاں بیوی ہوتے ہیں؛ مگر ایسا کرنا سخت بے عزتی اور سنتِ متواترہ کے خلاف ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۱۶/۱۹۹، میرٹھ)

---

(۱) الدر المختار ھامش ردالمحتار: ۲/ ۳۲٤ باب الولی

(۲) وفی الھندیة: وإذا زوج غیر الأب والجد الصغیرة فالاحتیاط أن یعقد مرتین مرة بمھر مسمی ومرة بغیر مھر مسمی لامرین أحدھما، الخ. (الفتاویٰ الھندیة: ۱/ ۲۸٥، الباب الرابع فی الأولیاء)

ویندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول. (الدر المختار: ۸/۳، كراتشي، ٦٦/٤-٦٧، زكريا، كذا فى حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ٤٤٧/٢، دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق: ١٤٤/٣، زكريا)

اورفرقہ مہدویہ کے جومیاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہیں، ان کا نکاح بدستور قائم رہے گا، بشرطیکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، اگر مانع شرعی موجود ہومثلاً محرم سے نکاح کررکھا تھا تو پھران کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

أسلم المتزوجان بلا سماع شهود أو فى عدة كافر معتقدين ذٰلك أقرا عليه، لو كانا أى المتزوجان اللذان أسلما محرمين أو أسلم أحد المحرمين أو ترافعا إلينا فرق القاضى أو الذى حكماه بينهما لعدم المحلية. (الدر المختار مع الشامي: ٣٥٢/٤، زكريا)

تزوج كافر بلا شهود أو فى عدة كافر وذا فى دينهم جائز ثم أسلما أقرا عليه. (البحر الرائق: ٣٦٠/٣، الفتاوىٰ التاتارخانية: ٢٥٩/٤، زكريا)

عن إبراهيم قال: كتب عمر بن عبد العزيز إلى حبد الحميد (هوعامله على الكوفة) إذا أسلمت المرأة قبل زوجها عرض على زوجها الإسلام، فإن أسلم فهما على نكاحهما الأول، وإن أبى أن يسلم فرق بينهما. (رواه محمد فى الحج له، ص: ٤٥٣، وسنده حسن) (إعلاء السنن: ١٣٢/١١، دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۲/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۸/)

فاسد العقیدہ کے پڑھائے ہوئے نکاح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کچھ ایسے عقائد کے لوگ ہیں، جن کے بارے میں مفتیان کرام دارالعلوم ونجیب آباد وکرتپور سب کا متفقہ فیصلہ اور فتوی یہی ہے کہ ایسے عقائد رکھنے والے ایمان سے خارج اور مرتد ہیں، ان کے نکاح ختم ہوگئے ہیں، ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کردیا جائے، شادی بیاہ، یا کسی بھی تقریب میں ان کو نہ شریک کیا جائے اور نہ ہی ان کی تقریبات میں شرکت کی جائے، اب ایسا شخص اپنے کو صحیح العقیدہ ظاہر کرتے ہوئے قصداً کسی مسلمان کا نکاح پڑھائے اوران کے ساتھ خلط ملط رہے تو کیا ایسا شخص شریعت کے لحاظ سے مجرم ہے، یانہیں؟ اگر مجرم ہے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس شخص نے جس لڑکی کا نکاح پڑھایا، وہ رات میں ہوا تھا، جب وہ اپنی سسرال پہنچی اور وہاں کے لوگوں کو پورے واقعہ کا علم ہوا تو وہاں کے علماء وعوام کی میٹنگ ہوئی، بات یہ طے پائی کہ اگرلڑکی یہاں رہنا چاہتی ہے تو کلمہ پڑھے اور نکاح دوبارہ ہو، لہٰذا کلمہ پڑھانے کے بعد پھر دوبارہ نکاح ہوا، پوری صورت حال کے پیش نظر تفصیلی جواب سے نوازیں، اللہ رب العزت آپ کواجرعظیم عطا فرمائے گا۔

(المستفتی: عبدالرحمٰن سرائے عالم نجیب آباد، ضلع بجنور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

فاسد العقیدہ لوگوں کے ساتھ میل جول درست نہیں ہے؛ تاہم اگر ان میں سے کسی شخص نے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح پڑھادیا؛ جب کہ وہ لڑکی اس نکاح پر راضی تھی تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگیا؛ اس لیے کہ نکاح میں قاضی محض وکیل ہوتا ہے، اصل عاقد ایجاب وقبول کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ دونوں مسلمان ہیں، لہٰذا اب دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں تھی، پھر بھی اگر دوبارہ نکاح کرالیا گیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل: ۵۹۵/۱۰، ۵۳۸/۱۱-۵۳۹)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار﴾ (سورۃ ھود: ۱۱۳)

قال علی بن أبی طلحة عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما: لا تداهنوا، وقال العوفی عن ابن عباس: هو اكرمون إلى الشرك، وقال أبو العالية: لا ترضوا بأعمالهم، وقال ابن جرير عن ابن عباس: ولا تميلوا إلى الذين ظلموا وهذا القول حسن: أى لا تستعينوا بالظلمة، فتكونوا كأنكم قد رضيتم بأعمالهم، الخ. (تفسير ابن كثير، مكمل، ص: ٦٧٥)

ومن شرائط الإيجاب والقبول ... وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما. (الدر المختار) أى ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا، الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، كراتشي: ٢١/٣-١٤، زكريا: ٨٦/٤-٨٧)

الوكيل فى باب النكاح ليس بعاقد بل هو سفير عن العاقد معبر عنه. (بدائع الصنائع، زكريا: ٣٢٤/٢، الهداية، أشرفی ديوبند: ٣٢٢/٢)

ويندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد. (الدر المختار، كتاب النكاح، كراتشي: ٨/٣، زكريا: ٦٦/٤-٦٧) فقط اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۹؍شعبان ۱۴۳۵ھ۔

مذکورہ مسئلہ سے متعلق ''مدرسہ ضیاء العلوم'' کرتپور بجنور کا جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شخص مذکور اپنے عقائد کی بنا پر گمراہ اور بددین ہے، ایسے شخص کو مرید کرنے کی شرعاً اجازت نہیں، وہ مرشد ہدایت نہیں؛ بلکہ مرشد ضلالت ہے۔ سوال میں جو عقائد تحریر کئے گئے ہیں، وہ سب قرآن وحدیث اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہیں۔ نماز، روزہ، حج جیسے اسلام کے بنیادی ارکان کا انکار، قربانی کو ہتیا کہنا کفریہ کلمات ہیں، اسی طرح پیر کے متعلق انتہائی غلو پر مبنی عقیدہ کہ ہمارا پیر ہی ہمارا اللہ ہے، یہ شرک ہے، لہٰذا جو لوگ بھی مذکورہ عقائد رکھتے ہیں، وہ کفر

وشرک میں مبتلا ہیں، اسلام میں ان کا کوئی حصہ نہیں، ایسے لوگوں پر صدق دل سے توبہ لازم ہے اور اپنے ان کفریہ عقائد سے باز آئیں اور تجدید ایمان وتجدید نکاح کر کے دوبارہ اسلام میں داخل ہوں، اہل علم واصحاب صلاح وتقویٰ کو چاہیے کہ ان لوگوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حق بات سمجھائیں اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں، اگر باوجود فہمائش کے وہ لوگ حق قبول نہیں کرتے، یا ان سے حق قبول کرنے کی امید ہی نہیں تو ایسی صورت میں عوام الناس کے سامنے ان کی حقیقت کو واضح کر کے ان کا بائیکاٹ شرعا لازم ہے؛ تاکہ لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ان کے دام فریب میں پھنسنے سے محفوظ رہیں، مسلمان ان سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھیں، ان کے ساتھ خورد ونوش، سلام وکلام، لین دین، شادی بیاہ، ان کی تقریبات میں شرکت، یا اپنے یہاں ان کی دعوت سب ختم کر دیں، جو شخص ان سے تعلقات رکھتا ہے، اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾(ھود: ۱۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد اسرار احمد نجیب آبادی، خادم ضیاء العلوم کرتپور، ۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ۔

دارالعلوم دیوبند کا جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه العصمة والتوفيق

جلیل نامی شخص جو کہ دین کی بنیادی باتوں کا منکر ہے اور اس سے مرید ہونے والے، نیز اس کے جال میں پھنسنے والے لوگوں نے اگر وہ عقائد اپنا لیے ہیں، جو استفتاء میں مذکور ہیں۔ نماز روزہ، حج، قربانی، وغیرہ سے متعلق اپنی زبانوں سے ہفوات خبیثہ بکتے ہیں تو ایسے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، مذکورہ فی السوال عقائد باطلہ واقوال فاسدہ کے اختیار کرتے ہی ان لوگوں کا ایمان ونکاح ختم ہو گیا، آئندہ کسی مسلمان لڑکی، یا مسلمان عورت سے نکاح کریں گے تو نکاح درست نہ ہوگا؛ بلکہ باطل وحرام ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ، الباب التاسع فی احکام المرتدین فی المجلد الثانی) میں تفصیل ہے، اگر جلیل اور اس کے متبعین اپنے عقائد واقوال ملعونہ سے سچی پکی توبہ نہ کریں اور اسی حال میں ان میں سے کوئی مرجائے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾(سورة التوبة: ٨٤)

(یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ان بے ایمانوں میں سے کسی کی نماز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک یہ لوگ منکر ہوئے ہیں، اللہ اور اس کے رسول سے اور مر گئے نافرمان ہو کر۔)

مشہور فقیہ شیخ علامہ زین الدین بن نجیم المصری الحنفی (المتوفی ۹۷۰ھ) اپنی مشہور کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے فن ثانی میں لکھتے ہیں:

وإذا مات،أو قتل على ردته لم يدفن في مقابر المسلمين، ولا أهل ملة، وإنما يلقى في حفرة كالكلب.

یعنی مرتدین میں سے جب کوئی مرجائے، یا حالت ارتداد میں قتل کر دیا جائے تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی اہل ملت کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور اس کو کسی گڈھے میں کتے کی طرح ڈال دیا جائے گا۔ (کتاب السیر، باب الردة: ۲۹۱/۱)

مرتدین پر حد وسزا جاری کرنا عوام کے اختیار میں نہیں ہے؛ بلکہ جہاں حکومت اسلامیہ ہو، اس کے فرائض منصبی میں سے ہے۔ دارالافتاء مدرسہ ضیاء العلوم کرتپور بجنور کا مسلک فتوی سلسلہ جلیل اور اس کے متبعین سے متعلق درست وصحیح ہے، اس فتوی کے مستفتی عبداللہ موضع سرائے عالم، تحصیل نجیب آباد بجنور ہیں، بتاریخ: ۷/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ میں یہ فتوی لکھا گیا ہے، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند اس فتوی کی تصدیق کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد محمود حسن غفرلہ بلند شہری، الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۳۴/۲/۱۱ھ۔ الجواب صحیح: فخر الاسلام الجواب صحیح: وقار علی غفرلہ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

برہمن سے نکاح پڑھوانا:

سوال: مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ ”اگر برہمن (۱) نکاح پڑھا دے تو جائز ہے کہ نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا“۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

جو شخص نکاح پڑھاتا ہے، وہ شرعی قاضی نہیں، لہٰذا اس میں قاضی کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، وہ شخص محض ایجاب وقبول کی تعبیر کرتا ہے۔ (۲) زوجین خود گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۲/۱۹ھ۔

---

(۱) ”برہمن: پنڈت، عالم، ہندوؤں کی سب سے اونچی ذات“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۷، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ”وإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدين، جاز ... ولنا أن الوكيل في النكاح معبر وسفير“. (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والاكفاء، فصل في الوكالة بالنكاح: ۳۲۲/۲، مكتبه شركة علميه)

”الوكيل في باب النكاح ليس بعاقد، بل هو سفير عن العاقد ومعبر عنه“. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳۲٤/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) ”وينعقد: أي النكاح: أي يثبت ويحصل انعقاده بالايجاب والقبول“. (رد المحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

”ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولا كانوا أو غير عدول، الخ“. (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰٦/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

جواب صحیح ہے، غیر مسلم کے ایجاب وقبول نکاح کردینے سے اگرچہ حقیقۃ نکاح منعقد ہوجاتا ہے؛ مگر ایسا کرنا سخت بے غیرتی اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے۔(۱)

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: سید مہدی سحن غفرلہ، ۱۳۸۵/۱۲/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۵/۱۰-۵۹۶)

کافر کا خطبہ نکاح پڑھانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کافر مسلمان کا خطبہ نکاح پڑھا سکتا ہے، ہم نے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ابوطالب نے پڑھایا تھا، ابوطالب تو کافر تھے، انہوں نے ایک پیغمبر کا نکاح کیسے پڑھایا، اس سے تو جواز معلوم ہوتا ہے، مسئلہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

دو گواہوں کی موجودگی میں محض ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، خطبہ کی حیثیت نکاح میں استحباب کی ہے؛ اسی لیے بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن سعد کا نکاح بغیر خطبہ کے پڑھایا، لہٰذا اگر کافر نے خطبہ پڑھا، تب بھی نکاح درست ہوگا، اس سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ نکاح خواں کی حیثیت صرف ایک معبر اور سفیر کی ہوتی ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ نکاح دیندار اور نیک شخص سے پڑھوایا جائے۔

لما في عمدة القاری (۱۳٤/۲۰، باب الخطبة) وقال الترمذی وقد قال بعض أهل العلم إن النكاح جائز بغير خطبة وهو قول سفيان الثوری وغيره من أهل العلم قلت وأوجبها أهل الظاهر فرضا واحتجوا بأنه خطب عند تزوج فاطمة رضی اللّٰه عنها وأفعاله على الوجوب واستدل الفقهاء على عدم وجوبها بقوله فی حديث سهل بن سعد قد زوجتها بما معک من القرآن.

وفی الدرالمختار (۸/۳): (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر.

وفی الفقه الاسلامی وادلته (٦٦١٨/٩): فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة. (نجم الفتاویٰ: ۴/)

نکاح پر نکاح پڑھانے والے قاضی اور شرکاء مجلس کے نکاح برقرار ہیں:

سوال: اگر کوئی امام مسجد ایک مرد اور عورت کا نکاح پڑھاوے اور بعد میں معلوم ہو کہ عورت مذکورہ کا نکاح سابق

(۱) "ويندب اعلانه وتقديم خطبة ... بعاقد رشيد". (الدرالمختار) "فلا ينبغی أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غير عدول". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيرا ما يتساهل فی اطلاق المستحب على السنة: ۸/۳، سعيد)

باقی ہے تو کیا نکاح خواں اور گواہان نکاح کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، یا باقی رہتا ہے؟

(المستفتی: ۶۳۴، مولوی نور اللہ، ضلع لائل پور)

الجواب

نکاح خواں اور گواہوں کا نکاح نہیں ٹوٹتا، انہوں نے بے احتیاطی ضرور کی اور جب معلوم ہوگیا کہ عورت منکوحۃ الغیر ہے تو وہ نکاح بھی درست نہیں ہوا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۲۹۱/۵)

اجنبی مرد وعورت کا نکاح قاضی دونوں سے حلفیہ بیان لے کر کرسکتا ہے، یا نہیں:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارہ نکاح محمود وفریدہ کہ محمود فریدہ دونوں غریب الوطن ہیں اپنے وطن سے دور دراز فرار ہوتے ہوئے کسی شہر میں وارد ہوکر اہل شہر سے اپنا وطن اصلی کچھ بتائیں اور ارادہ ظاہر کریں کہ باہم عقد مناکحت کرلیں۔ دونوں کا اقرار کہ ہمارے مابین کوئی رشتہ حرمت نہیں اہل شہر کے عندیہ میں یہ دونوں اجانب متصور ہیں، گوکہ محمود کو کسی سے تعرف ہو مگر فریدہ اجنبیہ ہے جن سے اہل شہر احتمال کرسکتے ہیں کہ فرید کسی کی منکوحہ ہوگی اور محمود کی فریب دہی سے زوجیت سے دست بردار ہوکر آئی ہوگی کسی کو کچھ خبر نہیں کہ دونوں اپنے اقرار میں سچے ہیں یا جھوٹے؛ مگر دونوں کا حلفیہ اقرار ہے کہ ہمارے مابین تزویج کے لیے کوئی شرعی امر مانع نہیں۔ تصدیق وتحقیق کے لیے یہ دونوں اہل شہر سے بھی نہیں؛ بلکہ ابناء سبیل مانے جاتے ہیں اور ان کا وطن اصلی بھی قریب نہیں؛ بلکہ پانچ سو میل کی مسافت سے بھی متجاوز ہے، لہذا اعرض خدمت ہے کہ محمود مذکور اور فریدہ مذکورہ بالغہ جو چودہ سالہ عمر رکھتی ہے، ان دونوں کے انعقاد نکاح کی کیا صورت ہے، آیا جس شہر میں کہ یہ دونوں وارد ہیں اور استدعائے تزویج کررہے ہیں، کیا باعتبار حلفی اقرار قاضی شہر مجاز ہے کہ اہل شہر سے کوئی دو شاہد مقرر کرکے حسب استدعا محمود وفریدہ سر دست بلاتحقیق وتنقیح ان دونوں کا نکاح کردے یا باوجود ان دونوں کے قاضی نکاح کردے تو نکاح کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالیٰ

الجواب

اگر قاضی شہر کا قلب اس مرد وعورت کی تصدیق کی شہادت دے اور ان کے حلفیہ بیان پر اس کا قلب مطمئن ہوجائے تو اس کو ان دونوں کا نکاح کردینا جائز ہے؛ مگر نکاح مجمع عام میں کرے، صرف دو گواہوں کے سامنے نہ کرے؛ کیوں کہ اگر وہ جھوٹے ہوں گے تو غالب یہ ہے کہ مجمع عام میں نکاح پر راضی نہ ہوں گے۔

(۱) لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیرہ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب الثالث: ۲۸۰/۱، ماجدیة)

وأیضاً ففی نکاح السر من المفاسد مالا یخفی، والأصل فی ذلک ما ذکره الفقهاء فی امرأة قالت لرجل: طلقنی زوجی ثلاثا وانقضت عدتی فإن شهد بصدقها قلبه جاز له أن یتزوجها. (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

یکم ربیع ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲۳۴/۳)

استفتاء ضمیمہ سابق:

سوال: ہندہ کا حامد سے خطبہ ہو چکا تھا، اتفاقاً زید جو مرد اجنبی ہے، باکرہ مذکور ہندہ کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کئے ہوئے اس کے ابوین واقارب سے جدا کر کے کہیں اور مقام پر فرار ہوا۔ ہندہ کے ابوین واقارب اس واقعہ جاں گزاں سے حیران ہو کر اطراف واکناف متاشی رہے، بالآخر کسی مقام پر جو تقریباً یک ہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے، بعد تفتیش وتلاش بعرصہ ایک ماہ سراغ پا کر مفرورین کو گرفتار کر کے وطن لے آئے، ہندہ تو اپنے والدین کے قبضہ اختیار میں رہ گئی؛ مگر زید جو غریب الوطن مانا جاتا تھا، بعد ملامت وتشنیع اپنے وطن کو روانہ کیا گیا، جو تیس میل پر واقع ہے، تقریباً عرصہ چھ سات ماہ گزرتا ہے کہ حالاً زید مدعی ہے کہ ہندہ مذکورہ اپنی منکوحہ ہے، حالاً ہندہ مذکورہ کا نکاح حامد مذکورہ الصدر کہ جس کا قبل از وقوع واقعہ مذکورہ ہندہ کے ساتھ خطبہ ہو چکا تھا، تقرر پایا ہے، عنقریب نکاح ہونے والا ہے، لہٰذا احقر چند سوالات متعلقہ امر مذکور بخدمت اقدس مؤدبانہ پیش کرتا ہے

(۱) زید مذکور کا جو دعویٰ ہے کہ ہندہ پنی منکوحہ ہے، کیا بصورت عدم حضور ولی وارتکاب منہیات یہ دعویٰ صحیح ہے، کیا ہندہ کو منکوحہ قرار دی جاتی ہے؟

(۲) زید کا یہ دعویٰ کہ میں نے فرار کسی مقام میں ہندہ سے نکاح کیا ہے، درآنحالیکہ دونوں اجانب وغریب الوطن متصور تھے، نہ شاہدین کو نہ اوروں کو کچھ خبر ہے کہ ہندہ کے ساتھ زید کو باہمی کیا مناسبت ہے، گو کہ فیما بین رشتہ حرمت ہی کیوں نہ ہو، بلا تحقیق حسب استدعاء زید انعقاد نکاح میں اشتمال شاہدین کو غیرہ درست ہے، کیا یہ نکاح اجانب جو بلا تحقیق وتنقیح کیا گیا ہے صحیح ہے؟

(۳) اگر کسی وجہ سے نکاح زید ہی معتبر ہو تو کیا ہندہ کے اولیاء عصبہ کو حق فسخ حاصل نہیں؟

(۴) برخلاف دعویٰ زید ہندہ مذکورہ کا نکاح جو فی الحال حامد کے ساتھ تقرر پایا ہے، جن کے مابین کوئی رشتہ حرمت تو نہیں ہے نفاذ نکاح کے لیے کیا کوئی امر مانع ومزاحم ہے؟

(۵) کیا ہندہ کو بلا بینہ شرعی صرف بوجہ فرار وہمراہی زید زانیہ کہہ سکتے ہیں؟

(۶) بصورت ثبوت زنا کیا، ہندہ پر جو غیر محصنہ ہے، حج جاری کی جاوے؟

---

(۱) وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِرَجُلٍ: إِنَّ زَوْجِي طَلَّقَنِي ثَلَاثًا وَانْقَضَتْ عِدَّتِي فَإِنْ كَانَتْ عَدْلَةً وَسِعَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا. (البحر الرائق، فصل فی البیع: ۲۲۸/۸، دار الفکر بیروت)

(۷) یہاں رسم ہے کہ زانی وزانیہ محصن خواہ غیر محصن رومال لپیٹ کر سو درے لگائے جاتے ہیں، نہیں معلوم کہ رجم کا حکم کس کے لیے ہے، آیا یہ حکم ہی منسوخ ہے؟

(۸) در بارۂ اجراء حدود گورنمنٹ کی سخت ممانعت ہے، دریں صورت مجبوری رجم ترک کر کے مجرم ومجرمہ پر صرف کوڑے ہی لگائے جاویں؟

(۹) کیا بصورت مجبوری کوڑے لگانا رجم کے قائم مقام ہوگیا، کیا اس طریق سے حد ساقط ہو جاتی ہے؟

(۱۰) صرف رومال لپیٹ کر درے لگایا جاویں، یا دیگر آلات سے اور دراصطلاح شرع میں کس کو کہتے ہیں؟

الحاصل احقر بخدمت اقدس ملتجی ہے کہ از راہ کرم کل سوالات کا جواب بالا ستیعاب از روئے اصول ثلاثہ معہ حوالہ کتب و دستخطی مہر جناب وغیرہم زیب رقم فرماویں کہ جملہ شبہات کا مطلب ذہن نشیں ہو جاوے اور خلجان کلی رفع ہو اور کسی کو مجال ومزنی نہ ہو، اگر چہ جرات احقر موجب تضییع اوقات عزیز آنجناب ہے، معہذا بندہ عرض پرداز ہے کہ از راہ بہندنوازی ہمہ امور تمامتر قومی سند کے ساتھ کہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو، قلمبند فرما کر ممنون فرماویں؟ امید کہ آنجناب اپنی سعی بلیغ مبذول فرما کر بجر د جوابات سے سرفراز فرمائیں گے۔

تنقیحات:

دُرّے (کوڑے) لگانے کا حق عوام کو نہیں؛ بلکہ امام کو ہے اور ہندوستان میں امام نہیں، البتہ اگر پنچایت کو گورنمنٹ کی طرف سے سزائے بید کا اختیار حاصل ہو تو جرائم پیشہ لوگوں کو سزائے بید دے سکتے ہیں جس کے لئے شرط یہ ہے کہ ۳۹ بید سے زیادہ نہ مارے جائیں باقی اس نکاح کے متعلق چند امور تنقیح طلب ہیں، ان کا جواب دیا جائے۔

(۱) ہندہ زید کے دعوے کو صحیح کہتی ہے، یا غلط بتلاتی ہے؟

(۲) زید ہندہ کا ہم کفو ہے، یا نہیں؟ یعنی نسباً دونوں میں کفاءت ہے، یا نہیں؟

(۳) زید اور ہندہ نکاح کے شاہد جن لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں، وہ شاہدین ان کے دعوی نکاح کی تصدیق کرتے ہیں، یا نہیں؟ ہندہ بالغہ ہے، یا نہیں؟ عمر کیا ہے؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد سوال کیا جائے تو جواب ملے گا، یہ پرچہ واپس کیا جائے فقط

۱۵/صفر ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲۳۶/۳)

جواب تنقیحات:

مولانا، السلام علیکم

امابعد: ہر چہار امور تنقیح طلب کا جواب حتی الامکان عرض کیا جاتا ہے۔

امر اول: ہندہ دعوی زید کی تکذیب کرتی اور غلط بتلاتی ہے۔

امر دوم: ہندہ اہل سادات سے ہے؛ مگر زید کا نسب نامعلوم، سادات سے تو نہیں؛ مگر شیخ یا پٹھان خاندان سے ہوگا، نیز باعتبار حرفت زید میں کوئی رذالت پائی نہیں جاتی، غالباً زید ہندہ کو ہم کفو ہوگا۔

امر سوم: شاہدین کا پتہ نہیں، نہیں معلوم کہ شاہدین نکاح کون ہیں، زید کا جو دعویٰ ہے، عدالتی نہیں، چوں کہ زید نے اپنا دعویٰ عدالت میں دائر نہیں کیا ہے، صرف تخویفاً لوگوں میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہندہ میری منکوحہ ہے، حامد کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد دعویٰ دائر کروں گا، نہیں معلوم کہ یہ دعویٰ کہاں تک راست ودرست ہے اور کہاں تک دروغ، چوں کہ معاملہ سراسر تصدیق طلب ہے۔ غرض زید کا دعویٰ ہے کہ جس مقام میں نکاح کیا ہوں، وہاں پر شاہدین موجود ہیں، بعد نکاح حامد بعدالت دعویٰ دائر کروں گا۔

امر چہارم: ہندہ بالغہ ہے اور عمر میں چودہ سالہ ہے۔

امید کہ آنجناب جملہ سوالات کا جواب مفصل زیب رقم فرما کر ممنون فرمائیں گے؟

الجواب

جب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور زید کے پاس دو گواہ نہیں، جو نکاح کی شہادت دیں تو محض اس کی افواہ اور تخویف سے نکاح کا ثبوت نہیں ہوسکتا، ورنہ ہر شخص عویٰ کر دیا کرے گا کہ میرا نکاح فلاں عورت سے ہو چکا ہے، دعوی بلا دلیل وبلا بینہ ہے، البتہ اگر زید کے دعوے سے ولی ہندہ کو تردد ہو گیا ہو تو وہ ہندہ سے قسم وغیرہ لے کر اپنا اطمینان قلب کر کے ہندہ کا نکاح حامد سے کرے، بدون اطمینان قلب کے ایسا نہ کرے۔ رہا یہ کہ زید بعد میں عدالتی دعوے کی دھمکی دے رہا ہے تو اس دھمکی کا قانون بچاؤ قانون داں لوگوں سے معلوم کرے۔

نوٹ: سائل نے زید کی نسبی حالت کو بالکل گول مول ظاہر کیا ہے کہ شیخ ہوگا، یا پٹھان اس کو لازم ہے کہ ایک بعد تحقیق معین کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یکم ربیع ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲۳۸/۳)

نکاح پڑھاتے وقت سکہ رائج الوقت کہنا بھول جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قاضی نکاح پڑھاتے وقت سکۂ رائج الوقت بھول جائے، صرف اس طرح زید سے کہے کہ آپ کا نکاح خالدہ کے ساتھ کیا گیا ہے، جیسا کہ مہر غیر معجّل ایک ہزار روپئے ہیں، آپ نے قبول کیا، اس نے کہہ دیا کہ میں نے قبول کیا تو کیا نکاح ہو جائے گا، یا نہیں؟ جب کہ لوگوں کے ذہنوں میں اور عام طور سے جو مہر طے ہوتا ہے، اس سکہ سے مراد آج کل جو روپئے چل رہے ہیں، یہی مراد ہوتے ہیں۔

(المستفتی: محمد نصرت لکھیم پوری)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

سکہ رائج الوقت کی قید نہیں لگائی ہے؛ بلکہ صرف ایک ہزار روپئے کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے خود بخود ایک ہزار روپئے کا سکہ رائج الوقت متعین ہوجائے گا اور نکاح بھی صحیح ہوجائے گا۔

ومن أطلق الثمن في البيع،أي أطلقه عن ذكر الصفة بعد ذكر العدديات بأن قال: عشرة دراهم مثلاً، انصرف إلى غالب نقد البلد ؛ لانه هو المتعارف، فينصرف المطلق إليه، فإن كان إطلاق اسم الدراهم في العرف يختص بها مع وجود دراهم غيرها. (فتح القدير، كتاب البيوع، دارالفكر بيروت: ٦/٢٦٢، كوئٹه: ٥/٤٦٩، زكريا: ٦/٢٤٣)

وفي الحجة: تزوج امرأة على ألف درهم، وفي البلدة نقود مختلفة ينصرف إلى الغالب منها. (الفتاوى الهندية، زكريا: ١/٣١٠، جديد: ١/٣٧٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا: ٤/١٤٦، رقم: ٥٨٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۴/۷۴۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۱/۲۷ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح خوانی کی اجرت کی شرعی حیثیت:

سوال: نکاح پڑھانے والے کو کچھ روپیہ نقد دینا سنت ہے، یا مستحب؟ اور نکاح پڑھانے والا نکاح پڑھانے سے پہلے کچھ نقد روپیہ پہلے مقرر کرے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور پھر جبراً وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۶۳۳، مولوی عبدالحق امام مسجد دوحد ضلع پنچ محل، مورخہ ۱۳/ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ)

الجواب ــــــــــــــــ

نکاح پڑھانے والے کو نکاح خوانی کی اجرت دینا جائز ہے،(۱) اور نکاح خواں پہلے اجرت مقرر کرکے نکاح پڑھائے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کی مقرر شدہ اجرت جبراً وصول کرنے کا حق ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۵۰/۵)

نکاح خوانی کی اجرت کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی کے موقع پر عرف

---

(۱) والمختار للفتوى انه إذا عقدبكراً ياخذ ديناراً وفي الثيب نصف دينار ويحل له ذلك هكذا قالوا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب ادب القاضي، الباب الخامس: ٣/٣٤٥، ماجدية)

(۲) قال في الدر المختار: لا يستحق المشترک الاجر حتى يعمل وفي الرد: حتى يعمل لأن الاجارة عقد معاوضة فتقتضي المساواة بينهما فما لم يسلم المعقود عليه للمستاجر لا يسلم له العوض، والمعقود عليه هو العمل واثره على ما بينا، فلا بد من العمل. (رد المحتار، كتاب الاجارة: ٦/٦٤، سعيد)

میں عموماً نکاح خوانی کے لیے لڑکی والوں کی طرف سے کسی شخص کو بلایا جاتا ہے اور اس کا معاوضہ لڑکے والے دیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ دستور درست ہے؟ اور کیا نکاح پڑھانے والے کو اس پر معاوضہ لینا درست ہے؟ اگر معاوضہ لینا جائز نہیں ہے تو اگر کسی شخص نے لیا تو کیا اس کا واپس کرنا واجب اور ضروری ہے؟

(المستفتی: محمد عالم کورانہ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عرف میں نکاح خواں کو لانے کا دستور یہ ہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ہی شہر یا ایک ہی گاؤں کے ہوں تو لڑکے والے نکاح خواں کو بلاتے ہیں اور نکاح خواں کو کچھ دینا ہو تو وہ لڑکے والے ہی دیتے ہیں اور اگر دونوں ایک شہر یا ایک گاؤں کے نہیں؛ بلکہ لڑکی والے دوسرے شہر یا دوسرے گاؤں کے ہیں تو ایسی صورت میں کبھی لڑکے والے اپنے ساتھ نکاح خواں کو لاتے ہیں، وہی اجرت دیتے ہیں اور اکثر وبیشتر یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والوں کے یہاں کے کسی نکاح خواں کا انتخاب کیا جاتا ہے، وہی نکاح پڑھاتا ہے اور اجرت لڑکے والے ہی دیتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ دلالۃً اور عرفاً لڑکے والوں کی طرف سے اجازت ہوتی ہے کہ لڑکی والے نکاح خواں کو بلائیں، عرف اور دستور یہی ہے، جب عرف اور تعامل یہی ہے کہ نکاح خواں کی اجرت ہر صورت میں لڑکے والوں کی طرف سے دی جاتی ہے، ایسے عرف اور تعامل کی وجہ سے ہر صورت میں لڑکے والوں کی طرف سے اجرت دینا جائز اور درست ہے؛ لیکن اگر ایسا عرف اور تعامل نہیں ہے تو وہاں پر جس کی طرف سے بھی نکاح خواں کو بلایا جائے گا، وہی اجرت دے گا اور اس میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ نکاح پڑھانے والا من جانب حکومت مقرر کردہ نہ ہو؛ بلکہ کوئی بھی پڑھا لکھا نیک صالح آدمی نکاح پڑھا سکتا ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی: ۳/۲۷۴، امداد المفتیین کراچی، ص: ۸۶۸، کفایت المفتی: ۵/۱۵۱)

المختار للفتوی أنہ إذا عقد بکرا یأخذ دینارا، وفی الثیب نصف دینار ویحل لہ ذلک، ھکذا قالوا، کذا فی البرجندی. (الھندیۃ، الباب الخامس عشر فی أقوال القاضی، وما ینبغی للقاضی أن یفعل: ۳/۳۴۵، جدید: ۳/۳۰۶، وھکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، قبیل فصل فی أحکام المساجد، زکریا دیوبند: ۵/۴۰۸، کوئٹہ: ۵/۲۴۳، البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ، زکریا دیوبند: ۵/۱۴۰، جدید زکریا: ۲/۲۷، خلاصۃ الفتاوی: ۴/۴۸، أشرفی دیوبند) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ (الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۰۴)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۲/۴/۱۴۳۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح خوانی کی اجرت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں انتظامی سہولت کے پیشِ نظر حلقہ وار نکاح خواں حضرات کا تعین کیا گیا ہے اور اسی نظام کے تحت نکاح پڑھاتے ہیں اور نکاح کا نذرانہ دولہا

والوں سے وصول کرتے ہیں؛ لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حلقہ میں دوسرے حلقہ کا نکاح خواں نکاح پڑھا دیتا ہے، (متعینہ نکاح خواں کے نہ ہونے، یا کسی اور وجہ سے) یا غیر متعین شخص پڑھا دیتا ہے، پھر اس نذرانہ پر اختلاف ہوتا ہے، متعینہ نکاح خواں اس نذرانہ پر اپنے استحقاق کا دعوی کرتا ہے اور اس سے جبراً پورا نذرانہ وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے، یا پھر نصف نصف پر معاملہ طے ہوجاتا ہے تو مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں ذیل کے مسائل کا جواب عنایت فرمادیں:

(۱) حلقہ وار نکاح خواں حضرات کی تعیین کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) نکاح خوانی کے نذرانہ کا کیا حکم ہے؟ اور اس کی ادائیگی لڑکی کے متعلقین پر ہے یا لڑکے کے؟

(۳) جس نے نکاح پڑھایا ہے، نذرانہ کا مستحق وہی ہے، یا حلقہ کا متعین نکاح خواں؟

(المستفتی: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، رامپور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) یہ تعیین نذرانہ کے لین دین کی وجہ سے فتنہ کا باعث ہے؛ اس لیے مناسب نہیں۔

(۲) اگر نکاح خواں کو بلانے والے لڑکے والے ہیں تو نکاح خواں کی اجرت ان کے ذمہ لازم ہوگی اور اگر لڑکی والے نے بلایا ہے تو اجرت دینے کے ذمہ دار بھی لڑکی والے ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی: ۲/۲۷۸)

(۳) نذرانہ کا مستحق وہی ہوگا جس نے نکاح پڑھایا ہے تو متعین نکاح خواں کے لیے کل، یا نصف رقم کا لینا ناجائز اور رشوت ہے؛ اس لیے ایسا نظام اگر کہیں بن گیا ہے تو اس کو ختم کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی جدید: ۲/۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۶۴) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح خوانی کی اجرت لینا اور اندراج نکاح:

سوال (۱) نکاح خوانی لینا جائز ہے، یا ناجائز؟

(۲) اور نکاح خوانی خاص اشخاص کا کام ہے، یا یہ کہ اہل اسلام میں سے اور لوگ بھی انجام دے سکتے ہیں؟

(۳) اس معاملہ مذہبی میں حکام وقت کی مداخلت جائز ہے، یا نہیں؟

(۴) اور نکاح خوانی مجبور کر کے لینا کیسا ہے؟ (المستفتی: افضال الحق ساکن کوچہ روح اللہ خاں، دہلی)

الجواب ـــــــــــــــــــ

(۱) نکاح خوانی طرفین یعنی قاضی اور اس کو بلانے والے کی باہمی رضامندی سے لینی جائز ہے۔ (۱)

---

(۱) وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليها فنكاح الصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الاجرة. (الهندية، كتاب ادب القاضي: ۳/۳٤٥، ماجدية) ==

(۲)　نکاح خوانی ہر وہ شخص کرسکتا ہے، جو احکام نکاح سے واقف ہو اور نیک صالح ہو تو اولیٰ ہے۔

(۳)　قاضی کی نکاح خوانی کا واسطہ بھی ضروری نہیں، اگر زوجین، یا دونوں کے ولی، یا وکیل گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہوجائے گا؛(۱) لیکن اگر حکام یادداشت کے طور پر منازعت کے مواقع پر کام آنے کے لیے نکاحوں کے اندراج کے لیے رجسٹر رکھنے کا حکم دیں اور ان رجسٹروں میں نکاح لکھے جایا کریں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

(۴)　اجرت نکاح خوانی باہمی رضامندی سے مقرر کرلینے کے بعد جبراً لی جاسکتی ہے اور جو شخص یعنی بیٹی والا، یا دولہا والا نکاح خواں کو بلائے گا، اس کو اجرت ادا کرنی ہوگی اور اگر اجرت پہلے طے نہ کی ہو تو جو عرف ہوگا، اس کے موافق دینی ہوگی۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ غفرلہ، ۲۵/ اکتوبر ۱۳۲۵ء۔ (کفایۃ المفتی: ۱۴۸/۵)

نکاح خوانی کی اجرت:

سوال (۱) کیا شرعاً قاضی کو یہ لازم ہے، یا نہیں کہ اگر کوئی شخص غریب اور بالکل محتاج ہو تو اس کا نکاح فی سبیل اللہ پڑھا دیں؟

(۲)　کیا بغیر اجرت لیے قاضی صاحب نکاح نہیں پڑھا سکتے؟

(۳)　کسی بھی مصیبت زدہ شخص کو قاضی صاحب امداد دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴)　قاضی صاحب کو نکاح خوانی کا کتنا حق لینا چاہیے؟

(المستفتی: مجید خاں مقام جوبٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱)　قاضی پر یہ لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ بغیر اجرت نکاح پڑھاوے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ پڑھائے تو مجلس میں سے کوئی اور شخص ایجاب وقبول کرادے، نکاح ہوجائے گا، ضروری نہیں کہ قاضی صاحب ہی نکاح پڑھائیں۔(۳)

(۲)　وہ چاہیں تو پڑھا دیں۔

==　﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (سورۃ النساء: ۲۹)

(۱)　وينعقد بأيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... كزوجت نفسي أو بنتي موكلي منك. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(۲)　والمختار للفتوى انه إذا عقد بكراً ياخذ ديناراً وفي الثيب نصف دينار ويحل له ذلك هكذا قالوا كذا في البرجندي. (الهندية، كتاب ادب القاضي الباب الخامس: ۳۴۵/۳، ماجدية)

(۳)　وينعقد بإيجاب من احدهما وقبول من الآخر (الدر المختار) وفي الرد: وينعقد أي النكاح أي يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول. (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(۳) قاضی کے اختیار میں جس قدر امداد ہو، اس قدر امداد دینا لازم ہے۔
(۴) نکاح پڑھوانے والے کی حیثیت کے مطابق اجرت لینی چاہیے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایۃ المفتی: ۱۴۹/۵) ☆

الصراح فی اجرۃ الانکاح:

بعد الحمد والصلاۃ والسلام للّٰہ تعالیٰ وعلیٰ رسولہ وآلہ وأصحابہ الکرام

''بہت روز سے میرے دل میں خیال تھا کہ اس نکاح خوانی کی اجرت متعارفہ کے متعلق کچھ تحقیق کیا جاوے؛ لیکن اتفاق سے آج کل خاص طور پر اس کا ایک استفتا آ گیا، چوں کہ اس کا جواب قدرے مفصل لکھا گیا، جس سے

(۱) والمختار للفتوی أنه إذا عقد بکراً یاخذ دیناراً وفی الثیب نصف دینار ویحل له ذلک هکذا قالوا. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب ادب القاضی، البابالخامس: ۳۴۵/۳، ماجدیة)

☆ **اجرتِ نکاح:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نکاح کی اجرت لینا کیسا ہے؟ رجسٹر بھرنے کی اجرت طلب کرنا کیسا ہے؟ جو ہدیہ نکاح پڑھانے والے کو دے دیا گیا، پھر اس سے ہدیہ بغیر مرضی کے واپس کر کے کسی دوسرے کارِ خیر میں دینا کیسا ہے؟

(المستفتی: محمد شریف امام جامع مسجد محمدی کھیری، لکھیم پور)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

نکاح پڑھانے والے کے لیے نکاح خوانی کی اجرت لینا شرعاً جائز اور درست ہے، اسی طرح نکاح کا رجسٹر بھرنے کی اجرت لینا بھی شرعاً جائز ہے اور جو ہدیہ نکاح پڑھانے والے کو دے دیا گیا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو وہ اس کا مالک ہے، بریں بنا اس رقم کو واپس لینا جائز نہیں ہے، جو واپس لے گا وہی اس کا ضامن ہوگا۔

والمختار للفتوی أنه إذا عقد بکرا یأخذ دینارا، وفی الثیب نصف دینار، ویحل له ذلک، کذا قالوا. (الهندیة، الباب الخامس عشر فی أقوال القاضی، ولا ینبغی للقاضی أن یفعل وما لا یفعل، زکریا: ۳۴۵/۳، جدید زکریا: ۳۰۶/۳)

وأما بالکتابة فیجوز لهما علی قدر کتابتهما؛ لان الکتابة لا تلزمهما. (شامی، قبیل کتاب الشهادات، زکریا دیوبند: ۱۷۲/۸، کراتشی: ۴۶۱/۵)

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ألا! لا تظلموا لا یحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفس منه. (مشکاة، ۲۵۵، شعب الإیمان: ۳۸۷/۴، برقم: ۵۴۹۲، منسد أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، رقم: ۲۰۹۷۱)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (شامی، زکریا: ۱۰۶/۶، کراتشی: ۶۱/۴، الهندیة: ۱۶۷/۲، جدید زکریا: ۱۸۱/۲، الموسوعة الفقهیة الکویتیة: ۳۵۴/۳۷، البحر الرائق، کوئٹه: ۴۱/۵، زکریا دیوبند: ۶۸/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۱ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۴۱/۳۹)
الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۲۱ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

وہ ایک چھوٹے رسالہ کی برابر ہوگیا؛ اس لیے بمناسبت مضمون ''الحق الصراح فی أجرۃ الإنکاح'' اس کا نام رکھ دینا مناسب معلوم ہوا، وجہ استفتاء کی یہ ہوئی تھی کہ احقر نے ایک جگہ ایک حافظ صاحب کو نیابت سے منع کر دیا تھا؛ اس لیے منیب کے صاحبزادے نے بغرض اپنے والد ماجد کو کہ ان کا قیام دوسری جگہ ہے، حکم شرعی سے اطلاع دینے کے اس کی تحقیق کی''۔ (فبارک اللہ تعالیٰ فیھم)

العبد محمد اشرف علی عفی عنہ

حضرت اقدس جناب مولانا صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال: حافظ صاحب نے رجسٹر نکاح یہ فرما کر واپس کر دیا ہے کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اول تو یہ آمدنی ناجائز ہے اور اگر طوعاً وکرہاً جائز ہوئی بھی ہے تو اس طرح ناجائز ہو جاتی ہے کہ تم اس میں سے کچھ جز و قاضی صاحب کو دیتے ہو، جو مقدمہ رشوت ہے، رشوت جبریہ تو جائز ہے بھی؛ مگر یہ رشوت طبعی ہے، بلا کسی دباؤ کے محض بغرض انتفاع اس لیے ناجائز ہے۔ جناب والد صاحب یہاں تشریف نہیں رکھتے، جو اس کام کو خود انجام دیتے، یا کوئی انتظام فرماتے، لہذا میری غرض یہ ہے کہ ان کی خدمت میں بذریعہ عریضہ کل احکام متعلقہ جواز وعدم جواز عرض کر دوں؛ تاکہ انتظام میں سہولت ہو، ورنہ خدا جانے کیا انتظام ہوا اور ناحق بھی مبتلائے گناہ ہونا پڑے، پس گزارش ہے کہ جناب ضروری احکام متعلقہ سے مطلع فرما کر سرفراز فرمادیں گے اور نیز اس سے بھی مطلع فرمادیں گے کہ آیا بطور تنخواہ دار کے کسی شخص سے یہ کام لیا جاوے تو جائز بھی ہے، یا نہیں؟ اطلاعاً یہ بھی گزارش ہے کہ لوگ نکاح خواں کا حق صرف چار ہی آنہ خیال کرتے ہیں، باقی ایک روپیہ قاضی صاحب کے نام کا ہوتا ہے، جس کو عطیہ، یا نذرانہ کچھ بھی ہو، کہنا چاہیے اور اکثر ایسا ہوا بھی ہے کہ قاضی صاحب کے نام کا روپیہ انھوں نے نکاح خواں کو نہیں دیا، خود اپنے آپ آکر دے گئے ہیں، مکرر یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب نے یہ کام نہ کیا تو اور لوگوں سے یہ امید نہیں کہ وہ مسائل کی تحقیق کریں گے، پس بہت سے نکاح خلاف شرع ہوا کریں گے۔

الجواب

اس کا مجمل جواب تو یہ ہے کہ مولانا محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل اربعین میں ایک ایسے سوال کے جواب میں **خزانۃ الروایات** سے استدلال کر کے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، چناں چہ وہ سوال وجواب مع روایات نقل ہوتا ہے۔

مسئلہ: بعد نکاح بقاضی ووکیل وشاہداں کہ از طرف عروس می آیند بخوشی خود بدون مطالبۂ شان چیزے دادن جائز است، یا نہ؟

الجواب:

دادن ایں مردمان بدون مطالبہ وجبر از طرف ایشاں مباح است واگر جبر کنندہ وخواہ مخواہ بکد واصراف طلب نمایند

وبگیرند پس مباح نیست چنان چہ در کتاب خزانۃ الروایات مرقوم است: ''وما سنه القضاة فی دار الإسلام ظلم صریح وهو أن یأخذوا من الأنکحة شیئاً ثم یجزون الزوج والزوجة بالمناکحة فإنهم مالم یرضوا لبطئی من أولیاء هما لم یجزوا بذلک فإنه حرام للقاضی والمناکح، انتہیٰ''. الجواب المذکور قلت فکما أن الإجارة غیر متقومة لایحل العوض عنها کذلک الجاه والعقود الفاسدة التی هی المنشاء فی الأکثر لهذا الأخذ، کماسیأتی غیر متقومة لایحل العوض عنها''.

اور مفصل جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دی جاتی ہے، اس کی دو حالتیں ہیں: یا تو بعوض دیا جاتا ہے، یا بلاعوض اور جو بعوض دیا جاتا ہے، دو حال سے خالی نہیں، یا تو ایسی شئے کا عوض ہے، جو شرعاً متقوم وقابل عوض ہے اور یا ایسی شئے کا عوض ہے، جو شرعاً متقوم وقابل عوض نہیں، خواہ حقیقۃً جیسا کہ عقود باطلہ میں ہوتا ہے، یا حکماً جیسا کہ عقود فاسدہ میں ہوتا ہے اور جو بلاعوض دیا جاتا ہے، وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا تو محض طیبِ خاطر اور آزادی سے دیا جاتا ہے، یا تنگی خاطر وکراہتِ قلب سے دیا جاتا ہے، خواہ وہ تنگی اور کراہت زیادہ ہو یا کم ہو، یہ کل چار قسمیں ہوئیں۔

قسم اول: جو متقوم شئے کے عوض میں حاصل ہے۔

قسم دوم: جو چیز غیر متقوم شئے کے عوض میں حاصل ہو۔

قسم سوم: جو بلاعوض طیبِ خاطر حاصل ہو۔

قسم چہارم: جو بلاعوض بکرہات حاصل ہو۔

قسم اول بوجہ اجرت، یا ثمن ہونے کے اور قسم سوم بوجہ ہدیہ وعطیہ ہونے کے حلال ہے اور قسم دوم بوجہ رشوت، یا ربوا حقیقی، یا حکمی ہونے کے اور قسم چہارم بوجہ ظلم، یا جبر فی التبرع ہونے کے حرام ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ نکاح خوانی کی آمدنی کون قسم میں داخل ہے؛ تا کہ اس کا ویسا ہی حکم ہو، اگر قسم اول میں داخل کہا جاوے، جیسا کہ خود نکاح پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہراً احتمال ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ جو خود نکاح پڑھنے نہ جاوے، وہاں تو اس کا احتمال ہی نہیں، البتہ نکاح خواں کے اعتبار سے ظاہراً اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ نکاح خواں کے اس عمل کی اجرت ہے؛ مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال صحیح نہیں رہتا؛ کیوں کہ صحت اجارہ کے لیے شرعاً چند امور لازم ہیں، وہ یہ کہ کام لینے والے کو پورا اختیار ہو، جس سے چاہے کام لے اور کام کرنے والے کو پورا اختیار ہو کہ کام کرے، یا نہ کرے اور اسی طرح مقدار اجرت ٹھہرانے میں کام لینے والے کو پورا اختیار ہو کہ جس قدر چاہے کم کہہ سکے اور زیادہ پر راضی نہ ہو اور کام کرنے والے کو بھی پورا اختیار چاہے زیادہ مانگے، ان امور میں اپنی آزادی اختیار سے منع ہونے میں ایک پر دوسرے کی طرف سے کوئی طعن، یا ملامت مانع نہ ہو اور یہ سب امور مسئلہ مبحوث عنہا میں مفقود ہیں؛ کیوں کہ گو کام لینے والے کو اس میں تو آزادی حاصل ہے کہ کسی سے مفت نکاح پڑھوالے؛ لیکن اگر وہ اجرت پر کسی نئے شخص سے

نکاح پڑھوالے، مثلاً مجمع حاضرین میں سے کیفما اتفق کسی کو کہہ دے کہ تم پڑھ دو اور وہ اجرت تم کو دیں گے، یا اسی مقرر نکاح خواں سے کہے کہ تم دوسری جگہ اتنا لیتے ہو، ہم تو اس سے نصف دیں گے، اگر نہیں پڑھتے تو ہم کسی دوسرے کو بلالیں گے، یا اسی طرح اگر کام دینے والا نہ تو خود جائے اور نہ اپنی طرف سے کسی کے بھیجنے کا اہتمام کرے؛ بلکہ صاف جواب دے دے کہ کچھ ہمارے ذمہ نہیں، یا یوں کہے کہ گو اور جگہ سے ایک روپیہ لیتا ہوں؛ مگر تم سے دس لوں گا، چاہے لے چلو، چاہے نہ لے چلو تو ضرور ان چار صورتوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بھی اور عام سننے دیکھنے والوں کی طرف سے سخت ملامت ہوگی کہ لو صاحب ہمیشہ سے تو اس طرح چلا آ رہا ہے، انھوں نے یہ نئی بات نکالی اور سب قائل معقول کر کے اسی رسم قدیم پر اس کو مجبور کریں گے، پس جب صحت اجارہ کے شرائط مفقود ہیں تو اجارہ مشروعہ نہ رہا، پھر اجرت کہنے کی گنجائش کہا؟

اور یہی پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح خواں بلانے والے کا اجیر نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ خود اصل قاضی کے خیال میں بھی اصل قاضی کا نوکر سمجھا جاتا ہے، چناں چہ وہ قاضی اس کو جب چاہے معزول کر دیتا ہے اور اس صورت میں اس کا غیر مشروع ہونا اور زیادہ ظاہر ہے؛ کیوں کہ نوکر کسی کا اور اجرت کسی کے ذمہ یہ خود باطل ہے اور شرع میں اس کی کوئی نظیر نہیں اور اگر قسم سوم میں داخل کای جاوے، جیسا خود نکاح نہ پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہراً احتمال ہوسکتا ہے ؛ کیوں کہ جو شخص نکاح پڑھانے گیا ہے، وہاں تو مفت ملنے کا احتمال ہی نہیں، البتہ غیر نکاح خواں کے اعتبار سے ظاہراً علیٰ عکس القسم الاول اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس کو عطیہ و ہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے، جیسا سوال میں اس سے تعرض بھی ہے؛ مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال بھی صحیح نہیں رہتا؛ کیوں کہ مشروعیت ہدیہ کے لیے بھی چند امور لازم ہیں، وہ یہ کہ نہ تو دینے والا اس کو لینے والا کا اور نہ خود لینے والا اس کو اپنا حق سمجھے اور دینا بھی ضروری نہ سمجھا جاوے اور اسی طرح مقدار ہدیہ میں دینے والے کو اختیار ہو کہ خواہ کم دے، یا زیادہ دے، غرضیکہ نہ دینے میں بھی ملامت نہ ہو اور کم دینے پر بھی ملازمت نہ ہو اور مسئلہ مبحوث عنہا میں یہ امور بھی مفقود ہیں؛ کیوں کہ گو بعضے لوگوں کو اس میں آزادی حاصل ہے کہ بالکل نہ دیں؛ چناں چہ جو لوگ اس سے پورے واقف ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں، وہ بالکل نہیں دیتے اور ان پر ملامت نہیں کی جاتی؛ لیکن عوام میں سے جو لوگ دیتے ہیں، وہ بے شک یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ ان کا حق ہے خواہ بوجہ قدامت کے کہ ان کے بڑوں سے یہ بات چلی آ رہی ہے، خواہ اس خیال سے کہ ان کو اس کام پر سرکار نے مقرر کر دیا ہے، خواہ بوجہ زمینداری کے کہ ہم ان کی رعایا ہیں، جیسا مختلف مقامات پر مختلف عادات و خیالات ہیں۔ غرض دینے والے بھی حق سمجھتے ہیں اور لینے والے بھی بعضے تو ویسے بھی حق سمجھتے ہیں، چناں چہ بعض ان میں قرض خواہوں کی طرح مانگ بھیجتے ہیں اور بعضے تدبیرات و تقریرات سے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ عوام میں یہ خیالات جاگزیں رہیں کہ یہ ان کا حق ہے، حتیٰ کہ اگر دوسرا ان ہی کی طرح اس کام کو کرنا شروع کر دے تو اس سے آزردہ اور اس کے درپے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے حق میں

خلل ڈالتا ہے، اسی طرح اگر کوئی بجائے روپیہ کے آنہ دو آنہ دینا چاہے تو خود لینے والا بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو طریقہ مقررہ کے خلاف سمجھ کر موجب ملامت قرار دیں گے، جب مشروعیت ہدیہ کے شرائط مفقود ہوئے، پھر ہدیہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی؟ جب اس آمدنی کا قسم اول وسوم میں داخل نہ ہونا ثابت ہوگیا، پس لامحالہ دوم، یا چہارم میں داخل ہوگی، جس کی وجہ سے قسمیں متیقن کی تقریر نفی سے خود ظاہر ہوچکی ہے اور تنبہ مکرر کے لیے اس کا خلاصہ پھر عرض کئے دیتا ہوں کہ بدون نکاح پڑھے دینا جیسا کہ اکثر منیب کو ملتا ہے، یا تو ان کے جاہ وقدامت وزمینداری کے عوض میں ہے اور یہ سب امور غیر متقوم ہیں، تب تو یہ دینا رشوت ہوگا اور یا پابندی رسم کے سبب حق سمجھنے کی وجہ سے ہے تو یہ جبر فی التبرع ہوگا اور نکاح پڑھوا کر دینا جیسا اکثر نائب کو اور کہیں منیب کو ملتا ہے، یہ اجارہ فاسدہ پر مبنی ہے اور خصوصاً جب کہ نائب نوکر قاضی کا سمجھا جاوے تو یہ آمدنی اجارہ غیر مشروع کی حکماً ربوا ہوگی، جب اس کا قسم دوم یا چہارم میں داخل ہونا ثابت ہوگیا تو ان دونوں قسموں کا جو حکم تھا؛ یعنی عدم جواز وہ بھی ثابت ہوگیا اور یہ تقریر تو اس عمل کی نفس حقیقت کے اعتبار سے تھی اور اگر اس کے ساتھ ایک امر خارجی کو بھی ملاحظہ فرمایا جاوے، جو کہ وقوع میں اس کا مقترن ہے، وہ یہ کہ اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کے لیے بلانے والا تو دولہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولہا والے سے اور وہ بوجہ پابندی رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے جو کہ شرعاً محض ناجائز ہے کہ بلا وجوب شرعی کسی سے کوئی رقم اس کو ضروری ولازم قرار دے کر وصول کی جاوے تو اس عارض کی وجہ سے اس کا عدم جواز اور زیادہ مؤکد ہو جاوے گا۔

غرض باعتبار نفس منع کے بھی اور باعتبار اس عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھہری اور یہ تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دینا جیسا نائب کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے منیب کو دے، سو یہ دینا محض اس بنا پر ہوتا ہے کہ اس نے مجھ کو اس کام کے لیے اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں امر غیر متقوم ہے اور غیر متقوم کے عوض میں دینا رشوت ہے اور رشوت بلا ضرورت دفع ظلم دینا حرام ہے، پس اس دینے والے کو ایک گناہ رشوت دینے کا اور زائد ہوا۔ غرض جو صورتیں اس کے متعارف ہیں، اس میں کسی کو نہ لینا جائز ہے اور نہ دینا جائز ہے اور اس میں نائب ومنیب اور شادی والے سب آگئے، جیسا بوجہ اکمل وابسط اس کی تفصیل گزر چکی۔

اب ان متعارف صورتوں کے علاوہ دو صورتیں ہیں اور وہ رہ گئیں، جن میں ظاہراً جواز کا احتمال معلوم ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ بطور اجارہ کے قاضی کسی کو نوکر رکھ کر اس کی تنخواہ مقرر کردیں اور اس سے کام لیں، جس سے سوال میں بھی تعرض ہے، دوسرے یہ کہ بطور شرکت تقبل کے قاضی میں اور دوسرے کسی شخص میں باہم قرارداد ہو جاوے کہ دونوں نکاح پڑھا کریں اور جو کچھ دونوں کو آمدنی ہو، وہ فلاں نسبت سے باہم تقسیم کرلیا کریں، سو تامل کرنے کے بعد ان میں بھی جواز نہیں معلوم ہوتا، مثلاً اول صورت میں اگر اس کو اجیر خاص کہا جاوے تو اس میں دوسرے نوکری نہیں کرسکتا، حالاں کہ اس میں نائب کو اس کی ممانعت نہیں ہوتی اور اگر اجیر مشترک کہا جاوے تو اجیر مشترک ہر شخص کا جو کام چاہے کرسکتا ہے، حالاں کہ یقینی بات

ہے کہ اگر قاضی کو معلوم ہو جاوے کہ یہ نائب کچھ نکاح میری طرف سے پڑھتا ہے اور کچھ دوسرے شخص کی طرف سے جو اتفاقاً مثل قاضی کے وہ بھی یہی کام کرتا ہو تو یقیناً اس نائب کو معزول کر دے گا، پھر دونوں شقوں میں محذور سوم مشترک یہ ہے کہ خود قاضی میں اور اہل تقریب میں باہم کوئی عقد اجارہ نہیں ٹھہرتا، پھر اس قاضی کو اجرت لینا کس طرح جائز ہوگا؟

اور اگر کہا جاوے، یہی نائب وکالۃً اہل تقریب سے عقد اجارہ ٹھہرا لے، جو مثل قبول قاضی کے ہوگا؟ اس کا جواب ایک تو ان پر دونوں شقوں کے جدا جدا محذور سے معلوم ہو گیا؛ کیوں کہ جواز اور عدم جواز کے مقتضیات جمع ہونے سے عدم جواز کا مقتضٰی مؤثر ہوگا۔ دوسرا جواب آگے شرکت تقبل کے محذور سوم میں آتا ہے، یہ تحقیق تو اول صورت کی ہوئی اور دوسری صورت؛ یعنی شرکت تقبل اولاً تو ایسا واقع نہیں؛ کیوں کہ قاضی کو جو ملتا ہے، اس میں سے نائب کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ دوسرے ہدایہ کتاب القسمۃ میں مصرح ہے کہ جو لوگ تقسیم کا کام اجرت پر کرتے ہوں، حاکم اسلام کو چاہیے کہ ان کو باہم شریک نہ ہونے دے کہ عمل تقسیم کی اجرت گراں نہ ہو جاوے، یہی حال ہے نکاح خوانی کا کہ ضرورت اس کی دنیا اور دین دونوں اعتبار سے ہر شخص کو پڑتی ہے اور اکثر نکاح خواں لوگ باد جاہت ہوتے ہیں، اگر سب جدا جدا رہیں گے، ہر شخص ارزاں ملے گا اور اگر سب شریک ہو گئے تو گراں ہو جاویں گے۔ تیسری خرابی وہی ہے، جو قسم سوم کی نفی میں مذکور ہوئی ہے کہ عرفاً یہ قاضی کا حق مختص سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اختصاص کی بنا پر بلاتا ہے، پس قاضی کا اجیر بنانا جب اس بناء فاسد پر مبنی ہے تو خواہ وہ بالانفراد اجیر ہو، جیسا ابھی صورت اولیٰ میں مذکور ہوا، جس میں حوالہ اسی محذور سوم کا دیا گیا ہے اور خواہ بالا شتراک اجیر ہو جیسا اس صورت دوم میں فرض کیا گیا ہے، ہر حالت میں بناء الفاسد علی الفاسد کے سبب ناجائز ہوگا، پس سابقہ متعارف صورتیں اور اخیر کی غیر متعارف صورتیں سب ناجائز قرار پائیں، البتہ اگر مثل دیگر معمولی اجارات تعلیم اطفال وفرایض نویسی اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں کے اس کی بھی حالت رکھی جاوے کہ جس کا دل چاہے جس کو چاہے بلاوے اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جاوے اور جس اجرت پر چاہیں جانبین رضامند ہو جاویں کہ کوئی اپنے کو اصل مستحق قرار دے، نہ دوسروں کے ذہن میں اس کو پیدا کیا جاوے اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے، نہ اس سے رنج وآزردگی ہو، اگر نائب نیابت سے دستبردار ہو کر خود مستقل طور پر یہ کام شروع کر دے، نہ اس کی شکایت ہو اور شہر میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں، ان سب کو آزاد سمجھا جاوے گا، جیسا کوئی امام اگر قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو، امامت سے روکا جاوے؛ لیکن جو بہت سے آدمی اس کے اہل ہوں تو ان میں مختلف ومتعدد آدمی اس کام کو کرنے کا مختار سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح اس نکاح کے ساتھ معاملہ کیا جاوے اور نیز بلانے والا اپنے پاس سے اجرت دے، دولہا والوں کی تخصیص نہ ہو، اس طرح البتہ جائز اور درست ہے۔ غرض دوسرے اجرت کے کاموں میں اور اس میں کوئی فرق نہ کیا جاوے۔ یہ تحقیق ہے اس اجرت نکاح خوانی کے متعلق اور جو مضمون اخیر میں مکرر کے عنوان سے لکھا، اس کا جواب بہت واضح ہے کہ دوسرے شخص کے دین سنوارنے کے لیے اپنا دین بگاڑنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا، خصوصاً جب کہ اس کا دوسرا طریقہ بھی ممکن ہو، جیسا کہ احقر نے بھی

عرض کیا تھا کہ اس پیشہ کو عام رکھا جاوے، مگر نااہل کو نہ بلایا جاوے، اس کا تو کام لینے والے خود، یا کسی ذی علم سے دریافت کر کے انتظام کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس انتظام متعارف میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بہت جگہ نااہل اس کام کو کر رہے ہیں، پھر اس انتظام کی پابندی سے شرعاً کون نفع خاص ہوا اور پابندی نہ کرنے سے کون ضرر خاص ہوا، پھر یہ کہ قاعدہ شرعی ہے کہ جب کسی امر میں مفسدہ و مصلحت جمع ہو جاویں، مفسدہ مؤثر ہوتا ہے، مصلحت مؤثر نہیں ہوتی، پس اگر اس مصلحت کو تسلیم بھی کیا جاوے تو اس قاعدہ کی بناء پر اس عمل کی اجازت نہ دی جاوے گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۲۱/محرم ۱۳۲۴ھ (امداد: ۶۳/۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۶۹/۲-۲۷۰)

در تحقیق اجرۃ النکاح:

سوال: بحضور فیض گنجور مولانا صاحب مدظلہ، تسلیم، تحقیق حضور در بارہ اجرت نکاح خوانی در فتاویٰ امدادیہ وعلاحدہ رسالہ دیدہ شد، چوں کہ حضور حکیم الامت اند تمام مخلوق سیما طائفہ علماء وملایاں دریں امر مبتلا اند از اول وقت حکام اسلام در دیارِ ہند تا حال، لہذا تاویل صحت آں ضروری است، علامہ شامی در بارۂ مسئلہ شرب دخاں در تنقیح فتاویٰ حامدیہ فرمودہ **مع أن الإفتاء بحله دفع الحرج عن المسلمين فإن أكثرهم مبتلون بتناوله** اور نیز حضور والا در حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ، ص: ۱۱۳،(۱) بغرض خلاص عوام بابت بعید تاویل اختیار فرمودند در ما نحن فیہ ضرور بالضرور نظر ثانی فرمایند، ومخلوق را از ورطۂ ضلالت واکل حرام خلاص دہند، ورنہ امر نہایت صعب است، وجود حضور رحمت است برائے امت مرحومہ ببرکت حاجی حرمین الشرفین علیہ الرحمۃ والغفران ضرور دریں مسئلہ خوض اتم ونظر ثانی بغور فرمایند برائے دفعہ تکلیف حضور تمام مالہ وما علیہ وروایات جواز وفتاویٰ علماء کرام بندہ درگاہ حاضر خدمت می کند، جناب تعمق نظر فرمودہ، بواپسی اطلاع فرمایند، ٹکٹ ۲/ (دو پیسہ) ابلاغ است، ملایاں وافسراو شان مسمیٰ بہ قاضی گرد اورایں اجرت بدلہ عمل خود می گیرند وصورت مسئلہ در سوال وجواب علماء مستشار العلماء مفصل است، ملاحظہ فرمایند بدلہ اجازت ووجاہت نمی باشد ونہ در ما نحن فیہ متصور است؛ تا کہ روایت مولوی محمد اسحٰق دہلوی کہ در امداد الفتاویٰ استدلال فرمودہ اند سند ایں امر شود؛ بلکہ حکام وقت ایں رقم کہ موجب دستور قدیم وصول می شد سہ حصہ ازاں ملا را بدلہ کار او مقرر کردند و چہارم حصہ افسر پرتال کنندہ مسمی قاضی را بدلہ کار او مقرر کردہ اند، تفصیل کار ہر دو در سوال جواب مستشار العلماء موجود است خلاصہ والمعروض آنکہ ضرور از تمام امور رہائی غریق مقدم است، زیادہ مداد ب۔

۲۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ، نقل جواب مسئلہ اجرۃ نکاح از دفتر انجمن مستشار العلماء لاہور

مورخہ ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۷۰/۲-۲۷۱)

---

(۱) دیکھئے: جلد سوم، کتاب الاجارہ، عنوان: مسئلہ تحقیق عدم تعیین عمل واجرت، الخ۔ (انیس) در مسئلہ ''تحقیق عدم تعیین عمل واجرت در استیجار عمال مزارعین'' فرمودند، بوجہ ابتلاء عام کے اس عقد کو اس تاویل سے جائز کہا جاوے۔

ایضاً:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ دریں دیار از قدیم قبل از حکومت ہذا عرف بلانکیر جاری است کہ در ہر قریہ ومحلّہ یک ملا نکاح خواں مقرر است مردماں بر تقرر او راضی اند واو را عوض ذہاب وایاب جلسہ نکاح وتلقین تجدید شرائط ایمان وطرائق ایجاب وقبول واندراج رجسٹر مبلغ یک روپیہ چار آنہ، یا کم وبیش رقم نکاح خوانی می دہند، در حکومت ہذا از جانب سرکار عالی برسر تمام ملایان تحصیل یک افسر باسم قاضی مقرر است آں قاضی تمام ملایاں را طرائق اندراج رجسٹر ونقشہ وہدایات شرعی در بارۂ نکاح وطلاق تحریراً وتقریراً تلقین می کند واصلاح رجسٹر اوشان می کند ونزد ہر ملا دورہ برائے اصلاح اوشان می کند؛ تا کہ کدام غیر شرعی امر ارتکاب نہ کند، عوض ایں خدمت برائے قاضی از ہر ملا از ہر نکاح خوانی چہارم حصہ یا فی نکاح ۴؍ مقرر است قاضی مذکور از ہر ملا می گیرد ایں تمام انتظام سرکار عالی برائے فوائد مسلماناں مقرر کردہ اند کہ بوقت خصومت مقدمہ نکاح اصلیت ظاہر گردد ونکاح بموجب شرع صحیح منعقد گردد وبیان فرمایند ملا را رقم نکاح خوانی وقاضی را چہارم یا ۴؍ فی نکاح از ہر ملا گرفتن بموجب حکم شرع شریف عوض عمل مذکور جائز است، یا نہ؟ اگر جائز است بہتر، ورنہ دیگر مصیبت عظیم است کہ تمام اہل علم ایں دیار بایں مبتلا اند، رہائی کافہ مسلمان را از حرام خوری ضروری است؟ بینوا توجروا۔(۱)

الجواب

مندرجہ بالا صورت ایک قسم کا اجارہ ہے اور جس طرح تعلیمِ قرآن تعلیمِ فقہ امامت اور اذان پر بلحاظ ضرورت کے اجرت مقررہ، یا اجرت مثل کا دینا، یا لے لینا درست ہے، اسی طرح ملائے نکاح خواں کو حرمت وحلت نکاح کے مواقع اور مشروع صورت میں نکاح کے ایجاب وقبول اور تقرر مہر وغیرہ کے شرعی طریقے بتلا دینے کی اجرت مقررہ، یا اجر مثل لینا اور عقد کرنے، یا کرانے والوں کو دینا شرعاً درست ہے، جس طرح مثلاً تعلیمِ فقہ پر اجرت کے لینے اور دینے کے بند ہو جانے میں علم فقہ کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، اسی طرح ملائے نکاح خواں کی مذکورہ بالا اجرت بند ہو جانے میں نکاحوں کے شرعاً فاسد اور باطل ہو جانے اور دیگر مفاسد پیدا ہو جانے کا سخت خطرہ ہے، اسی طرح قاضی کو جوان ملاؤں کو رجسٹروں کے نقشے اور ان کے اندراج کے طریقے اور نکاح وطلاق کے حکام اور ہدایات کی تعلیم دیتا ہے۔اجرت

(۱) خلاصہ سوال: اس علاقہ میں قدیم سے من جانب حکومت یہ دستور ہے کہ ہر گاؤں اور ہر محلّہ میں ایک نکاح خواں ملا مقرر ہیں، لوگ اس کے تقرر پر رضامند ہیں اور جلسہ نکاح میں آنے جانے، تجدید ایمان کرانے، ایجاب وقبول کرانے اور نکاح کو رجسٹر میں درج کرانے کے عوض سوا روپیہ یا کم وبیش اجرت نکاح خوانی دیتے ہیں اور من جانب حکومت تمام ملاؤں پر ایک افسر مقرر ہے، جو قاضی کہلاتا ہے، جو تمام ملاؤں کو اندراج کے طریقے، نقشے اور شرعی ہدایات دیتا ہے اور ان کے رجسٹروں کی اصلاح کرتا ہے اور دورہ کر کے ہر ملا کے پاس جاتا ہے اور تفتیش کرتا رہتا ہے کہ ملا کسی غیر شرعی بات کا ارتکاب نہ کریں اور وہ اپنی اس خدمت کا عوض ہر ملا سے اس کی یافت کا چار آنہ بالمقطع لیتا ہے تو کیا ملا کے لیے نکاح خوانی کی اجرت اور قاضی کے لیے اس کا فی نکاح چار آنہ لینا جائز ہے، یا نہیں؟ انیس

مقررہ، یا اجر مثل جیسی کہ صورت ہو، لے لینا درست ہے اور تعلیمِ فقہ کے جواز میں اس کا جواز بھی شامل ہوسکتا ہے، علاوہ بریں جب عام مسلمانوں میں مدتِ مدید سے اس تعامل اور تعارف چلا آتا ہے اور کسی نص شرعی اور صریح حکم مذہبی کے برخلاف بھی نہیں ہے تو اب اس کے جواز میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

شیخ الاسلام علاء الدین حصکفی کتاب درمختار میں فرماتے ہیں:

یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة والأذان ویجبر المستاجر علی دفع ماقبل فیجب المسمی بعقد وأجر المثل إذا لم تذکر مدة،شرح وهبانیة من الشرکة، ویجبس به وبه یفتی. (۳۷/۵)(۱)

نیز ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

وجاز أجارة الحمام لأنه علیه الصلاة والسلام دخل حمام الحجفة وللعرف،وقال علیه الصلاة والسلام: ماراه المسلمون حسناً فهوعندالله حسن، قلت والمعروف وقفه علی ابن مسعود، کما ذکره ابن حجر. (۳۵/۵)(۲)

علامہ سید محمد امین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

(قوله وللعرف):لأن الناس فی سائر الأمصار یدفعون أجرةالحمام وان لم یعلم مقدار ما یستعمل من الماء ولامقدار القعود، فدل اجماعهم علیٰ جواز ذلک وإن کان القیاس یاباه لوروده علی اتلاف العین مع الجهالة،اتقانی. (۳۵/۵)(۳)**هذا والله اعلم بالصواب**

کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبداللہ عفی عنہ

دستخط علمائے مستشار العلماء لاہور

الجواب صحیح: اصغر علی، مدرس عربیہ مدرسہ لاہور۔

---

(۱) الدرالمختار،مطلب فی الإستئجار علی الطاعات:۶/۵۵-۵۶،دارالفکربیروت،انیس

(۲) الدرالمختار،مطلب فی إجارة البناء: ۶/۵۱-۵۲،دارالفکر بیروت،انیس)(حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ »أَنَّهُ دَخَلَ حَمَّامَ الْجُحْفَةِ «(مصنف ابن ابی شیبة،من رخص فی دخول الحمام،رقم الحدیث:1169،انیس)

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْقَطِيعِيُّ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنِي أَبِي وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَا: ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، ثنا عَاصِمٌ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ:مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ، وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ سَيِّءٌ، وَقَدْ رَأَى الصَّحَابَةُ جَمِيعًا أَنْ يَسْتَخْلِفُوا أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَلَهُ شَاهِدٌ أَصَحُّ مِنْهُ إِلَّا أَنَّ فِيهِ إِرْسَالًا .(التعلیق:من تلخیص الذهبی: صحیح،المستدرک للحاکم،رقم الحدیث:4465،انیس)

(۳) (ردالمحتار،مطلب فی إجارة البناء:۶/۵۲،دارالفکر بیروت،انیس

قد اصاب من اجاب: محمد عالم امام مسجد، گٹی بازار

المجیب مصیب: احمد علی عفی عنہ۔

المجیب مصیب فی ھذا الجواب: محمد یار عفی عنہ، امام مسجد طلائی لاہور۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۷۱-۲۷۳)

نقل تحریر مولوی علی گوہر صاحب تونسوی شریف:

در بارہ اجرت نکاح حسب الارشاد در جواب مسئلہ مسئولہ عرض می رود کہ ملایان حسب دستور و رواج جماعۃ مسلمین از قبیل اجیر مشترک اند کہ بر عمل خود کہ مشتمل ست بر حرکات و نقل و تردد و حضور جماعت و جلسہ نکاح و اقوالِ تعلیم تجدیدِ ایمان و طریقِ ایجاب و قبول کہ ہمہ آں از قبیل مباحات اند، نہ واجب لعینہ و نہ معصیت اند و استیجار بر دشرعاً جائز است و تعریف اجارہ کہ بیع المنفعت مع عوض است و بر صادق است اجرمی گیرند، بنا بریں کہ المتعارف کالمشروط تعیین اجرت نا کردن مفضی بنزاع جانبین، یا فساد نمی گردد، غایت امر اگر ملا زیادت کہ از قدر متعارف طمع کند بعد محادرہ جانبین و تراضی طرفین فساد مرتفع خواہد بود و ملا را اخذ اجرت کہ ناکحین، یا اولیاء ایشاں بطیب خاطر، یا برضاء دون الاکراہ حوالہ اش کردہ اند درست خواہد بود، البتہ اخذ اجرت اضعافاً مضاعفہ بالجاء اولیاء بنا بر تعین خود کہ از احکام وقوع یافتہ از قبیل رشوت و سحت خواہد بود ملا مقرر را چارہ جوئی کردن، دریں باب کہ دیگر نکاح نہ خواند ہم ازیں قسم می تواں شد کہ یک اجیر مستاجر را براجیر ساختن خود تحریض کند؛ لیکن درصورت تراضی طرفین ایں کراہت مرتفع است و در عوض خبث پیدا نمی کند و قاضی کہ برائے ملاحظہ رجسٹر و درستگی عمل ملایاں مقرر است، ایں ہم من جملہ مشروعات و مباحات است، ملا را ازیں تصحیح و تنبیہات و ہدایات ناچاری است و تعین اجر برد جائز است، در باب قسمت دیدہ باشند کہ فقہاء فرمودہ اند کہ اولیٰ ایں ست کہ وظیفہ قاسمین از بیت المال باشد و اگر بر متقاسمین مقرر کردہ شود و اجر از ایشاں گرفتہ شود ہم جائز است کہ نفع عمل او بمتقاسمین راجع است و عمل او برائے ایشاں اگر ملا عذر کند کہ مارا برائے تصحیح کاروائی احتیاج بتعین قاضی معین نیست من خود درست کردن می توانم یا از کسے عالم مجاناً درستگی حاصل کردن می توانم، ایں عذر او نامسموع است چراکہ حکام وقت برائے مصلحت عامہ باتفاق رائے جماعت مسلمین و دفع فساد انکحہ و تشاجرات در باب نکاح ایں مد مقرر کردہ اند و چوں کہ عمل ملا بدون پڑتال و ملاحظہ عالم ناتمام است، پس تقوم فعل ملا بریں موقوف خواہد بود داو را ضروری ست کہ او ایں اجر را بطیبِ خاطر قبول کند و درصورت عدم رضاء مکابر خواہد بودن و مستحق بر عمل غیر تام خود نخواہد بود و حکام می تواند کہ دیگر ملا را بطیبِ خاطر ایں قدر اجر دادن بر تصحیح عمل قاضی از قسم نقل و دورہ و ملاحظہ رجسٹرات متقوم است کہ گرفتن عوض بر دصحیح است قضاۃ و علماء را اگر چہ وظیفہ ایشاں مقرر باشد بر کتابت فتویٰ و تلاش مسئلہ و تفتیش کتب اجر مثل گرفتن جائز داشتہ اند، چناں چہ در باب القضاء در فقہ مقرر است، بالجملہ عمل ملایاں از رفتن بجلسہ نکاح و تعلیم تجدید ایمان و طریقہ ایجاب و قبول و نیز عمل قضاۃ از دورہ ملاحظہ رجسٹرات وغیرہ از قبیل عمل متقوم است کہ اخذ اجرت برو جائز است، البتہ از امورے کہ

ازمفسدات اجاره باشدازاکراه برزیادت اجروگرفتن زیادت ازاجرمثل متعارف، یاکارناکرده محض بر بناء تعین خوداجر وصول کردن ازیں احترازمی باید کرد۔ فقط

(درمسئلہ اجرت نکاح حضورفرمودند در، ص:٦٦، سطر:١٦) (اورشرع میں اس کی نظیرنہیں)

نظائرشرعی:

(۱) وأما كتاب القاضى وأجرة قسامه فإن رأى القاضى أن يجعل ذلك علىٰ الخصوم فله ذلك، وإن رأى أن يجعل ذلك فى بيت المال وفيه سعة فلابأس به. (فتاویٰ عالمگیریہ، کتاب الأیمان:٣٣٠/٣) (۱)

(۲) وفى النوازل: قال إبراهيم: سمعت أبويوسف سئل عن القاضى إذا اجرى له ثلثون درهما فى أرزاق كاتبه وثمن صحيفته وقراطيسه واعطى الكاتب عشرين درهماً و فعل عشرة لرجل يقوم معه وكلف الخصوم الصحف أيسعه ذلك؟ قال: ما أحب أن يصرف شيئاًمن ذلك عن موضعه الذى سمى له، كذا فى التاترخانية. (فتاویٰ عالمگیریة: ٣٣٠) (۲)

(۳) واجر هذه الصحيفة التى يكتب فيها دعوى المدعى وشهادة الشهود إن رأى القاضى أن يطلب ذلك من المدعى فله ذلك. (فتاویٰ عالمگیریة:٢٣٥/٣) (۳)

روایات کتب معتبرہ فقہ درجوازاجرت نکاح خوانی:

(۱) وكل نكاح ياشره القاضى وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه ومالم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه، كذا فى المحيط واختلفوا فى تقديره والمختار للفتوىٰ أنه إذا عقد بكراً يأخذ ديناراً وفى الثيب نصف دينار ويحل له ذلك هكذا قالوا، كذا فى البرجندى. (۴)

(۲) وفى شرح أدب القاضى الخصاف أن للقاضى أن يأخذ فى عقود الأنكحة شيئاً زائد علىٰ ما يأخذ الأكابر فى ذلك الموضع إن كان الولى غيره وإن كان هوالولى لايحل له الأخذ واختلفوا فى تقديره والمختارللفتوىٰ أنه إذا عقد بكرا يأخذ ديناراً وفى الثيب نصف دينار ويحل له ذلك وهكذا قالوا. (البرجندى:٥/٤، كتاب القضاء)

(۳) وذكرعن البقالى فى القاضى يقول إذا عقدت عقدا لبكر فله دينار ولوثيبا فله نصفه أنه لايحل له إن لم يكن لهماولى ولوكان لهما غيره يحل بناءً علىٰ ما ذكرنا. (الفتاویٰ البزازية)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية،الباب التاسع فى رزق القاضى وهديته ودعوته:٣٢٩/٣،دارالفكربيروت،انيس

(۲) الفتاویٰ الهندية،الباب التاسع فى رزق القاضى وهديته ودعوته:٣٢٩/٣،دارالفكربيروت،انيس

(۳) الفتاویٰ الهندية،الباب الثانى والثلاثون فى المتفرقات:٥٢٩/٤،دارالفكربيروت،انيس

(۴) فتاویٰ عالگيرية،الخامس عشرفى اقوال القاضى ومايبنغى للقاضى ان يفعل ومالايفعل مطبوعه مصر :٤١٥/٣

(۴) ولا يحل أخذ شيء علىٰ نكاح الصغار وفي غيره يحل. (خلاصة الفتاویٰ. (ولا ولي لهم) (۱)

(۵) ولا يحل له (أي للقاضي) أخذ شيء على النكاح إن كان يجب مباشرة عليه كنكاح الصغائر وفي غيرها يحل.

معدن هكذا، در باقی کتب بخوف تطویل بریں قدر اکتفاء کردہ شد۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

روایات و دلائل دیدہ شد نزد من مفید مدعا نیست؛ یعنی از جملہ ایں ہا جواز نفس اجرت النکاح ثابت می شود ولا کلام فیہ؛ لیکن جواز صورت متعارفہ بخصوصیات مروجہ ثابت نمی شود از جملہ ایں خصوصیات انیست کہ عقد اجارہ باولیاء دختر منعقد می شود و اجرت بر اولیاء پسر لازم می شود و هـذا بـاطل بالضرورة و كذا أخذ االأجرة لمن لم يباشر الإنكاح؛ مگر تحریر شامی جزء رسالہ خود کردہ ام، علماء خود فیصلہ خواہند فرمود۔ (۲)

باز بریں جواب مکتوب ذیل آمد:

جناب والا مد ظلکم، تسلیم

فدوی عریق رادستگیری نفرمودند، سرفراز نامہ در بارہ مسئلہ اجرتِ نکاح رسید، حضور در مطلب سائل امعان نفرمودند، بار ثانی بطور خلاصہ معروض آنکہ واقعی فرمان حضور مسلم است کہ اجرۃ لمن لم یباشر الانکاح را گرفتن جائز نیست و نہ ایں امر کہ عقد اجارہ باولیاء دختر منعقد می شود اجرت بر اولیاء پسر لازم می شود جائز ست در دیار ما ایں خصوصیت واقع نیست، علیٰ ہذا القیاس باقی خصوصیات کہ در رسالہ جناب مصرح اند؛ مگر ما نحن فیہ مسئلہ دیگر است، حضور جواب آں بحکم ادائی امر واجب کہ از آیہ ﴿فاسئلوا أهل الذكر﴾ (الآية) مفہوم می شود عنایت فرمایند۔

سوال: دریں دیار بر سر تمام ملایاں تحصیل از سرکار علی بمنظوری گورنمنٹ یک افسر مسمیٰ باسم قاضی مقرر است، عمل او ملاحظہ رجسٹر ہا ملایاں است کہ اوشان را نقشہا رجسٹر تحریر کردہ می دہد و ہدایات شرعی و مسائل شرعی متعلقہ نکاح و طلاق بر ہر رجسٹر نوشتہ دادہ و سال بسال دورہ می کند، ملاحظہ ہر نکاح مندرجہ می کند کہ کدام طریقہ غیر شرعی سرزد نہ شدہ، و طرائق خوانی و طریقہ اجازت از عورت از طرف ولی؛ تا کہ سکوت علامتِ رضا گردد، ہر ملا را بر رجسٹر نوشتہ میدہد ہر وقت در خدمت امور

---

(۱) قرة عيون الأخيار تكملة ردالمحتار: ۷/ ۴۷۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ترجمہ جواب: روایات اور دلائل دیکھ لیے گئے، میرے نزدیک ان سے مدعا ثابت نہیں ہوتا؛ یعنی ان تمام دلائل سے صرف نکاح خوانی کی اجرت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس سے انکار نہیں ہے؛ لیکن متعارف صورت کا جواز خصوصیات مروجہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا، من جملہ خصوصیت یہ بات ہے کہ عقد اجارہ لڑکی کے اولیا کے ساتھ منعقد ہوتا ہے اور اجرت لڑکے کے اولیا پر لازم ہوتی ہے اور یہ بات بداہۃً باطل ہے اور اسی طرح اس شخص ''قاضی'' کا اجرت لینا بھی بداہۃً باطل ہے، جس نے نکاح نہیں پڑھا ہے؛ مگر جناب کی گراں قدر تحریر کو اپنے رسالہ کا جز بناتا ہوں، علماء کرام خود فیصلہ کریں گے۔ (انیس)

شرعی نگراں است، اگر کسے درعدت نکاح می کند آنجا قاضی مذکور رفتہ با اسامیاں را طلب کردہ اصلاح می کند وتفریق زوجین می کند مرتکباں را سرزنش می کند بعد عدت جدید عقدمی کنانند، بر اغلاط رجسٹر وشاں را تحریراً متنبہ می کند؛ تاکہ آئندہ سرزدنکنند خلاصہ تمام ملایاں را بر جادہ شریعت بموجب کتب فقہ داشتہ است روز وشب نگراں حال است از سرکار عوض ایں خدمت حق افسر مذکور در ہر نکاح خوانی از ہر ملا چہارم حصہ مقرر کردہ اند بوقت دورہ قاضی افسر از ہر ملا حساب کردہ چہارم وصول می کند، دیگر رقم زاید وکدام ہدیہ ودعوت از ملایاں نمی گیرد؛ بلکہ حرام دانستہ است، نیز واضح باد کہ اگر ایں انتظام نہ باشد تمام ملایاں مرتکب امور غیر شرعی می شوند وانتظام شرعی برہم درہم می شود، جناب جواب ایں اجرت قاضی وافسر مذکور را گرفتن جائزست یا نہ کہ از ہر ملا می گیرد مفصل تحریر فرمایند تمام امور تحریرات فرستادہ سابقہ مستشار العلماء لاہور وغیرہ نقول فتاویٰ عالمگیری، مدِنظر دارند عجلت نفر مایند بعد تأمل صادق غریق را رہائی عطا فرمایند۔

الجواب

تحریر را مع تحریرات سابقہ مکرر دیدہ شد حاصل ہمہ ایں قدرست کہ ملایاں را وافسر ایشاں را بر عمل اجرت ستدن ودادن جائزست ولا کلام فیہ آں چہ در وکلام است دو امرست یکے آنکہ اکثر قضاۃ ہیچ عمل نمی کنند واز ملایاں چہارم یا پنجم می گیرند ودر دیار ماہمیں زیادہاست پس ایں از کجا جائز باشد دیگر آنکہ وجوب اجرت بر من یطلب العمل می باشد وایناں از غیر من یطلب العمل ہم می گیرند وایں مخدور در ہمہ دیارست کہ اگر کسے بطور خود نکاح منعقد کنانند بجبر از دہم وصول می کنند واگر نہ دہد آں نکاح را کالعدم شمارند حتی کہ در بعض جاہل ابعد ایں نکاح خود ایں قضاۃ نکاح دیگر می کنند، آیا کسے از فقہاء ایں چنیں مفاسد را جائز داشتہ است باوجود عدم احتیاج ایں مدعا بدلیلے نظیرے بتائیدش نقل میں کنم۔

"فی النهاية: وينبغي للقاضي أن ينصب قاسما يرزقه من بيت المال ليقسم بين الناس بغير أجر فإن لم يفعل نصب قاسما يقسم بالأجر معناه باجر على المتقاسمين". (۱) (غور فرمایند دریں جا متقاسمین طالب للعمل ہستند۔) "وبقدر أجر مثله كي لا يتحكم بالزيادة". (۲) (غور فرمایند کہ تقدیر برائے نفی زیادت است واکنوں قضاۃ آں را در نفی نقصان استعمال می کنند یعنی بزور اجرت مقدرہ وصول می کنند۔) "ولا يجبر القاضي الناس علىٰ قاسم واحد معناه لايجبرهم علىٰ أن يستاجروه". (۳) (غور فرمایند دریں جا ایں قضاۃ جبر می کنند۔) "ولو اصطلحوا رأى الشركاء، نهاية، فاقتسموا اجاز". (۴) (غور فرمایند ایں جا تراضی اولیاء نکاح را ایں قضاۃ جائز نمی دارند۔) "ولا يترك القسام يشتركون". (۵) (غور فرمایند ایں جا ایں ہمہ سازش میدارند کہ عامہ ناس آزادی را بکار نمی توانند برد، ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔)

(۱-۴) الهداية: ٣٢٥/٤، داراحياء التراث العربي بيروت، انيس

(۵) الهداية: ٣٢٦/٤، داراحياء التراث العربي بيروت، انيس

فهذا قياس المحظور على غير المحظور وبایں ہمہ جواز امرے موقوف بر موافقت بمن نیست مرا از خطاب معاف دارند۔(۱)

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ۔

اس کے بعد ان صاحب کا خطِ ذیل آیا:

جواب الجواب مسئلہ اجرۃ نکاح وعمل قاضی وملایاں رسید اطمینان شد، جزاک اللہ خیر الجزاء۔

(ترجیح الراجح: ۱۱/۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۷۳۔۲۷۷)

ایضاً:

سوال (۱) بعض مقامات میں لوگ نکاح پڑھانے کا حق ایک چوتھائی نہ قاضی کو دیتے ہیں اور نہ نائب کا حق چار آنہ دیتے جبر یہ ہمارے قاضی کا روپیہ مسجد میں لگاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں قاضی کی موجودگی ہی میں جبراً دوسرے سے نکاح پڑھواتے ہیں اور روپیہ قاضی کو نہیں دیتے۔

(۲) اور بعض مقامات میں نکاح چاہے جو پڑھا دے لیکن نکاح خوانندہ کو صرف چار آنے لوگ دیتے ہیں اور ایک روپیہ جبر یہ نکاح خوانندہ سے لے کر قاضی کے گھر بھیج دیتے ہیں یہ بات جائز ہے یا نہیں۔

(۳) کانپور میں بعض ملا نکاح پڑھاتے ہیں کل حق ایک چوتھائی خود لے جاتے ہیں روپیہ قاضی کو نہیں دیتے یہ جائز ہے یا نہیں، حاصل کلام نکاح خوانندہ کو روپیہ قاضی کا دینا چاہئے یا نہیں فی زمانناشرعاً خواہ قاضی موجود ہو یا نہ ہو قاضی کا حق ہے یا نہیں؟

---

(۱) ترجمہ جواب: اس تحریر کو سابقہ تحریرات کے ساتھ مکرر دیکھا گیا، تمام کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ ملاؤں کو اوران کے افسر کو کام پر اجرت لینا دینا جائز ہے اور اس سے انکار نہیں ہے، گفتگو جن امور میں ہے، وہ دو باتیں ہیں: (۱) اکثر قاضی کچھ کام نہیں کرتے اور ملاؤں سے ایک چوتھائی یا پانچواں حصہ لیتے ہیں، ہمارے علاقہ میں عام طور پر یہی ہوتا ہے پس یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ (۲) اجرت طالب عمل پر واجب ہوتی ہے اور جو لوگ غیر طالب عمل سے بھی اجرت لیتے ہیں اور یہ خرابی تمام علاقوں میں ہے؛ کیوں کہ اگر کوئی شخص بطور خود نکاح پڑھ لے تو اس سے بھی بجبر اجرت وصول کرتے ہیں اور اگر نہ دے تو اس کے نکاح کو کالعدم شمار کرتے ہیں حتی کہ بعض جگہ اس نکاح کے بعد وہ قاضی دوبارہ نکاح پڑھتے ہیں، بتلائے کسی فقیہ نے اس قسم کے مفاسد کو جائز رکھا ہے؟ ضرورت نہ ہونے کے باوجود ایک نظیر تائید کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔ نہایہ میں ہے کہ قاضی کے لیے مناسب ہے کہ تقسیم کنندہ مقرر کرے، جسے بیت المال سے تنخواہ دے؛ تا کہ وہ لوگوں کا کام بغیر اجرت کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر ایسا تقسیم کنندہ مقرر کرے، جو تقسیم کرانے والوں سے اجرت لے کر کام کرے۔ (دیکھئے: اس نظیر میں تقسیم کرنے والے طالب عمل ہیں۔) اور اس کا اجر مثل مقرر کردے؛ تا کہ وہ من مانی اجرت نہ لیں۔ (دیکھئے: اجرت کی تعیین زیادہ نہ لے سکے؛ اس لیے ہے اور اب قاضی اس لیے اجرت مقرر کرتے ہیں کہ کم نہ ملے اور جبراً مقررہ اجرت وصول کرسکیں) اور قاضی لوگوں کو ایک تقسیم کنندہ سے کام لینے پر مجبور نہ کرے۔ (غور کیجئے صورتِ مسئولہ میں قاضی جبر کرتے ہیں۔) اور اگر شرکاء خود ہی تقسیم کرلیں تو جائز ہے۔ (غور کیجئے یہاں اولیاء کی باہمی رضامندی کو قاضی جائز نہیں رکھتے۔) اور تقسیم کنندگان کو قاضی باہم متفق نہ ہونے دے۔ (دیکھئے یہاں وہ سب سازش کرتے ہیں؛ تا کہ عام لوگ آزادی سے کام نہ لے سکیں۔) دیکھئے دونوں میں کس قدر تفاوت ہے، پس یہ ایک ناجائز کا جائز پر قیاس کرنا ہے۔۔۔ بایں ہمہ اس معاملہ کا جواز میری موافقت پر نہیں ہے، مجھے خطاب سے معاف فرمائیں۔ انیس

الجواب

دینے والا اگر دولہا والا ہو اور قاضی، یا ملا کو بلا کر لے گیا ہو دلہن والا جب کہ اکثر ایسا ہی دستور رہے، تب تو یہ لینا بالکل جائز نہیں؛ کیوں کہ اجرت بذمہ بلانے والے کی تھی، دوسرے پر بار ڈالنا جائز نہیں اور اگر بلانے والا بھی دولہا والا ہے، خواہ اپنے آدمی کے ہاتھ بلایا ہو، یا دولہن والے سے کہہ کر بلایا ہو تو نکاح خواں کو اس کا دیا ہوا لینا جائز ہے؛ مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر دینے والے نے پوری رقم اسی کی ملک کر دی ہے، تب تو سب رکھنا جائز ہے اور اگر یہ کہہ دیا کہ اتنا تم رکھ لینا اور اتنا قاضی کو دے دینا تو اپنا حصہ تو رکھ لینا درست ہے اور قاضی کا حصہ رشوت ہے، وہ واپس کر دینا واجب ہے، قاضی کو دینا اور اسی طرح قاضی کا اس کو لینا جائز نہیں اور اگر صاف نہ کہا ہو؛ مگر دستور ایسا ہو کہ کچھ نکاح خواں کا سمجھا جاتا ہے، کچھ قاضی کا تب بھی، اسی طرح حکم ہے اور اگر اور کسی نے نکاح پڑھا ہو، تب تو قاضی، یا نائب قاضی کو لینا بالکل جائز نہیں اور قاضی سے نکاح پڑھوانا واجب نہیں اور مسجد میں بھی جبراً لینے کا کوئی حق نہیں۔

۲۹/محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۲۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۲۷۸) ☆

☆ نکاح خوانی کی اجرت کی ادائیگی کس کے ذمہ واجب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) نکاح خوانی کی اجرت کو آں محترم نے جائز لکھا ہے؛ لیکن وضاحت یہ مطلوب ہے کہ یہ اجرت کون دے؟ ہمارے یہاں پورے ضلع بجنور میں نکاح خوانی کی اجرت دولہا والوں سے لیتے ہیں، جب کہ امام صاحب کو اور قاضی صاحب کو لڑکی والے ہی بلا کر لاتے ہیں، اس شکل کو حضرت تھانویؒ نے منع لکھا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا کوئی درست شکل ہے کہ دولہا والوں سے ہی نکاح کی اجرت لیں اور جائز ہو؛ کیوں کہ اگر ہم لوگوں نے گاؤں میں اعلان کر دیا کہ نکاح خوانی کی اجرت لڑکی والے ہی دیں گے؛ کیوں کہ امام صاحب کو لڑکی والے ہی بلا کر نکاح پڑھانے کے لیے لے جاتے ہیں تو ہمارا رہنا مشکل ہو جائے گا؛ اس لیے بہتر شکل واضح فرمادیں، ہم مولوی صاحبان دارالافتاء مدرسہ شاہی کے فتاوی پر ہی عوام کو اور خود کو لے کر چل رہے ہیں۔

(۲) شادی کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانے کے بارے میں جو مفصل فتویٰ دارالافتاء مدرسہ شاہی سے جاری ہوا ہے، جو رجسٹر الف: ۲۸/۴۴/۲۷ر میں موجود ہے، دارالافتاء کی عنایت ہوگی، اگر ارسال فرمادیں۔

(المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا، بجنور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

(۱) اگر قاضی یا عالم کو بلانے والے لڑکی والے ہیں اور وہی طے کر کے لائے ہیں، تو اس صورت میں اس کی اجرت لڑکی والوں پر ہی ہوگی؛ کیوں کہ بلانے والے وہی لوگ ہیں، لڑکے والے پر اس کی اجرت نہیں؛ لہٰذا ان پر اس کا بار ڈالنا بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر لڑکے کے والے بخوشی نکاح خواں کی اجرت دے دیتے ہیں، یا لڑکے کے والوں نے لڑکی والوں کو نکاح خواں کو بلانے کا مکلّف بنایا ہے اور ان ہی کے کہنے کے مطابق لڑکی والوں نے نکاح خواں کو بلایا ہے، تو نکاح خوانی کی اجرت لڑکے کے والے ادا کریں گے؛ لہٰذا آپ کے یہاں اگر لڑکی والے بلاتے ہیں اور لڑکے کے والے پیسے دیتے ہیں اور اس کا تعارف وتعامل ہو چکا ہے، تو لڑکے کے والوں کی طرف سے دلالۃً لڑکی والوں کے لئے اجازت ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں بھی لڑکے کے والے اجرت دے سکتے ہیں؛ ==

نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز ہے:

سوال: نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۵۲۸، قاری عبد اللطیف صاحب نگال-۱۲/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۳/جون ۱۹۳۷ء)

الجواب

نکاح پڑھانے والے کو اجرت دینا جائز ہے؛(۱) مگر اجرت تراضی طرفین سے طے کی جائے، زبردستی کوئی رقم معین نہ کرلی جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایۃ المفتی: ۱۵۰/۵)☆

== لیکن اس بات کو صراحت کے ساتھ طے کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، تاکہ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی والوں کو صراحتاً اجازت مل جائے اور لڑکے والوں کی طرف سے اجرت دینے کی پیشکش بھی صراحت کے ساتھ معلوم ہوجائے، تاکہ آپ کے یہاں کا تعامل بھی جاری ہوجائے اور مسئلہ شرعی پر عمل بھی ہوجائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۱۵۲/۵، جدید زکریا: ۱۴۶/۵)

(۲) رجسٹر الف: ۲۸/۴۴/۲۷ نمبر فتوی حاصل کرنے کے لئے مولانا کلیم اللہ صاحب جو دفتر دارالافتاء کے ذمہ دار ہیں، ان سے رابطہ قائم کریں، وہ اگر بخوشی نقل کرکے آپ کی طرف روانہ کردیں تو ان کے اور آپ کے درمیان آپسی رابطہ کی بات ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۲/جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ (الف فتویٰ نمبر: ۹۶۳۱/۳۸)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۶/۱۴۲۹ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

(۱) والمختار للفتوی أنه إذا عقد بكراً ياخذ ديناراً وفي الثيب نصف دينار ويحل له ذلك هكذا قالوا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس: ۳۴۵/۳، ماجدية)

☆ **نکاح خوانی پر اجرت لینے کا مسئلہ:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح خوانی پر اجرت لینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور قرون ثلاثہ میں نکاح خوانی پر اجرت لی جاتی تھی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: گل زمان، ۱۹۷۵/۱۲/۲۹ء)

الجواب

نکاح خواں کی اجرت انعام ہے، **كما لا يخفىٰ علىٰ من راجع إلى العرف** اور اگر اجرت ہو، تب بھی جائز ہے، **لكونها أجرة علىٰ تعليم الإيجاب والقبول وتلقينها.** (شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بوادر النوادر میں الصراح فی اجرۃ الانکاح کے نام سے ایک مقالہ لکھا ہے، جس میں بحوالہ مسائل اربعین از مولانا محمد اسحاق الدہلوی رحمہ اللہ آپ کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: مسئلہ: بعد نکاح بقاضی ووکیل وشاہدان کہ از طرف عروس می آیند بخوشی خود بدون مطالبہ شان چیزے دادن جائز است، یا نہ؟ جواب: دادن ایں مردمان بدون مطالبہ وجبر از طرف ایشان مباح است واگر جبر کنند وخواہ مخواہ بکد واصرار طلب نمایند وبگیرند پس مباح نیست، چنانچہ در کتاب خزانۃ الروایات مرقوم است: **ومما سنه القضاة فى دار الاسلام ظلم صريح وهو أن يأخذوا من الانكحة شيئاً ثم يجيزون أولياء الزوج والزوجة بالمناكحة فإنهم مالم يرضوا بشيء من أولياء هما لم يجيز وبذلک فإنه حرام للقاضي والمناكح.** ==

نکاح کی اجرت سے متعلق چند سوالات کے جوابات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) کیا نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اجرت طے کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر طے کی جاسکتی ہے تو اس کی کوئی مقدار متعین ہے، یا نہیں؟

(۲) ایک مسجد میں امام صاحب اور موذن صاحب دونوں بعوض تنخواہ مامور ہیں، امام صاحب نکاح پڑھاتے ہیں اور رجسٹر میں اندراج کرتے ہیں، نکاح خوانی سے اجرت، یا نذرانہ ملتا ہے تو اس میں موذن صاحب بھی دعوے دار بنتے ہیں، جب کہ ان کا نذرانہ علاحدہ بھی آتا ہے، کیا موذن صاحب کی یہ دعوے داری جائز ہے، یا ناجائز؟

(۳) امام صاحب کو جو آمدنی مسجد کے ذریعہ سے ہوتی ہے، خواہ وہ نکاح خوانی ہو، یا عیدالفطر کے موقع پر جو رقم رمضان کے اخیر میں دی جاتی ہے، یا اور کسی دوسرے ذریعہ سے ہو تو اس آمدنی میں مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے یہ کر رکھا

== اس فتویٰ کے نقل کرنے کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کی چار اقسام بنائے ہیں کہ جو چیز کسی کو دی جاتی ہے تو وہ یا بالعوض دی جاتی ہے یا بلاعوض، اگر بالعوض دی جاتی ہو تو وہ شرعا مال متقوم کے بدلے دی جائے گی، یا غیر متقوم اور غیر قابل عوض کے مقابلے میں دی جائے گی، پس اگر اول ہے تو وہ اجر اور ثمن کہا جاتا ہے اور اگر دوم ہے تو وہ رشوت یار با ہوگا۔ اور اگر بلاعوض دی جاتی ہو تو وہ بھی دو حال سے خالی نہ ہوگی یا تو طیب خاطر سے دی جائے گی تو وہ ہدیہ اور عطیہ کہلاتا ہے اور یا طیب خاطر سے نہ ہوگی، بلکہ تنگی وکراہت سے ہوگی، تو یہ ظلم وجبر فی التبر ع کے زمرہ میں سے ہے۔

یہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تقسیم کا خلاصہ ہے، اب اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارے دیار میں جو عرف ہے اور ائمہ مساجد کو نکاح خوانی پر جو کچھ دی جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اعطاء بلاعوض ہے اور پھر عوام بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ اور کم دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدیہ، عطیہ اور انعام ہوتا ہے، نہ اس میں جبر ہوتا ہے اور نہ اولیاء زوج وزوجہ اس میں کوئی تنگی وکراہت محسوس کرتے ہیں اور اگر اسے نکاح خواں کے اس عمل کی اجرت قرار دی جائے، اگر چہ اس پر صحت اجارہ کے لوازم صادق نہیں آتے؛ لیکن بالفرض جو لوگ اسے اجارہ کہتے ہیں تو پھر بھی جائز ہے کہ یہ ایجاب وقبول کی تلقین وتعلیم پر اجرت ہے، **ویجوز بالاتفاق الاستئجار علی تعلیم اللغة والأدب والحساب والخط والفقه والحديث ونحوها وبناء المساجد والقناطر والرباطات لانها ليست بفرض ولا بواجب وقد تقع قربة تارة وتارة غير قربة،** اور **"الصراح في اجرة الانكاح"** کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قاضی وغیرہ اس کے لیے مقرر ہیں اور باقاعدہ تنخواہ دار ہیں اور اگر اسے کچھ نہ دی جائے تو پھر وہ نکاح کی اجازت نہیں دیتے تو خزانۃ الروایات کا قول بھی اس قسم کے لوگوں پر صادق آتا ہے کہ وہ کام ان کی ذمہ داری ہوتی ہے اور باوجود اس کے ظلما وصولیاں کر رہے ہیں، لہٰذا خزانۃ الروایات کا قول عام ائمہ مساجد پر صادق نہیں آتا کہ وہ نہ اس کی تنخواہ لیتے ہیں اور نہ حکومت سے کوئی معاوضہ ملتا ہے، بخلاف قاضی کے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جس قاضی پر نکاح کی مباشرت لازم ہو، جیسے نکاح صغائر تو اس کے لیے اس نکاح پر کچھ لینا جائز نہیں اور اس کے علاوہ پر جائز ہے، **كما قال القاضي محمد بن الحسيني: ولا يحل للقاضي أخذ شيىء على النكاح إن كان نكاحاً يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر وفي غيره يحل.** (فتاویٰ انقرویہ: ۱/۳۵۱، فصل فی اجرة المشخص الخ)

مفتی کفایت اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: نکاح پڑھانے والے کو نکاح خوانی کی اجرت دینا جائز ہے اور نکاح خواں پہلے اجرت مقرر کرکے نکاح پڑھائے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کو مقرر شدہ اجرت جبرا وصول کرنے کا حق ہے۔ (کفایت المفتی ۵:۱۵۴، کتاب النکاح)

وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۴۶-۲۴۷)

ہے کہ امام صاحب اور موذن صاحب کو ہر آمدنی میں سے نصف نصف تقسیم کر دیتے ہیں، جب کہ تنخواہ میں بھی معمولی فرق ہوتا ہے، کیا انتظامیہ کمیٹی کا یہ فیصلہ درست ہے؟

(۴)　امام صاحب اور موذن کی تنخواہ اور دوسری آمدنی میں کیا تناسب رہنا چاہیے؟

(۵)　اگر ایک مسجد کے حلقہ کا نکاح دوسری مسجد کے امام صاحب پڑھادیں تو اس کا کیا حکم ہے، جب کہ دستور ہے کہ جس مسجد کے حلقہ میں شادی ہو، نکاح اسی مسجد کے امام صاحب پڑھاتے ہیں اور انہیں کچھ آمدنی کی توقع رہتی ہے۔

(نوٹ) امام صاحب کی لیاقت یہ ہے: حافظ، عالم فاضل دارالعلوم ہیں اور موذن صاحب: سادہ لوح حافظ، بعض مواقع پر ناظرہ بھی صحیح نہیں ہے۔

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱)　نکاح خوانی کی اجرت طرفین یعنی نکاح پڑھانے والے اور اس کو بلانے والے کی رضامندی سے لینی جائز ہے اور اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے؛ بلکہ جو بھی اجرت چاہیں آپسی رضامندی سے متعین کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم:۵/۱۵۱، جدید زکریا:۵/۱۴۶، امداد الفتاویٰ:۳/۳۷۲)

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه، كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (الهندية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، زكريا ديوبند:۳/۳۴۵، جديد زكريا:۳/۳۰۶)

(۲)　جو نکاح پڑھائے گا، وہ اجرت کا مستحق ہوگا، امام پڑھائے گا تو وہ مستحق ہوگا، اگر موذن پڑھائے گا تو وہ مستحق ہوگا، لہٰذا اگر امام صاحب نے نکاح پڑھایا ہے تو موذن کو دعوے داری کا حق نہیں اور اگر موذن نے پڑھایا تو امام کو دعوے داری کا حق نہیں۔

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل،الخ. (شامي،مطلب أنفق على معتدة الغير،زكريا:۴/۳۰۷، كراتشي:۳/۱۵۶)

(۳)　مسجد کی کمیٹی رمضان کے اخیر میں، یا کسی اور موقع سے جو رقم بطور انعام امام صاحب اور موذن صاحب کو دیتی ہے، جو امام اور موذن کی سالانہ آمدنی میں بھی شمار ہوتی ہے، وہ کمیٹی کی صواب دید پر موقوف ہے، چاہے نصف نصف تقسیم کرے، یا تناسب سے تقسیم کرے، ان کو اختیار ہے۔

وقف وقفين على المسجد،أحدهما على العمارة، والآخر إلى إمامه،أو موذنه، والإمام والموذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والموذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة،الخ. (شامي، كتاب الوقف،زكريا:۶/۵۵۱، كراتشي:۴/۳۶۰)

(۴)　امام اور موذن کی تنخواہ میں تناسب کا فیصلہ مسجد کے ذمہ داروں کی صواب دید پر ہے، وہ جس کے لیے جتنا چاہیں حسب مناسب تنخواہ متعین کر سکتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا،أو أحل حراما. (سنن الترمذي، باب الأحكام: ۲۵۱/۱، رقم: ۱۳۵۲)

(۵) نکاح پڑھوانے والے زوجین کے آدمی جس سے چاہیں نکاح پڑھوا سکتے ہیں، شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے، محلّہ کے ہی امام سے نکاح پڑھوانا ضروری نہیں ہے، لہٰذا دوسرے محلّہ کا امام آ کر کے بھی نکاح پڑھا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم:۱۵۱/۵، جدید زکریا:۱۴۶/۵، امداد الفتاوی:۳۷۲/۳، امداد المفتیین:۸۶۸/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۲۵/۳۹)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۶/۲۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ:۱۲/)

نکاح پڑھانے کی اجرت لینے کا حق کس کو ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت نکاح جو اجرت دی جاتی ہے، اس اجرت کو لینے کا مستحق قاری النکاح ہے، یا نائب قاضی؟ بحوالۂ کتب معتبرہ جواب تحریر فرما کر ماجور ہوں۔

الجواب

هو الموفق للصواب: معلوم رہے کہ حاکم وقوت اپنی جانب سے قاضیوں کو مقرر کیا ہے؛ اس لیے کہ اہل اسلام چاہتے ہیں کہ ہمارے نکاح کروانے کے لیے قاضی ہونا چاہیے اور لوگ قاضی اپنے آپ ہر جگہ نہیں جا سکتا ہے؛ اس لیے اپنی طرف سے نائب روانہ کرتا ہے، وہ خطبۂ نکاح اور ایجاب وقبول کرا کے اجرت مذکور لے کر قاضی کو پہنچا دیتا ہے، قاضی اس اجرت میں سے کچھ خود لے کر کچھ نائب کو دیتا ہے۔ پس اس رو سے نائب ہی مستحق اجرت ہے؛ لیکن سائل نے جو قاری النکاح لکھا ہے، اس سے کون مراد ہے؟ کیا لوگ قاضی، یا نائب قاضی کے سوا کسی اور کو صرف خطبۂ نکاح پڑھنے، یا خطبۂ نکاح اور ایجاب وقبول دونوں کے لیے مقرر کرتے ہیں، یا اہل مجلس میں سے کسی کو خطبۂ نکاح پڑھنے، یا خطبۂ نکاح اور ایجاب وقبول دونوں کرانے کی تکلیف دیتے ہیں۔ صورت اول میں اگر قاری کو بھی کچھ اجرت دینا مقرر کیا ہے تو دینا ہوگا وگرنہ نہیں، بدستور مکلّف مذکور بھی، اگر قاضی مذکور اور یہ مکلّف بلا تکلیف صاحب تقریب از خود خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرائیں تو اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے، جیسا کہ قواعد فقیہ اس پر دلالت کرے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص: ۱۲۸-۱۲۹) ☆

☆ برادری والوں کا نکاح خواں کی اجرت پانچ سو طے کرنے اور امام سے متعلق کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں مختلف برادریاں ==

اصل اور نائب امام میں سے اجرت نکاح کا مستحق کون:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں امام اور نائب امام دونوں متعینہ تنخواہ پر نماز پڑھاتے ہیں، مقررہ تنخواہ کے علاوہ کچھ آمدنی الگ سے ہوتی ہے، جیسے نکاح وغیرہ الگ سے جو آمدنی ہوتی ہے، وہ ساری اصل امام لیتے ہیں، موجودگی اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں اور نائب امام کو نہیں دیتے، نائب امام کہتے ہیں کہ امام صاحب کی عدم موجودگی میں جو آمدنی ہوتی ہے، وہ مجھے ملنی چاہیے، چوں کہ میں عدم موجودگی میں پابندی سے نماز پڑھاتا ہوں، لہٰذا وہ آمدنی جو امام صاحب کی عدم موجودگی میں ہوتی ہے، اس کے حق دار امام صاحب ہی ہوتے ہیں، یا نائب امام بھی؟ شرعی حکم کیا ہے؟

(المستفتی: محمد یونس فرید نگر، ٹھاکر دوارہ، مرادآباد)

== رہتی ہیں اور گاؤں کی ہر مسجد سے متعلق ہر ایک برادری کا ربط وضبط ہوتا ہے، علاقہ میں راعین برادری کی اکثریت ہے، اس برادری نے شادی بیاہ کے منکرات اور بے جا اسراف کو کنٹرول کرنے کے لیے میٹنگ جوڑ کر شادی سے متعلق جہاں دیگر مسائل کو حل کیا ہے، وہیں یہ بھی طے کیا ہے کہ نکاح خوانی کی اجرت بھی پورے علاقہ میں صرف ۵۰۰/روپئے ہوں اور یہ اجرت امام صاحب کی ہوگی، نکاح کوئی بھی پڑھائے، نیز امام صاحب کے تقرر کے وقت ذمہ داران مسجد یہ بات بھی مدنظر رکھتے ہوئے تنخواہ کی تعیین کرتے ہیں کہ اتنے نکاح ہوں گے، جس کی اتنی رقم ہوگی؛ اس لیے اتنی تنخواہ طے کرلو، اس مسئلہ پر ہمارے علاقہ کے علماء اتفاق نہیں کرتے؛ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق جتنے بھی جزئیات ہوں، ان سبھی کو بھی با حوالہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؛ تاکہ یہ مسئلہ ایک نزاع کی صورت اختیار نہ کرسکے۔

(المستفتی: محمد نوشاد تاراپور، پوسٹ بڑھاپور، بجنور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

انتظامی امور کے پیش نظر شادی بیاہ کے منکرات اور بے جا اسراف کو کنٹرول کرنے کے لیے کمیٹی نے جو نظام بنایا ہے جائز اور درست ہے؛ البتہ نکاح خوانی کی اجرت کا مستحق وہی ہوگا، جس نے نکاح پڑھایا، ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ نکاح کوئی بھی پڑھائے؛ مگر نکاح خوانی کی اجرت ہر صورت میں امام صاحب کو ملے گی، یہ شریعت کے خلاف ہے۔

إذا اجتمعا المباشر والمسبب أضيف الحكم إلى المباشر. (الأشباه والنظائر قديم:۲۳۷، جديد:۴۰۴)

كل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الاجرة عليه، كذا في المحيط، والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك، هكذا قالوا، كذا في البرجندي. (الفتاوى الهندية، قديم زكريا:۳/۳۴۵، جديد:۳/۳۰۶)

الدلالة في النكاح لا تستوجب الاجر، وبه يفتي الفضلي في فتاواه، وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتي. (الفتاوى الهندية قديم زكريا ديوبند: ۴/۴۵۱، جديد زكريا: ۴/۴۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۱۹/۴۱)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۵/۳ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

من جانب مسجد نائب امام کے لیے جو تنخواہ متعین ہے، اس کو وہی ملا کرے گی اور اصل امام صاحب کے لیے جو تنخواہ متعین ہے، ان کو بھی وہی ملا کرے گی، اصل امام کی عدم موجودگی میں نائب امام نماز پڑھانے کا مکلّف ہے؛ اس لیے اصل امام کی عدم موجودگی میں نائب امام کے نماز پڑھانے کی وجہ سے اس کو الگ سے کچھ نہیں ملے گا۔ اب رہی نکاح خوانی کی اجرت تو اصل امام کی موجودگی میں اصل امام پڑھایا کرے گا اور اس کی اجرت بھی اصل امام ہی کو ملے گی اور اصل امام کی عدم موجودگی میں نائب امام کو نکاح پڑھانے کا حق حاصل ہوگا اور نکاح خوانی کی اجرت بھی اسی کو لینے کا حق ہوگا، لہٰذا اس درمیان نائب امام جو نکاح پڑھائے گا، اس کی اجرت نائب امام کو ملے گی، نائب امام کے پڑھائے ہوئے نکاح کی اجرت اصل امام کو نہیں ملے گی۔

وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (عالمگيری، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما ينبغي للقاضي أن يفعل، زكريا ديوبند: ٣٤٥/٣، جديد: ٣٠٦/٣، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند: ١١/ ١١٩، رقم: ٥١٦٣٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي: ٢٣٣/١٢، رقم: ١٤٢٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۲ / صفر ۱۴۲۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۸۷۳۶/۳۷)

الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ، ۱۴۲۶/۲/۲۹ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح خوانی کی اجرت نکاح خواں کو دی جائے، یا محلّہ کے امام کو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے قصبہ میں ایک نکاح ہوا، لڑکی کے باپ نے نکاح جامع مسجد کے امام سے پڑھوایا، نکاح کی رسید بھی جامع مسجد کے امام نے ہی بنائی، لڑکے والوں نے نکاح کے پیسے گواہوں کے ہاتھ میں دے دئے، گواہوں نے وہ پیسے لے جا کر اس محلّہ کے امام کو دے دئے، انہوں نے رکھ لیے، جب کہ محلّہ کے امام نکاح کی مجلس میں حاضر بھی نہیں ہوئے تو کیا محلّہ کے امام صاحب کا ان پیسوں کو لینا جائز ہے؟ ان پیسوں کا شرعی اعتبار سے مستحق کون ہے؟

(المستفتی: حکیم مولانا محمد اسماعیل نزد جامع مسجد افضل گڑھ، بجنور)

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح کی اجرت کا مستحق وہی شخص ہے جس نے نکاح پڑھایا ہے؛ کیوں کہ یہ تو نکاح خوانی کی اجرت ہے، نہ کہ محلّہ کی مسجد کے امام کا حق، جس نے نکاح پڑھایا ہے نکاح کی اجرت اسی کے ہاتھ میں دینی ضروری تھی؛ لہٰذا وہ پیسہ جس کے ہاتھ میں بھی پہنچا ہو اس پر ضروری ہے کہ امانت سمجھ کر مستحق تک پہنچا دے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم: ۱۵۳/۵، جدید زکریا: ۱۴۶/۵)

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التأجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود

علیه، فإذا وجد أحد هذه الاشياء الثلاثة، فإنه يملكها. (عالمگيری، كتاب الإجارة، الباب الثانی فی متی تجب الاجرة، زكريا ديوبند: ٤١٣/٤، جديد زكريا: ٤٤٣/٤)

وكل نكاح باشره القاضی، وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار، والصغائر فلا يحل له أخذ الاجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الاجرة عليه. (عالمگيری، الباب الخامس عشر فی أقوال القاضی، وما ينبغی للقاضی أن يفعل زكريا ديوبند: ٣٤٥/٣، جديد: ٣٠٦/٣، المحيط البرهانی، كتاب القضاء، الفصل السابع عشر، المجلس العلمی: ٢٣٣/١٢، رقم: ٤٢٩٩، الفتاوی التاتارخانية، زكريا: ١١٩/١١، رقم: ١٥٦٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۹/۴/۱۴۲۷ھ (الف فتویٰ نمبر: ۸۹۸۳/۳۸) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

اعتراض بر جواب مذکور:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر نے آپ کے پاس ایک استفتاء بھیجا تھا، اس میں ایک سوال نکاح خوانی کی اجرت کے متعلق تھا، اس کا جو جواب آپ نے تحریر فرمایا ہے، محلّہ کے امام نے اس کو ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ سوال وجواب بغیر کسی شرط کے لکھا گیا ہے؛ اس لیے قابل اعتبار نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر محلّہ کا امام یہ طے کرلے کہ اس محلّہ میں جتنے نکاح ہوں گے، وہ وہی پڑھائے گا تو پھر اس محلّہ میں کسی دوسرے شخص کو نکاح پڑھانے کا حق نہیں ہے، اگر کوئی دوسرا شخص نکاح پڑھاتا ہے، تب بھی اجرت محلّہ ہی کے امام کو ملے گی، خواہ وہ مجلس نکاح میں شریک ہو یا نہ ہو تو کیا ان کی یہ بات درست ہے اور لڑکی یا لڑکے والے محلّہ کے امام سے نکاح پڑھوانے پر مجبور ہیں، یا کسی بھی شخص سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں، آپ نے جو جواب تحریر فرمایا ہے، اس کی فوٹو کاپی بھی ارسال خدمت ہے۔

(المستفتی: حکیم مولوی محمد اسماعیل متصل جامع مسجد، افضل گڑھ، بجنور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہم نے پچھلے سوال اور اپنے یہاں کے جواب کو بار بار پڑھ کر دیکھا ہے، الحمد ہمارا جواب صحیح ہے، بیاہ شادی میں لڑکی اور لڑکے والے آزاد ہیں، وہ محلّہ کے امام سے نکاح پڑھوائیں، یا کسی دوسرے ایسے عالم سے نکاح پڑھوائیں، جن سے ان کو عقیدت ہے، یا کسی دوست واحباب سے نکاح پڑھوائیں، ہر طرح کا اختیار ہے، اگر محلّہ کے امام کو مسجد کی کمیٹی نے نکاح خوانی کا بھی ذمہ دار بنایا ہے تو وہ مسجد کی کمیٹی اور امام تک محدود ہے، محلّہ کے لوگ اپنے نکاح پڑھانے میں مسجد کی کمیٹی کے تابع نہیں اور مسجد کی کمیٹی کو امور مسجد کے متعلق نظم کا اختیار ہے، محلّہ کے افراد پر نہیں، البتہ محلّہ کے لوگ اگر اپنی خوشی سے اس امام سے نکاح پڑھوانا چاہیں تو وہ ان کی خوشی ہے اور نکاح خوانی کی اجرت کا حق دار ہر حال میں وہی ہوتا ہے، جس نے خود نکاح پڑھایا ہے اور جس نے نکاح نہیں پڑھایا ہے، وہ نکاح خوانی کی اجرت کا مستحق

نہیں ہوتا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی: ۲/ ۲۶۸، محمودیہ ڈابھیل: ۱۷/ ۹۵، میرٹھ: ۲۵/ ۲۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۴/ رجب ۱۴۲۷ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۶۸) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

☆ نکاح خوانی کی اجرت کس کو ملے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے، یا نہیں؟ ایک شخص نکاح پڑھانے کے لیے مقرر ہے، وہ نہ ہو تو اس کی جگہ دوسرا شخص نکاح پڑھاتا ہے، اگر اجرت جائز ہے تو جس شخص نے نکاح پڑھایا ہے، اس کو اجرت ملے گی، یا جو پڑھانے کے لیے مقرر ہے، وہ اس کا مستحق ہے؟

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے اور اس کا مستحق وہی شخص ہے، جس نے نکاح پڑھایا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی: ۲/ ۲۶۸، خیر الفتاوی زکریا: ۴/ ۵۸۶، فتاوی محمودیہ ڈابھیل: ۱۷/ ۹۵، میرٹھ: ۲۵/ ۲۴۱)

والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك. (الهندية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر، زكريا: ۳/ ۳٤٥، جديد زكريا: ۳/ ۳۰٦)

ولا يحل له أخذ شيء على النكاح إن كان نكاحا يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر، وفي غيره يحل. (خلاصة الفتاوى، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، مكتبه أشرفي ديوبند: ٤/ ٤٨)

كل ما وجب على القاضي والمفتي لا يحل لهما أخذ الأجر به كنكاح صغير؛ لأنه واجب عليه وكجواب المفتي بالقول، وأما بالكتابة، فيجوز لهما على قدر كتابتهما؛ لان الكتابة لا تلزمهما. (شامی، قبيل كتاب الشهادات، كراتشي: ٥/ ٤٦١، زكريا: ٨/ ١٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ (الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۹) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح خوانی کی اجرت کا حقدار کون:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکتب ہے، جس میں بچوں کو تعلیم دینے کے لیے مکتب کمیٹی نے کچھ مدرس رکھے ہیں اور ان کو تنخواہ دی جاتی ہے اور گاؤں میں آئے دن شادیاں ہوتی رہتی ہیں، جس میں نکاح پڑھانے کے لیے قاضی کی ضرورت پڑتی ہے، مکتب کمیٹی نے مکتب کی آمدنی کی غرض سے نکاح کا رجسٹر چھپوا رکھا ہے، مکتب کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ وہ مدرس سے نکاح پڑھوا کر نکاح پڑھانے کا جو پیسہ ملے، اس کو مکتب کے اخراجات میں شامل کرلے تو آیا یہ پیسہ مکتب کے اخراجات میں شامل کرنا درست ہے، یا وہ پیسہ نکاح پڑھانے والے مدرسین کو ہی دینا ضروری ہے؟ (المستفتی: شکیل احمد ملک جھنڈے والی، دلپت پور، مرادآباد)

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح پڑھانے کی اجرت کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے، جو خود نکاح پڑھاتا ہے؛ کیوں کہ یہ نکاح پڑھانے کی اجرت ہے، لہٰذا نکاح پڑھانے والے مدرس کے اوپر نہ اس بات کا دباؤ ڈالنا درست ہے کہ وہ مدرسہ میں پیسہ جمع کرے اور نہ ہی اس پیسے کا مکتب کے اخراجات میں شامل کرنے کے لیے مطالبہ کرنا درست ہے، وہ پیسہ صرف نکاح پڑھانے والے کا حق ہے۔

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار، والصغائر، فلا يحل له أخذ الاجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الاجرة عليه. (عالمگیری، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، زكريا ديوبند: ۳/ ۳٤٥، جديد: ۳/ ۳۰٦، المحيط البرهاني، الفصل السابع عشر، المجلس العلمي: ۱۲/ ۲۳۳، رقم: ۱٤۲۹۹، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند: ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱٥٦۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۸۲) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ==

قاریٔ نکاح کو چاول وغیرہ دینا:

سوال: عقد نکاح کے وقت قاریٔ نکاح کو طرفین کی جانب سے چاول اور کھوپرا پیش کیا جاتا ہے، کیا قاریٔ نکاح کے لیے یہ چاول لینا جائز ہے؟ (محمد عبدالواحد، نیو پالونچہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اس کی حیثیت ہدیہ تحفہ کی ہے اور کسی بھی مسلمان کو ہدیہ دینا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ نکاح کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اگر پہلے سے اجرت کے طور پر یہ بات طے نہ ہو تو طرفین پر اس کا دینا واجب نہیں؛ اس لیے اسے لازم نہیں سمجھنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴؍۴۳۱-۴۳۲)

اجرت نکاح جبراً لینا کیسا ہے:

سوال (۱) نکاح خوانی کی اجرت جبراً لینا جائز ہے، یا نہیں؟

نکاح خوانی کے لیے ایک آدمی کو مقرر کرنا درست ہے، یا نہیں:

(۲) نکاح خوانی کے لیے شرعاً ایک شخص کو مخصوص کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟

== **گاؤں پنچایت والوں کا نکاح خوانی کی اجرت مقرر کرنا:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح خوانی کے موقع پر ہر گاؤں میں کچھ ذمہ دار یہ طے کر دیتے ہیں کہ مثلاً دو سو روپیہ دولہا، یا اس کے ولی سے لیا جائے اور اس متعین کردہ روپیہ میں سے کچھ روپئے قاضی کو دیتے ہیں، یہ مقدار ہر بستی والوں نے الگ الگ متعین کر رکھی ہے، قاضی الگ سے کوئی اجرت نہیں لیتا ہے اور کچھ روپئے مسجد اور کسی کار خیر میں خرچ کرتے ہیں، تو اس روپیہ کو قاعدہ بنا کر دولہا والوں سے وصول کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

(المستفتی: مسعود احمد)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

گاؤں پنچایت، برادری پنچایت نے اپنا یہ اصول بنا رکھا ہے اور ایسی صورت میں دولہا، یا اس کے ولی نہ دینا چاہیں تو ان پر دباؤ ڈال کر مقررہ رقم وصول کی جاتی ہے، یا رواج اور رسم سے مجبور ہو کر طوعاً وکرہاً بھی رقم دی جاتی ہے، اس کو حضرت تھانویؒ نے "امداد الفتاویٰ" میں ممنوع اور ناجائز لکھا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ: ۳؍۳۷۳)

نیز نکاح خوانی کی اجرت لینا تو جائز ہے؛ مگر یہ اجرت دولہن والوں کی طرف سے ہونی چاہیے؛ اس لیے کہ اسی کو وکیل، یا قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، دولہا کو نہیں؛ کیوں کہ وہ از خود ایجاب وقبول کرتا ہے یا اس پر لازم ہونا چاہیے، جو قاضی کو بلانے والا ہو، اگر دولہا کی طرف سے بلایا جائے تو وہ ادا کرے اور دولہن کی طرف سے بلایا جائے تو وہ اجرت ادا کرے؛ مگر ہر صورت میں دولہا سے وصول کرنا ممنوع ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ: ۳؍۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲؍۴۳۲۸) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲؍)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) جائز ہے اور جس قدر اجرت معروف ہے، وہ موافق قاعدہ " **المعروف کا لمشروط**" (۱) جبراً بھی لے سکتا ہے۔

(۲) ضروری نہیں ہے، انتظاماً اگر ایسا کیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۵/۷)

نکاح خوانی کی اجرت کا کچھ حصہ مسجد کو دینے پر مجبور کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں یہ دستور ہے کہ جب بھی کوئی نکاح ہوگا تو پانچ سو روپئے نکاح پڑھوانے والے کو ادا کرنے ہوتے ہیں، ان میں سے دو سو روپئے مسجد کو جاتے ہیں، بقیہ نکاح خواہ کو ملتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ دو سو روپئے مسجد کو دینا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجوابـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نکاح پڑھانے کے عوض ملنے والے پانچ سو روپئے پورے کے پورے نکاح پڑھانے والے کا حق ہیں، البتہ اگر وہ اپنی مرضی سے اس میں سے کچھ روپئے مسجد کو دے دے تو درست ہے اور مذکورہ بالا دستور کو نکاح خواں پر لازم کر کے نکاح خوانی کی اجرت میں کچھ مسجد کو دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: كنت آخذًا بزمام ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم في أوسط أيام التشريق،أذود عنه الناس،فقال: ... ألا! لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (الحديث)(مسند أحمد بن حنبل: ۷۲/۵، رقم: ۱۷۹۲۰)

وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الاجرة عليه. (الهندية، القضاء، الباب الخامس عشر، زكريا: ۳۴۵/۳، جديد: ۳۰۶/۳، خلاصة الفتاوى، مكتبه أشرفي ديوبند: ۴۸/۴)

ولا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال الغير بغير سبب شرعي. (الهندية،زكريا: ۱۶۷/۲، جديد زكريا: ۱۸۱/۲، شرح المجلة، مكتبة الإتحاد ديوبند: ۶۲/۱، رقم: ۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۱۰/۴۰) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/)

نکاح پڑھانے کے لیے حلقہ باٹنے اور اس کی اجرت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) شہر قاضی نہ ہونے کی وجہ سے قصبہ سیوہارہ کی ہر مسجد کا حلقہ تقسیم ہوا ہے؛ اس لیے ہر مسجد کا امام اپنے حلقہ

---

(۱) **قَالُوا: لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ.** (الأشباه والنظائر،المبحث الثاني:إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت، ص: ۸۱،دار الكتب العلمية بيروت،وكذا في النهر الفائق،باب النفقة: ۵۰۷/۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

میں نکاح پڑھاتا ہے اور اپنا پورا پورا حق سمجھتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی امام، یا برادری کی وجہ سے کہ میں ماہی گیر ہوں، یا منہار ہوں، یا ان کی برادری کا امام ہوں اور وہ دوسرے امام کی مسجد کے حلقہ میں جا کر نکاح پڑھا دے تو ایسے امام کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

(۲) اگر کوئی حافظ غریب ہو اور وہ تعلق کی بنا پر، یا عوام کو غریب بتلا کر کسی امام کے حلقہ میں جا کر نکاح پڑھا دے اور اس مسجد کے امام کا حق لے کر چلا جائے تو ایسے حافظ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(۳) مسجد کا متولی یا برادری کا چودھری دوسری مسجد کے امام کے حلقہ میں کسی اور سے نکاح پڑھوائے اور مسجد کا حق روپئے، یا سامان وغیرہ اس مسجد کو چھوڑ کر اپنی مسجد کے لیے لے جائے تو ایسے متولی، یا برادری کے چودھری کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

(المستفتی: عظمت علی آسامی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) ہندوستان میں مساجد کے جوائمہ ہوتے ہیں وہ صرف محراب کے مصلیوں کے حق دار ہوتے ہیں، اپنے مصلے کے علاوہ باقی کسی بھی چیز میں ان کا کوئی حق متعلق نہیں ہوتا ہے، ان کی اجازت کے بغیر ان کے مصلے پر کھڑے ہو کر دوسروں کو نماز پڑھانے کا حق نہیں ہوتا ہے، کوئی پڑھائے گا تو اعتراض کا حق ہوتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام کا حق مارا گیا اور نکاح پڑھانے میں محلّہ کے امام کا کوئی حق شرعی طور پر وابستہ نہیں ہوتا، لڑکے والے اور لڑکی والے کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس کے ذریعہ سے چاہیں پڑھوائیں، اس میں محلّہ کے امام، یا کسی اور کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں ہے، چاہے وہ اپنے ساتھ نکاح پڑھانے والے کو لائیں، یا کسی دوسرے محلّہ کے امام کو لائیں، ان کی اپنی مرضی ہے۔

نیز محلّہ میں اگر پنچایتی، یا وراثتی قاضی بھی موجود ہو تو اس کو بھی کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی نکاح پڑھانے میں شرعی طور پر اس کا کوئی حق متعلق ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم: ۱۷۸/۹، محمودیہ قدیم: ۱۶۱/۱۱، جدید ڈابھیل: ۵۹۴/۱، فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۷)

(۲) اگر مذکورہ حافظ نکاح پڑھائے گا تو شرعی طور پر اس حافظ نے اس محلّہ کے امام کا کوئی حق نہیں لیا ہے؛ کیوں کہ نکاح پڑھانے کے ساتھ امام کا کوئی حق متعلق ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ اپنا حق سمجھنے والے امام کے بارے میں شریعت جہالت کا فیصلہ کرے گی۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم: ۱۷۸/۹، جدید ڈابھیل: ۵۹۴/۱۰، فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۷)

(۳) نکاح خوانی کسی شخص، یا کسی امام یا کسی مسجد کی جاگیر نہیں ہے؛ بلکہ نکاح والے جس کے ذریعہ سے چاہیں

پڑھوا سکتے ہیں، شریعت ایسے متولی، یا چودھری کے بارے میں یہ فیصلہ کرے گی کہ انہوں نے صحیح عمل کیا ہے، ان کے اس عمل کو غلط کہنے والے خود غلطی پر ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ، ۲۰؍ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۷) (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/) ☆

☆ نکاح خوانی کی اجرت:

سوال: ہمارے یہاں نکاح میں قاضی صاحب سے لڑائی ہوگئی، وجہ یہ ہوئی کہ قاضی صاحب 500 روپے طلب کر رہے تھے اور ادھر سے 200 روپے دیئے جارہے تھے، انہوں نے لینے سے انکار کردیا اور قاضی نامہ بھی بنا کر نہیں دیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا نکاح پڑھانے کے لیے اجرت لینا دینا جائز ہے؟ آپ دلیل کے ساتھ جواب دیں، نوازش ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

نکاح خوانی پر اجرت کی گنجائش ہے؛ لیکن کوئی ایسی صورت نہیں ہونی چاہیے، جس سے آپس میں نزاع (جھگڑے) کا خطرہ ہو، جو بھی اجرت لینی ہو، وہ پہلے سے آپسی رضامندی سے طے کرلی جائے۔

الدلالة فی النکاح لا تستوجب الأجر وبه یفتی الفضلی فی فتاواہ وغیرہ من مشائخ زماننا یفتون بوجوب أجر المثل وبه یفتی. (عالمگیری) ومشائخ زماننا أفتوا بعدہ (لجواز) لأن معظم الأمر فی النکاح یقوم بالدلالة. (کذا فی فتاوی البزازیة علی هاهش الهندیة: ۵/ ۴۱، فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة: ۲/ ۳۲۷، کفایت المفتی: ۵/ ۱۵۳، ۷/ ۳۴۹، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۱۷/ ۹۸، امداد الفتاویٰ: ۲/ ۲۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دینی مسائل اوران کا حل، ص: ۲۲۵)

رشتہ طے کرا کے اجرت لینا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں آج کل بڑے بڑے شہروں میں مثلاً ممبئی، پونہ، ناسک وغیرہ میں انسانی زندگی بڑی مصروفیت کے ساتھ گزر رہی ہے، حتی کہ خاندانی رشتوں میں بھی ملاقات وروابط بہت کم ہوگئے ہیں، جس کی بنا پر لڑکے اور لڑکیوں کے رشتہ ڈھونڈنے میں بہت پریشانی ہوتی ہے؛ اسی لیے زید ایک ایجنڈ اور دلال کی حیثیت سے لڑکے اور لڑکیوں کے رشتہ لگوانے کا کام کرتا ہے اگر لڑکا اور لڑکی اوران کے خاندان والوں نے آپس میں ایک دوسرے کو پسند کرلیا اور آپس میں ان کا رشتہ طے ہوگیا تو فریقین سے پانچ پانچ ہزار روپیہ لیتا ہے اور اگر آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ لینے کے بعد رشتہ طے نہیں ہوا تو تب بھی زید فریقین سے دو دو ہزار روپیہ لیتا ہے؛ کیوں کہ فریقین سے بات کرنے اور آپس میں ایک دوسرے کو ملانے کے لیے زید کو اتنا وقت لگا ہے تو کیا زید کا رشتہ لگوانے کے لیے دلالی مع اجرت کے جائز ہے؟ رشتہ طے ہونے کی صورت میں زید کا فریقین سے رقم بطور اجرت کے لینا جائز ہے؟ رشتہ طے نہ ہونے کی صورت میں زید کا فریقین سے رقم بطور محنت کے لینا جائز ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائے بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اگر زید دونوں فریقوں کو آپس میں ملانے اوران کے درمیان معاملہ کرانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے تو شرعاً اس کے لیے رشتہ طے کرا کے پہلے سے متعین کردہ اجرت لینا شرعاً جائز ہے، بہ شرطے کہ کسی طرح کی غلط بیانی اور دھوکہ دہی سے کام نہ لے، اسی طرح رشتہ طے نہ ہونے کی صورت میں ہر فریق سے پہلے سے طے کر کے دو ہزار روپے وصول کرنے کی بھی صورت مسئولہ میں گنجائش ہے۔

قال فی التتارخانیة: وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل، وما تواضعوا علیه أن فی کل عشرة دنانیر کذا فذاک حرام علیهم، وفی الحاوی: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به وإن کان فی الأصل فاسدا لکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجة الناس إلیه کدخول الحمام وعنه قال: رأیت ابن شجاع یقاطع نساجا ینسج له ثیابا فی کل سنة. (الدر المختار ورد المحتار: ۹/ ۸۷، زکریا) نیز دیکھیں: امداد الفتاوی: ۳/ ۳۹۳، کراچی) واللہ تعالیٰ اعلم

(دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، سوال نمبر: 169699، فتویٰ نمبر: 755-130-8/1440)

طوائف کی آمدنی سے نکاح خوانی لینا:

سوال: قاضی کو طوائف سے ایسی صورت میں کہ اس کے پاس بجز مال حرام کے اور کچھ نہ ہو، حق نکاح خوانی لینا جائز، یا نہ؟

الجواب

حرام مال سے حق نکاح خوانی لینا بھی حرام ہے۔(۱) فقط

(مجموعہ رام پور، ص:۷) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۵۶)

نکاح میں بن بلائے بحیثیت نائب قاضی تناولِ طعام کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کی مجلسوں میں بن بلائے اور بلا دعوت دیئے، جبرا بحیثیت نائب قاضی، یا قاری النکاح مداخلت کرنا اور بعدی نکاح وہاں پر طعام تناول کرنا شرعا درست ہے، یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب

هو المصوب: اگر عرف میں نائب قاضی اور قاری النکاح کو کھانا کھلانا مقرر ہے تو بحکم قاعدۂ فقیہ **"المعروف کالمشروط"** (۲) جائز ہے، ورنہ طفیلی کا حکم رکھتا ہے، اس میں صاحب خانہ کو اختیار ہے کہ کھلائے، یا نہ کھلائے، کھلایا تو ثواب پائے گا، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالوہاب کان اللہ لہ (فتاویٰ باقیات صالحات، ص:۱۲۹)

☆ ☆ ☆

(۱) عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَیُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ إِلَّا طَیِّبًا، وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِینَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِینَ، فَقَالَ: ﴿یَا أَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا، إِنِّی بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیمٌ﴾(المؤمنون: ۵۱)وَقَالَ: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾(البقرة: ۱۷۲) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ یُطِیلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، یَمُدُّ یَدَیْهِ إِلَى السَّمَاءِ، یَا رَبِّ، یَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى یُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟(صحیح لمسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطیب، رقم الحدیث: ۱۰۱۵، انیس)

(۲) قَالُوا: لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ. (الأشباه والنظائر، المبحث الثانی: إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت، ص: ۸۱، دار الكتب العلمیة بیروت، انیس)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، وما لکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد / مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر و اشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش و دیگر مفتیان	شعبۂ نشر و اشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۱)	نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲)	خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲

(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلرا اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس، لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳، لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبدالحئ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحئ نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
(۴۴) کتاب النوازل	مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۴۵) نجم الفتاویٰ	مفتی سید نجم الحسن امروہوی	شعبہ نشرواشاعت جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن، نارتھ کراچی
(۴۶) فتاویٰ فلاحیہ	حضرت مولانا مفتی احمد ابراہیم بیماتؒ	حافظ اسجد بن مفتی احمد ابراہیم بیمات، کینیڈا
(۴۷) فتاویٰ دینیہ	حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل کچھولویؒ	جامعہ حسینہ راندیر، سورت، گجرات

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
	﴿قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)﴾		
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۴)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۵)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۶)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۷)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد محلی / جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان سیوطی	۸۶۴ھ/۹۱۱ھ
(۸)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۹)	شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی	شیخ زادہ، محی الدین بن مصطفیٰ مصلح الدین القوجوی	۹۵۱ھ
(۱۰)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۱)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۲()	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۳)	التفسیر المنیر	وھبہ بن مصطفیٰ الزحیلی	۱۴۳۶ھ
	﴿عقائد (مع شروحات)﴾		
(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	أبوالمعین علی ہامش شرح العقائد	ابوالمعین میمون بن محمد بن محمد بن معتمد بن محمد ابن مکحل۔ الفضل النسفی المکحولی	۵۰۸ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۰)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات

﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۲۱)	مسند ابو حنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابو حنیفہ،نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۲)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۹)	مسند الشافعی بترتیب السندی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۳۰)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبد مناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۱)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۲)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۳)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۴)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۵)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۶،۳۷)	مصنف ابن ابی شیبہ رمسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۸)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۹)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۰)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۱)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۲)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۴)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشا فوری	۲۶۱ھ
(۴۵)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۶)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۴۷)	سنن ابوداؤد/مراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۸)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۹)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۰)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۵۱)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۲)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۳)	السنۃ	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۴)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۵)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۶)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۷)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۸)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۹)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۰)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۶۱)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۶۲)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۳)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۴)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۵)	التوحید	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۶)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۷)	مسند السراج/حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۸)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۹)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۰)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۱)	مکارم الأخلاق/مساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۷۲)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۷۳)	معجم ابن الأعرابي	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۴)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۵)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۶)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۷)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۸)	عمل الیوم واللیلة	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۹)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۰)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۱)	شرح مذاھب أھل السنة	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۲)	الإبانة الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطة	۳۸۷ھ
(۸۳)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۴)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسافوری	۴۰۵ھ
(۸۵)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۶)	شرح أصول اعتقاد أھل السنة والجماعة	ابوالقاسم ھبة اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۷)	حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۸)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۹)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	۴۳۰ھ
(۹۰)	مسند الشھاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامة بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۱)	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	معرفة السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۴)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۵)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۶)	تفسیر غریب مافی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۷)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسر و الدیلمی الھمدانی	۵۰۹ھ
(۹۸)	شرح السنة	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۹۹)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۰۰)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰۱)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۲)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۳)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۴)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۵)	الجوھر النقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المار دینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۶)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۷)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۸)	البدر المنیر مختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۰۹)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۱۰)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۱)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۲)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۳)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۴)	الجامع الصغیر/الفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۵)	تنویر الحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۶)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۷)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۱۸)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۱۹)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۲۰)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۱)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۱۲۲)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہرالدین الزیدانی الکوفی الضریرالشیر ازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۳)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۴)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۵)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۶)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۷)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۸)	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۹)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۳۰)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۱)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۲)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۳)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۴)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۵)	ارشادالساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۶)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۷)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۸)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۹)	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۰)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۴۱)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۲)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۳)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۴)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۵)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۶)	مظاہر حق	نواب قطب الدین خاں دہلوی	۱۲۸۹ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴۷)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۸)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۹)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۰)	حاشیہ حصن حصین	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۳)	عون الباری لحل أدلۃ البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۵۲)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۳)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۴)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۵)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابو الطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۶)	المنھل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۷)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۸)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۹)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابو العلی عبد الرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۶۰)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۶۱)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۶۲)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۳)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۴)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابو الحسن عبید اللہ بن بن محمد عبد السلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۵)	سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۶)	منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۶۷)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۶۸)	البحر المحیط الثجاج فی شرح صحیح المسلم	محمد بن علی بن آدم بن موسی الإتیوبی الولوی	--

سیرت وشمائل

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۶۹)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۷۰)	سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۷۱)	لمواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۲)	شرح المواھب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
		﴿کتب فقہ احناف﴾	
(۱۷۳)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۴)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۵)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۶)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷۷)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۸)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۷۹)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۸۰)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۸۱)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۲)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۳)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۴)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۵)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبد العزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۶)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۸۷)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۸)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۸۹)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۰)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۱)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۹۲)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۹۳)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۴)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۵)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۷)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۹۷)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۹۸)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۱۹۹)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۰۰)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۱)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۲)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۰۳)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۰۴)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۵)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۶)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۰۷)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۸)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۹)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۱۰)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۱۱)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۱۲)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۳)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۴)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۵)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۶)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۱۷)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۱۸)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۱۹)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۰)	الصغیری/الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۱)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲۲)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۲۳)	المسالک فی المناسک	،ابو منصور محمد بن مکرم بن شعبان الکرمانی الحنفی	بعد: ۹۷۵ھ
(۲۲۴)	المنسک المتوسط المسمی لباب المناسک	رحمۃ اللہ بن عبد اللہ السندی المکی الحنفی	--
(۲۲۵)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۶)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۲۷)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۲۸)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۹)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۰)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۳۱)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۳۲)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۳)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۴)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۵)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبد الرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۶)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۳۷)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۳۸)	الفتاویٰ الأسعدیۃ	سید اسعد بن ابوبکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶ھ
(۲۳۹)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۴۰)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۱)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۲)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۴۳)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۴۴)	رد المحتار حاشیۃ الدر المختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۵)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۶)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۷)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۴۸)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۹)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۵۰)	غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملھوری/مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	۱۲۷۱ھ/--
(۲۵۱)	التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۵۲)	جواہر الإخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر بن محمد بن الحسین الاخلاطی الحسینی	--
(۲۵۳)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جاراللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۵۴)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۵۵)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۶)	السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۷)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۸)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۹)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۰)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۱)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۲)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۳)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۴)	علم الفقہ	عبدالشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۶۵)	الفتاویٰ الکاملیۃ فی الحوادث الطرابلسیۃ	محمد کامل بن مصطفیٰ بن محمود الطرابلسی الحنفی	۱۳۱۷ھ
(۲۶۶)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۶۷)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۶۸)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۶۹)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۷۰)	بہشتی گوہر/بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۱)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۲)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۳)	ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	۱۳۶۶ھ
(۲۷۴)	جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع دیو بندی	۱۳۹۶ھ
(۲۷۵)	دینی مسائل اوران کاحل	مولانا مفتی سلمان منصور پوری	مدظلہ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۶)	المدونۃ الکبری	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۷۷)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۷۸)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۷۹)	بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد	ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد	۵۹۵ھ
(۲۸۰)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۸۱)	المجموع شرح المھذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۲)	المقنع رالشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۸۳)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۴)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۵)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۸۶)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۸۷)	الشرح الکبیر علی مختصر خلیل	احمد دردیر، احمد بن احمد بن أبی حامد العدوی المالکی الأزہری الخلوتی	۱۲۰۱ھ
(۲۸۸)	حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر	محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی	۱۲۳۰ھ

﴿فقہ مقارن﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۹)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۹۰)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۹۱)	الموسوعۃ الفقھیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

﴿اصول فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۲)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۲۹۳)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۹۴)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحيٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۵)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۲۹۶)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۹۷)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۹۸)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۲۹۹)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۳۰۰)	نورالانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۳۰۱)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۲)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ

﴿تزکیہ واحسان﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۳۰۳)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۰۴)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی	۵۰۵ھ
(۳۰۵)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۶)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۰۷)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۰۸)	الزواجر عن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ

﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۳۰۹)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۱۰)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۱۱)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۲)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۳)	کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم	محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی التھانوی	۱۱۵۸ھ
(۳۱۴)	نوراللغات	مولوی نورالحسن نیر	۱۳۵۵ھ
(۳۱۵)	تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف	محمد بن احمد بن الضیاء محمد القرشی العمری المکی الحنفی	۱۳۸۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۶)	التعریفات الفقهية	محمد عمیم الاحسان المجد دی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۱۷)	غیاث اللغات	مولوی غیاث الدینؒ	--
(۳۱۸)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدینؒ	--

﴿متفرقات﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۹)	منازل الأئمة الأربعة أبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد	ابوزکریا یحی بن ابراہیم بن احمد بن محمد ابوبکر بن ابی طاہر الازدی السلماسی	۵۵۰ھ
(۳۲۰)	ماثبت من السنة	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۱)	کتاب آداب الصالحین	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۲)	حجة الله البالغة	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۳)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۲۴)	انوار ساطعہ	علامہ عبدالسمیع بیدل رامپوری	--
(۳۲۵)	براہین قاطعہ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۳۲۶)	انوار نبوت	مولانا شبیر احمد قاسمی مرادآبادی	مدظلہ

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند، جلد-۲۴'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)